مکمل اور طویل ترین حیرت انگیز داستان

رولوکا

8

تحریر: اے وحید

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف مکمل سلسلہ اور طویل ترین داستانِ حیرت

قسط نمبر 83 سے قسط نمبر 95 تک

نمبر 8

رولوکا

پراسرار قوتوں کا مالک

تحریر: اے وحید

ڈر پبلی کیشنز
کتاب مارکیٹ لیوارڈ و بازار کراچی
Ph:32744391

نام کتاب	رولوکا نمبر ⑧
تحریر	اے وحید
ناشر	ڈر پبلی کیشنز
پرنٹر	خالد پرنٹرز
قیمت	150/-

اسٹاکسٹ

آپ کے اپنے شہر میں

رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ فریئر روڈ کراچی	زر باغ نیوز ایجنسی چوک یادگار پشاور
گلزار نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ لاہور	اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
مہران نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ حیدر آباد	الفتح نیوز ایجنسی مہران مرکز سکھر
الشیخ نیوز ایجنسی حسن پروانہ کالونی ملتان	کامیاب بک ڈپو اردو بازار کراچی
انصاری بکسٹال پرنس روڈ کوئٹہ	پاکستان نیوز ایجنسی آزاد روڈ سرگودھا

نیو ملک افتخار برادرز نیوز ایجنٹ

دکان نمبر 8 عرفات بزنس سنٹر کچہری بازار فیصل آباد

رولوکا ⑧

حکیم وقار اپنے مطب میں خاموش بیٹھے تھے جنہیں دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''حکیم صاحب کیا بات ہے بہت خاموش بیٹھے ہیں؟''

رولوکا کی بات سن کر حکیم وقار مسکرائے اور بولے۔ ''بیٹھیے؟''

کرسی کھینچ کر رولوکا بیٹھ گیا اور بولا۔ ''آپ نے جواب نہیں دیا، میرا سوال یہ ہے کہ ''اس وقت آپ بہت زیادہ خاموش لگ رہے ہیں؟''

''دراصل بات یہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے سامنے سڑک پر ایک سائل جا رہا تھا۔ یہ بولتا ہوا ''سامان سو برس کا ہے اور پل کی خبر نہیں!''

بس یہی بات میرے دماغ میں گردش کر رہی ہے کہ بات تو بالکل حقیقت ہے۔ دنیا میں انسان ہوش سنبھالتے ہی اور اپنے حالات پر قابو پاتے ہی زیادہ سے زیادہ دھن دولت جمع کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اکثر اوقات وہ بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے؟ کاش کہ انسان اپنے لئے متعین کردہ حدود میں رہے، اپنی ذات کے لئے اس قدر تگ و دو کرے جتنی کہ اس کی جائز ضروریات ہیں۔ مگر ایک انسان ایسا نہیں کرتا، دنیا میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو کہ اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا حق مارتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ بالکل بھی نہیں ہچکچاتے اور پھر انتہائی قدم اٹھا بیٹھتے ہیں۔

جب ایک فرد کی شادی ہوتی ہے تو پھر وہ اپنی بیوی بچوں کی ذات کے لئے مال اور دھن دولت جمع کرنا شروع کر دیتا ہے اور یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ دوسروں کے بچوں کا حق مار کر اپنے بچوں کے لئے جمع کرتا ہے۔ وہ ایسا یوں کرتا ہے کہ وہ زور آور ہوتا ہے، اس کے پاس طاقت ہوتی ہے، اس کے پیچھے دوسرے لوگ اس کی مدد کرنے والے ہوتے ہیں، دوسرے لوگ اس کی خود غرضی اور مطلب پرستی کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ ظالم اور غاصب شخص ان کی بھی تھوڑی بہت مدد کرتا ہے جو لوگ اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظالم شخص اپنے خونی رشتوں کا بھی خیال نہیں کرتا بلکہ اپنے بھائی کے مال پر بھی قبضہ جما لیتا ہے۔ اپنی طاقت کے زور پر لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا ہے، رات تو رات دن کے اجالے میں بھی خون خرابے سے دریغ نہیں کرتا۔

اور جب وہ حکمرانی کے مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو اسے کھلی چھٹی ہوتی ہے کہ چاہے وہ جو کچھ بھی کرے، ایک تن تنہا شخص چونکہ وہ حکمران ہوتا ہے، اپنا حکم بے شمار لوگوں پر صادر کر دیتا ہے اور بے شمار لوگ ایک شخص کے حکم پر سر خم کر دیتے ہیں۔

اکثر حکم صادر کرنے والا جنونی ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے لگتا ہے، اپنی رعایا اپنے ملک کی بقا اور حفاظت کے لئے جائز باتیں بھول کر ناجائز قدم اٹھا بیٹھتا ہے۔

حق باتیں کرنے والوں کو دشمن گردانتا ہے، اس کی

کوشش ہوتی ہے کہ حق باتیں کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کردے اور پھر وہ ان لوگوں پر تہمتیں لگا کر غداری کا لیبل چسپاں کر دیتا ہے، وہ دوسرے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکا دیتا ہے، لوگ اس مرد حق کے دشمن بن جاتے ہیں اور پھر اس مرد حق کی گردن جسم سے جدا کردی جاتی ہے۔

ایک ظالم اور جابر انسان محافظ کے روپ میں اپنی تجوریاں بھرنے لگتا ہے خود کو رات دن عیش و آرام میں مبتلا کرلیتا ہے۔ انصاف پسند اور کمزوروں پر جنگیں مسلط کردیتا ہے۔ اپنی طاقت اور برتری کے زعم میں شب خون مارنے سے بھی نہیں رکتا، راتوں رات خون کی ندیاں بہا دیتا ہے، خواتین بچوں اور بوڑھوں کو روندیا جاتا ہے۔ لوگ سسکتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں، آنسوؤں کا سمندر اس کے سامنے بہنے لگتا ہے مگر پھر بھی اس ظالم کو رحم نہیں آتا بلکہ اس کا جنون اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مرتا دیکھ کر وہ خوش ہوتا ہے۔

حکمرانی، دولت، شہرت اور ہوس کا متوالا کبھی یہ نہیں سوچتا کہ وہ دوسروں کے ساتھ کس قدر انسانیت سوز ظلم کررہا ہے۔

جذبات کو بھڑکانے والے نعروں سے لوگوں کو مشتعل کردیا جاتا ہے۔ ایک شخص کا فیصلہ سب لوگ ماننے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کسی ایک میں بھی حکم عدولی کی طاقت نہیں بچتی، اور اگر کوئی ہمت کر کے کبھی کبھار حق کی بات کر بھی دیتا ہے تو اس پر غداری کا الزام لگا کر اسے راستے سے ہٹادیا جاتا ہے۔

ایک حکمران ہوتا ہے اور چند اس کے ساتھی ہوتے ہیں اور پھر وہ چند افراد مل کر پورے ملک اور پوری عوام کا بیڑہ غرق کردیتے ہیں، لوگوں کی رات کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، لوگ پیٹ بھر کر کھا بھی نہیں سکتے، ٹیکس، لگان اور دیگر چیزوں کے لئے عوام کی زندگی اجیرن کردی جاتی ہے، ملک کی معیشت تباہ کردی جاتی ہے، لوگ اذیت سے دوچار کردیئے جاتے ہیں، لوگ آرام سکون کے لئے ترسنے لگتے ہیں، مگر قوم و ملک کے حکمران عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔

حق کی بات کرنے والوں کی زبان کاٹ دی جاتی ہے، فریاد کرنے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے اور ہم خیال لوگوں کو مراعات سے نواز دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو نوازا جاتا ہے وہ لوگ ہر جائز کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ملک میں ظالم دندناتے پھرتے ہیں، وہ خدا کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

انصاف کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں مگر انہیں دوسروں کا خیال نہیں آتا۔ مگر ایسے ظالم کو یہ یاد نہیں رہتا کہ بہت کم وقت میں اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے، ایک پل میں اس کے جسم کا سانس رک جائے گا اور وہ منوں مٹی تلے دبادیا جائے گا۔ دنیا میں جتنا دھن دولت اس نے جمع کیا ہے سب کچھ یہیں رہ جائے گا، صرف تین گز کفن کا ٹکڑا اس کے حصے میں آئے گا۔ کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس دنیا سے جانے والا کفن سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ اب اگر کوئی اس ظالم اور مال دولت جمع کرنے والے سے پوچھے کہ تو نے تو اپنی زندگی میں دوسروں کا حق مار کر نہ جانے کتنا کچھ جمع کیا اور اپنے ساتھ کیا لے جارہا ہے۔"

حکیم صاحب آپ کی باتیں سو فیصد درست ہیں، اگر انسان ذرا بھی ان باتوں پر سنجیدگی سے غور کرے تو ایسا ظلم کا پہاڑ دوسروں پر نہ توڑے، غفلت میں پڑنے والوں کو ضرور سوچنا چاہئے کہ دین و دنیا کا حکمران اوپر بیٹھا ہے جو کہ بہت بڑا منصف ہے، وہ ہر انسان کے کرتوت کو نوٹ کررہا ہے ظاہری تو ظاہری بلکہ وہ دل کی بات بھی جان لیتا ہے۔

ایک انسان اپنے عمل سے دنیا میں غافل رہتا ہے لیکن مرنے کے بعد صرف وہ اپنا عمل لے کر جاتا ہے، ظالم اور بے انصاف لوگوں سے دنیا میں بھی لوگ نفرت کرتے ہیں اور جب وہ مرجاتا ہے تو اس کی موت کے بعد بھی لوگ اسے برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس کے لئے

بد دعائیں کرتے ہیں، اور اچھے لوگوں کے لئے لوگ دعائیں کرتے ہیں، اپنے مذہب اور طریقے سے صدق دل سے یاد کرتے ہیں اور ظالموں کے لئے نفرت کے بول بولتے ہیں۔" رولوکا بولا۔

حکیم وقار نے رولوکا سے کہا۔ "ہمارا مذہب امن و شانتی کا درس دیتا ہے۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں بلکہ انسان کی بڑائی اس کے عمل سے ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پیار و محبت کا درس دیا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ لوگوں کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ دھن دولت اور امارت سے کسی کی بڑائی نہیں بلکہ بڑائی ہے تو صرف اور صرف عمل سے ہے۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے ہر بات کھول کھول کر بتادی ہے۔ اب انسان پر لازم ہے کہ وہ قرآن میں بیان کردہ قانون کے مطابق اپنی زندگی گزارے، اگر ایک انسان قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جہانوں میں سکون ہے اور اگر کوئی قرآن کی باتوں سے انحراف کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے اور گنہگار کی سزا "جہنم کی آگ ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں واضح فرمادیا ہے اور یہ خطبہ رہتی دنیا تک مشعل راہ ہے۔ آخری خطبہ جسے پڑھ کر قیامت تک مسلمانوں کے دل، ایمان سے منور ہوتے رہیں گے، یہ خطبہ آپ نے 9 ذی الحجہ، 10 ہجری کو دیا۔

☆ لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور عزتیں یقیناً ایک دوسرے کے لئے اس طرح احترام کے لائق ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر اور اس مہینے کا احترام کرتے ہو۔

☆ تمہیں عنقریب اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اللہ تم سے تمہارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا۔

☆ لوگو! عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تم پر عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ کیونکہ اللہ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال کیا ہے۔

☆ اپنی امانتوں میں دیانت دار رہو گناہ سے بچتے رہو، سود حرام ہے، آج کے بعد مقروض صرف اصل ادا کرے گا اور سب سے پہلے میں خود اپنے خاندان سے عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

☆ زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں خود ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔

☆ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اور اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جو تم معاف نہ کرسکو تو ان کو خود سے جدا کردو کیونکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں اور ظلم کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔

☆ لوگو! میری بات غور سے سنو، جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا بھائی کا خون بھائی پر حرام ہے، جو چیز ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرا نہیں لے سکتا، جب تک وہ خود بخوشی اسے نہ دے، اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو۔ کسی گورے کو کسی کالے پر کسی کوئی برتری نہیں۔ بلکہ ہر کوئی اپنے نیک عمل سے بڑا ہے۔

☆ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں، یہ الفاظ پہنچا دیں۔ ممکن ہے وہ لوگ جو موجود نہیں، وہ زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔

☆ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا۔ "لوگو! کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟"

☆ ہر شخص نے جواب دیا۔ "ہاں! پہنچا دیا۔"

☆ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا اور اثبات میں جواب سن کر آسمان کی طرف منہ کرکے فرمایا۔

☆"اے اللہ! گواہ رہنا، میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا اور اپنے کام کو پورا کر دیا۔"

یہ سن کر ردلوکا بولا۔ "حکیم صاحب، اگر انسان ان باتوں پر سنجیدگی سے غور کرے تو اس کی زندگی میں سکون ہی سکون ہو، کوئی کسی اذیت سے دوچار نہ ہو، لوگوں میں بھائی چارے کی فضا پیدا ہو جائے، ہر آدمی سکھ کی نیند سوئے اور چین کی غذا کھائے، لیکن زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو ہوس کے غلام بن بیٹھے ہیں۔

انسان کو جانوروں سے سبق سیکھنا چاہئے کہ جب کسی درندے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ کسی اور جانور کی طرف شکار کی غرض سے دیکھتا ہی نہیں، مگر انسان کے پاس ضرورت کی تمام چیزیں ہوتے ہوئے بھی انسان اور کے چکر میں پڑ جاتا ہے اور پھر جب آدمی وقت آتا ہے تو وہ اپنی جمع کی ہوئی چیزوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے لیکن وہ مجبور ہوتا ہے، ان چیزوں کو چھو بھی نہیں سکتا۔ اس کی جمع کی ہوئی چیزوں سے دوسرے عیش و آرام کرتے ہیں، انسان کو اپنی اصلیت پہچاننی چاہئے......"

ردلوکا بول کر خاموش ہو گیا۔

حکیم وقار بولے۔ "آپ کی بات بالکل درست ہے۔ کاش! کہ انسان اپنی موت کے متعلق سوچے اور یہی حقیقت ہے۔ "سامان سو برس کا ہے اور پل کی خبر نہیں۔"

ہاں! یاد آیا کہ ایک صاحب شانتی پور سے آئے تھے۔ بہت پریشان تھے، آپ ان کی پریشانی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ باتیں کرتے کرتے وہ آبدیدہ ہو گئے تھے، میں نے آپ کا حوالہ دیا تھا۔ ان کے گاؤں میں کچھ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ جو سمجھ سے باہر ہیں۔ شام پانچ بجے تک آپ کا انتظار کیا، میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ حکیم کامل کسی اہم مسئلے کی وجہ سے گئے ہوئے ہیں اور اس قسم کے مسائل وہی حل کرتے ہیں، وہ چلے تو گئے مگر یہ بول گئے کہ میں پرسوں پھر خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔" حکیم وقار نے کہا۔

"ٹھیک ہے حکیم صاحب جب وہ آئیں گے تو ان کے مسائل سن کر سوچیں گے۔" ردلوکا نے کہا۔

☆......☆......☆

دلی سے شانتی پور آٹھ کوس کے فاصلے پر تھا۔ بہت ہی سرسبز و شاداب قصبہ تھا۔ جدھر نظر اٹھ جاتی ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی۔ بیک وقت اس علاقے میں کئی چشمے بہتے تھے۔ ہر قسم کے پھلدار درختوں سے علاقہ بھرا پڑا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں لوگوں کو مست کر دیتی تھیں۔ اس علاقے کے لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کوئی بھی گھر ایسا نہ تھا جو کہ خوشحال نہ ہو۔ اس علاقے میں تمام تر غلے ضروریات زندگی کے لئے وافر مقدار میں پیدا ہوتے تھے۔ ساگ سبزی کی بہتات تھی۔ ہر کوئی اپنی ضرورت کے مطابق سبزیاں لگاتا تھا۔ مچھلیاں زیادہ تعداد میں ملتی تھیں۔ کھجوروں کے بڑے بڑے پیڑ جن پر گچھے کے گچھے لگے ہوئے پیلے پیلے اور سرخ کھجور بہت ہی دلکش منظر پیش کرتے، جگہ جگہ آموں کے پیڑ پر کچے پکے ہوا کے دوش پر جھولتے ہوئے آم دل کو خوش کرتے، خوشنما اور مزیدار بیروں کے پیڑ دل کو لبھاتے، چشمے میں صاف و شفاف میٹھے بہتے ہوئے پانی دل کو فرحت بخشتے، لہلہاتے ہوئے کھیت جن میں کھلے ہوئے سرسوں کے پیلے پھول دل میں عجیب طرح کے کسک پیدا کرتے، تاحد نظر پورا علاقہ پیلا ہی پیلا نظر آتا جنہیں دیکھ کر لوگ پھولے نہ سماتے تھے۔

پورا علاقہ خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ علاقے کے لوگوں میں محبت ہی محبت تھی۔ گاؤں والوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایسا علاقہ ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کبھی کسی کی آپس میں لڑائی تو لڑائی بلکہ تو تو میں میں بھی نہیں ہوئی۔ سب لوگ آپس میں شیر و شکر تھے۔

اگر کوئی مہمان اس گاؤں میں آجاتا تو اس دلکش نظارہ گاؤں سے جانے کا دل نہیں کرتا دوسرے گاؤں والوں کی خواہش ہوتی تھی کہ شانتی پور والوں سے ہمارا رشتہ قائم ہو جائے اور یہ رشتہ داری لڑکے لڑکیوں کی شادی سے ہی ہو سکتی تھی۔ اس علاقے سے ایک سڑک گزرتی تھی جب دور دراز کے لوگ اپنی اپنی گاڑیوں پر اس علاقے

سے گزرتے تو کئی جگہ اپنی گاڑی کو روک کر کھڑے ہو جاتے اور پھیلے ہوئے دلکش مناظر میں کھو جاتے تھے۔ جب ان کا دل بھر جاتا تو پھر آگے کو بڑھتے تھے۔

کئی جگہ پر تھوڑے بہت کھانے پینے اور چائے پانی کے ہوٹل بھی تھے۔ ہوٹلوں میں بہت ہی مزیدار اور سواد کے کھانے ملتے تھے۔ اصلی دودھ کی چائے تو لوگوں کو جکڑ لیتی تھی۔ لوگ ایک کپ کے بجائے کئی کئی کپ پیتے تھے۔ تلی ہوئی مچھلیاں، مکئی کی گرما گرم روٹی، سرسوں کے ساگ کے ساتھ اور پھر مزیدار لسی لوگوں کے دلوں میں عجیب سرور پیدا کر دیتی تھی۔

اس گاؤں میں کبھی بھی چوری چکاری کا کوئی ادنیٰ سا بھی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ رات دن لوگوں کے دروازے کھلے رہتے تھے، گاؤں میں اکثر جوان الہڑ دوشیزائیں ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی نظر آتی تھیں۔ جھرمٹ کے جھرمٹ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ اٹکھیلیاں بھرتی ادھر سے ادھر اٹھلاتی ہوئی گھومتی پھرتی تھیں لیکن مجال ہے کہ کوئی ان پر غلط نگاہ ڈالے۔

دن کی پو پھوٹتے ہی مرد حضرات کام کے لئے اپنے اپنے کھیتوں میں چلے جاتے۔ اپنے اپنے کھیت میں کام کے علاوہ گاؤں والے دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔ وہ سب مل ملا کر ایک دوسرے کے کھیت میں کام کرتے اور اس طرح ایک دوسرے کی مدد ہوتی رہتی تھی۔

گاؤں میں ہندو مسلمان دونوں رہتے تھے دونوں مذہب والے ایک دوسرے کو چھیڑتے نہیں تھے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے تہواروں میں خوش ہوتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے چوپالوں میں بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ اگر کوئی بھی گھمبیر مسئلہ درپیش ہوتا تو سارا گاؤں سر جوڑ کر بیٹھ جاتا اور اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جاتا تھا۔

جوان لڑکے لڑکیوں کے معاملے میں کبھی بھی کوئی نازیبا بات سامنے نہیں آتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک بدمعاش قسم کے نوجوان نے ایک لڑکی کو اکیلے میں ہاتھ پاؤں سے چھیڑ دیا۔ وہ لڑکی روتی پیٹتی گھر آ گئی۔ اس لڑکے نے لڑکی کو دھمکی بھی دی تھی کہ اگر اس نے اپنے گھر والوں کو بتایا تو آئندہ اس کی خیر نہیں، وہ لڑکی اپنی عزت سے لٹی پٹی اس لڑکے کے باپ کے پاس گئی۔

لڑکی کے باپ نے اپنے لڑکے کو لاٹھی سے اس قدر مارا کہ وہ لڑکا وہیں گر کر اپنی زندگی ہار گیا۔ ایسا کرنے کے بعد اس لڑکے کا باپ لڑکی کے گھر والوں کے پاس گیا اور اپنا سر اس نے لڑکی کے باپ کے قدموں میں رکھ کر معافی مانگی اور پھر اس غیرت مند باپ نے اس لڑکی کو اپنے دوسرے بیٹے سے بیاہ دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ آج اگر یہ معاملہ میری اپنی لڑکی کے ساتھ ہو جاتا تو اسے کون اپناتا۔

پورے گاؤں والے ایک دوسرے کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ شادی بیاہ کی دعوت میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ بلائے جاتے تھے۔ مرنے جینے میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے۔ ہندو مسلمان اپنے اپنے مذہب کے اعتبار سے آزاد تھے۔

مسلمان لڑکیاں اپنے رسم و رواج کے مطابق لباس استعمال کرتی تھیں اور ہندو لڑکیاں اپنے حساب سے گھاگرا اور چولی میں نظر آتی تھیں۔ اس لباس میں ان کی ابلتی ہوئی جوار بھاٹا کی طرح سرکش جوانی جوانوں کا دل مسوس کر رکھ دیتی تھی۔ انہیں دیکھ کر گاؤں کے نوجوان دل ہی دل میں آہیں بھرتے تھے، نوجوانوں کی نظریں لڑکیوں پر پڑتے ہی جیسے پتھرا کر رہ جاتی تھیں۔ ان کے جسم میں سنسنی دوڑ جاتی اور دماغ سائیں سائیں کرنے لگتا، رگوں میں لہو کی گردش تیز ہو جاتی اور یہی نہیں بلکہ رات میں اپنے بستروں پر کروٹیں بدلنے لگتے تھے۔ وہ سب دیکھ کر مسکرا تو سکتے تھے مگر زبانی چھیڑ چھاڑ سے سہم جاتے تھے۔ کیونکہ شانتی پور کا قانون جیسے چٹان کا پتھر تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہر جوان لڑکی بے خوف و خطر جدھر چاہتی نکل جاتی تھی۔

کیونکہ اکثر ایک جوان لڑکی کو کسی جوان اور سرکش مرد سے خطرہ رہتا ہے۔ لڑکیاں کھیتوں میں بھی آزادانہ آتی جاتی تھیں۔

گاؤں میں ایک بہت ہی ضعیف العمر راموکاکا تھے۔ انہوں نے ایک واقعہ سنایا۔

ایک لڑکی تھی جس کا نام سندری تھا۔ سندری واقعی اپنی سندرتا کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھی۔ اس پر بھگوان کی خاص کرپا تھی۔ بھگوان نے اسے واقعی ایسے حسن سے نوازا تھا کہ جو بھی دیکھتا تو بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ گاؤں کی عورتیں اور لڑکیاں اسے دیکھ کر بس سوچتی رہ جاتی تھیں۔ اور جوانوں کی تو باتیں ہی نرالی تھیں۔ ہر جوان اسے دیکھ کر خود کو جیسے آگ پر لوٹتا ہوا محسوس کرتا تھا۔ اس کی جوانی سب کا ایمان ڈگمگا کر رکھ دیتی تھی۔

ایک دن دوپہر میں وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آم کے پیڑ پر ڈلے ہوئے جھولے پر جھول رہی تھی۔ اس کے ساتھ اور بھی لڑکیاں، اپنے اپنے جھولوں پر جھول رہی تھیں۔ اس کے قد سے بڑے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔

اچانک سندری نے گلا پھاڑ کر چیخ ماری۔ اس کی چیخ اتنی زور کی تھی کہ آموں کا پورا باغ جیسے ہل کر رہ گیا۔ تمام لڑکیاں یکدم سہم کر رہ گئیں۔ سب کے جھولے آناً فاناً رک گئے۔

ایسا لگا کہ سندری کو کسی ان دیکھی طاقت نے جھولے پر سے اتار کر نیچے بیٹھا دیا ہو۔ وہ آلتی پالتی مار کر نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ ساری لڑکیاں اس کے گرد جمع ہوگئیں۔ سب کی سب سکتے کے عالم میں تھیں۔ سب کی سب ایک دوسرے کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور نظروں ہی نظروں سے جیسے ایک دوسرے سے سوال کر رہی تھیں۔ "ایسا کیا ہوگیا؟"

سندری کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ایسے بیٹھی تھی کہ جیسے پتھر کا بت بیٹھا ہو۔

چند منٹ گزر گئے تو ایک لڑکی نے ہمت کی اور اس نے "سندری سندری" کہہ کر اس کے کندھے کو ہلایا۔ مگر سندری ٹس سے مس نہ ہوئی۔ سندری اکڑ چکی تھی۔ پھر اس لڑکی نے زور سے اس کا کندھا ہلایا تو سندری نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

سندری کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور آنکھوں کا رنگ ایسے ہوگیا تھا کہ جیسے ان میں کسی نے خون بھر دیا ہو، جس لڑکی نے اسے جھنجھوڑا تھا۔ اسے اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورنے لگی اور پھر ایک زبردست زناٹے دار تھپڑ اچانک اس لڑکی کو جڑ دیا۔

تھپڑ کا پڑنا تھا کہ وہ لڑکی تیورا کر دور جا گری۔ اس حرکت کو دیکھ کر اس جگہ موجود ساری لڑکیاں جیسے تھر تھر کانپنے لگیں۔ کیونکہ دھان پان سی نازک سندری کے ہاتھ میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ اس کے تھپڑ سے ایک مضبوط جسامت والی لڑکی تھپڑ کے پڑتے ہی لہرا کر دور جا گری تھی۔ لڑکیاں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے ہی والی تھیں کہ ادھر سے اسی وقت راموکاکا کا گزر ہوا۔ راموکاکا کو دیکھ کر لڑکیاں چیخنے لگیں۔

لڑکیوں کو چیختا دیکھ کر راموکاکا اس جگہ آگئے اور انہوں نے ساری روداد سنی تو وہ بھی چکرا کر رہ گئے مگر وہ سمجھ گئے کہ اصل معاملہ کیا ہے؟

راموکاکا سمجھ گئے تھے کہ سندری پر کوئی ہوائی چیز سوار ہوگئی ہے، یعنی سندری جھپیٹے میں آگئی ہے۔

اتنی دیر میں سندری اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوچکی تھی۔ راموکاکا نے سندری کو اپنے کندھے پر ڈالا اور لڑکیوں کو ساتھ لے کر آگئے۔ سندری کو اس کے گھر میں چارپائی پر لٹا دیا۔ لڑکیوں نے رو رو کر سارا واقعہ اس کے گھر والوں کو سنا دیا۔

چند منٹ میں یہ واقعہ سارے گاؤں میں پھیل گیا۔ گاؤں بھر کے سارے لوگ سندری کے گھر میں جمع ہوگئے۔ چارپائی پر سندری بے حس و حرکت چاروں شانے بے ہوش پڑی تھی۔ اس حالت میں دیکھ کر سندری کی ماں آگے بڑھی اور سندری کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا مگر پانی کا چھینٹا مارنے کے باوجود بھی سندری ٹس سے مس نہ ہوئی۔

پھر سندری کے باپ نے آگے بڑھ کر چلو میں پانی لیا اور کئی چلو پانی سندری کے چہرے پر ڈال دیا تاکہ اس

کی بیہوشی ختم ہو۔
مگر سندری نے اپنی آنکھیں کھول دیں جیسے پھنکارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے باپ کا گریبان پکڑ کر اس زور سے دھکا دیا کہ وہ غریب ایک طرف کو لڑھک گیا۔ لحیم شحیم اس کا باپ ایک جھٹکے سے نیچے پڑ گیا تھا۔
اس جگہ موجود تمام مرد و عورتوں نے یہ اندازہ کرلیا کہ سندری پر ضرور کوئی ہوائی مخلوق سوار ہوگئی ہے۔
اچانک سندری کے منہ سے مردانہ آواز نکلی۔
''اوئے! تیری ہمت کیسے ہوئی پانی ڈالنے کی، کان کھول کر سن لے، یہ مجھے پسند آگئی ہے، میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، اب یہ صرف میری ہے۔''
یہ سننا تھا کہ اس جگہ موجود سارے لوگ یکدم سہم کر رہ گئے۔ سب کے سب سکتے میں آگئے۔ اور پھر ایک ایک کر کے سب کھسکتے چلتے گئے۔ چند منٹ میں ہی سوائے گھر والوں کے کوئی بھی اس جگہ موجود نہیں رہا۔ لوگ فوراً اس جگہ سے نہیں جاتے تو کسی کے ساتھ بھی کچھ ہوسکتا تھا۔
سندری چھیپٹے میں آگئی ہے، سندری پر بھوت سوار ہوگیا ہے، سندری پر آسیب آگیا ہے، سندری پر جن آگیا ہے، سندری پر زور آور کسی آتما نے قبضہ کرلیا ہے۔ بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہ خبر آناً فاناً آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی۔
پورے گاؤں پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ لوگوں نے اپنی جوان لڑکیوں کو گھر سے نکلنے کے لئے منع کردیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سخت تاکید کردی کہ خاص طور سے سندری کے گھر کوئی بھی نہ جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس ہوائی مخلوق کی نظر میں کوئی اور لڑکی بھی آجائے۔
سندری کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اس کے لمبے لمبے بال ایسے اکڑ گئے جیسے کہ وہ نرم و نازک بال نہ ہوں بلکہ بڑے بڑے سخت تنکے ہوں۔ اس کی شکل یکلخت بدل گئی جسے دیکھ کر لوگوں کو خوف آنے لگا تھا۔
سندری کی ماں رونے پیٹنے لگی، اور رو رو کر دہائیاں دینے لگی۔ ''اے بڑھیا! زیادہ شور نہ کر تیرا یہ رونا دھونا بے کار ہے، چپ کر جا! نہیں تو تجھے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دوں گا، یا پھر تیری گردن توڑ کے رکھ دوں گا، چپ کر جا نہیں تو تیری زبان کھینچ کر باہر نکال دوں گا۔''
مردانہ آواز میں سندری کے منہ سے آوازیں نکلیں۔
سندری کا باپ فوراً گھر سے نکلا اور دوڑتا ہوا گاؤں کی مسجد میں پہنچ گیا۔ مسجد کے پیش امام عبداللہ صاحب بہت پہنچے ہوئے تھے۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ پیش امام صاحب رات میں جنات کو قرآن پڑھاتے ہیں۔ پیش امام صاحب کی قرآن کی خوش الحانی بہت مشہور تھی۔ جب وہ رات میں قرأت کرتے تو سننے والا ساکت ہوجاتا تھا۔ ان کی آواز دور دور تک لوگوں کو مبہوت کردیتی تھی، قرب وجوار کے لوگ بت بنے ان کی خوش الحانی سنتے رہتے تھے، لوگوں کی خواہش ہوتی تھی کہ پیش امام صاحب رات بھر اسی طرح قرأت کرتے رہیں، اور سننے والے رات بھر ان کی آواز سنتے رہیں۔ یہ بھی لگتا کہ جیسے اردگرد کے علاقے پر سکوت چھا گیا ہے۔
سندری کے باپ نے پیش امام صاحب کے سامنے جاتے ہی اچانک ان کے پیر پکڑ لئے۔ پیش امام صاحب نے فوراً اس کے کندھے پکڑ کر اٹھایا اور بولے۔
''ارے رام چند! کیا ہوگیا! کیوں پریشان ہو، بتاؤ تو سہی، روتے نہیں، بتاؤ تو ہوا کیا؟''
''مولوی صاحب! میری سندری پر کوئی ضدی آسیب سوار ہوگیا ہے، بہت اودھم مچا رکھا ہے، مجھے پکڑ کر نیچے پھینک دیا، بہت دھمکی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ وہ سندری کو اپنے ساتھ لے جائے گا، مولوی صاحب آپ کو بھگوان کا واسطہ جلدی سے چلئے، میری سندری کو بچالیجئے۔'' اور یہ کہہ کر وہ آنسوؤں سے رونے لگا۔
''رام چند ہمت سے کام لو۔ گھبراؤ نہیں، میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر پیش امام صاحب رام چند کے ساتھ اس کے گھر آگئے۔
سندری جو چارپائی پر بے سدھ پڑی تھی۔ پیش امام صاحب نے صحن میں قدم رکھتے ہی جیسے اسے کرنٹ لگا

اور وہ اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اب سندری کی گردن خود بخود چاروں طرف گھومنے لگی تھی۔

''السلام علیکم!'' سندری کے سامنے آ کر پیش امام صاحب نے کہا۔ سلام کا جواب نہ ملنے پر پیش امام صاحب نے دوبارہ سلام کیا مگر اس مرتبہ بھی جواب ندارد تھا۔

''اچھا تو، تو بے دین جن ہے۔'' پیش امام صاحب بولے۔

''او مولوی! بس تو یہاں سے چلا جا، نہیں تو تیری خیر نہیں، چلا جا! نہیں تو تیری گردن توڑ کر رکھ دوں گا۔ فوراً یہاں سے بھاگ جا۔'' سندری کے منہ سے گرجدار مردانہ آواز نکلی۔

''اس میں تیری بھلائی ہے کہ تو اس بچی کی جان چھوڑ دے، میری بات مانے گا تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر مجھے کچھ اور بھی سوچنا پڑے گا۔'' پیش امام صاحب نے کہا۔

''مولوی تو اپنی خیر منا، تیری عزت اسی میں ہے کہ تو دم دبا کر بھاگ، نہیں تو کیا فائدہ تیری بے عزتی ہوجائے اور ساتھ ہی تیرے ہاتھ پاؤں بھی ٹوٹ جائیں۔'' سندری پر سوار جن بولا۔

''دیکھ بھئی جب دو پہلوان ٹکراتے ہیں تو ایک نہ ایک کو تو شکست ہوتی ہے۔ میں زیادہ سختی کا قائل نہیں، میری بات مان لے، میں نہیں چاہتا کہ تیرے مدمقابل، جنات برادری سے کسی کو کھڑا کروں، بلکہ میں خود تنہا تیرے لئے کافی ہوں۔ اگر میں آواز دوں تو کئی جن میری آواز پر دوڑے چلے آئیں گے اور وہ سب تیرا قیمہ بنا کر رکھ دیں گے۔ تو اپنا بھلا چاہتا ہے تو اس بچی پر سے اپنا تسلط ختم کر کے چلا جا، نہیں تو تجھے پچھتانے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔'' پیش امام صاحب صبر و تحمل سے بولے۔

''بڈھے تجھے میری طاقت کا اندازہ نہیں، میرا باپ اپنے قبیلہ کا سردار ہے، میری ایک آواز پر پورا قبیلہ دوڑا چلا آئے گا، مگر میں اس لڑکی کی خاطر نہیں چاہتا کہ کچھ ایسا ہو، اگر میں چاہوں تو پلک جھپکتے ہی یہ سارا مکان جل کر راکھ میں تبدیل ہوجائے اور تو بھی جل کر اس میں بھسم ہوجائے گا۔

اب بھی وقت ہے تو چلا جا، مجھے تیرے بڑھاپے پر رحم آ رہا ہے، اور یہ بھی خیال ہے کہ تو اس گاؤں کا مولوی ہے اور پھر اس لڑکی کا جاننے والا بھی ہے، چل فوراً چلا جا، نہیں تو، تیرا میں حشر نشر کرنے والا ہوں۔'' وہ جن غراتے ہوئے بولا۔

پیش امام صاحب نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی شیشی نکالی، لگتا تھا اس شیشی میں پانی موجود تھا۔

پھر وہ بولے۔ ''دیکھ اب بھی وقت ہے، میری بات مان لے، اور چھوڑ دے اس بچی کو۔''

اتنے میں سندری کے منہ سے ایک زوردار آواز نکلی جو کہ کوئی انجان زبان میں تھی۔ وہ آواز اتنی فلک شگاف تھی کہ سارے درو دیوار ہل کر رہ گئے۔

پیش امام صاحب نے فوراً اس جگہ موجود لوگوں کو وہاں سے الگ ہٹ جانے کو کہا اور فوراً شیشی کا منہ کھول کر اس میں سے تھوڑا پانی اپنے چلو میں لیا اور اس پانی کو چارپائی کی طرف اچھال دیا۔ پوری چارپائی کے گرد گھرا دھواں سا پھیل گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے دھوئیں کی ایک دیوار چارپائی کے چاروں طرف بن گئی ہو۔ پھر پیش امام صاحب کی آواز سنائی دی۔ ''یہ آواز نکال کر تو نے اچھا نہیں کیا، تو اپنے ہمدردوں کو بلا بیٹھا، وہ سب آ تو جائیں گے مگر تیرے لئے وہ سب بے کار ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی تیری مدد نہیں کر سکتا، تو نے میری رحم دلی کو کمزوری سمجھ لیا تھا۔ میں نے بار بار تجھے سمجھایا مگر تو نے میری ایک نہ مانی۔ اور مجبوراً مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔

تو تو بے دین یعنی کافر جن ہے۔ اگر میں چاہتا تو دیندار جنات بلا لیتا، میری ایک آواز پر جنات کے کئی قبیلے دوڑے ہوئے آ جائیں گے۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اب بول تیری بولتی کیوں بند ہوگئی، یہ جو تیرے گرد دھوئیں کی دیوار موجود ہے، تو اسے پھونک کر بتا کہ تیرے اندر کتنی طاقت ہے، تجھ میں کتنا زور ہے، اگر میں چاہوں تو اس دیوار میں تجھے زندگی بھر قید کر کے رکھ دوں' مگر تو اس کا

بھی حقدار نہیں کہ تجھے قید رکھا جائے اور تو زندہ رہنے کے بھی قابل نہیں۔

دیکھ تیری آواز تک سلب ہو کر رہ گئی ہے۔ تو نے اپنے قبیلے والوں کو بلا کر اچھا نہیں کیا...... میری خواہش تھی کہ میں تجھے قید کر کے کہیں دور کسی ویران علاقے میں پھنکوا دوں مگر تیری اوچھی حرکت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔

مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تیرے ہمدرد یہاں تک پہنچ چکے ہیں مگر وہ سب کے سب تیری ہٹ دھرمی اور ضد کے پیش نظر کف افسوس مل رہے ہیں، وہ بھی بے بس ہیں اور تیری ذرہ برابر بھی مدد نہیں کر سکتے۔ لے اب تیرا باپ بھی اس علاقے میں اس گھر کے باہر پہنچ چکا ہے اور تیرے لئے جیسے آگ پر لوٹ رہا ہے مگر وہ بھی تیری آزادی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر میں چاہوں تو تیرے پورے قبیلے کو اذیت سے دوچار کر دوں۔ تیرے باپ کے پاس سے خبر آئی ہے کہ تیرا وجود ختم نہ کیا جائے بلکہ تجھے معذور کر کے چھوڑ دیا جائے۔

تیرا باپ بھی کافی ضعیف ہو چکا ہے اور میں بھی کب تک زندہ رہوں گا۔ تیرا باپ تو وعدہ کر سکتا ہے کہ وہ شانتی پور والوں کے لئے کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی کسی کو اجازت دے گا کہ کوئی اور قبیلہ کا جن کوئی قدم اٹھائے مگر جب تیرے باپ کا وجود ختم ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی بھی کچھ کر سکتا ہے۔ اگر تو معذور ہو کر پڑا رہے گا تو تجھے دیکھ دیکھ کر اشتعال پھیلے گا، جنات برادری مشتعل ہو گی اور پھر شانتی پور میں تہلکہ مچا دیا جائے گا۔

جنات کی عمریں کئی کئی ہزار برس کی ہوتی ہیں، تجھ جیسے ضدی جن ہمیشہ اپنا نقصان کروا بیٹھتے ہیں، تو میری ساری باتیں سن رہا ہے، لیکن اپنی بے بسی دیکھ کہ تو بول بھی نہیں سکتا، تو نے اپنے والوں کو ہمیں تہس نہس کرنے کے لئے بلا لیا۔ اگر میں کمزور ہوتا تو تو اور تیرے والے آج شانتی پور کا حشر نشر کر دیتے۔''

یہ بول کر پیش امام صاحب خاموش ہو گئے اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگے۔ بہت قلیل وقت میں نظر آیا کہ کالا کالا دھواں جو کہ چارپائی کے چاروں گرد پھیلا تھا، چارپائی سے اوپر کو اٹھنا شروع ہوا اور پھر چارپائی سے الگ ہو کر ایک جگہ ٹھہر گیا۔ پھر وہ دھواں سمٹ کر ڈیڑھ فٹ کی چوڑائی میں ایک دائرے کی شکل اختیار کر گیا۔

دھواں جب ایک کونے میں ٹھہر گیا تو پیش امام صاحب نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اپنی شہادت کی انگلی اس دھوئیں کی طرف کر دی۔ انگلی کا اس طرف ہونا تھا کہ اچانک دھوئیں میں ایک زبردست شعلہ لپکا اور پھر پورا دھواں راکھ میں تبدیل ہو کر نیچے گر پڑا۔

اتنی دیر میں جھٹ سے سندری اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی اور تمام لوگوں کو اچنبھے سے دیکھنے لگی۔

پیش امام صاحب بولے۔ ''رام چند تمہاری بچی اب خیریت سے ہے، کسی قسم کا ڈر خوف نہیں اور آئندہ بھی یہ خیریت سے رہے گی۔ لیکن جتنی جلدی ہو سکے اس کی شادی کر دو۔''

پھر پیش امام صاحب چارپائی کی طرف گئے۔ نیچے کونے میں تھوڑی سی کالے رنگ کی راکھ پڑی تھی، اس راکھ کو انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے ایک کپڑے میں رکھ کر پوٹلی باندھی اور اس پوٹلی کو لے کر کھڑے ہو گئے اور بولے۔ ''رام چند میں جا رہا ہوں۔ تمام ڈر خوف دماغ سے نکال کر خوشی خوشی رہو۔ اور سندری کو کچھ دن تک گھر سے نکلنے نہیں دینا اور خاص طور پر آموں کے باغ میں نہیں جانے دینا۔ قطعی ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

پیش امام صاحب کے قدموں پر رام چند اچانک جھک گیا تو پیش امام صاحب نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ بولا۔ ''مولوی میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا، آپ نے میری بچی کو نئی زندگی دی ہے، اور ہمارے تمام پریوار پر احسان کیا ہے۔''

''رام چند احسان والی کوئی بات نہیں۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے کیا، اب اپنے منہ سے احسان والی بات مت نکالنا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گاؤں پر اور

گاؤں والوں پر اپنا فضل و کرم رکھے، سب کے دکھ تکلیف دور کر دے اور سب کو خوشیوں سے نوازے، اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' اور پھر پیش امام صاحب راکھ والی پوٹلی ہاتھ میں تھامے گھر سے نکلتے چلے گئے۔

رام چند کے گھر سے نکلنے کے بعد پیش امام صاحب مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک درخت کے پاس رک گئے۔ ایک آواز سنائی دی۔ ''پیش امام صاحب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، وہ میرا بیٹا تھا جو کہ اپنے انجام کو پہنچا، اس کی ضد اور ہٹ دھرمی اسے لے ڈوبی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بہت رحم دل ہیں، آپ نے اسے ہر طرح سے سمجھایا تھا، کاش اگر وہ آپ کی بات مان لیتا تو اس انجام کو نہ پہنچتا۔ میرا تعلق جنات کی بے دین برادری سے ہے لیکن میں خود بھی بہت انصاف پسند ہوں۔ میری اپنی سوچ ہے کہ غلطی کرنے والے کو سزا ملنی چاہئے۔ میرے اور بھی تین بیٹے ہیں مگر وہ تینوں اچھے دل و دماغ کے ہیں۔

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ ہمارے قبیلے کا کوئی بھی جن آنکھ اٹھا کر بھی شانتی پور کی طرف نہیں دیکھے گا۔ آپ جیسی نیک ہستی کی وجہ سے ہی شانتی پور میں مکمل شانتی ہے۔ ایک مرتبہ میں پھر آپ سے معافی مانگتا ہوں، میں اب اپنے قبیلہ میں جا رہا ہوں، میں خود بھی کبھی کبھار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہوں گا۔

اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔

پیش امام صاحب نے راکھ والی پوٹلی لے جا کر بہتے ہوئے پانی میں کھول کر پھینک دی۔

اس واقعہ کے بعد پھر کبھی شانتی پور میں چڑیل آسیب یا جن کا کوئی بھی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ کچھ عرصہ بعد پیش امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد پیش امام صاحب کو مسجد کے ایک کونے میں جہاں کہ کافی جگہ موجود تھی۔ اس جگہ پیش امام صاحب کو دفنا دیا گیا۔ پھر گاؤں والوں نے مل کر اس جگہ ان کا مزار بنا دیا۔

☆......☆......☆

ایک طویل عرصہ کے بعد اب نہ جانے شانتی پور کو کس کی نظر لگ گئی تھی۔

رات میں سنیل اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر سویا۔ صبح جب گھر والوں نے دیکھا تو سنیل مردہ پڑا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ چکا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور آنکھوں کا رنگ بھی بہت ہی کالا پڑ چکا تھا۔ سنیل کا چہرا دیکھنے والوں پر دہشت طاری ہو چکا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ انگشت بدنداں تھا۔

ہر آدمی اپنی بولیاں بول رہا تھا۔ پورا شانتی پور ماتم کدہ بن گیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چہرا سوجنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے کی کھال خود بخود جگہ جگہ سے پھٹنے لگی۔ کھال کے پھٹتے ہی تمام جگہ سے کالا کالا مواد بہنے لگا۔ ماتھا، سر، چہرہ اور گردن تک کا حصہ بالکل کالا پڑ چکا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں آنکھیں بھی باہر کو ابل پڑیں اور پھر دونوں آنکھیں بھی پھٹ کر بہہ گئیں۔

عمر رسیدہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اب جتنی بھی جلدی ہو سنیل کو چتا کے حوالے کر دیا کیونکہ ایسا نہ ہو کہ چہرے کے ساتھ ساتھ کہیں جسم بھی نہ پھٹ جائے۔ اور اسی کے پیش نظر جلدی سے سنیل کو چتا کے حوالے کر دیا گیا۔

وہ رات بڑی سوگوار تھی، تمام گاؤں پر سناٹا طاری تھا۔ سنیل کی حالت دیکھتے ہوئے لوگوں کی بھوک اڑ چکی تھی۔ سوائے بچوں کے بڑوں کو کھانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ سنیل بہت ہی کڑیل جوان تھا۔ دو بھائی اور چار بہنوں کا بھائی تھا۔ گاؤں کے تمام لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

جاگتے جاگتے لوگوں کی آنکھیں پتھرا گئیں، آخر تھک ہار کر لوگ اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔

دن کا سورج طلوع ہوا، ہر طرف اجالا پھیل گیا کہ اچانک پھر گاؤں میں ایک شور اٹھا۔ گاؤں کا ایک نوجوان رامو موت کی آغوش میں جا چکا تھا۔ دن کے اجالے میں لوگوں نے دیکھا اس کا چہرہ گردن تک سیاہ پڑ چکا تھا۔ اب تو ایسا تھا کہ دیکھنے والوں کے جسم کا لوتو لہو

موجود نہیں تھا۔ گاؤں کا ہر فرد سوالیہ نشان بن چکا تھا۔ سب کی زبانیں گنگ تھیں، آنکھوں میں صاف طور پر خوف نظر آتا تھا، راموکی موت بھی بالکل سنیل جیسی ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ بھی وہی کچھ ہونے لگا جیسا سنیل کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بھی مسخ ہونے لگا تھا۔ ہر ڈاکٹر حکیم اپنی اپنی جگہ ششدر تھا کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ دونوں کس بیماری یا آفت سے مرگئے۔ جلدی جلدی کرکے راموکو بھی چتا کے حوالے کردیا گیا۔

پورے گاؤں پر موت کا سناٹا چھا گیا تھا۔ پوری فضا سوگوار ہوگئی تھی۔ ہر آدمی سہم گیا تھا۔

مسلمان اور ہندو دونوں ہی اپنے اپنے طریقے سے دعائیں کررہے تھے اور آنے والی مصیبت سے چھٹکارا کے لئے سرجوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ کوئی بولتا بھی تو کیا بولتا۔

دن گزر گیا۔ رات آگئی۔ گاؤں کے لوگ آخر کب تک جاگتے۔ کسی نے بھی کھیتوں میں جاکر کام نہیں کیا تھا۔ صبح کی پو پھوٹتے ہی سارے گاؤں میں کہرام مچ گیا کیونکہ راجا اپنی جگہ پر مردہ پڑا تھا۔ اس کا چہرا اور گردن تک کا حصہ بالکل سیاہ ہوگیا تھا اور یہی نہیں آج تو دو بیل بھی مردہ پائے گئے تھے۔

خوف اور ڈر کی وجہ سے لوگوں پر کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ گھر کے چولہے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ ایسی موت تو اس سے پہلے کسی نے بھی نہ دیکھی تھی۔

دن کے وقت کوئی بھی موت سے ہمکنار نہیں ہوتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں جیسے موت آکر لوگوں کو دبوچ لیتی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے راجا کا چہرہ بھی مسخ ہونے لگا، چہرے کی جلد جگہ جگہ سے پھٹنے لگی اور پھر پھٹی ہوئی جگہ سے کالا کالا مواد بہنے لگا تھا۔ مل جل کر لوگوں نے جلدی جلدی کفن دفن کا انتظام کیا اور پھر اسے بھی منوں مٹی تلے دبادیا گیا۔ دونوں بیلوں کو بھی گڑھا کھود کر اس میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔

لوگوں کا دن کا چین اور رات کا سکون برباد ہوکے رہ گیا تھا۔ گاؤں کا کوئی بھی مرد کام کے لئے کھیت میں نہ گیا تھا۔ مرد ٹولیوں کی شکل میں بیٹھ گئے تھے اور عورتیں اپنے اپنے گھروں میں دبک کے رہ گئی تھیں۔

بولتے ہیں کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے، ایک انسان کب تک جاگ سکتا ہے، کھانا پینا بھی لوگوں کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کافی رات گئے تک لوگ جاگتے رہے اور پھر لوگوں کی آنکھیں بند ہوگئیں، لوگ نیند کی وادی میں پہنچ گئے۔

گاؤں دیہات میں چونکہ لوگ سرشام ہی سوجاتے ہیں اور صبح پو پھٹنے سے پہلے جاگ جاتے ہیں۔ آج کا سورج بھی جب طلوع ہوا تو ایک بری خبر لے کر آیا۔ گاؤں کا ایک فرد راجندر سب سے ناطہ توڑ کر موت کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ راجندر جیسا پورے گاؤں میں کڑیل جوان کوئی اور نہیں تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، کسرتی بدن، پہلوانی کا شوق، شکل وصورت میں سب سے آگے، اس کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس کا چہرہ بھی کچھ زیادہ سوج گیا تھا۔ دوپہر سے پہلے پہلے اس کے چہرے کی جلد بھی پھٹنی شروع ہوچکی تھی۔

راجندر کی بھی دونوں آنکھیں پھٹ کر بہہ گئیں۔ عجیب موت تھی، بڑے بڑے سیانے اور گیانی حیران تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہورہا ہے، موتیں ہوتی ہیں، بیماری سے، وبا سے یا کسی آفت سے مگر اتنی اذیت ناک موت شاید دنیا میں کہیں اور نہ ہوئی ہوگی، راجندر کا گردن سے نچلا دھڑ سوجنے لگا تھا۔

جلدی جلدی کرکے اسے بھی چتا پر لٹا کر اس کی چتا کو بھی آگ لگادی گئی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی جل کر راکھ بن گیا۔

شام ہوتے ہوتے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آج رات کے وقت پورے گاؤں میں پہرا دیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ گاؤں کے سارے لوگ اس بات پر متفق ہوگئے۔ گاؤں

میں موجود جوانوں نے ہاتھوں میں مضبوط ڈنڈے پکڑ کر رات میں گاؤں کے پہرے پر راضی ہو گئے، اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ سارے جوان تین تین کی ٹولیوں میں بٹ جائیں گے اور وقفے وقفے سے سیٹیاں بجا کر اپنے جاگنے اور چوکس رہنے کا اظہار کریں گے۔

پورے گاؤں پر گھٹا ٹوپ اندھیرا مسلط ہو چکا تھا۔ جوانوں کی چھ ٹولیاں بنا دی گئیں، ہر ایک ٹولی میں تین جوان شامل ہو گئے۔ رات کے آٹھ بجے سے انہوں نے پورے گاؤں میں پہرا دینا شروع کر دیا۔ وقفے وقفے سے انہوں نے زوردار آواز میں سیٹیاں بجانی شروع کر دیں۔ سیٹی بجانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہم لوگ چوکس طریقے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کر رہے ہیں۔

آج پورا گاؤں سکون کی نیند سو رہا تھا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے دماغ میں بے چینی ڈیرہ جمائے موجود تھی۔ انہیں پکا یقین تھا کہ یہ جو موت کی بلا گاؤں میں گھس آئی ہے ایسا نہ ہو کہ نظر بچا کر آج بھی کسی کی جان لے لے۔ رات بھر سیٹیوں کی آوازیں آتی رہیں۔

صبح کے سورج نے روزانہ کی روایت کے مطابق شان سے اپنا اجالا پورے علاقے پر بکھیر دیا۔ جوانوں کی رات بھر کی محنت اکارت گئی۔ گاؤں کے ایک گھر سے دھاڑیں مار مار کر رونے کی آوازیں لوگوں کا دل دہلانے لگیں۔ ریاض الدین کی بہنیں پچھاڑ کھا کھا کر گر رہی تھیں۔ دونوں ایسی تھیں کہ متواتر بے ہوش ہو جاتی تھیں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ وہ جابر ظالم، وحشت ناک اور خوفناک موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔

ریاض کی والدہ کا کہنا تھا کہ رات میں ڈر و خوف کی وجہ سے ہم پورے گھر والوں کو نیند نہیں آ رہی تھی لہٰذا ہم ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور اللہ سے دعائیں بھی کرتے رہے کہ ہمارے گاؤں سے اس خونی بلا کا خاتمہ ہو جائے۔ آج کی رات پورے گاؤں میں پہرا دیا جا رہا ہے تو قوی امید ہے کہ آج اس بلا کا گاؤں میں آنا ناممکن ہوگا۔

رات ساڑھے گیارہ بجے ریاض کے ابا نے کہا کہ بچو! جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ ریاض اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ارے ہمیں کیا معلوم تھا کہ آج کی رات موت نے ہمارا ہی گھر دیکھ لیا ہے۔ ارے اگلے ہفتے تو ہمارے لخت جگر کی منگنی ہونی تھی۔ وہ بے چاری اپنا سر اور سینہ پیٹ رہی تھی۔

ریاض کا چہرہ بھی گردن تک سیاہ پڑا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ کفن دفن کا انتظام جلدی سے کر دیا جائے کیونکہ اس کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو دوسروں کے ساتھ ہوتا آیا ہے یعنی اس کا چہرہ بھی مسخ ہو جائے گا۔ چہرے کی جلد پھٹنی شروع ہو جائے گی۔ لہٰذا بھاگم بھاگ اس کے کفن دفن کا انتظام کر دیا گیا۔

گاؤں والوں نے جنازہ اٹھایا اور قبرستان کی طرف لے کر چلے۔ ریاض کے والد بے چارے بہت ہی کمزور و ناتواں تھے، جنازے میں دو آدمیوں نے انہیں سہارا دے رکھا تھا۔ ان کی تو کمر ویسے ہی ٹیڑھی ہو چکی تھی کیونکہ ریاض ان کا اکلوتا بیٹا تھا، ان کے بڑھاپے کا سہارا انہیں اکیلا چھوڑ کر جا رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ جوان بیٹا باپ کا سہارا ہوتا ہے، باپ کا بازو بنتا ہے، جوان بیٹے کو دیکھ کر باپ کی ہمت بندھی ہوتی ہے باپ اپنے اندر طاقت و توانائی محسوس کرتا ہے اور اپنا سینہ ٹھونک کر کہتا ہے کہ میں بھی جوان بیٹے کا باپ ہوں۔ ہر ماں باپ کو بیٹے کا سہرا دیکھنے کا شوق ہوتا ہے مگر یہاں تو سارا شوق ساری طاقت ساری توانائی ریاض کی موت نے ختم کر دی تھی۔ ریاض کے والد سے قدم اٹھانا بھی دوبھر تھا، آج وہ اپنی طاقت اپنی توانائی سے محروم ہو چکے تھے اور دوسروں کا سہارا کب تک کا ہوتا ہے۔

اچنبھے میں سارا گاؤں تھا کیونکہ رات بھر اٹھارہ جوانوں نے تندہی سے پورے گاؤں میں پہرا دیا تھا۔ ان لوگوں کو کسی طرف سے ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ موت آج کی رات ریاض کو اپنے آہنی پنجے میں جکڑ لے گی۔ ان پہریداروں کے ساتھ ساتھ گاؤں بھر کے کتے

بھی جاگتے رہے تھے اور خاص طور سے وہ اٹھارہ جوان زیادہ فکر مند تھے کہ رات بھر پہرا ہونے کے باوجود موت نے اپنا شکار کر لیا تھا۔

آج کی رات اور بھی زیادہ بھاری تھی کیونکہ پورے گاؤں میں چھ عدد جانور مردہ پڑے تھے۔ ایک ہی گھر یعنی گاؤں کے چوہدری کے باڑے میں بندھے چار بیل جو کہ پورے گاؤں میں اپنی مثال آپ تھے، وہ باڑے میں مردہ پڑے تھے، چوہدری کو بیلوں کی تو اتنی فکر نہ تھی جتنی فکر اسے گاؤں کے جوانوں کی تھی۔

سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ تھی کہ ابھی تک کوئی ضعیف نہیں مرا تھا۔ جتنے بھی لوگ مر رہے تھے سب کے سب نوجوان مرے تھے۔ اور یہ بھی سوچنے والی بات تھی کہ ابھی تک کوئی عورت بھی نہیں مری تھی۔ یہ دونوں باتیں سوچ سوچ کر گاؤں والے زیادہ پریشان تھے کہ یہ کیسی وبا یا آفت آئی ہے جو کہ صرف اور صرف نوجوانوں کو اپنا شکار بنا رہی ہے۔

لوگوں کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ گاؤں میں پوری رات پہرا دیا جانا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ چند دن متواتر پہرا دینے سے کچھ فرق پڑے مگر گاؤں والوں کی سوچیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی جس رات کوئی نہ مرے، سونے والا کوئی نہ کوئی نوجوان موت کے منہ میں چلا جاتا تھا۔ پورے گاؤں میں صف ماتم بچھ گیا تھا۔ اب تو انسان کے ساتھ ساتھ گاؤں کے جانور بھی مرنے لگے تھے۔ رو رو کر گاؤں والوں کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ ہر شخص کے چہرے پر ویرانی چھا گئی تھی۔ گاؤں بھر کے نوجوان سہم کر رہ گئے تھے۔ سب کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بھی نوجوان اکیلا نہ رہے، مگر موت تھی کہ تیزی سے نوجوانوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی تھی۔ ہر آنے والی رات قیامت کی اذیت سے بڑھ کر ہونے لگی تھی۔

شانتی پور والوں کی ساری خوشیاں چھن گئی تھیں، آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ سارے علاقے پر ویرانی چھا گئی تھی۔ لوگوں کے چہرے زرد پڑ چکے تھے۔ کوئی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا رہا تھا، اگر ایک وقت پکتا تو دو دو تین تین ٹائم کھانا چلتا کیونکہ موت کے خوف نے سب کی بھوک اڑا کر رکھ دی تھی۔ جب کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ میں آج رات کسی بھی وقت موت سے ہمکنار ہو جاؤں گا تو بھلا اسے بھوک کیسے لگ سکتی ہے اور بھوک ہی نہیں بلکہ اس کا تو چین سکون غارت ہو کر رہ جائے گا۔ ایک دو شخص کی بات ہوتی تو گاؤں والے صبر کر کے بیٹھ جاتے مگر یہاں تو ہر روز رات میں ایک نوجوان لقمہ اجل بن رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جانور بھی مر رہے تھے۔

کیسی موت تھی؟ کون سی آفت تھی؟ اور ایسا کیوں ہو رہا تھا؟ یا کسی نے جادو کے زور پر شانتی پور میں کسی بیر یا پھر کسی بلا کو معمور کرا دیا تھا۔ لوگوں کی تمام سوچیں تمام اندازے غلط ہو گئے تھے۔

ہر روز ایک فرد کا جنازہ اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جانور بھی مر رہے تھے۔ شانتی پور میں تمام لوگوں کا کام کاج چوپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔

موت کا ہرکارہ صرف نوجوانوں اور جانوروں کا ہی شکار کر رہا تھا۔ لوگ تھک ہار کر پنڈت، جوگی، سادھو اور عاملوں کے دروازے کھٹکھٹانے لگے تھے۔ عامل پنڈت سادھو اور جوگی آتے اپنی اپنی زبان میں کچھ پڑھتے اور لوگوں کو دلاسہ دے کر چلے جاتے، ابھی تک کسی نے بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ اصل میں وہ ہے کیا جو کہ تیزی سے نوجوانوں کو مار رہی ہے، اور طریقہ بھی ہر مرنے والے کا ایک ہی ہوتا تھا۔ سر سے لے کر گردن تک کا حصہ سیاہ پڑ جاتا تھا اور دیر ہونے پر چہرے کی جلد پھٹنے لگتی تھی۔

اب تو نوجوانوں سے ہٹ کر موت نے شادی شدہ مردوں کو بھی دبوچنا شروع کر دیا تھا۔ یعنی موت صرف مرد ذات کو ہی نشانہ بناتی تھی اور جانور بھی مر رہے تھے۔

رات کا گھپ اندھیرا ہر سو مسلط تھا۔ پہرا دینے والے گاؤں میں گھوم رہے تھے۔ ان میں سے ایک جس کا نام اشوک تھا اسے رفع حاجت محسوس ہوئی تو اس نے

اپنے ساتھیوں سے اجازت لے کر قریب کے کھیت میں چلا گیا۔ ویسے بھی گاؤں دیہات میں اکثر لوگ حاجت کے لئے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں۔ ''اشوک ہم تیرا انتظار کر رہے ہیں، جلدی سے فارغ ہو کر آ جا۔'' جمال نے کہا۔

اشوک قریب کے کھیت میں چلا گیا۔

پانچ منٹ، دس منٹ اور پھر اس طرح آدھا گھنٹہ گزر گیا، مگر اشوک اپنے ساتھیوں کے پاس واپس نہیں آیا تو سب کو تشویش ہوئی۔ ''ارے اشوک ابھی تک نہیں آیا۔'' ایک نے کہا۔

''بات تو ٹھیک ہے۔ آٹھ دس منٹ میں تو اسے آ جانا چاہئے تھا۔'' جمال بولا۔

جمال نے بلند آواز سے اشوک کو آوازیں دینے لگا، مگر اشوک کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر دونوں ساتھی گھبرا گئے، اور اسی گھبراہٹ میں وہ دونوں تابڑ توڑ سیٹیاں بجانے لگے، جس کا مطلب تھا کہ قریب ہی پہرا دینے والے ساتھی متوجہ ہوں۔ چند منٹ تک بغیر رکے جب وہ سیٹیاں بجانے لگے تو دوسری طرف سے بھی سیٹیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

اور پھر چند منٹ بعد ہی چھ ساتھی اس جگہ پہنچ گئے۔ جب وہ قریب آ گئے تو جمال بدحواسی کے عالم میں بولا۔ ''اشوک رفع حاجت کے لئے سامنے کھیت میں گیا تھا، پون گھنٹہ ہونے کو آیا ابھی تک واپس نہیں آیا، میں آواز دے دے کر تھک چکا ہوں۔''

''اچھا چلو چل کر دیکھتے ہیں، اسے تو دس منٹ میں آ جانا چاہئے تھا۔'' پران بولا۔

اور پھر آٹھوں ساتھی کھیت میں جانے کے لئے آگے بڑھنے لگے۔ ''اشوک...... اشوک۔'' وہ آوازیں بھی دے رہے تھے مگر ابھی تک اشوک کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ ان کے ہاتھ میں بڑی ٹارچیں بھی تھیں۔ آوازیں دیتے ہوئے سب کے سب سامنے کھیت میں پہنچ گئے۔

جو منظر ان کے سامنے آیا، اسے دیکھ کر وہ آٹھوں دہل گئے، ان پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا، ان سب کی آنکھیں پتھرا گئیں، سینے سے دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا، آٹھوں کے آٹھوں ساتھی کھڑے کھڑے جیسے پتھر کے بت بن گئے تھے، ایسا لگتا تھا کہ جیسے ان کے جسم کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا تھا۔ ٹارچوں کی روشنی مسلسل اشوک کا حاطہ کئے ہوئے تھی۔

اشوک کھیت میں زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے تھے۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے اس نے ہاتھ پیر بہت چلائے ہوں، کیونکہ کھیت کی بھربھری مٹی ادھر ادھر ہو گئی تھی، لگتا تھا تکلیف کی وجہ سے اس نے مٹی میں لوٹنا شروع کر دیا ہو، اشوک مر چکا تھا۔

اچانک رات کے اندھیرے میں ایک بڑا سا الو اپنی َ. یہہ آوازیں نکالتا ہوا، اوپر سے گزرا تو وہ سب چونک گئے۔ کئی تو اس جگہ سسک پڑے۔ ''یار! یہ تو مر گیا، اچھا بھلا تو ہمارے پاس سے آیا تھا، یہ اچانک کیا ہو گیا؟ ایسا لگتا ہے۔ یہ آفت تمام مردوں کو مار کر ہی چین سے بیٹھے گی۔'' جمال بولا۔

''اب کیا کریں؟ اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے۔'' لکشمن بولا۔

''جمال تو اسے کندھے پر اٹھا لے، اسے گھر لے کر چلتے ہیں۔'' مہندر بولا۔

جمال نے اشوک کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ کیوں کہ جمال اپنے ساتھیوں میں زیادہ تگڑا تھا۔ مرے ہوئے اشوک کو لے کر وہ سب اس کے گھر پہنچ گئے اور پھر گھر والوں کی چیخ و پکار سے سارا گاؤں دہل کر رہ گیا۔ اشوک کو چار پائی پر لٹا دیا گیا۔ دوستوں میں ہمت نہیں تھی کہ وہ کچھ بتا سکیں۔ سب کے سب خاموش تھے اور صبح ہوتے ہوتے اشوک کا چہرہ بھی سیاہ ہونے لگا۔

آج تو اشوک کی موت پر سارا گاؤں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ گاؤں والوں کا ضبط غم اب ختم ہو کے رہ گیا تھا۔ آج تو بچے بھی رو پڑے تھے۔ دھاڑیں مارتے

ہوئے لوگوں نے مل کر اشوک کو بھی چتا پر لٹا دیا۔

اشوک کی ماں چند منٹ کے لئے ہوش میں آتی اور پھر غش کھا کر گر پڑتی۔ اشوک کے گھر میں موجود سارے لوگ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ان کا انداز بتا رہا تھا کہ "نہ جانے آج کی رات کون ہم سے جدا ہو جائے گا؟"

"کیا اس موت کو صرف مردوں ہی سے دشمنی ہے، ایک ایک کر کے ہمارے کڑیل جوان مر رہے ہیں اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" جمال کے والد نے کہا۔ یا خدا ہم پر رحم فرما، ہماری غلطیوں کو معاف کر دے، نہ جانے ہم شانتی پور والوں سے کیا غلطی ہوگئی ہے کہ آج ہمارے بچے موت کے منہ میں جا رہے ہیں، یا خدا! اپنے حبیبؐ کے صدقہ ہم بوڑھوں کو مار دے اور ہمارے بچوں کو بچا لے، خدایا اب تو ہم میں سکت اور طاقت بھی نہیں رہی کہ ہم اپنے بچوں کا جنازہ اٹھا سکیں۔" اور یہ بول کر وہ زار و قطار رونے لگے۔

☆......☆......☆

اس خونی واقعہ کو رونما ہوئے بائیس دن گزر گئے تھے۔ اور ان بائیس دنوں میں بائیس ہی نوجوان لقمہ اجل بن چکے تھے۔

جمال کے والد کا نام سلیم الدین تھا۔ وہ اٹھے اور سسکتے آنسو بہاتے مسجد کی طرف جانے لگے۔ وہ مسجد کے احاطہ میں پہنچ گئے اور مسجد میں موجود پیش امام عبداللہ صاحب کے مزار کے قریب بیٹھ گئے، ان کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے، آنسو کیا تھے بلکہ ان کا دل اور جگر پانی کی شکل اختیار کر کے آنکھوں کے راستے باہر کو نکل رہا تھا۔ مزار کی جالی پکڑ کر وہ زار و قطار ہچکیوں سے رونے لگے وہ دھاڑیں مار مار کر روتے رہے، پون گھنٹہ تک وہ زار و قطار ہچکیوں میں اپنے آنسو بہاتے رہے، ایسا لگتا تھا کہ اب تو ان کے آنسو بھی خشک ہو گئے ہیں۔

"یا اللہ! تو رحمٰن ہے رحیم ہے، دین و دنیا کا خالق و مالک ہے، اللہ کس کی نظر لگ گئی ہے ہمارے گاؤں کو، یا اللہ اپنے حبیبؐ کے صدقے ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، اللہ ہم کہاں اور کس کے پاس جائیں، وہ تو ہی ہے جو اس مصیبت سے ہماری جان چھڑا سکتا ہے، اللہ دیکھ میں تیرے نیک بندے کے مزار پر آیا ہوں، پیش امام صاحب بہت نیک تھے، تیری عبادت کرنے والے تھے، پیش امام صاحب کی نیکیوں اور عبادتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم شانتی پور والوں پر فضل و کرم کر دے، ہمارے سارے آسرے ٹوٹ چکے ہیں، ہم بے یار و مددگار ہو گئے ہیں، اب تو صرف اور صرف تیرا ہی آسرا رہ گیا ہے۔ اللہ...... ہم پر رحم فرما...... اللہ ہم پر کرم کر دے۔" اور یہ بول کر سلیم الدین بلند آواز سے چیخ چیخ کر رونے لگے۔

اسی وقت مسجد میں دو نمازی بھی آ گئے نماز کی غرض سے، انہوں نے سلیم الدین کو روتا ہوا دیکھا تو دونوں ان کے قریب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک نے سلیم الدین کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، تو سلیم الدین اور بھی زور زور سے رونے لگے۔

کافی دیر تک سلیم الدین روتے رہے، پھر ان کے آنسو تھم گئے، انہوں نے نظریں اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا تو وہ چونک گئے کیونکہ وہ دونوں شانتی پور کے نہیں تھے۔

ان میں سے ایک بولا۔ "ہم نے آپ کی باتیں سن لی ہیں، آپ لوگوں کا غم واقعی ناقابل برداشت ہے، ہمت سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے، آپ لوگوں کی مصیبتیں ختم کر دے گا۔" اور پھر ایک نے مسجد کے گھڑے سے پانی لا کر پلایا۔ پانی پینے کے بعد سلیم الدین نے ان دونوں کے پوچھنے پر ساری روداد سنا دی۔ جسے سن کر وہ دونوں افسردہ ہوئے، ایک بولا۔ "آپ لوگ اللہ سے مدد مانگیں۔ اللہ ہی دکھ و تکالیف کو دور کرنے والا ہے۔ اب ہم چلتے ہیں، نماز کی ادائیگی کے لئے ہم آ گئے تھے۔"

وہ دونوں اٹھ کر نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک سلیم الدین پیش امام صاحب کے مزار کے

قریب بیٹھے رہے پھر اٹھ کر اپنے گھر آ گئے۔

اسی دن گاؤں میں ایک جوگی آ گیا، لوگوں کو غمزدہ دیکھ کر ٹھٹک گیا، معلوم کرنے پر گاؤں والوں نے ساری باتیں اس کے گوش گزار کر دیں، جسے سن کر جوگی بہت افسردہ ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ ''اگر آپ لوگ راضی ہوں تو میں اس بلا کو قابو کر سکتا ہوں، لیکن اس کے لئے میں ایک بڑی رقم لوں گا۔''

یہ کہاوت مشہور ہے کہ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' لوگوں نے آپس میں مشورے کئے اور فوراً رضامندی ظاہر کر دی، اور آپس میں چندہ کر کے جوگی کی مطلوبہ رقم اسے دے دی۔ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ جوگی ایک برگد کے درخت کے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کسی انجان زبان میں با بلند آواز کچھ پڑھنے لگا۔

پہریداروں نے رات میں اپنا پہرا جاری رکھا۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ ہر سو اندھیرے کا راج تھا۔ پورے گاؤں پر مکمل سناٹا طاری تھا۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا۔ زیادہ اندھیرا یوں تھا کہ اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔ جوگی بدستور منتر جنتر پڑھنے میں معروف تھا۔

اچانک رات کے ساڑھے تین بجے جوگی کی فلک شگاف چیخ پہرا دینے والوں کو اور ساتھ ہی گاؤں والوں کو دہلا گئی۔

لوگ جلدی جلدی جوگی کے پاس پہنچے تو دیکھا جوگی مر چکا تھا۔

لوگوں کا ایک ہجوم جوگی کے گرد جمع تھا، جب سیانا اور گیانی جوگی اس جان لیوا بلا سے ہلاک ہو گیا تو ایک عام آدمی کی وقعت کیا، سارے لوگ حیران پریشان تھے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ جوگی کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ ہندو ہے یا مسلمان ہے، یہ کسی قریبی گاؤں کا ہے یا پھر کسی دور دراز گاؤں کا رہنے والا، عجیب شش و پنج میں لوگ پڑ گئے تھے۔ سارا گاؤں رات میں ہی سر جوڑ کر بیٹھ گیا کہ ''اس کا کریں تو کیا کریں۔'' چوہدری نے مشورہ دیا کہ سب سے پہلے تھانے میں اس کی اطلاع کرنی چاہئے۔

پو پھوٹتے ہی لوگوں کو پتہ چل گیا کہ جوگی کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا ہے جو کچھ دوسرے مرنے والوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے اور اگر اس کی لاش بھی زیادہ دیر تک رہی تو اس کی جلد بھی پھٹنا شروع ہو جائے گی۔

چوہدری نے فوراً اپنی گھوڑا گاڑی نکلوائی اور تیزی سے تھانے کی طرف بھاگا۔ تھانے پہنچ کر چوہدری نے تھانیدار سے ساری روداد جوگی کی سنا دی۔ تھانیدار فوراً چوہدری کے ساتھ آیا، اور اس نے جوگی کی لاش دیکھ کر بولا۔ ''جو آپ لوگوں کی مرضی ہو، وہ کر دیں، میں لکھ کر دے دیتا ہوں۔'' تھانیدار نے ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیا کہ ''یہ جوگی لاوارث ہے۔ لہٰذا تھانہ کی اجازت سے یہ جس ذات سے تعلق رکھتا ہے، اس کے مطابق گاؤں والے اسے آخری منزل تک پہنچا سکتے ہیں۔'' اور تھانیدار واپس چلا گیا۔

گاؤں والوں نے جب چیک کیا تو جوگی ہندو نکلا۔ لہٰذا گاؤں والوں نے جلدی جلدی کر کے اسے چتا پر لٹا کر آگ کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ جوگی کی موت بھی اس طریقے سے ہوئی تھی جس طرح ابھی تک دیگر لوگ مرے تھے۔ دن میں موسم بہت خراب تھا۔ ہلکی بونداباندی شروع ہو چکی تھی۔ بادلوں کی گھن گھرج ویسے ہی دل کو دہلا رہی تھی ہر کوئی اپنے گھر میں دبکا پڑا تھا۔ لہٰذا بارش میں پہرا دینا ناممکن تھا۔ آج رات کوئی بھی اپنے گھر سے نہیں نکلا۔ رات سر پر آ گئی تھی اور پھر دبے قدموں سے رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کرنے لگی۔ رات بھر بادلوں کی گرجدار آواز تہلکہ مچاتی رہی۔

دن کا سورج دل کو دہلاتا ہوا طلوع ہوا۔ آج رات میں دو نوجوانوں کی موت ہو گئی تھی۔ گاؤں والے سوائے رونے دھونے اور چیخ و پکار کرنے کے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ زار و قطار روتے ہوئے دونوں مرنے والوں کو آخری منزل تک پہنچا دیا گیا۔ گاؤں والے ہر روز ایک دو جنازہ اٹھا اٹھا کر نڈھال ہو چکے تھے، اب تو رو رو کر ان کی آنکھوں

کے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے، اب اتنا بیزار ہو چکے تھے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے مالک سے شکوہ کناں تھے کہ یہ روز روز کے مرنے سے اچھا ہے کہ پورے گاؤں والوں کو ایک ہی دن موت سے ہمکنار کردیا جائے۔

دونوں مرنے والوں میں سے ایک ہندو تھا، دوسرا مسلمان، موت کی بلا یہ نہیں دیکھتی تھی کہ کون مسلمان ہے یا کون ہندو ہے، اسے تو بس مارنا تھا۔ بے چارے جانور بھی بلا ناغہ مر رہے تھے۔ جانوروں کے لئے رات دن کا قید نہیں تھا۔ رات تو رات، دن میں بھی جانور مر رہے تھے، لیکن انسان صرف رات میں ہی موت سے ہمکنار ہوجاتے تھے۔

☆......☆......☆

رات میں سلیم الدین نے خواب دیکھا کہ نماز کے بعد حیران و پریشان مسجد کے دروازے کے قریب بیٹھے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں کہ ایک بزرگ نورانی چہرہ آئے اور آتے ہی بولے۔ ''حوصلہ کر، ہمت نہیں ہار، دلی مطب میں چلا جا، دلی جانا بھولنا نہیں، فوراً چلا جا، کام ہوجائے گا، ظلم کوئی کرتا ہے اور بھگتتا کوئی اور ہے، جو کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے، جلدی سے چلا جا۔'' اور یہ بول کر وہ بزرگ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

سلیم الدین کی فوراً آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئے، اس خواب کے متعلق سوچنے لگے اور انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ صبح ہوتے ہی دلی روانہ ہوجائیں گے۔ ''حقیقت میں یہ خواب ہمارے فائدے کے لئے دکھایا گیا ہے۔''

اللہ اللہ کر کے صبح ہوتے ہی وہ چوہدری کے پاس گئے اور اپنے خواب کے متعلق بتایا۔ خواب کے بارے میں سن کر چوہدری بھی بہت خوش ہوا، اپنے کوچوان کو بلایا اور حکم دیا کہ ''فوراً سلیم الدین کو دلی لے جائے۔''

کوچوان نے اثبات میں سر ہلایا اور سلیم الدین کو لے کر دلی کے لئے روانہ ہوگیا۔

دلی میں حکیم وقار بہت مانے ہوئے حکیم تھے۔ مطب کے بارے میں ہر شخص جانتا تھا۔ دلی شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی کوچوان نے گھوڑا گاڑی روک کر ایک راہ گیر سے پوچھا۔ ''جناب یہاں مطب کس طرف ہے؟''

یہ سن کر راہ گیر بولا۔ ''اچھا تو آپ نے حکیم وقار کے مطب جانا ہے، مطب فلاں جگہ پر ہے، آپ سیدھے چلے جائیں۔'' بہرحال پوچھتے پوچھتے گھوڑا گاڑی حکیم وقار کے مطب کے سامنے جا کر رک گئی۔ سلیم الدین نیچے اترے اور مطب میں داخل ہوگئے، سلیم الدین یہ بھی سوچنے لگے کہ مطب میں تو بیماریوں کا علاج ہوتا ہے، یہاں تو کسی خونی بلا کا مسئلہ ہے، لیکن وہ خواب والی بات پر مطمئن تھے، مطب میں جا کر ایک طرف بیٹھ گئے، اور بھی کئی مریض بنچ پر بیٹھے ہوئے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے، سلیم الدین بھی بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔

ایک گھنٹہ بعد سلیم الدین کا بھی نمبر آگیا، تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور حکیم وقار کے کمرے میں جا کر کھڑے ہوگئے۔ حکیم وقار انہیں دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔ ''جناب تشریف رکھیں۔'' جب سلیم الدین کرسی پر بیٹھ گئے تو حکیم وقار نے کہا۔ ''جناب اب آپ اپنی پریشانی بیان کریں، آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

یہ سن کر سلیم الدین کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے، یہ دیکھ کر حکیم وقار نے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور بڑی شفقت سے گلاس کا پانی سلیم الدین کو پلایا۔

پانی پینے کے بعد سلیم الدین کے جسم میں کچھ تازگی آگئی۔ چند منٹ بعد حکیم وقار نے کہا۔ ''جناب آپ گھبرائیں نہیں، حوصلے سے کام لیں' آپ بتائیں کہ آپ کو کون سی بیماری ہے؟''

حکیم وقار کی بات سن کر سلیم الدین نے ساری روداد حکیم وقار کے گوش گزار کردی۔ سارے حالات و واقعات سننے کے بعد حکیم وقار بولے۔ ''محترم میں جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہوں، اور میرے دوست حکیم کامل روحانی علاج کرتے ہیں۔

آج حکیم کامل سے ملاقات مشکل ہے آپ برائے مہربانی پرسوں تشریف لے آئیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ حکیم کامل آپ کا مسئلہ حل کر دیں گے۔ حکیم کامل موجود تو ہوتے ہیں مگر آج ہی علی الصبح ایک ضروری کام سے گئے ہیں اور ان کی واپسی کل کسی وقت متوقع ہے۔ آپ کو زحمت تو ہوگی مگر آپ کو آنا پڑے گا، آپ بے فکر ہو کر جائیں، اور یہ امید لے کر جائیں کہ انشاء اللہ آپ کا کام ہو جائے گا، اور آپ یہ بھی ذہن میں رکھیے گا کہ حکیم کامل کوئی پیسہ پائی لیتے نہیں ہیں۔"

حکیم وقار کی تسلی آمیز باتیں سن کر، اور پھر ان کے دماغ میں بزرگ کی بتائی گئی بات بھی تھی، سلیم الدین کو مصیبت سے نجات کی کرن نظر آ گئی تھی۔ انہوں نے حکیم وقار سے مصافحہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

حکیم وقار بولے۔ "برائے مہربانی اپنا پتہ لکھوا دیں، اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے۔"

سلیم الدین نے اپنا پتہ لکھوا دیا اور دل میں امید کی کرن لے کر واپس اپنے گاؤں آ گئے اور امید افزا باتیں چند لوگوں کو بلکہ خاص طور سے چوہدری کو بتا دی۔

دوسرے دن رولوکا کام سے فارغ ہو کر مطب میں واپس آ گیا۔ حکیم وقار کے کمرے میں گیا اور حکیم وقار سے مصافحہ کرنے کے بعد ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے، آدھا گھنٹہ بعد اچانک حکیم وقار کو سلیم الدین کی باتیں یاد آ گئیں تو حکیم وقار نے سلیم الدین کی زبانی ساری باتیں رولوکا کے گوش گزار کر دیں، ساری باتیں سننے کے بعد رولوکا بہت افسردہ ہوا اور بولا۔ "کیا انہوں نے اپنا اتہ پتہ دیا ہے۔"

حکیم وقار بولے۔ "سلیم الدین نے پتہ لکھوا دیا ہے، یہ لیجیے ان کا پتہ۔"

رولوکا نے سلیم الدین کا پتہ لیا اور بولا۔ "میں آج رات ہی معلوم کروں گا کہ اصل مسئلہ ہے کیا؟" تھوڑی دیر تک دونوں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے اور اس کے بعد رولوکا حکیم وقار کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ سلیم الدین کی روداد سن کر رولوکا بہت زیادہ افسردہ ہو گیا تھا۔

شام ہوئی اور شام کے بعد رات کا اندھیرا ہر سو پھیل گیا۔ رولوکا نے رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر اندر سے چٹخنی لگا لی۔

رات بارہ بجے تک اپنے کمرے میں موجود رہا، وہ بستر سے اٹھا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ رولوکا غائب ہو کر شانتی پور پہنچ گیا۔ شانتی پور پہنچ کر وہ غائب ہی رہا۔ اس نے پورے گاؤں کا ایک بھرپور چکر لگایا۔

دراصل وہ غائبانہ طریقے سے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لوگوں کے مرنے کا اصل جواز ہے کیا۔ گاؤں میں پہریدار پہرا دے رہے تھے۔ رات بھر وہ پورے گاؤں میں گھومتا رہا اور اس نے پتہ لگا لیا کہ لوگوں کے مرنے کے کارن کیا ہیں۔ وہ موت کی بلا کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، اور اس نے اس بلا کو موقع نہیں دیا کہ وہ آج کی رات کسی کو اپنا شکار بنا سکے۔

وہ بلا جہاں کسی کو مارنے کے لئے جھپٹتی تو درمیان میں رولوکا آ جاتا، اور وہ بلا مایوس ہو کر اس گھر سے باہر نکل جاتی، اس طرح چکر رات بھر چلتا رہا، اور صبح کا سپیدہ ہر طرف پھیلنے لگا۔ آج گاؤں میں کوئی بھی نہیں مرا تھا۔

رولوکا واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

سلیم الدین اور چوہدری بلکہ سارے گاؤں والوں کی خوشیاں دیکھنے کے قابل تھیں۔

سلیم الدین بھاگتے ہوئے چوہدری کے پاس پہنچے اور اس سے بولے۔ "چوہدری صاحب کوچوان کو بول دیں کہ وہ فوراً میرے ساتھ دلی چلے۔ حکیم کامل کا ہی کرشمہ نظر آ رہا ہے کہ ان کی دعا سے آج گاؤں میں کسی کی بھی موت واقع نہیں ہوئی۔"

چوہدری نے کوچوان کو حکم دیا کہ سلیم الدین کو لے کر فوراً دلی چلا جائے۔ سلیم الدین کو لے کر کوچوان دلی پہنچ گیا۔ دن کے دس بجنے والے تھے۔ حکیم وقار کے کمرے

میں رولوکا بھی بیٹھا تھا۔ حکیم وقار نے اپنے ملازم سے کہہ دیا تھا کہ سلیم الدین نامی ایک صاحب آئیں تو انہیں فوراً میرے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔

سلیم الدین کے گاڑی سے اترتے ہی ملازم ان کی طرف لپکا اور انہیں لے کر حکیم وقار کے کمرے میں آ گیا جہاں کہ رولوکا بھی کرسی پر براجمان تھا۔ سلیم الدین نے آتے ہی رولوکا اور حکیم وقار سے مصافحہ کیا۔ سلیم الدین کو دیکھ کر حکیم وقار بولے۔ ”سلیم صاحب یہ ہیں حکیم کامل۔“

سلیم الدین فوراً سے پیشتر نیچے جھک کر رولوکا کے پاؤں کو ہاتھ لگایا تو جھٹ سے رولوکا نے انہیں کندھے سے پکڑ کر اوپر کو اٹھایا اور بولا۔ ”آپ گھبرائیں نہیں، صبر سے کام لیں، میری کوشش ہوگی کہ آپ سارے گاؤں والوں کی جان چھوٹ جائے، اس خونی بلا سے۔“

سلیم الدین کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ رولوکا بولا۔ ”آپ آنسو پونچھ لیں اور آپ میرے کمرے میں چلیں، وہیں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنوں گا۔“

سلیم الدین کو لے کر رولوکا اپنے کمرے میں آ گیا اور سلیم الدین سے بولا۔ ”آپ کرسی پر بیٹھ جائیں اور اپنی روداد سنائیں کہ مسئلہ کیا ہے؟“

جبکہ رولوکا اپنے تئیں رات میں غائبانہ طریقے سے شانتی پور جا کر اصل معاملہ دیکھ چکا تھا، اور وہ اس بلا کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا جس کی وجہ سے آج رات شانتی پور میں کوئی مرا نہیں تھا۔ رولوکا نے سلیم الدین کو بہت تسلی دی اور بولا۔ ”آپ بالکل بھی فکر نہ کریں اور اپنی زبانی بتائیں کہ اصل واقعہ ہے کیا؟“

سلیم الدین نے شروع سے آخر تک کا سارا معاملہ رولوکا کے سامنے رکھ دیا۔ جسے سن کر رولوکا بہت افسردہ ہوا، اور بولا۔ ”آپ مطمئن ہو کر واپس اپنے گاؤں چلے جائیں۔ میں حسب ضرورت آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا، آپ کے گاؤں کا پتہ میرے پاس موجود ہے، آپ نے ہی اپنا پتہ لکھ کر حکیم وقار کو دیا تھا۔

رولوکا اپنی کرسی سے اٹھا اور سلیم الدین کے ساتھ حکیم وقار کے کمرے میں آ گیا۔ رولوکا اور سلیم الدین دونوں حکیم وقار کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے، اتنے میں ایک مریض کمرے میں داخل ہوا، اس مریض کو کئی دن پہلے سانپ نے ڈسا تھا۔ وہ مریض حکیم وقار کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا، تو حکیم وقار اس کی طبیعت کا پوچھنے لگے اور پھر بولے۔ ”میاں تم نے عقل مندی کی جس کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی۔“

رولوکا بولا۔ ”حکیم صاحب جو لوگ اپنے حواس پر قابو رکھتے ہیں وہ اپنی مصیبتوں پر قابو پا لیتے ہیں، اکثر گاؤں دیہات میں زیادہ سانپ ہوتے ہیں جو کہ زیادہ تر لوگوں کو پاؤں پر ڈستے ہیں، اور اگر ایسا ہو تو جس جگہ سانپ نے کاٹا ہے، اس جگہ سے تھوڑا اوپر کس کر رسی باندھ دینا چاہئے اور پھر اوپر ایک گرہ اور لگانی چاہئے، پھر کسی تیز دھار چاقو سے اس جگہ سے دو انچ ہٹ کر چیرا لگا دینا چاہئے، ایسا کرنے سے سانپ کا زہر خون کے ذریعہ باہر نکل جاتا ہے، یعنی اس جگہ زہر کی مقدار کم ہو جاتی ہے، اور جب زہر کی مقدار کم ہو جاتی ہے تو اس متاثرہ شخص کے بچنے کی امید زیادہ ہو جاتی ہے۔“

اس کے بعد سلیم الدین سے مخاطب ہو کر رولوکا بولا۔ ”سلیم صاحب آپ تشریف لے جائیں فکر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں، میری کوشش ہوگی کہ بہت جلد آپ لوگوں کی جان اس بلا سے چھوٹ جائے۔“ اس کے بعد سلیم الدین نے ان سب سے مصافحہ کیا اور گھوڑا گاڑی پر بیٹھ کر اپنے گاؤں آ گئے۔

گاؤں میں پہنچ کر سلیم الدین نے گاؤں والوں کو خوش خبری دی کہ ایک دو روز میں ہم سب کی جان اس موت کی بلا سے چھوٹ جائے گی۔“ یہ سن کر گاؤں والے بہت خوش ہوئے۔

رات کا اندھیرا پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ پہریدار بدستور گاؤں میں پہرا دے رہے تھے، رات کا خاتمہ ہونے والا تھا اور تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا

پھیلنے والا تھا۔ ایک گھر میں دو میاں بیوی ایک چھوٹے پائے کی چارپائی پر محوِ خواب تھے۔ دونوں کے سر پیر ایک دوسرے کے مخالف میں تھے کہ اچانک شوہر کی آنکھ کھل گئی، وجہ یہ تھی کہ اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر کسی چیز نے کاٹا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے صاف طور سے دیکھا کہ ایک دو گز کا لمبا سانپ اس کے انگوٹھے پر کاٹ کر بھاگ رہا ہے، بدحواسی میں اس نے اپنی بیوی کو اٹھایا اور بولا۔ "جلدی سے کوئی کپڑا یا رسی لا۔"

بیوی فوراً ایک رسی لے آئی تو اس شخص نے انگوٹھے سے ہٹا کر دو جگہ رسی کس کر باندھ دی، اس کے بعد تیز چھری سے انگوٹھے کے نیچے چیرا لگا دیا، چیرا لگاتے ہی بھل بھل خون بہنے لگا، اس کی بیوی نے شور مچایا، پاس پڑوس کے لوگوں کو جگا دیا، اور لوگ دیسی طریقے سے سانپ کاٹے کا علاج کرنے لگے۔ اب صبح کا اجالا کافی پھیل چکا تھا۔

پورے گاؤں میں شور مچ گیا تھا کہ رامو کو ایک خطرناک سانپ نے ڈس لیا ہے۔ سانپ کی لمبائی دیکھ کر رامو ویسے بھی دہشت زدہ ہو گیا تھا۔

اب آہستہ آہستہ رامو پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ دیسی علاج کوئی بھی مکمل کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ رامو کی بیوی کا رو رو کر بہت برا حال تھا۔ رامو اپنے گھر کا خود کفیل تھا، گزشتہ سال ہی اس کے ماتا پتا پرلوک سدھار گئے تھے۔ تھوڑے سے کھیت تھے جس میں اناج اگا کر رامو اپنی گرہستی چلاتا تھا۔

اچانک رولوکا گاؤں میں ایک طرف سے داخل ہوا، اور سیدھا سلیم الدین کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ سلیم الدین اپنے گھر کے سامنے چند لوگوں سے رامو کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے۔ رامو کے لئے سلیم الدین بہت پریشان تھے۔ سلیم الدین ہی کیا بلکہ رامو کے لئے سارا گاؤں ہی بہت زیادہ پریشان تھا۔

رولوکا پر نظر پڑتے ہی سلیم الدین لمبے ڈگ بھرتے ہوئے رولوکا کی جانب لپکے تو سب سے پہلے رولوکا نے سلام کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ سلیم الدین نے رولوکا سے مصافحہ کیا اور بولے۔ "حکیم صاحب آپ نے آنا تھا تو اسی دن کہہ دیتے میں گھوڑا گاڑی لے کر آ جاتا، آپ صبح ہی صبح اتنی جلدی کیسے تشریف لے آئے؟ گاؤں کا اتہ پتہ کیسے چلا؟"

"جناب آپ نے اپنے گاؤں کا پتہ حکیم وقار کو لکھوا دیا تھا اور میں اسی پتہ پر پہنچ گیا۔" رولوکا بولا۔

"خیریت تو ہے ناں کیونکہ پورے گاؤں میں ہلچل سی مچی ہوئی ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی بڑی پریشانی لاحق ہو گئی ہے؟"

"جی حکیم صاحب! رامو نامی ایک جوان کو علی الصبح سانپ نے ڈس لیا ہے اور آہستہ آہستہ رامو پر غنودگی طاری ہوتی جا رہی ہے، رامو کا کہنا ہے کہ وہ سانپ عام سانپوں سے کہیں بڑھ کر لمبا تھا، سانپ نے رامو کے پاؤں کے انگوٹھے پر ڈس لیا ہے۔ اس وجہ سے پورا گاؤں پریشان ہے۔ رامو اپنے گھر کا اکلوتا ہے، خدانہ کرے اگر اسے کچھ ہو گیا تو بے چاری اس کی بیوی......" اور سلیم الدین نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"سلیم صاحب آپ پریشان نہ ہوں، مجھے اس کے پاس لے چلیں، میں چل کر دیکھتا ہوں۔" رولوکا بولا۔

رولوکا کو لے کر سلیم الدین رامو کے گھر کی طرف چل پڑے، دونوں جب رامو کے گھر کے پاس پہنچے تو دیکھا بہت سارے لوگ رامو کے گھر کے پاس بے چینی کے عالم میں نظر آئے، سلیم الدین اور رولوکا کو دیکھ کر لوگ ایک طرف کو ہٹتے چلے گئے۔ رولوکا کو لے کر سلیم الدین رامو کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ رامو چارپائی پر بے سدھ پڑا تھا پورا چہرہ ایسا نظر آ رہا تھا کہ جیسے پورے چہرے اور پورے جسم پر ہلدی مل دی گئی ہو۔

رولوکا نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی، شیشی میں سرخ رنگ کا کوئی سیال بھرا تھا۔ رولوکا بولا۔

"سلیم صاحب یہ دوا اسے پلا دیں، یہ دوا کارگر ثابت ہوگی، اس کا منہ ذرا کھول کر یہ دوا اس کے منہ میں انڈیل دیں۔"

لہٰذا سلیم الدین نے دونوں ہاتھ سے رامو کا منہ زور لگا کر کھولا تو رولوکا نے فوراً شیشی کی ساری دوا رامو کے منہ میں انڈیل دی، ساری دوا فوراً رامو کے پیٹ میں اترتی چلی گئی۔ رولوکا بولا۔ ''سلیم صاحب گھر سے باہر والی جگہ لوگوں سے خالی کرا دیں تاکہ میں رامو کی بچت کے لئے ایک مکمل کارروائی کر سکوں، ذرا جلدی کریں، اگر دیر ہو گئی تو معاملہ بگڑ سکتا ہے، اب دیر کی گنجائش نہیں، کیونکہ سانپ کافی زہریلا لگتا ہے، اس کا زہر پورے جسم میں تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے، لہٰذا زہر کا تدارک بہت ضروری ہے۔''

رولوکا اور سلیم الدین دونوں گھر سے باہر نکلے، اور سلیم الدین نے لوگوں سے کہا۔ ''بھائیو! آپ لوگ برائے مہربانی اس جگہ کو صاف کر دیں کیونکہ اس جگہ بیٹھ کر حکیم صاحب رامو کی حفاظت کے لئے کچھ کام کریں گے۔''

یہ سننا تھا کہ لوگ اس جگہ سے ارد گرد ہٹتے چلے گئے تو رولوکا بولا ''سلیم صاحب ایک چھوٹی سی چٹائی منگائیں جس پر میں بیٹھ سکوں۔''

رولوکا کی بات سن کر سلیم الدین پاس کھڑے ایک شخص سے بولے۔ ''راجا کسی کے گھر سے ایک چھوٹی چٹائی جلدی سے لے آ۔''

سلیم الدین کی بات سن کر راجا ایک طرف کو دوڑا چلا گیا اور چند منٹ بعد ہی ایک چھوٹی سی چٹائی لے کر حاضر ہو گیا۔

چٹائی لے کر رولوکا نے زمین پر بچھائی اور اس پر بیٹھ گیا۔

رامو کے گھر سے ہٹ کر سامنے جھاڑیوں کا سلسلہ کافی دور تک نظر آتا تھا۔ جس طرف جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں، رولوکا نے اشارہ کیا کہ اس طرف لوگ کھڑے نہ ہوں، سلیم الدین نے بلند آواز سے کہا۔ ''بھائیو! اس طرف کی ساری جگہ خالی چھوڑ دیں۔'' سلیم الدین کی بات سنتے ہی سارے لوگ اس طرف سے ہٹتے چلے گئے۔

رولوکا نے سلیم الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اب چھوٹے چھوٹے تین عدد مٹی کے ناند منگوا کر اس جگہ رکھیں اور تینوں ناند فوراً دودھ سے بھر دیں۔''

رولوکا کی بات سن کر سلیم الدین نے کئی لوگوں سے کچھ کہا تو وہ لوگ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے چلے گئے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تین عدد چھوٹے ناند لے آئے، اس کے بعد کئی لوگ اپنے اپنے گھروں سے کافی مقدار میں دودھ لے آئے اور سارا دودھ ناند میں ڈال دیا گیا۔ تینوں ناند دودھ سے بھر گئے تو رولوکا نے اشارہ کیا کہ اس جگہ موجود سارے لوگ خاموشی کا مظاہرہ کریں۔

رولوکا چٹائی پر بیٹھ گیا اور پھر ایک مرتبہ بولا۔ ''سلیم صاحب آپ، لوگوں سے کہہ دیں کہ سارے لوگ اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش کھڑے رہیں۔ جب سانپ آئے تو اسے دیکھ کر لوگ ہلڑ بازی یا شور شرابہ نہ کریں، بلکہ اسے آتا دیکھ کر بھاگیں نہیں کیونکہ سانپ کسی اور کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، بلکہ شور شرابے سے غصے میں آ سکتا ہے، کیونکہ وہ بہت اڑیل اور ضدی لگتا ہے۔''

رولوکا کی بات کا بابلند آواز سے سلیم الدین نے اعلان کر دیا۔ سلیم الدین کی آواز سن کر لوگ اپنی اپنی جگہ خاموشی سے کھڑے ہوئے، آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگے۔

رولوکا چٹائی پر بیٹھ گیا اور چٹائی کے گرد ایک بڑی کیل سے چاروں طرف حصار کھینچ دیا۔ پھر اس نے حصار سے دو فٹ دور ایک چوکور دائرہ بنایا۔ پھر دائرہ کے اندر چاروں کونوں سے لکیر بنا کر چار خانے بنا دیئے۔ اس کے بعد اپنی جیب سے ایک چھوٹی پڑیا نکال کر اس میں سے چار عدد کوڑیاں نکالیں۔ (گھونگے کی ذات کی ایک قسم ہوتی ہے جسے کوڑی کہتے ہیں)

چوکور دائرے کے چاروں کونوں پر ایک ایک کوڑی رکھنے کے بعد منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک کوڑی اپنی جگہ سے ہوا میں اڑتی ہوئی مغرب کی جانب غائب ہو گئی۔ دوسری کوڑی پہلی کوڑی کی مانند اڑتی ہوئی مشرق کی جانب چلی گئی۔

تیسری کوڑی دونوں کوڑیوں کی طرح شمال کی طرف پرواز کر گئی۔

چوتھی کوڑی تینوں کوڑیوں کی طرح جنوب کی طرف اڑتی چلی گئی۔

رولوکا اپنی جگہ بدستور بیٹھا ہوا منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتا رہا۔ چند منٹ گزرے تھے کہ مغرب کی طرف گئی ہوئی کوڑی واپس اڑتی ہوئی آئی اور مغرب کی طرف بنے ہوئے کونے کی جگہ پر حاضر ہوگئی۔ اس طرح مشرق اور جنوب کی طرف جانے والی دونوں کوڑیاں بھی واپس آگئیں مگر شمال کی طرف گئی کوڑی واپس نہیں آئی۔

یہ دیکھ کر رولوکا نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا تو مغرب کی طرف کی کوڑی اڑتی ہوئی ہوا میں معلق ہوئی اور شمال کی طرف پرواز کر گئی۔

رولوکا اپنی جگہ بیٹھا کچھ پڑھنے میں منہمک رہا۔

چند منٹ رولوکا ن کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے مشرقی کونے کی طرف کوڑی کی جانب اشارہ کیا تو وہ کوڑی بھی ہوا میں معلق ہوئی اور شمال کی طرف اڑتی ہوئی غائب ہوگئی۔ چند منٹ رولوکا شمال کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے جھٹ جنوب کی طرف کونے میں پڑی ہوئی کوڑی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو وہ کوڑی بھی جھٹ ہوا میں معلق ہوئی اور زن سے شمال کی طرف پرواز کر گئی۔

رولوکا جس جگہ بیٹھا تھا اس جگہ ایک بڑا سا برگد کا درخت تھا۔ وہ جگہ کافی سایہ دار تھی۔ رولوکا نے سلیم الدین سے کہہ کر وہ چارپائی جس پر رامو بے سدھ پڑا تھا اسے باہر منگا کر سایہ میں رکھوا دیا تھا۔ چارپائی رولوکا کے سامنے چار فٹ کے فاصلہ پر پڑی تھی۔

رولوکا کو دائرہ میں بیٹھ کر پڑھتے ہوئے پندرہ منٹ ہوگئے تھے مگر ان چاروں کوڑیوں میں سے کوئی ایک بھی کوڑی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ تقریباً اٹھارہ منٹ ہوئے ہی تھے کہ جھاڑیوں کی طرف سے آتے ہوئے کالا بھجنگ کافی موٹا اور ڈیڑھ دو گز لمبا ایک سانپ آتا نظر آیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سانپ اپنی مرضی سے نہیں آرہا ہے۔ جب سانپ کافی قریب آ گیا تو ان دونوں نے دیکھا۔ دو کوڑیاں اس کی کنپٹی کی دونوں طرف چپکی پڑی تھیں، تیسری کوڑی اس کے منہ کے نیچے والے حصے میں چپکی ہوئی تھی جبکہ چوتھی کوڑی سانپ کے سر پر وقفے وقفے سے اوپر کو اٹھتی اور پھر زبردست زوردار طریقے سے اس کے سر پر ضرب لگاتی جس سے بلبلا کر سانپ آگے کو بڑھتا، سانپ کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ چاروں کوڑیاں اسے اذیت دیتے ہوئے کھینچ کر لا رہی ہیں۔

سانپ رولوکا کے سامنے آن کر کھڑا ہوگیا اور قہر آلود نظروں سے رولوکا کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال دیں۔ چاروں کوڑیاں بدستور اپنے کام میں مشغول رہیں۔ چند منٹ سانپ اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔

رولوکا نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ اس طرف جس طرف کم اونچی چارپائی پر رامو بے سدھ پڑا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں چادر سے باہر کو نکلے پڑے تھے۔ رولوکا کے بار بار اشارہ کرنے پر آخرکار سانپ رامو کی طرف متوجہ ہوا، طوعاً کرہاً رامو کی چارپائی کی طرف بڑھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا منہ رامو کے انگوٹھے پر اس جگہ رکھ دیا جہاں اس نے ڈسا تھا۔ اس درمیان بھی چاروں کوڑیاں اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دینے پر مصروف تھیں۔

چند منٹ تک سانپ رامو کے انگوٹھے پر اپنا منہ رکھے انگوٹھے سے زہر چوستا رہا کہ اچانک وہ نیچے کو گر پڑا تو رولوکا اپنی جگہ سے اٹھا اور سانپ کو اٹھا کر دودھ سے بھرے ایک ناند میں ڈال دیا۔

سانپ کا ناند میں پڑنا تھا کہ چند منٹ میں دودھ کا رنگ سفید سے نیلاہٹ میں تبدیل ہوگیا۔ اس درمیان رولوکا اپنی جگہ جا کر حصار میں چٹائی پر بیٹھ چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں سانپ کلبلاتا ہوا، دودھ سے باہر نکلا اور رولوکا کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا تو رولوکا نے دوبارہ اسے رامو کی طرف اشارہ کیا تو اس مرتبہ بھی سانپ بحالت مجبوری رامو کی چارپائی کی طرف بڑھ گیا اور رامو کے قریب پہنچ

کر اپنا منہ رامو کے انگوٹھے پر رکھ کر انگوٹھے سے زہر چوسنے لگا، اور پھر پہلے کی مانند چند منٹ زہر چوسنے کے بعد دوبارہ نیچے زمین پر لڑھک گیا۔ رولوکا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور سانپ کو پکڑ کر دودھ سے بھرے دوسرے ناند میں ڈال دیا۔

☆☆☆

چند لمحے میں دودھ کا رنگ ہلکا نیلا ہو گیا۔ سانپ دودھ میں کلبلاتا رہا پھر وہ آہستہ آہستہ دودھ سے باہر آ کر ناند سے نیچے اترنے لگا۔ نیچے آ کر سیدھا وہ رولوکا کی جانب اس جگہ آ گیا جہاں کہ حصار تھا۔

حصار میں آ کر سانپ خاموشی سے پھن اٹھا کر بیٹھ گیا۔ اس کی قہر آلود آنکھیں رولوکا پر مرکوز تھیں۔ وہ کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر مجبور تھا، ورنہ اس کا بس چلتا تو ابھی تک وہ حملہ آور ہو کر رولوکا کا تیا پانچاں کر چکا ہوتا، وہ ٹکٹکی باندھے رولوکا کو دیکھتا رہا۔ مگر رولوکا بھی غافل نہیں تھا رولوکا کی بھرپور نظریں سانپ پر لگی ہوئی تھیں اور پھر رولوکا منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ بھی رہا تھا۔

چھ سات منٹ اسی طرح گزر گئے دونوں ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے کہ پھر رولوکا کا ہاتھ اوپر کو اٹھا اور اس نے اپنی انگلی سے سانپ کی طرف اشارہ کیا، کئی اشارے کرنے کے بعد آخر کار طوعاً و کرہاً سانپ اپنی جگہ سے ہلا اور اس طرف بڑھا جدھر چارپائی پر رامو ابھی تک بے سدھ پڑا تھا۔

سانپ چارپائی کے قریب آیا اور زور زبردستی اپنا منہ رامو کے انگوٹھے پر اس جگہ رکھ دیا جس جگہ اس نے ڈسا تھا۔ چند منٹ تک وہ رامو کے انگوٹھے پر اپنا منہ رکھے زہر چوستا رہا، پھر وہ نڈھال ہو کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔

رولوکا اپنی جگہ سے اٹھا اور سانپ کو پکڑ کر دودھ سے بھرے تیسرے ناند میں ڈال دیا۔ دودھ میں سانپ ڈبکیاں کھانے لگا۔ چند منٹ تک وہ دودھ میں رہا مگر اس مرتبہ دودھ کا رنگ نیلا نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ناند سے نکلا اور آ کر حصار میں اپنی مطلوبہ جگہ پھر پھن کاڑھ کر بیٹھ گیا۔ اور قہر برساتی نظروں سے رولوکا کو دیکھنے لگا۔

رولوکا کے اشارے کے بغیر کسی صورت بھی وہ سانپ حصار سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اب جو دو کوڑیاں جو کہ اس کی کنپٹی میں چپکی ہوئی تھیں۔ وہ علیحدہ ہو کر ہوا میں اڑتی ہوئی اپنی جگہ جا کر ٹک گئیں۔ دونوں کوڑیوں کو علیحدہ ہوتے ہی سانپ اپنی گردن دائیں بائیں گھمانے لگا۔ اس کا معنی یہ تھا کہ اس کی تکلیف میں کمی آ گئی تھی۔ وہ اپنا پھن اٹھاتے ہوئے کچھ مزید اوپر کو اٹھا۔ لیکن اب بھی اس کی نظریں رولوکا پر بدستور جمی ہوئی تھیں۔

رولوکا اپنی شہادت کی انگلی گول دائرے کی شکل میں گھمانے لگا۔ پھر اس نے اپنی انگلی کا رخ سانپ کی طرف کر دیا۔ انگلی کا سانپ کی طرف ہونا تھا کہ اچانک رولوکا کی انگلی سے شعلہ کی ایک تیز لکیر نکلی اور حصار کی طرف بڑھی اور جیسے ہی وہ لکیر حصار سے ٹکرائی تو پورے حصار میں آگ بھڑک اٹھی۔ آگ کو دیکھ کر سانپ بے چین ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ زوردار طریقے سے پھنکارنے بھی لگا تھا۔ اب اس کا پھنکارنا بے سود تھا کیونکہ آگ نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

آگ آہستہ آہستہ اپنا گھیرا سانپ کے گرد تنگ کرتی جا رہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلے مزید بلند ہو گئے اور سانپ کے جسم سے لپٹ گئے۔

حصار کے اندر ہی سانپ تڑپنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ چند منٹ میں ساری آگ اور شعلے غائب ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ کوئلہ بنا سانپ اس جگہ موجود تھا۔

رولوکا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اشارے سے سلیم الدین کو پاس بلایا۔ سلیم الدین فوراً لپک کر رولوکا کے قریب آ گئے تو رولوکا نے سلیم الدین سے ایک گلاس پانی منگایا۔ فوراً ایک گلاس پانی آ گیا تو رولوکا نے اس پانی پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ پھر اس پانی کو چلو میں لے کر رامو کے چہرے پر چھینٹا مارا۔ ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ پانی کا چھینٹا مارا تو رامو کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور پھر

دیکھتے ہی دیکھتے رامو نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بعد وہ اپنے سر کو ادھر ادھر گھمانے لگا۔

رولوکا نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور رامو اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد رولوکا نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ اس شیشی میں شاید کوئی دوا تھی۔ ایک گلاس دودھ منگا کر اس دوا کو رولوکا نے دودھ میں ملا دیا اور سارا دودھ رامو کو پلا دیا۔

چند منٹ تک رامو چارپائی پر بیٹھا رہا پھر رولوکا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اٹھنے کے لئے کہا تو رامو اٹھ کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ ''اب تم بالکل ٹھیک ہو، جاؤ اپنے گھر جا کر آرام کرو۔'' رولوکا بولا۔ رامو اچنبھے میں تھا، اچنبھے کی حالت میں سارے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ بہر حال سلیم الدین کے کہنے پر تین چار لوگ اس کے ساتھ چلنے لگے۔ اب رامو اپنے گھر کی جانب جا رہا تھا۔

رولوکا نے سلیم الدین سے کہا۔ ''تینوں ناند کے دودھ بہتے پانی میں ڈلوا دیں اور جلا ہوا سانپ کا جسم بھی اس پانی میں ڈلوا دیں۔'' رولوکا کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

رولوکا کو چوہدری کے بیٹھک میں بیٹھایا گیا۔ ابھی تک کسی نے بھی رولوکا سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

''حکیم صاحب اگر اجازت ہو تو آپ کے لئے چائے پانی کا انتظام کروں۔'' سلیم الدین نے پہلی مرتبہ اپنا منہ کھولا۔

''بس آپ ایک گلاس پانی پلا دیں، فی الحال کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔'' رولوکا بولا۔

''فوراً گھڑے کا ٹھنڈا پانی آ گیا تو رولوکا گلاس کا سارا پانی پی کر گویا ہوا۔'' سلیم الدین صاحب اب آپ کا گاؤں اس موذی موت سے آزاد ہے۔ گاؤں میں جتنے بھی لوگ مرے ہیں۔ دراصل اس سانپ نے موت سے ہمکنار کیا تھا۔''

یہ سن کر اس جگہ موجود سارے کے سارے لوگ حیران تھے اور سب پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ سارے لوگوں کی آنکھوں میں سوال تھا؟'' کہ سانپ نے کس طرح اتنے لوگوں کو ڈس کر مارا تھا اور پھر طریقہ کار بھی ایک جیسا تھا، اس کے علاوہ سانپ کے ڈسنے کا کوئی بھی نشان مرنے والوں کے جسم پر نظر نہیں آتا تھا؟''

رولوکا بولا۔ ''یہ سانپوں کا جوڑا تھا۔ ایک دن یہ دونوں اپنی موج مستی میں تھے کہ مرنے والوں میں سے کسی نے بروقت ایک کو مار دیا۔ جس سانپ کو اس نے مارا تھا دراصل وہ نر سانپ تھا۔ یہ مادہ بچ گئی تھی اور اس جگہ سے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی۔

لیکن انتقام کا شعلہ اس کے دل دماغ میں بھڑک اٹھا تھا۔ یہ جس فرد کو بھی ڈستی تھی تو رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر، مرنے والوں کے سر میں اپنا ڈنک مارتی تھی۔ اس کا زہر اس قدر تیز تھا کہ مرنے والا تھوڑے ہی وقفے میں موت سے ہمکنار ہو جاتا تھا۔ زہر کی وجہ سے اس کا جسم پھٹنے لگتا تھا۔

یہ ناگن تھی، انتقام کے معاملے میں یہ اندھی ہو چکی تھی، اس کا بس نہیں چلا ورنہ یہ ابھی تک گاؤں کے تمام لوگوں کو ختم کر چکی ہوتی۔ دن میں یہ نکلتی نہیں تھی کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ جائے اور اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو لوگ چوکنے ہو جاتے اور پھر اس سے بچاؤ کی تدبیر ڈھونڈنے لگتے اور پھر کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ کر اسے ختم کر دیا جاتا۔''

''حکیم صاحب سانپ تو عموماً پاؤں یا پنڈلی پر ڈستے ہیں، یہ طریقہ اس کے دماغ میں آیا کیوں کر؟'' سلیم الدین نے پوچھا۔

رولوکا بولا۔ ''سلیم صاحب صرف انسان ہی عقل نہیں لڑاتا بلکہ جانور بھی بہت عقلمند ہوتے ہیں، اکثر جاندار خطرے کے وقت اپنی عقل استعمال کر کے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں، بس اس کے دماغ میں بھی یہ طریقہ آ گیا کہ سر ایسی جگہ ہے جہاں کہ ڈسنے کا پتہ نہیں چلے گا اور اس نے مرنے والوں کے سر میں ڈسا۔''

''حکیم صاحب! لیکن اس نے رامو کو تو انگوٹھے پر ڈسا، ایسا کیوں ہوا؟'' سلیم الدین نے پوچھا۔

''دراصل یہ صرف مردوں کو ہی مارنا چاہتی تھی،

اس نے اب تک کسی عورت کو اپنا نشانہ نہیں بنایا چونکہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے مخالف سمت میں اپنا سر کر کے سوئے تھے اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ دو راتوں سے میں اس کے پیچھے غائبانہ طور سے لگا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پرسوں رات میں کوئی بھی نہیں مرا تھا، یہ جس طرف بھی جاتی تھی میں اس کے راستے میں رکاوٹ ڈال دیتا تھا۔ پہلی رات تو یہ ناکام واپس چلی گئی۔ آج رات یہ اور غضبناک حالت میں آئی، میں تو اس کے پیچھے لگا ہی پڑا تھا۔ بس مجھے رامو کے گھر میں آتے ہوئے چند منٹ کی دیر ہوگئی۔

یہ بدحواسی کی حالت میں دھوکہ کھا گئی کہ ان دونوں میں مرد کون سا ہے؟ اور اس بدحواسی و گھبراہٹ میں یہ سر کی طرف نہ جا سکی اور اس نے رامو کے انگوٹھے پر اپنا ڈنک مار دیا۔ اگر میں موجود نہ ہوتا تو کسی بھی صورت رامو بچ نہیں سکتا تھا۔ یہ بہت زہریلی ناگن تھی۔

میں کیا بتاؤں بلکہ میرے پاس الفاظ نہیں کہ یہ کس قدر ظالم، ضدی اور زہر والی تھی۔ آپ لوگوں نے دیکھا تھا کہ شروع میں، میں نے چار کوڑیوں کو اس کی تلاش میں بھیجا۔ تین تو واپس آ گئیں مگر ایک کوڑی واپس نہیں آئی، وہ کوڑی اس کے ارد گرد منڈلاتی رہی۔ یہ ناگن طاقت میں بہت زیادہ تھی۔

پھر میں نے یکے بعد دیگرے مزید تین کوڑیوں کو اس کی طرف بھیجا تو ان چاروں کوڑیوں نے اسے زبردستی اذیت دیتے ہوئے پکڑ لائیں۔ عام سپیرے جنتر منتر کی پڑھائی یا پھر بین کی آواز سے سانپ پر قابو پاتے ہیں مگر اس پر کسی پڑھائی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے دیوتا کے قدموں میں پڑ کر گڑگڑائی تھی اور دیوتا سے اپنی شکتی و طاقت میں اضافہ کے لئے روئی تھی، لہٰذا دیوتا نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اس کی طاقت میں اضافہ کر دیا تھا۔ چند سال بعد ان دونوں میں اتنی طاقت آ جاتی کہ یہ انسانی روپ بھی دھار سکتے تھے۔ ان دونوں کی عمر ستانوے سال کی ہو چکی تھی اور اکثر کوئی کوئی سانپ سو سال کی عمر تک پہنچ کر بے پناہ غائبانہ طاقت کا مالک ہو جاتا ہے اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جو بھی روپ چاہے دھار سکتا ہے۔

لیکن ہر عروج کو زوال ہے جب کوئی بھی انسان یا پھر جاندار اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے تو قدرت کی طرف سے اس کی پکڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ دوسروں پر زیادتی کرنے والا، مخلوق خدا کو نقصان پہنچانے والا بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے، اگر یہ ناگن اپنے حدود سے تجاوز نہ کرتی تو آج یہ اپنے آخری انجام کو نہ پہنچتی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیوی دیوتا اپنے سیوک پر نظر خاص کر دیتے ہیں جس سے اس کی غائبانہ طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ سیوک اپنی طاقت کے زُعم میں آ کر مخلوق خدا کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچانا شروع کر دیتا ہے اور جب اس کا ظلم بڑھتا ہے تو ان نادیدہ شکتیوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے کہ میں نے خود ہی منش کی بھلائی کے لئے شکتی دی تھی لیکن یہ تو راون بن بیٹھا، پھر اس ظالم کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا جاتا ہے اور پھر وہ دائرہ آہستہ آہستہ اس ظالم کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ ظالم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے مٹ جاتا ہے۔

سانپ موذی ہوتا ہے اسے دیکھتے ہی لوگ مارنے کی سوچتے ہیں اور یہی کچھ ان ناگ اور ناگن کے ساتھ بھی ہوا، اس نے بے گناہ اور معصوم لوگوں پر ظلم کیا اور آخر کار یہ خود بھی موت سے ہمکنار ہوگئی۔ اسے قابو کرنے کے لئے بہت زیادہ طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کسی صورت بھی قابو میں نہیں آتی اور پھر لوگوں کو موت کے منہ میں پہنچاتی رہتی۔

اب آپ لوگ بے فکر ہو جائیں، کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں کہ آئندہ پھر کبھی ایسا ہوگا، دین و دنیا کا جو مالک ہے اس کا شکر ادا کریں اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کو شہرت دولت اور حکمرانی سے نوازتا ہے تو اس کا اصل مقصد ہوتا ہے کہ ”اے انسان

میں نے جو تجھے طاقت سے نوازا ہے، تجھے شہرت دی ہے، لوگوں کو تیرے لئے طابع کر دیا ہے تو تجھ پر فرض ہے کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کر، لوگوں کے دکھ درد کو دور کرنے میں مددگار بن جا، اپنی ذات سے کسی کو ناحق تکلیف نہ دے۔'' مگر انسان اپنی طاقت کے زور پر ظالم بن جاتا ہے کمزوروں اور مظلوموں کو روندنا شروع کر دیتا ہے، اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جاتا ہے، اس کا ہر حکم پس پشت ڈال دیتا ہے تو پھر پیدا کرنے والا، انسان کی زندگی کی رسی کو کسنا شروع کر دیتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس ظالم کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔

اچھا اب میں چلتا ہوں، ہوسکتا ہے مطب میں کوئی اور بھی میرے انتظار میں بیٹھا ہوگا۔'' رولوکا بولا۔

''حکیم صاحب آپ کا یہ احسان ہم گاؤں والے نسل در نسل یاد رکھیں گے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل وکرم رکھے آپ کو مزید حوصلہ و ہمت دے کہ آپ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دور کرتے رہیں۔ ہم تو کسی لائق نہیں کہ اس نیک کام کا اجر دے سکیں، آپ کو اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ اگر آپ کچھ کھا پی لیں تو......'' سلیم الدین نے کہا۔

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، اب میں اجازت چاہوں گا، آپ لوگ مجھے اجازت دیں۔ آپ لوگ کسی بھی بیماری کے لئے مطب آسکتے ہیں۔ حکیم وقار مجھ سے بھی بڑھ کر اچھے ہیں، وہ مریضوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' یہ بول کر رولوکا اٹھ کھڑا ہوا۔

''حکیم صاحب میری خواہش ہے کہ آپ گھوڑا گاڑی پر تشریف لے جائیں۔ میں نے کوچوان کو بلوالیا ہے۔'' سلیم الدین نے کہا۔

''چلیں آپ کی یہ خواہش میں پوری کر دیتا ہوں، ویسے اس کی ضرورت تو نہیں میں خود اکیلا چلا جاتا۔'' یہ بول کر رولوکا نے اس جگہ موجود تمام لوگوں سے مصافحہ کیا اور بیٹھک سے نکل کر باہر آ گیا، باہر گھوڑا گاڑی کھڑی تھی، رولوکا نے ہاتھ اٹھا کر سب کو سلام کیا اور گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لوگ بڑی محبت اور لگاؤ سے اپنے ہاتھ ہلاتے رہے، چند لمحوں میں ہی گھوڑا گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ تو سارے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور تھوڑی دیر میں ہی رولوکا حکیم وقار کے مطب میں پہنچ گیا۔

☆☆☆

''بابا جی مجھے رامپور جانا ہے، کیا آپ چلنا پسند کریں گے؟'' مالنی نے مہذب لہجے میں بوڑھے کوچوان سے کہا۔

''پتر کیوں نہیں چلوں گا، میرا تو کام ہی سواریوں کو ان کی منزل تک پہنچانا ہے۔'' کوچوان بولا۔

بابا جی آپ پیسوں کی فکر نہ کریں، میں کرایہ سے بڑھ کر دوں گی، دراصل شام بھی ہو رہی ہے، اگر گاڑی لیٹ نہ ہوتی تو دو گھنٹے پہلے پہنچ جاتی۔'' مالنی بولی۔

''پتر میں رامپور سے آگے نکل جاؤں گا، اگلے گاؤں میں میرا گھر ہے، تمہیں میں رامپور اتار دوں گا۔''

بوڑھے کوچوان نے کہا تو مالنی خوشی خوشی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئی۔ مالنی کے بیٹھتے ہی کوچوان نے گھوڑے کو چابک سے اشارہ دیا تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کوچوان بولا۔ ''پتر رامپور میں کیا کوئی عزیز رہتا ہے، جس کے گھر تو جا رہی ہے؟''

''بابا! میرا ایک متر رہتا ہے، کوئی بیس دن پہلے لندن سے آیا ہے، ہم دونوں لندن میں اکٹھے ہی پڑھتے ہیں اور ہم دونوں ایک ساتھ بیس دن پہلے آئے ہیں، میں اپنے گھر امر پور چلی گئی تھی اور وہ رامپور چلا آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں چند دن میں ہی تمہارے گاؤں آؤں گا اور پتا نہیں کیوں نہیں آیا، میں انتظار کرتی رہی، پھر سوچا کیوں نہ میں خود ہی اس کے پاس چلی جاؤں، اور میں آ گئی۔'' مالنی تفصیل بتاتے ہوئے بولی۔

''پتر تو دل والی لگتی ہے، بہادر بھی لگتی ہے، مرد ہو کر اس نے وعدہ کیا اور تیرے پاس پہنچا نہیں اور تو لڑکی ہو کر چلی آئی، یہ ناں ہمت اور حوصلے کی بات۔ کوچوان بولا۔

"باباجی دراصل یہ اپنے من کی بات ہے، ویسے وہ ایسا ہے تو نہیں، لگتا ہے کسی کام میں معروف ہوگیا اور پھر میں نے سوچا اس طرح میں اسے سرپرائز دوں گی۔"

"پتر میری بھی بوڑھی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں، میں نے اندازہ کرلیا ہے کہ تیرے دل میں اس کی چاہت زیادہ ہے اور اسی چاہت کے زور پر تو دند ناتی ہوئی آگئی۔ رامپور راستے میں آتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو، پتر میں تجھے اپنے گھر لے چلتا اور کل صبح کے وقت تجھے تیری منزل پر پہنچا دیتا۔ اگر گھر ڈھونڈنے میں کوئی دقت ہو تو میرے گھر چلی چل، صبح کے وقت میں تجھے رامپور لے آؤں گا۔" کوچوان پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"باباجی! گھر ڈھونڈنے میں پریشانی نہیں ہوگی، پتہ میرے پاس ہے اور ویسے بھی اس کے پتا گاؤں کے مشہور ہستی ہیں۔ آپ مجھے گنیش پارک کے قریب اتار دینا۔ قریب میں ہی کالی ماتا کا مندر ہے اور مندر سے تھوڑا ہٹ کر ان کا گھر ہے، چلیں یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ مجھے اتار کر آگے کو نکل جائیں گے، اگر ایسا نہیں ہوتا تو آپ کو خالی واپس آنا پڑتا۔" مالتی بولی۔

"ارے پتر میں کبھی ایسا نہیں سوچتا، کہ خالی خالی واپس آنا پڑے گا۔ جسے جہاں جانا ہوتا ہے میں تو خوشی خوشی اسے اس کے گھر تک پہنچا دیتا ہوں۔ بھگوان کی کرپا سے، بھگوان نے جتنا مجھے دینا ہے، وہ سواریوں سے دلوا دیتا ہے۔ کچھ سواریاں اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دیتی ہیں تو یہ ان کی مہربانی ہے، ورنہ میں خود سے کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لوگ دل سے دعا دیتے ہیں۔ یہ میرے لئے کیا اچھا نہیں۔ چند ٹکے کے لئے میں کسی کا دل دکھاؤں یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں بھی آل اولاد والا ہوں، میرے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، بیٹے شادی والے ہیں، بڑی بیٹی کا دو مہینہ بعد لگن ہے، وہ بھی اپنے گھر چلی جائے گی۔ بیٹے بولتے ہیں۔ پتا جی! اب آپ گاڑی نہ چلایا کریں، آپ آرام کریں۔"

مگر میں بیٹھنا نہیں چاہتا کیونکہ آدمی منش بیٹھ جائے تو زیادہ تھک جاتا ہے، چلتا پھرتا ہے تو بدن میں شکتی رہتی ہے اور ویسے بھی چلنے پھرنے سے دو پیسے آ ہی جاتے ہیں۔ منش کو آرام طلبی سست اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔ پتر! جب تک شکتی ہے میں تو کام کرتا رہوں گا، مجھے لوگوں کو ان کے گھروں تک پہنچا کر بڑی شانتی ملتی ہے۔" کوچوان نے کہا۔

"باباجی! آپ کی سوچ بہت اچھی ہے، اگر اس طرح ہر آدمی سوچنے لگے تو کیا ہی اچھا ہو، جب تک جسم میں شکتی ہے آدمی کو کام کرتے رہنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ باہر والے ملک کے لوگ زیادہ چاک و چوبند ہیں۔ آدمی کا حوصلہ ہی ہے جو کہ آدمی کے جسم میں شکتی پیدا کرتا ہے۔ حوصلہ اگر آدمی کا جوان ہو تو آدمی ترقی کرتا ہے اور جو لوگ کام سے جی چراتے ہیں وہ بہت جلد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح دن بدن کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔" مالتی بھی کوچوان کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کر رہی تھی۔

"لے پتر! تیرا گنیش پارک آگیا۔" کوچوان نے یہ بولتے ہوئے گھوڑا گاڑی روک دی۔

مالتی نے اپنا بیگ اٹھا کر اپنے کندھے پر لٹکایا اور جھٹ گھوڑا گاڑی سے نیچے اتر گئی۔ اس نے اپنے پرس سے دو سو روپے نکالے اور کوچوان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

کوچوان بولا۔ "پتر یہ پیسے دو بہت زیادہ ہیں۔ اتنے تو نہیں بنتے! اور ویسے بھی میں نے تو اپنے گاؤں جانا ہی تھا۔"

"باباجی! بس آپ رکھ لیں۔ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔" مالتی بولی۔

"ٹھیک ہے پتر تیری خوشی ہے تو کوئی بات نہیں۔ بھگوان تجھے خوش رکھے۔" یہ بول کر کوچوان نے گھوڑا گاڑی آگے کو بڑھا دی۔

مالتی پارک کے قریب کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ اچانک اس کی نظر پارک کے بیچ پر بیٹھے ہوئے چند لوگوں پر پڑی تو وہ ان کی طرف جانے کے لئے اپنے

قدم اس طرف بڑھا دیئے۔

اندھیرا پورے علاقے پر مسلط ہو چکا تھا، پارک میں لگا ہوا مٹی کے تیل کا لیمپ کھمبے پر ٹمٹما رہا تھا۔ مالنی اس جگہ پہنچ گئی جہاں پر کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے غور سے دیکھا تو وہ چار تھے۔

''بھائی صاحب آپ بتا سکتے ہیں کہ اس جگہ رمیش بابو کا گھر کس طرف ہے؟'' مالنی نے پوچھا۔

''لگتا ہے آپ کہیں دور سے آ رہی ہیں اس سمے۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''جی! میں امرپور سے آئی ہوں۔ گاڑی لیٹ تھی اس لئے رات ہو گئی آپ ذرا رمیش بابو کا گھر بتا دیں، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔'' مالنی نے کہا۔

''ہاں ہاں! کیوں نہیں۔ آپ چلیں، آپ کو ان کے گھر چھوڑ کر ہم اپنے گھر چلے جائیں گے، ویسے بھی رات ہو چکی ہے ہم بھی اب اٹھنے ہی والے تھے، یار چلتے ہیں۔ دیوی جی کو رمیش بابو کے گھر چھوڑ دیں گے۔'' ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔

''آپ اپنا بیگ مجھے دے دیں۔ میں اٹھا لیتا ہوں، آپ اپنے کندھے پر لٹکائے ہوئے ہیں۔ آپ تھک گئی ہوں گی۔'' ایک بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، آپ کا دھنے واد۔'' مالنی بولی۔

لیکن بیگ اٹھانے والے نے بیگ مالنی کے کندھے سے اتار لیا اور بولا۔ ''آپ مہمان ہیں اور رمیش بابو کیا بولیں گے۔''

مالنی بہت خوش تھی کہ یہ لوگ بہت اچھے ہیں اور رمیش کی دل سے عزت کرتے ہیں۔

وہ چاروں مالنی کو لے کر پارک سے باہر نکلے اور ایک طرف کو چلنے لگے۔ وہ لوگ آگے کو چلتے ہوئے تھوڑی دور جا کر ایک سنسان اور کچھ زیادہ ہی اندھیرے راستے پر مڑ گئے۔

اس راستے پر اندھیرا اتنا تھا کہ مالنی کا دل ہولنے لگا۔ مگر وہ اس وقت مجبور تھی۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ ''آج میں رمیش سے ناراض ہو جاؤں گی کیونکہ وہ حسب وعدہ میرے پاس گھر آیا کیوں نہیں؟''

جب وہ چاروں کچھ اور دور گئے تو ان میں سے دو مالنی کے دائیں بائیں اس کے جسم سے لگ کر چلنے لگے۔

مالنی کا تو دل ہول اٹھا کہ اتنے میں ایک بولا۔

''دیوی جی! ایک مشورہ ہے اگر آپ مان لیں تو اس میں آپ کا بھلا ہے۔''

مالنی بولی۔ ''جی! بولیں، آپ کیا مشورہ دے رہے ہیں۔''

''دیوی جی! ہماری اچھا ہے کہ آپ ہمیں خوش کر دیں۔ نہیں تو......'' وہ بولا۔ جو مالنی کے دائیں ہاتھ کے طرف تھا۔

یہ سنا تھا کہ مالنی سٹپٹا گئی اور اندرونی طور پر کانپنے لگی۔

''میں اس کی شکایت رمیش سے کروں گی، آپ بدتمیزی نہ کریں...... نہیں تو میں چیخ مار کر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔'' مالنی کی آواز تھرتھرانے لگی۔

اتنے میں ایک نے جھٹ اس کے بال پکڑ لئے اور دوسرے نے اپنا بڑا سا رومال مالنی کے منہ پر ڈال کر زوردار طریقے سے اس کا منہ باندھ دیا۔ ''سالی چیخ مارے گی۔'' وہ بولا۔

اب تو مالنی کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔ منہ کس کر باندھنے کے بعد انہوں نے اسے دبوچ کر نیچے بیٹھا دیا۔ وہ بے بس ہو چکی تھی۔

کہاں ایک نازک سی لڑکی اور کہاں گاؤں دیہات کے چار اوباش مشٹنڈے۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے مالنی کو بے بس کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے بے دردی سے اس کے کپڑے پھاڑ دیئے، وہ اپنے بچاؤ کے لئے چیخ بھی نہیں سکتی تھی۔ ناک سے پورا زور لگا کر وہ صرف ''اوں...... آں...... آں......'' کے

علاوہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔

جب وہ زیادہ زور لگانے لگی تو ایک نے اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی، ایسا کرتے ہوئے وہ یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس کے تھپڑ مالنی کے گال پر پڑ رہے ہیں یا پھر وہ تھپڑ اس کی آنکھوں پر بھی پڑ رہے ہیں، کیونکہ ہر طرف ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دینے والا اندھیرا مسلط تھا۔

انہوں نے پوری طاقت سے مالنی کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور پھر وہ باری باری اپنی من مانی کرنے لگے۔ مالنی درد اذیت اور کرب کی وجہ سے بن پانی مچھلی کی طرح تڑپنے لگی تھی۔ اس کے جسم کی ساری جان سمٹ کر اس کے سینے میں سما گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چار وحشیوں کی اذیت ناک سلوک نے مالنی کو بے سدھ کر کے رکھ دیا۔

اس زور ازوری میں اس کے منہ سے کپڑا ہٹ گیا تو مالنی کرب سے بولی۔ ”میں تم لوگوں کو چھوڑوں گی نہیں، تمہیں تھانے میں لے جاؤں گی، تم حرامیوں کی زندگی اجیرن کر دوں گی۔“ درد، کرب اور اذیت کی وجہ سے اس کے منہ سے بڑی مشکل سے آواز نکل رہی تھی۔ پھر اس کی فلک شگاف چیخ بلند ہوئی۔ ”کالی ماتا میری رکھشا کر۔“

”بند کر بکواس! سالی تھانے میں لے جائے گی، میں ابھی تیرا انتظام کئے دیتا ہوں...... نہ تو رہے گی اور نہ تھانے میں جائے گی۔“ یہ بول کر مالنی کا وہ بے دردی سے گلا دبانے لگا۔ اس پر جیسے جنون سوار ہو گیا تھا۔ مالنی تو پہلے ہی نڈھال اور بے سدھ تھی۔ وہ مالنی کا گلا اس وقت تک دباتا رہا جب تک مالنی میں جان تھی۔ مالنی کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی تو ایک بولا۔ ”ارے یہ تو مر گئی۔“

”اب کیا ہوگا؟“ ایک بولا۔

”اس کو ٹھکانے لگانا ہوگا نہیں تو ہماری خیر نہیں۔“

دوسرا بولا۔

”چندر تو ایسا کر بھاگ کر جا اور جلدی سے کدال لے آ، مندر کے پیچھے جو جھاڑیاں ہیں، وہاں پر گڑھا کھود کر گاڑ دیتے ہیں۔“ یہ سن کر وہ ایک طرف کو جانے لگا جس کا نام چندر تھا۔

”اس کے کپڑے اور بیگ کو بھی اس کے ساتھ ہی گڑھے میں دبا دیں گے تاکہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلے۔“

تیسرا بولا۔

”دبانے سے پہلے اس کے بیگ کی ضرور تلاشی لے لینا، مجھے لگتا ہے بیگ میں کافی رقم موجود ہوگی۔“

ایک بولا۔

تھوڑی دیر میں ہی چندر کدال لے آیا۔ تو مالنی کو گھسیٹ کر وہ مندر کے پیچھے جھاڑیوں میں لے جانے لگے۔ مندر کے قریب ہی ایک بہت پرانا اور کافی دور تک پھیلا ہوا برگد کا درخت تھا۔ برگد کے درخت اور مندر کے درمیان سے راستہ گاؤں کے لئے جاتا تھا۔ راستے کے دونوں طرف بہت لمبے لمبے درخت تھے اور بہت زیادہ گہری کھائیاں بھی تھیں۔

گاؤں والوں نے بہت کوشش کی تھی کہ کوئی اور راستہ گاؤں میں داخل ہونے کے لئے بنایا جائے مگر زیادہ گہری کھائی کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا۔ مالنی کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر مندر کے پیچھے لے گئے، اس جگہ اتنی جھاڑیاں تھیں کہ کوئی غلطی سے بھی اس طرف نہیں جاتا تھا۔ ویسے بھی وہ مندر اب ویران ہو چکا تھا۔ جب سے گاؤں کے بیچوں بیچ نیا مندر بنایا گیا تھا، لوگوں نے اس مندر میں آنا چھوڑ دیا تھا۔

ان چاروں میں چندر ہی بہت زیادہ مضبوط اور گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ اس نے جلدی جلدی گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹہ کی جدوجہد کے بعد انہوں نے اپنا سارا کام مکمل کر لیا۔ مالنی کو گڑھے میں ڈال کر اور ساتھ ہی اس کے سارے کپڑے اور بیگ کو بھی گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ گڑھے میں مٹی ڈال کر ہاتھ سے چھو کر وہ مطمئن ہو گئے کہ مٹی ٹھیک طرح سے گڑھے میں ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قریب سے سوکھی ہوئی جھاڑیاں اٹھا کر اس جگہ ڈال دیں۔ ابھی وہ جھاڑیاں ڈالنے کا کام کر ہی رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا،

کہ گڑھے میں سے ایک دودھیا رنگ کا ہیولہ نکل کر ایک طرف گڑھے سے تھوڑا ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور بغور اس گڑھے اور ان چاروں کو دیکھنے لگا۔

اتنے میں ان چاروں نے ایک اور دل دہلا دینے والا منظر دیکھا۔ کالی ماتا کے ویران مندر سے سبز رنگ کی روشنی کی ایک لمبی لکیر نکلی اور ہیولہ کے قریب پہنچ کر پورے ہیولہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چند سیکنڈ تک وہ ہیولہ اس جگہ کھڑا رہا۔ پھر وہ اس طرف پلٹا جدھر سے سبز روشنی نکلی تھی۔

وہ ہیولہ سبز روشنی کے حصار میں مندر کے اندر چلا گیا۔

اس کے بعد اچانک مالنی کی آواز گونجی۔ ''ماتا! تو دیکھ رہی ہے، میرے ساتھ ان حرامیوں نے کتنا انیائے کیا ہے، ماتا مجھے شکتی چاہئے تاکہ میں اس انیائے کا بدلہ ان سے لے سکوں۔'' اور پھر اس گڑھے کی جگہ جہاں کہ انہوں نے مالنی کو دبایا تھا ایک زبردست آگ کا شعلہ بھڑکا۔

رات ختم ہو گئی۔ دن کا سورج طلوع ہوا، مالنی کے بیگ سے پانچ ہزار روپے نکلے تھے۔ ان چاروں نے پوری رقم آپس میں بانٹ لی۔ ''یار رات والا منظر تو بہت ہی دل دہلا دینے والا تھا۔ میں تو بالکل اندر سے ہول گیا تھا، ایسا لگا کہ اس جگہ اس کی آتما تھی جو کہ گڑھے سے نکلی تھی۔

''ابے کیا تو گھاس کھا گیا ہے، کچھ بھی نہیں تھا، وہ سب ہم لوگوں کا وہم اور خوف تھا۔ چونکہ ہم زیادہ ڈر گئے تھے اس لئے ہمیں ویسا نظر آ رہا تھا۔'' ایک بولا۔

''لیکن مندر سے سبز روشنی کا نکلنا وہ کیا چکر تھا؟''

دوسرا بولا۔

''ابے تم لوگ یہ کیا چکر لے کر بیٹھ گئے، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ کچھ بھی ہو، مگر لونڈیا تھی بہت کراری، جیون کا سواد آ گیا، اور پھر جاتے ہوئے ہمارے عیش کے لئے اچھی خاصی رقم بھی دے گئی، اب اس رقم سے عیش کرو، موج کرو دوبا کر، دارو پیو اور مست ہو جاؤ۔'' چندر بولا۔ ان چاروں میں ایک کا نام چندر، دوسرے کا سنیل، تیسرے کا راموا ور چوتھے کا نام گنیش تھا۔

ادھر چھ سات دن بیت گئے امر پور میں مالنی کے گھر والے مالنی کی وجہ سے بہت بے چین تھے کیونکہ مالنی کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ مالنی اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے پتا راما نند گاؤں کے مکھیا تھے۔

دس دن جب بیت گئے تو گھر والوں کو تشویش ہونے لگی۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ مالنی اس قدر لاپرواہ نہیں ہو سکتی۔ ان کے دل مطمئن تھے کہ مالنی گاؤں دیہات جیسی کم ہمت یا ڈرپوک نہیں، وہ تو لندن ریٹرن ہے۔

گیارہویں دن اس کے گھر سے ان کا منشی گوپال رامپور آ گیا۔ وہ رمیش کے گھر آیا اور مالنی کی خیر خیریت معلوم کی، اس نے بتایا کہ ''آج سے ٹھیک دس دن پہلے مالنی آپ کے گاؤں آپ کے گھر آئی تھی۔''

یہ سن کر رمیش اور اس کے گھر والوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ مالنی سے بے خبر تھے۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو منشی گوپال جیسے سکتے میں آ گیا۔

اب تو پورے گاؤں میں جیسے بھونچال آ گیا۔ گاؤں کے نزدیکی تھانے میں رپورٹ درج کرائی گئی۔

رمیش کے پتا بھی گاؤں کے مکھیا تھے ان کی بھی بہت چلتی تھی، ان کا رعب دبدبہ بہت زیادہ تھا۔ پورے رامپور میں ہلچل مچ گئی تھی۔

ریلوے اسٹیشن پر جتنے بھی گھوڑا گاڑی والے کھڑے رہتے تھے ان سب سے جانکاری کی گئی تو پتہ چلا کہ آج سے دس دن پہلے ایک لڑکی آئی تو تھی۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ بہرحال یہ پتہ لگ گیا کہ لڑکی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر رام پور گئی تھی۔ بوڑھا کوچوان جس کا نام جگدیش تھا اس نے لڑکی کو پارک کے پاس اتار کر آگے اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ پولیس نے کوچوان پر بہت سختی کی مگر کوچوان بہت ہی اچھا ہمدرد، ایماندار آدمی تھا اس کی گواہی سارے کوچوانوں نے دی اور ساتھ ہی اس کے گاؤں کے ہر فرد نے کہا کہ جگدیش بابا بہت اچھے آدمی ہیں اور ساتھ ہی تھانے کے پولیس والے بھی انہیں اچھی طرح جانتے تھے کیونکہ کبھی بھی ان کے نام یا ان کے گھرانے والوں کی کوئی شکایت نہ تھانے پہنچی تھی اور نہ ہی

اس گھرانے سے گاؤں کے کسی فرد کو کوئی شکایت تھی۔
ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کو چوان کو پولیس نے چھوڑ دیا۔ گاؤں کے تمام افراد سے پولیس نے پوچھ گچھ کی مگر حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر کیس کو فائل میں بند کر دیا گیا۔ گھر والے رو پیٹ کر خاموش ہو گئے۔
لیکن رمیش وہ واحد شخص تھا جس نے مالنی کا سب سے زیادہ غم کیا۔ وہ بالکل بجھ کر رہ گیا۔ ہر وقت خلاؤں میں گھورتا رہتا تھا۔ اکیلا خاموش رہنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ دراصل مالنی اور اس نے ایک دوسرے کو زندگی کا ہمسفر بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی زندگی سے روشنی ختم ہو کر اندھیرے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کسی بھی کام میں اس کا دل نہیں لگتا، ہر وقت اپنے کمرے میں اکیلا پڑا چھت کو گھورتا رہتا تھا۔ خوراک کم ہو کر برائے نام رہ گئی تھی۔
خیر وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ تھوڑا بہت نارمل ضرور ہوا، مگر دوبارہ لندن جانے کا پروگرام اس نے بالکل ملتوی کر دیا۔ اس نے گھر والوں کو صاف انکار کر دیا کہ اب لندن میں میرے لئے کچھ بھی نہیں رہا، میں کسی صورت بھی لندن نہیں جاؤں گا اور نہ ہی اب میری زندگی میں کوئی اور لڑکی آ سکتی ہے۔
بہر حال اس کا فیصلہ سن کر اس کے گھر والے بہت دکھی ہوئے مگر کر بھی کیا سکتے تھے جوان اور سب سے بڑی اولاد، گھر والوں نے اس معاملے میں چپ سادھ لی، اور یہ بول کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ ''جو بھگوان کی اچھا..... اگر بھگوان نے چاہا تو ہمارا رمیش وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔''
تین ماہ بخیر و خوبی سے گزر گئے، چوتھا مہینہ آیا۔ اماوس کی رات تھی۔ چندر اپنے کمرے میں سویا پڑا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا کہ اچانک ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''چندر میں آ گئی ہوں، تم آرام سے سو رہے ہو، اور میں تمہارے بنا بیاکل ہوں، اٹھو چلو میرے ساتھ۔''
یہ سننا تھا کہ چندر فوراً اٹھ کر اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو چکا تھا، وہ آناً فاناً چارپائی سے نیچے اترا اور سرہانے رکھی ماچس کو اٹھا لیا۔ پھر دیر کئے بغیر کمرے میں موجود لالٹین جلا دی۔ روشنی ہوتے ہی اس نے سارے کمرے کو چھان مارا، مگر کمرے میں کسی بھی انسانی وجود کا پتہ نہیں تھا۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا، اس نے گلاس میں پانی ڈالا اور پھر ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا۔
اس نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نیند اس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ کبھی وہ چارپائی پر بیٹھ جاتا، اور پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتا۔ کسی پل اسے چین نہیں آ رہا تھا۔ بار بار اس کے دماغ میں یہی آواز گونج رہی تھی۔ ''چندر میں تمہارے بنا بیاکل ہوں، اٹھو چلو میرے ساتھ۔''
اور اس طرح پوری رات گزر گئی۔ صبح سورج طلوع ہوتے ہی وہ اپنے تینوں دوستوں کے پاس بھاگا، وہ بالکل بدحواس ہو چکا تھا۔ حیرانی اور پریشانی اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔ ''ارے بھائی کیا بات ہے تو صبح ہی صبح دوڑا چلا آیا۔ خیریت تو ہے ناں۔ رامو بولا۔
''رامو خیریت نہیں ہے۔ میں بہت ڈر گیا ہوں، رات بھر میں سویا نہیں۔'' چندر نے کہا۔
''ہوا کیا؟ اور تو رات بھر سویا کیوں نہیں، کیا کوئی بلا نظر آ گئی تھی تجھے رات میں۔ ابے مرد ہو کر تو بدحواس ہو رہا ہے، تو تو بڑے دل گردے والا ہے، آج تو یہ بزدل اور ڈرپوکوں جیسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟'' رامو بولا۔
''رامو لگتا ہے رات میں اس لونڈیا کی آتما آ گئی تھی۔ جسے ہم نے مارا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''چندر تم آرام سے سو رہے ہو، میں تمہارے بنا بیاکل ہوں۔ اٹھو چلو میرے ساتھ۔'' چندر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔
یہ سن کر رامو زور سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا اور بولا۔ ''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے، لگتا ہے تو بہت جلد پاگل ہونے والا ہے۔ ابے کیسی بے تکی باتیں کر رہا ہے، اسے

مرے ہوئے چوتھا مہینہ ہے اور بھلا کوئی آتما بھی ایسا کرسکتی ہے۔ تو اندھیرے میں ڈر گیا ہوگا، لگتا ہے تو اس کے متعلق سوچنے لگا ہے اس وجہ سے تیرے دماغ میں فتور آ گیا ہے، چل میرے ساتھ میں تجھے سنیل اور گنیش کے پاس لے چلتا ہوں۔'' اور رامو نے چندرا کا ہاتھ پکڑ کر باہر اپنے گھر سے نکلتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں ایک باڑے میں پہنچ گئے۔ اس جگہ سنیل اور گنیش دونوں موجود تھے۔ چندر اور رامو کو دیکھ کر گنیش بولا۔ یارو! خیریت تو ہے آج صبح ہی صبح درشن کیسے نظر آ رہے ہیں۔ ابے چندر آج تیری آنکھ کیسے اتنی صبح کھل گئی، ویسے تو تو دن کے دو بجے اٹھنے والا ہے۔''

''دن کے دو بجے! ارے یہ اگر سوتا تو پھر دن کے دو بجے اٹھتا، یہ تو پوری رات سویا ہی نہیں۔ یہ تو ایک بہت ہی نیا راگ الاپ رہا ہے۔ رات میں اس کے پاس اس لڑکی کی آتما آ گئی تھی، جسے ہم نے آگے پہنچا دیا تھا۔'' اور یہ بات اس نے ذرا آہستہ کی کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' رامو بولا۔

''لگتا ہے اس نے اس کے متعلق کچھ زیادہ ہی سوچنے لگا ہے۔ آج سے تو ایسا کر سوتے وقت ایک گلاس دارو پی لیا کر، تاکہ رات بھر تو مست ہو کر سوتا رہے۔ ابے یہ آتما واتما کچھ نہیں ہوتی، جو اس دنیا سے گیا وہ بس چلا گیا اور رات میں کمرے میں اندھیرا نہ کیا کر، جب آدمی کسی مسئلے پر زیادہ سوچنے لگتا ہے تو وہ مسئلہ اس کی بدھی میں سما جاتا ہے۔ تو فکر نہ کر ابھی میں تجھے لے کر دارو خانہ میں چلتا ہوں۔ دو تین پیگ چڑھائے گا تو سارا غم اور ڈر خوف تجھ سے دور ہو جائے گا۔'' سنیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے کیا ہم دوستوں کی جگ ہنسائی کرائے گا، لوگ کیا بولیں گے کہ گاؤں کے چالو پرزا جوان رات میں اندھیرے سے ڈرنے لگے ہیں!'' گنیش بولا۔

''میں تم لوگوں کو کیسے سمجھاؤں، میں اپنے ہوش و حواس میں تھا جب میں نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی سے ڈرا ہوں، مجھے تو یقین ہو گیا ہے کہ بالکل اسی کی آتما تھی، میرا دل کہہ رہا ہے کہ اب ضرور ہمارے ساتھ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔'' چندر گھبراتے ہوئے بولا۔

''اوئے تو خاموشی سے بیٹھ جا...... نہیں تو میرا میٹر شاٹ ہو جائے گا۔ میں نے ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا۔ میں ناشتہ منگواتا ہوں۔ خوب ڈٹ کر ناشتہ کرتے ہیں۔ پھر چل کر موج مستی کریں گے۔'' سنیل نے کہا اور ساتھ ہی آواز لگائی۔ ''او سندر ادھر آ۔''

آواز سن کر ایک لڑکا بھاگا بھاگا ہوا آیا اور بولا۔'' جی سنیل بھائی۔''

''ایسا کر گھر میں جا اور ماتا سے بول کہ بھیا نے ناشتہ منگایا ہے۔ آج بارہ میں ہی ناشتہ کریں گے، اور یہ بھی بولنا کہ گنیش، رامو اور چندر بھی آ گئے ہیں وہ بھی ناشتہ کریں گے۔'' سنیل نے تفصیل بتائی۔ جسے سن کر سندر جلدی سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں سندر آیا تو ایک بڑی ٹرے اس کے ہاتھ میں تھی۔ ٹرے میں مکی کی گرم گرم کئی روٹیاں اور کٹورے میں ساگ پڑا تھا۔'' بھیا ناشتہ حاضر ہے، آپ لوگ ناشتہ کریں، اور میں لسی لے کر آتا ہوں۔'' یہ بول کر سندر پھر الٹے پاؤں چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کی ایک مٹکی تھی اور ساتھ ہی دو گلاس بھی تھے۔ وہ لسی کی مٹکی اور گلاس رکھ کر چلا گیا۔

''یارو! چلو ناشتہ کرو۔'' سنل نے کہا۔'' چندر تو پیٹ بھر [illegible] کرنا کیونکہ تجھے زیادہ کھانے پینے کی ضرورت ہے۔ [illegible] پیٹ بھرا ہو تو من میں مستی زیادہ آتی ہے۔''

چاروں بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے، روٹی ختم ہو گئی تو انہوں نے ٹھنڈی ٹھنڈی لسی پی اور تھوڑی دیر اور بیٹھ کر باڑہ سے نکلتے چلے گئے۔ چاروں ایک دارو خانہ میں پہنچے۔ رامو بولا۔ ''اوئے چھوٹے آج کوئی زیادہ اسٹرانگ چیز پلا، کیونکہ ہمارا چندر آج بہت زیادہ الجھا ہوا ہے، چیز ایسی ہو کہ بس سواد آ جائے۔''

چند منٹ میں ان کے سامنے دارو کی بوتل اور چار گلاس پڑے تھے۔ تینوں آج چندر پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھے۔ تینوں اپنے اپنے ہاتھ سے اسے پلاتے رہے۔ بہت زیادہ پینے کے بعد جب نڈھال ہو کر چندر نے اپنا سر ٹیبل پر رکھ دیا تو سنیل بولا۔ ''چلو یہ تو گیا کام سے۔ اسے آرام کرنے دو، جب یہ خود ہی اٹھے گا تو اس وقت اس کا دماغ اپنی جگہ آ چکا ہوگا۔''

''اوئے چھوٹے اسے کونے میں پڑی چارپائی پر ڈال دے، اسے اٹھانا نہیں، ہم دو تین گھنٹے میں ذرا گھوم پھر کر آتے ہیں، ہم خود ہی اسے اٹھالیں گے۔ تو ذرا خیال رکھنا کوئی اسے اٹھائے نہیں، نہیں تو تیری خیر نہیں۔'' گنیش بولا۔

تینوں نے خود ہی چندر کو اٹھا کر کونے میں پڑی چارپائی پر ڈال دیا اور پھر وہ تینوں دارو خانے سے باہر کو نکلتے چلے گئے۔

شام کو پانچ بجے وہ تینوں واپس آئے تو دیکھا کہ چندر ابھی تک بے سدھ چارپائی پر پڑا تھا۔ اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ انہوں نے اسے ہلایا جلایا مگر وہ تو ہوش سے بیگانہ پڑا تھا۔ ''یار! اس پر تو آج کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی ہے۔ یہ تو اٹھنے سے رہا، اب اس کے لئے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔'' سنیل بولا۔

''رامو جلدی سے ایک لیموں لا، اس کا بس یہی علاج ہے، ورنہ یہ رات تک نہیں اٹھے گا اور مجھے بھی ذرا جلدی گھر پہنچنا ہے۔ بابو جی کسی کام سے جائیں گے اور انہوں نے کہا ہے کہ آج گائے کا دودھ میں نکالوں۔''

رامو جلدی سے دو عدد لیموں لے آیا تو انہوں نے لیموں کا رس ایک گلاس میں نچوڑا، پھر اس میں پانی ملا کر چندر کو ذرا جھنجھوڑ کر اٹھایا، جب چندر اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا تو سنیل نے لیموں کا شربت چندر کے ہونٹوں سے لگا دیا، چندر غٹاغٹ پورا گلاس خالی کر گیا۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ چندر نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ خیر آدھا گھنٹہ میں اس کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ تینوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اسے لے کر گھر کی طرف چلنے لگے۔ دارو خانہ سے گھر کا فاصلہ تقریباً ایک گھنٹہ کا تھا۔ گھر پہنچتے پہنچتے چندر کی طبیعت بحال ہو چکی تھی۔ گنیش بولا۔ ''چندر اب تو گھر میں جا کر آرام کر، کل صبح پھر ہماری ملاقات ہوگی، آج رات تیری طبیعت بحال رہے گی اور تجھے نیند بھی زیادہ آئے گی، مگر رات میں لالٹین ضرور جلا کر سونا۔'' یہ بول کر وہ تینوں اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

رات میں چندر کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بوجھل تھی۔ کھانے کے لئے اس نے گھر والوں کو منع کر دیا اور اپنے کمرے میں آ کر لمبی تان کر سو گیا۔ رات کے دو ڈھائی کا وقت ہوگا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی کمرے میں زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ اچانک خود بخود لالٹین بجھ گئی۔

''چندر! میں برگد کے درخت کے نیچے تمہارا انتظار کر رہی ہوں، دیکھو میں تمہارے بنا بیاکل ہوں، جلدی سے آ جاؤ میرے پاس، اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔''

اور پھر کسی نادیدہ قوت نے اسے چارپائی پر سے اٹھا دیا، وہ چارپائی پر سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا، اس کا دماغ اپنے قابو میں نہیں تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل کر رات کے اندھیرے میں برگد کے درخت اور مندر کی طرف چلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ مندر کے پاس سے ہوتا ہوا برگد کے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔

دودھیا رنگ کا ایک ہیولہ اس جگہ سے نمودار ہوا۔ جہاں ان چاروں نے گڑھا کھود کر مالتی کو دبایا تھا۔ اس کے بعد مندر سے سبز رنگ کی روشنی نکل کر باہر آئی اور اس ہیولہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے بعد وہ ہیولہ مندر کے اندر چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ ہیولہ مندر سے نکلا اور برگد کے درخت کے نیچے آ کر اس جگہ کھڑا ہو گیا۔ جہاں چندر ہوش سے بیگانہ کھڑا تھا۔

ہیولہ نے برگد کے درخت کے اوپر دیکھا تو فوراً برگد کے درخت کی داڑھی آناً فاناً نیچے کو آنے لگی اور پھر

برگد کی داڑھی چندر کے دونوں پاؤں میں لپٹ گئی۔ اس کے بعد ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ وہ داڑھی اوپر کو اٹھتی چلی گئی۔ الٹا ہو کر چندر اوپر کو کھنچتا چلا گیا۔ اب چندر کا سر نیچے اور دونوں پاؤں برگد کی داڑھی میں الجھے ہوئے اوپر کو تھے۔

چندر کی دل دہلا دینے والی فلک شگاف چیخ قرب وجوار کو دہلا گئی اور پھر چاروں اور گھپ اندھیرے کا راج ہو گیا۔ چندر کی آتما اس کا شریر چھوڑ چکی تھی۔ وہ ہیولہ برگد کے درخت کے نیچے سے فضا میں معلق ہوا اور پھر مندر کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک عجیب وغریب ڈراؤنی اور پرہیبت آواز پورے رامپور میں گونج اٹھی۔ آواز ایسی تھی کہ جیسے کوئی بہت بڑا الو چیخا ہو۔ اس آواز سے کئی لوگوں کی اچانک آنکھیں کھل گئی تھیں۔

جو لوگ اس وقت رات میں جاگ پڑے تھے وہ سب کے سب حیران تھے کہ ”یہ عجیب وغریب پرہیبت اور اذیت ناک آواز کیسی تھی؟“

صبح کا سورج طلوع ہوا۔ اس ویران مندر اور برگد کے درخت کے پاس سے لوگوں کا گزر ہوا تو دیکھنے والوں نے اپنے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں، اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چند منٹ میں ہی سارے رامپور میں پھیل گئی۔ ”چندر برگد کے درخت پر مردہ لٹکا ہوا ہے۔“

دیکھتے ہی دیکھتے سارا رامپور برگد کے درخت کے نیچے امڈ آیا۔ سب کی نگاہیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ لوگوں کی نظریں جیسے پتھرا گئی تھیں، سارے لوگ سکتے کی حالت میں تھے۔ کسی کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ ”آخر چندر رات سے یہاں تک پہنچا کیسے؟ اور پھر الٹا ہو کر برگد کی داڑھی میں بندھ کر اوپر کو کیسے پہنچا؟“

اور یہ بات دماغ میں آنے والی تھی بھی نہیں۔ اکثر مرنے والے جب آتما ہتھیا کرتے ہیں تو رسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر جھول جاتے ہیں۔ مگر یہ اچنبھے میں ڈالتا مرنے والے کا انوکھا طریقہ تھا۔ برگد کی داڑھی چندر کے پاؤں میں الجھی ہوئی تھی۔ برگد کی داڑھی کا نیچے زمین پر آنا، اس کے پاؤں میں الجھنا اور پھر چندر مجسم اوپر کو کھنچتا چلا گیا۔ بھلا یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی تھی۔

چندر کے تینوں دوست گنیش، رامو اور سنیل بھی اس جگہ آئے، ان کی حالت تو ایسی تھی کہ انہیں کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ وہ تینوں بے حس وحرکت کھڑے تھے ان کی آنکھیں چندر پر ٹنگ گئی تھیں۔ وہ ایسے کھڑے تھے کہ جیسے پتھر کے بت ہوں۔ ان تینوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اب چندر کی باتیں انہیں ٹھیک لگ رہی تھیں۔ اندرونی طور پر وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔

خیر جتنے منہ اتنی باتیں۔ اب مرحلہ چندر کے مردہ وجود کو برگد کے درخت پر سے نیچے اتارنا تھا۔ مندر کے بڑے پجاری، مکھیا اور دیگر عمر رسیدہ لوگوں کے مشورے سے چند مضبوط قسم کے جوان برگد کے درخت پر چڑھ گئے۔

طے یہ پایا تھا کہ وہ لوگ اوپر جا کر برگد کی داڑھی پکڑ کر چندر کو اوپر کو کھینچیں گے پھر اس کے دھڑ میں رسی باندھ کر برگد کی داڑھی سے اسے علیحدہ کر کے آہستہ آہستہ اس کو نیچے کی طرف ڈھیل دیں گے تو نیچے کھڑے ہوئے لوگ چندر کے مردہ دھڑ کو پکڑ لیں گے۔

برگد کی داڑھی بہت مضبوط اور موٹی تھی۔ اوپر چڑھنے والوں نے آہستہ آہستہ داڑھی کو اوپر کو کھینچنے لگے تاکہ تھوڑا نزدیک آنے پر وہ ایک مضبوط رسی چندر کے گرد باندھ دیں اور پھر داڑھی کو کاٹ دیں اس طرح چندر آہستہ آہستہ رسی کو ڈھیل دینے سے نیچے کو آ جائے گا۔

مگر لوگوں کے مشورے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اچانک اوپر کو کھینچتے ہوئے برگد کی داڑھی درمیان سے ٹوٹ گئی تو دھڑام سے چندر سر کے بل زمین پر گر پڑا۔

اچانک پورے مجمع میں ”رام ......رام ..... رام“ کی آواز گونجنے لگی۔ لوگ خوف زدہ ہو کر رام رام کی آوازیں نکالنے لگے تھے۔

نیچے زمین پر گرنے کی وجہ سے چندر کی گردن کی ہڈی اچانک ٹوٹ گئی تو اس حالت میں اس کی گردن بے قابو ہو کر چاروں طرف ڈھلنے لگی تھی۔ خیر اسے چارپائی پر

ڈال کر لے جایا گیا۔ لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ہر کوئی عجیب شش و پنج میں تھا، کسی کے بھی دماغ میں یہ بات نہیں بیٹھ رہی تھی کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے؟

چندر کے گھر والوں کا غم سے سینہ پھٹا جا رہا تھا۔ اس کی ماں بہنیں بن جلی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ خیر انسان کی یہ فطرت ہے کہ مرنے والے کے لئے وہ بہت روتا ہے اور پھر مذہب کے ریت کے مطابق اسے آخری منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ سو دوپہر ہوتے ہوتے چندر کو ”رام رام ست ہے...... رام نام ست ہے“ کی گونج میں دیکھتے ہی دیکھتے چیتا کے حوالے کر دیا گیا اور اس طرح وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

چندر کے تینوں دوست رامو، گنیش اور سنیل اپنی اپنی جگہ بہت زیادہ خوفزدہ اور سہمے ہوئے تھے۔ ان کے دماغ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ ”بھگوان نہ کرے کہ ہمارے ساتھ کچھ ہو۔“ وہ تینوں جو کہ مندر میں جانے کے لئے کبھی سوچا بھی نہ تھا اب وہ ہر روز مندر میں جانے لگے تھے اور کافی دیر تک بیٹھ کر مندر کے پجاری سے آشیرواد لینے لگے تھے۔ ان تینوں کو دیکھ کر گاؤں والے دنگ تھے کہ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ روزانہ مندر میں آنے لگے ہیں۔

کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ بھگوان نے ان پر کرپا کی ہے اور یہ سیدھی راہ پر چلنے لگے ہیں اور یہ اس طرح روزانہ مندر آتے رہے تو یہ اپنی ساری برائیاں چھوڑ کر اچھا آدمی بن جائیں گے۔

لیکن وہ تو چندر کا انجام دیکھ کر اندرونی طور پر دہل کر رہ گئے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس لڑکی کی آتما جسے انہوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے گلا گھونٹ کر مار دیا تھا کہیں وہ اپنا انتقام لینے ان تک نہ پہنچ جائے۔ اس خوف اور ڈر کی وجہ سے وہ روزانہ مندر آنے لگے تھے اور اگر مندر کے بڑے پجاری کی آشیرواد ان کے ساتھ ہو گی تو وہ آتما ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گی۔ انہوں نے دن میں آوارہ گھومنا ختم کر دیا تھا۔ وہ اکیلے میں کہیں بھی نہیں جاتے تھے اور پھر سر شام ہی اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو آ جاتے تھے۔

چندر کی موت کو ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات اس کی اذیت ناک اور ناقابل برداشت فلک شگاف چیخ رامپور والوں کو سنائی دی۔ چیخ اتنی زوردار اور بھیانک تھی کہ سوتے میں بہت سارے لوگوں کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آواز بڑی واضح اور صاف تھی، اس میں کوئی شک کی بات نہیں تھی، لوگوں نے واضح طور پر چندر کی اذیت میں ڈوبی آواز سنی تھی۔

لوگوں کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ جتنے لوگوں نے چندر کی اذیت ناک آواز سنی تھی وہ سب کے سب بہت زیادہ اچنبھے میں تھے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ”ہم نے چندر کو چتا پر لٹا دیا تھا۔ وہ جل کر راکھ ہو گیا اس کے بعد اس کی ارتھی گنگا میں بہا دی گئی تھی۔ اب اس کی آتما اس قدر کشٹ میں کیوں ہے؟ ایک دن، دو دن اور پھر تیسری رات بھی ایسا ہوا تو لوگوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

صبح ہوتے ہی لوگ گاؤں کے بیچ جو کالی ماتا کا مندر تھا۔ اس مندر کے بڑے پجاری کے پاس گئے اور ساری کتھا پنڈت کے آگے رکھ دی۔ پنڈت جنتر منتر میں بہت پہنچا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ”یہ مسئلہ تو میرے پلے بھی نہیں آ رہا ہے، لیکن دماغ میں یہ بات آ رہی ہے کہ چندر کی آتما بہت زیادہ کشٹ میں ہے، اس کی آتما پرلوک سدھاری نہیں ہے، اس گاؤں میں بیاکل ہو کر بھٹک رہی ہے، آپ لوگ جائیں میں رات سے ماتا سے معلوم کروں گا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟“

پنڈت کی بات سن کر گاؤں والے اپنے اپنے گھر آ گئے، لیکن چندر کے گھر والے بہت زیادہ حیران و پریشان تھے، اس کی ماں بہنیں رو رو کر ہلکا ہو رہی تھیں۔

مندر کا بڑا پجاری اکثر مندر میں ہی رات گزارتا تھا۔ رات کے جب بارہ بج گئے تو وہ کالی ماتا کے چرنوں میں بیٹھ کر کالی ماتا کے لئے عمل پڑھنے لگا۔ آدھا گھنٹہ گزرا تھا کہ اچانک کالی ماتا غضبناک شکل میں اس کے سامنے

حاضر ہوگئی۔ کالی ماتا کی سرخ آنکھیں اور غضب کو دیکھ کر پنڈت تھر تھر کانپنے لگا۔ "ماتا مجھ پر کرپا کر دے، میری غلطی کو معاف کر دے، میں نے تیرے آرام میں خلل ڈالا، ماتا مجھے معاف کر دے۔" پنڈت گڑگڑانے لگا۔

کالی ماتا کی گرجدار آواز گونجی۔ "پنڈت! تو نہیں جانتا! وہ پاپی تھا اس نے ناریوں کی عزت کو عزت نہیں سمجھا، اس کے پاپ کا گھڑا بھر گیا تھا، اب تو ہی بتا اس حالت میں اگر کوئی مجھے پکارتا ہے تو کیا میں اس کی مدد نہ کروں۔ اس کی آتما کشٹ اٹھاتی رہے گی، اسے چین ملنا مشکل ہے۔ تو میرا بہت بڑا سیوک ہے اس کارن میں تیرا جیون دان کر رہی ہوں، ورنہ آج تیری موت ہو جاتی۔ لیکن تیری سزا ہے کہ ایک مہینہ کے لئے تو گونگا ہو جائے گا، تیرا بولنا ختم ہو جا۔ گا، یہ بھی میری کرپا ہے اور آئندہ تو کسی پاپی کے لئے مجھے بلاتا نہیں، ورنہ وہ دن یا رات تیری زندگی کا آخری سے ہوگا۔" اور یہ بول کر کالی ماتا غائب ہوگئی۔

پنڈت تھر تھر کانپتا رہ گیا۔ پنڈت کی بولنے کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ صبح ہوتے ہی لوگ مندر آنا شروع ہوگئے۔ لوگ بولتے رہے۔ پوجا پاٹ کے لئے مگر پنڈت خاموش ہی رہا۔ وہ بار بار کالی ماتا کے بت کی طرف اشارہ کرتا اور پھر ان لوگوں کو بھی اشارے سے جانے کو کہتا۔ وہ لوگ بھی مندر میں آئے جنہوں نے چندر کی آتما کے لئے پنڈت سے رابطہ کیا تھا۔ پنڈت نے اس مرتبہ بھی کالی ماتا کی طرف اشارہ کیا تو لوگ یہ سمجھے کہ کالی ماتا ضرور سہائتا کرے گی۔ (کالی ماتا چندر پر رحم کرے گی)

پنڈت کی روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ وہ رات بھر کالی ماتا کے چرنوں میں گڑگڑاتا رہتا تھا۔ اسے کسی پل چین نہیں تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ "کالی ماتا مجھے معاف کر دے اور مجھ سے خوش ہو جائے۔"

بہر حال مہینہ گزرنے کی آخری رات تھی۔ پنڈت کالی ماتا کے چرنوں میں گڑگڑا رہا تھا کہ اچانک کالی ماتا کی شفقت بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "پنڈت اٹھ جا، میں نے تجھے معاف کر دیا، اب آئندہ کسی پاپی کی سہائتا کے لئے مجھے کشٹ نہ دینا۔ بولنے کی تیری طاقت اب ٹھیک ہو جائے گی۔ تیری خوشی کی خاطر میں ایسا کروں گی کہ کل رات سے چندر کی آتما کی آواز کوئی نہیں سنے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے مکتی مل جائے گی۔ اس کی آتما کشٹ میں ہی رہے گی۔ اگر لوگ پوچھیں تو بتا دینا کہ اب چندر کی آتما کی آواز نہیں سنائی دے گی۔ اب میں چلتی ہوں۔" اور پھر کالی ماتا پنڈت کی نظروں سے غائب ہوگئی۔

صبح جب پنڈت سو کر اٹھا تو اس کی آواز بحال تھی۔ اب وہ بول سکتا تھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر اس نے بتا دیا کہ آج رات سے چندر کی آتما کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ یہ سن کر لوگ خوش ہوگئے کہ اب چندر کی آتما کشٹ میں نہیں ہوگی۔ اور پھر پوری رات گزر گئی کسی نے بھی چندر کی آتما کی کشٹ میں ڈوبی آواز نہیں سنی۔

ادھر چندر کے تینوں دوست گنیش، رامو اور سنیل کی حالت بہت پتلی تھی۔ وہ تینوں جب ایک جگہ ہوتے تو چندر کی اذیت ناک موت کی بات لے بیٹھتے تھے۔ "یار کہیں ایسا نہ ہو کہ چندر کی طرح ہماری مرتو بھی ہو جائے۔ مجھے تو نہ رات میں چین ہے اور نہ دن میں سکون مل رہا ہے۔" رامو بولا۔

"ابے ایسا ممکن نہیں، تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہے۔ چندر وہم میں مارا گیا، مجھے تو لگتا ہے کہ اس نے اس لونڈیا کی بات اپنے دماغ میں بیٹھا لی تھی اور جب کوئی بات دماغ میں بیٹھ جاتی ہے تو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرا تو دماغ کہتا ہے کہ چندر برگد کے درخت پر چڑھا ہوگا اور پھر اس کے بعد اس نے اس طریقے سے آتما ہتھیا کر لی ہوگی۔" گنیش روانی میں بولتا چلا گیا۔

"گنیش مجھے تیری بات سے اتفاق ہے، تیری بات بالکل سو فیصد درست لگتی ہے۔ چندر نے ضرور آتما ہتھیا کی ہے۔" سنیل گنیش کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے، میں نے

تو اپنے گھر والوں کو راضی کر لیا ہے کہ میں یہاں سے اپنی چاچی کے گھر چلا جاؤں۔ ماتا نے کہہ دیا ہے کہ تو آنے والے سوموار کو اپنی چاچی کے گھر چلے جانا۔''
مجھے تو یہاں رہ کر چین نہیں ملے گا اور میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔'' رامو بولا۔
''ابے تو تو بہت ہی ڈرپوک نکلا، ہمارا ساتھی ہو کر اتنا ڈر رہا ہے۔ اب یہ کہنے کی ساری باتیں ہیں مرنے کے بعد کسی کی بھی آتما پلٹ کر نہیں آتی اور نہ ہی کسی کو کشٹ دیتی ہے، چل میرے ساتھ دو پیگ دارو کا پیے گا تو تیرا بھیجا ٹھیک ہو جائے گا۔'' سنیل نے رامو سے کہا۔
اس کے بعد وہ تینوں اٹھے اور دارو خانہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دارو ان کے سامنے آ گئی تو وہ دارو کا گلاس بھر کر اپنے پیٹ میں اتارنے لگے۔
شام ہونے والی تھی وہ تینوں اٹھے اور اکٹھے ہی اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔
وہ خراماں خراماں جھومتے ہوئے اسی راستہ پر چلنے لگے جو راستہ برگد کے درخت کے نیچے سے ہو کر گزرتا تھا۔
وہ اپنی باتوں میں مگن ہر طرف سے لاپروا ہو کر گھر کی جانب جا رہے تھے جب وہ تینوں برگد کے درخت کے نیچے پہنچے۔
تو اچانک برگد کے درخت کی ایک پتلی شاخ خود بخود ٹوٹ کر رامو پر آن گری۔ ٹوٹنے کی طرف سے شاخ نوکیلی ہو گئی تھی، اوپر سے شاخ گری اور سیدھی رامو کے سر میں اندر کو گھستی چلی گئی۔ یہ دیکھ کر گنیش اور سنیل کا نشہ ہرن ہو گیا۔
برگد کی شاخ سر سے ہوتی ہوئی تھوڑی کی طرف سے باہر کو نکل گئی۔ رامو کو چیخنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ رامو کو دیکھ کر وہ دونوں سکتے میں آ گئے تھے۔ وہ دونوں ٹکٹکی باندھے رامو کو دیکھ رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک شخص اس جگہ سے گزرنے لگا۔ وہ جب قریب پہنچا تو اس نے دیکھا رامو کے سر میں برگد کی شاخ گھس کر تھوڑی کے نیچے سے باہر نکل گئی تھی۔ ''ارے یہ کیا ہو گیا؟''

وہ شخص بولا تو ان دونوں کو جیسے ہوش آ گیا۔
''راجندر! اوپر سے اچانک ڈال گری اور اس کے سر میں گھستی چلی گئی۔'' گنیش بولا۔
''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟! شاخ خود بخود کیسے ٹوٹ کر گر پڑی؟'' راجندر نے کہا۔
''راجندر بھائی ایسا ہی ہوا ہے۔ ہم تینوں گھر جا رہے تھے کہ یہ ہو گیا۔'' اس مرتبہ سنیل بولا۔
رامو زمین پر گر پڑا تھا۔ اس کے جسم سے نکلنے والے خون نے اس جگہ کی زمین کو سرخ کر دیا تھا۔ رامو کی جان بڑی آسانی سے اس کا شریر چھوڑ چکی تھی، اسے ہلنے اور مچلنے تک کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت وہ شاخ رامو پر گری تھی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اتنی موٹی شاخ خود بخود کیسے ٹوٹ کر رامو کے سر پر گر پڑی۔
اب رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا۔ ''تم دونوں یہیں رکو! میں جا کر جلدی سے گاؤں والوں کو بلا کر لاتا ہوں۔ تم دونوں اس جگہ سے ہلنا نہیں۔'' راجندر نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گاؤں کی طرف چلنے لگا۔ چند منٹ میں ہی بہت سارے لوگ اپنے اپنے ہاتھوں میں لالٹین اٹھائے اس جگہ آ گئے۔
رامو کے سر میں جس طرح شاخ گھسی تھی اسے دیکھ کر ہر شخص حیران ہو رہا تھا۔ گنیش اور سنیل رامو کے لئے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ''ہم تینوں اکٹھے گھر جا رہے تھے کہ اچانک ایسا ہو گیا، ارے ہمیں کیا پتہ تھا، ورنہ ہم اس راستے سے نہیں آتے۔'' گنیش بولا۔
رامو کا پتا تو جیسے اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ لوگ اسے ہوش میں لاتے اور پھر وہ ''رامو......رامو......'' بول کر بے ہوش ہو جاتا۔ رامو کے گھر والوں کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ سارے گھر والے پانی کے بغیر مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے۔
چند لوگوں نے رامو کو پیر کی جانب سے پکڑا پھر چند لوگوں نے ٹوٹی ہوئی شاخ کو رامو کے سر سے باہر کو کھینچ

لیا۔ اتنی دیر میں رامو کا پورا چہرہ سوج کر کپا ہو چکا تھا۔ اس کا مسخ شدہ چہرہ دیکھ کر اسے پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ ویسے بھی اب اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔ آسمان سے چاند غائب تھا۔ لوگوں نے رامو کو چارپائی پر ڈالا اور اشکبار آنکھوں سے اسے لے کر گاؤں کی طرف بڑھے۔

گنیش اور سنیل تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان سے زمین پر اپنے قدم جما کر چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ دو دو لوگ ان دونوں کو دونوں طرف سے پکڑ کر لئے جا رہے تھے۔ ''بے چاروں کی حالت بہت ابتر ہو رہی ہے، ان کے سامنے ہی ان کا دوست انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ بے چاروں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے رامو کو مرتا دیکھا ہے تو بھلا انہیں ہوش اور جسم میں طاقت کیسے ہوگی۔ بھگوان ان پر بھی اپنی کرپا کرے۔'' ان تمام لوگوں میں سے ایک شخص بولا۔

''ہاں بھائی! تمہاری بات ٹھیک ہے، بے چاروں سے چلنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔'' ایک اور شخص بولا۔

جتنے لوگ اتنی باتیں تھیں۔ کچھ لوگ تو بالکل سکتے کے عالم میں تھے ان سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ لوگ رامو کے گھر کے پاس پہنچ گئے۔ چارپائی نیچے رکھ دی گئی جس پر رامو کا مردہ وجود پڑا تھا۔ جلدی جلدی اس جگہ دری بچھا دی گئی۔ دری پر تمام لوگ بیٹھ گئے۔

''لگتا ہے برگد کا درخت اب خونی ہو گیا ہے اس نے بھینٹ لینا شروع کر دیا ہے۔'' ایک شخص بولا۔

''ارے بھائی! تم کیسی باتیں کر رہے ہو، اس گاؤں میں ہماری زندگی بیت رہی ہے، اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اچانک برگد کا درخت خونی کیسے ہو گیا؟'' ایک دوسرے نے جواب دیا۔

''بھائیو! تم لوگ مانو یا نہ مانو میرے دماغ میں تو آ رہا ہے کہ برگد کے پیڑ پر کوئی بھٹکی ہوئی آتما نے بسیرا کر لیا ہے۔ پہلے چندر اس پیڑ پر مرا، اور اب رامو کی موت ہمارے سامنے ہے۔'' ایک نے کہا۔

''ابے تو کیا پاگل ہو گیا ہے، برگد پر بھٹکی آتما کیسے آ سکتی ہے، تجھے معلوم نہیں کہ اس جگہ تو کالی ماتا کا پرانا مندر ہے اور مندر کے پاس کوئی بھٹکی آتما کیسے آ سکتی ہے۔''

''یہ بس اتفاق ہے۔'' ایک نے کہا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ کے لئے وہ راستہ ہی چھوڑ دیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ برگد کا درخت بھینٹ کیسے لیتا ہے۔''

''ارے بھائی۔ یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ واحد راستہ ہے جس پر سے ہم گزرتے ہیں۔ کوئی دوسرا راستہ ہم کیسے بنا سکتے ہیں اور یہ بات دماغ میں آنے والی نہیں۔''

پورے گاؤں میں رامو کی موت پر ہلچل مچی ہوئی تھی۔ لوگوں کے چولہے ٹھنڈے پڑے تھے۔ کسی کو بھی کھانا پینا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لوگ رامو کے گھر کے باہر بیٹھے تھے اور عورتیں اپنے اپنے گھروں میں بے چین و بے سکون تھیں۔ بچے تو تھک ہار کر نیند کی وادی میں پہنچ گئے تھے۔

رامو کے گھر کے پاس جہاں لوگ بیٹھے تھے اس جگہ پیپل کا ایک بہت بڑا گھنا درخت تھا۔ رات کے جب ساڑھے بارہ بجے تو اس درخت پر کئی الو کریہہ آواز میں اچانک چیختے ہوئے درخت پر اڑنے لگے۔ الوؤں کی وحشت ناک آوازیں سن کر اس جگہ بیٹھے ہوئے سارے لوگ سہم کر رہ گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب گاؤں دیہات میں بجلی نہیں ہوتی تھی۔ چارپائی پر رامو کی لاش پڑی تھی اور اس پر ایک چادر ڈال دی گئی تھی۔ چارپائی سے ہٹ کر گیس کی بتی جل رہی تھی۔

اچانک پیپل کے درخت پر سے یا پھر نہ جانے کس طرف سے کئی بڑی بڑی دیو ہیکل سیاہ چمگادڑیں خوفناک آواز نکالتی ہوئی رامو کے چہرے پر جھپٹ پڑیں اور پھر وہ چاروں رامو کے چہرے پر چمٹ گئیں۔ وہ خونی منظر لوگوں کے دلوں پر دہشت طاری کرنے لگا، لوگ

بدحواس ہوکر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے دہل کر رہ گئے۔ پھر چند سیکنڈ بعد وہی چمگادڑیں اڑتی ہوئی رات کے اندھیرے میں نہ جانے کس طرف غائب ہوگئیں۔

کافی دیر تک لوگ اپنی اپنی جگہ سہمے ہوئے بیٹھے رہے۔ اتنے میں رامو کا باپ اپنی جگہ سے بدحواس ہوکر ''رامو بیٹا'' کہتے ہوئے اٹھا اور چارپائی کے پاس جاکر رامو کے چہرے پر جھک گیا۔ پھر اس کی دلخراش آواز لوگوں نے سنی۔ ''ارے میرے رامو کے ساتھ کیا ہوگیا، اے بھگوان یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، بھگوان میرے رامو کی رکھشا کر، رامو تو چلا گیا اور مجھے زندہ درگور کر گیا، میں کتنا بدنصیب ہوں کہ تیری حفاظت بھی نہیں کرسکا، ارے تو نے ایسا کیا انیائے کردیا تھا کہ تجھے یہ کشٹ برداشت کرنا پڑا، تو نے ضرور کچھ نہ کچھ انیائے کیا ہوگا...... ورنہ تیرے ساتھ ایسا نہ ہوتا...... لوگو! دیکھو یہ اس کے ساتھ کیا ہوگیا؟''

جھٹ سے کئی لوگ اپنی جگہ سے اٹھے اور گیس بتی کو قریب لاکر دیکھا تو سارے کے سارے دہل کر رہ گئے۔ سب ہی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ ''ارے بھائیو! میرے رامو کو دیکھو......'' اور یہ بول کر باپ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ زمین پر اس جگہ بیٹھتے چلا گیا اور پھر وہ ایک طرف کو گر گیا۔ وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔

جلدی سے لوگوں نے اسے اٹھا کر اس جگہ سے تھوڑی دور لاکر دری پر لٹا دیا۔ ''ارے ذرا پانی لاؤ...... یہ تو بے ہوش ہوگئے۔'' ایک نے کہا تو ایک نوعمر لڑکا جلدی سے بھاگا ہوا ان کے گھر میں گیا اور فوراً کٹورے میں پانی لے آیا۔ لوگوں نے بے ہوش رامو کے باپ کے منہ پر چلو میں پانی لے کر چھڑکنا شروع کیا تو انہوں نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے سہارا دے کر انہیں بیٹھا دیا۔ ایک آدمی بولا۔ ''کاکا حوصلہ کرو، اگر تم ہی حوصلہ ہار جاؤ گے تو گھر والوں کا کیا بنے گا؟ جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا...... اب تو صرف بھگوان سے پرارتھنا کرنے کی ضرورت ہے۔ بھگوان اس کی رکھشا کرے اور اس کی غلطیوں کو معاف کردے...... کسے پتہ کہ اس نے کیا غلطی کردی تھی کہ اس کے ساتھ ایسا ہوا۔''

چند سیکنڈ میں ہی چاروں چمگادڑوں نے رامو کے چہرے کا سارا گوشت ادھیڑ کر کھا گئی تھیں۔ اس کا پورا چہرہ بھیانک ہوگیا تھا۔ چہرے کی ہڈیاں نظر آنے لگی تھیں۔ اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ دہشت زدہ ہوگئے تھے۔ چہرے کے گوشت کے ساتھ ساتھ اس کی دونوں آنکھیں بھی غائب ہوچکی تھیں۔ اب آنکھوں کی جگہ دو چھوٹے چھوٹے گڑھے نظر آرہے تھے۔ اس قدر ہولناک منظر تھا کہ لوگ اندرونی طور سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

گاؤں دیہات میں یہ بات بہت اچھی ہے کہ سارے لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ جسمانی طور پر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور جب تک خوشی یا غم کا مرحلہ ختم نہیں ہوجاتا اس وقت تک ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سارے گاؤں والے اس جگہ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر میں صبح کا سپیدہ پھیلنے لگا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے صبح کا سورج طلوع ہوا۔ سارے لوگ بھاگ دوڑ کرنے لگے اور پھر دو گھنٹے کے اندر اندر رامو کو چتا پر لٹا دیا گیا۔ چتا کو آگ لگائی گئی اور دھڑا دھڑ چتا سے شعلے بلند ہونے لگے۔ سارے لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ لوگوں کے دل دہل رہے تھے اور جیسے سب پر سکتہ طاری تھا۔ رامو کی موت کے منظر اور چمگادڑوں کے خونی عمل نے لوگوں کو خوفزدہ کرکے رکھ دیا تھا۔ ایسا منظر لوگوں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ بڑے بڑے جادو ٹونے، بھیانک چیزیں لوگوں نے دیکھی تھیں مگر اس جیسا وحشت ناک خوفناک دہشت ناک اور ڈراؤنا منظر تصور میں بھی نہیں آیا تھا۔

گنیش اور سنیل کی حالت دیدنی تھی ان کی تو جیسے زبان بند ہوکر رہ گئی تھی۔ ان کا ایک اور ساتھی ہنستا کھیلتا ان کے ساتھ موج مستی کرتے ہوئے اچانک بھیانک موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کی سوچنے کی صلاحیت

بھی مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ دونوں، لوگوں کی طرح طرح کی دل دہلاتی باتیں سن رہے تھے مگر ان کی اپنی زبان گنگ تھی۔ ان دونوں کی نیندیں اچاٹ ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ لاکھ کوشش کرتے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی نیند آ جائے مگر نیند ان سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ کھانا پینا ان کا چھوٹ گیا تھا۔ بس ہر وقت خیالوں میں گم بت بنے بیٹھے رہتے تھے۔ اگر بیٹھے ہوتے تو ان کی گردنیں نیچے کو جھکی رہتیں اور اگر چارپائی پر لیٹتے تو ان کی نظر اوپر چھت کو گھورتی رہتی تھیں۔ ان کی اپنی ساری مرضی غائب ہو گئی تھی، صرف رفع حاجت وغیرہ سے فارغ ہونے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ جاتے اور پھر اس کے بعد مردار حالت میں بیٹھ جاتے۔

گاؤں کے سارے افراد وقت کے ساتھ ساتھ نارمل ہوتے چلے گئے اور اپنے کام کاج کی طرف دھیان دینے لگے تھے مگر وہ دونوں تو جیسے زندہ لاش بن کر رہ گئے تھے۔ لوگ ان دونوں کی غیر حالت دیکھ کر اچنبھے میں تھے کہ گاؤں کے یہ کھلنڈرے اور آوارہ دل دماغ کے مالک، انہیں کس بات سے سکتہ ہو گیا ہے۔ لوگ معلوم بھی کرتے تو وہ دونوں ہوں...... ہاں...... اور یہ...... وہ بول کر لوگوں کو ٹال دیتے تھے۔

اصل خوف ان کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ ان دونوں نے رامو اور چندر کی دہشت ناک موت کو دیکھ کر دہل گئے تھے اور وہ ہر وقت اسی سوچ میں مگن رہتے تھے کہ کہیں اب ہم دونوں کی باری نہ ہو۔ انہیں پکا یقین ہو گیا تھا کہ کسی بھی وقت ہمارا حشر بھی ان لوگوں کے سامنے ہوگا۔ اور اگر ہم دونوں یہاں سے کہیں اور بھاگ جائیں مگر ایسی حالت میں جائیں تو جائیں کہاں۔ کیونکہ موت سے پیچھا چھڑانا بالکل بھی ممکن نہیں۔

''ابے سنیل کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے ساتھ بھی کچھ ہو جائے۔ لگتا ہے یہ سارا چکر اس لونڈیا کی آتما کا ہے، اب تو میں بہت پچھتا رہا ہوں، کاش! میں چندر کی باتوں میں نہیں آتا، چندر کی باتوں نے میرا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ میرے دل میں قطعی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ بلادکار کیا جائے۔ مسافر لڑکی...... نہ جانے دل میں کیا کیا لے کر آئی ہوگی...... ہم نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا...... اگر میں اکیلا ہوتا تو ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر میں تو تم لوگوں کی وجہ سے...... خیر اب تو......

''اور گنیش کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ سنیل نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''تو بہت ڈرپوک ہے...... بلاوجہ میرے دل کو بھی دہلا رہا ہے۔ سانپ تو گزر گیا، اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ۔ حوصلہ رکھ...... ہمت سے کام لے۔ کچھ بھی نہیں ہوگا...... جو بھی ہوا چندر اور رامو کے ساتھ وہ بس اتفاق ہے۔ مرد بن مرد...... یہ کیا عورتوں کی طرح پیٹنا کا رونا، رونے لگا۔ تو ہماری وجہ سے مجبور ہوا، ارے اگر تیرے دل میں نہیں تھا تو تو وہاں سے فوراً بھاگ جاتا، اب ایسی باتیں کرنے سے کیا ملے گا...... چل اٹھ اور حوصلہ پکڑ۔ تو میرے دل کو ہولایا نہیں کر...... تیری باتیں سن کر میں بھی نفسیاتی طور پر ایسی ویسی سوچنے لگتا ہوں۔'' سنیل گنیش کے کندھے کو تھپکاتے ہوئے بولا۔

''آج دارو کی چھٹی...... شام کے بعد مندر میں پنڈت جی کے پاس چلنا، ان سے کہیں گے۔'' پنڈت جی...... ہمارا دل بہت گھبرا رہا ہے، رامو اور چندر کی موت نے ہم پر بہت زیادہ اثر کیا ہے۔ ہر وقت ان دونوں کی بھیانک موت ہمارے دل و دماغ میں سما گئی ہے۔ رات ہو یا دن بلکہ کسی پل بھی چین نہیں مل رہا ہے۔ آپ کوئی اپائے کریں کہ ہمارے دل و دماغ سے ہر طرح کا ڈر و خوف نکل جائے۔''

شام کے بعد دونوں مندر میں پنڈت کے پاس پہنچ گئے اور پنڈت کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے تمام اپنی رام کتھا سنا ڈالی۔ ''پنڈت جی آپ ہمارے لئے بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ بھگوان ہم پر رکھشا کرے، پنڈت جی آپ کی کرپا سے ہم ضرور ٹھیک ہو جائیں گے۔ نہ جانے کیوں رامو اور چندر کی موت کی دہشت ہم پر سوار ہے، پنڈت جی اگر پوجا پاٹ کے لئے کچھ خرچہ چاہئے ہو

تو وہ ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہم پر دیا کریں۔‘‘ اور یہ بولتے ہوئے دونوں نے پنڈت کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

خرچ کا سن کر پنڈت کی نیت ڈگمگا گئی۔ اس نے سوچا۔ ’’موقع اچھا ہے، لوہا گرم ہے بس چوٹ لگانے کی دیر ہے۔‘‘ اور ویسے بھی اگر کوئی انسان بہت زیادہ پریشان ہو تو اپنی پریشانی کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے تاکہ اسے پریشانی سے نجات مل جائے۔

’’بالکو! گھبراؤ مت، میں ہر وہ اپائے کروں گا جس سے تمہاری پریشانی دور ہو جائے، آج رات میں، میں ماتا کے چرنوں میں بیٹھ کر تمہاری رکھشا کی بات کروں گا، اور مجھے امید ہے کہ تم دونوں پر ماتا دیا کرے گی۔ رہا خرچہ تو تم دونوں ایک ایک ہزار کر کے دو ہزار دے دو، مہنگائی بھی ہو گئی ہے، کیونکہ بڑی پوجا کے لئے بہت زیادہ خرچ ہو جاتا ہے اور بڑی پوجا کرنے سے ماتا زیادہ خوش ہوتی ہے۔ تم دونوں کے دان سے دو کالے بکرے ضرور لانے پڑیں گے، اور بغیر بھینٹ دیئے ماتا زیادہ متوجہ نہیں ہوتی، بھینٹ دینے سے ماتا خوش ہو کر وہ بھینٹ قبول کر لیتی ہے، اور پھر بھینٹ دینے والوں پر ماتا خاص کر نظر کرم کرتی ہے۔ ماتا بہت دیالو ہے اور اپنے سیوکوں پر بہت زیادہ دیا کرتی ہے۔‘‘

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے ہوئے جیب سے ہزار، ہزار روپے نکال کر پنڈت کے ہاتھ پر رکھ دیئے کہ چلو ہزار روپے کی قربانی سے جیون تو بچ جائے گا، پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ جیون رہا تو پیسوں کی کون فکر کرتا ہے۔

دو ہزار کی رقم لے کر پنڈت کی آنکھیں چمکنے لگیں وہ فوراً دونوں کے سر پر شفقت کے ہاتھ پھیرنے لگا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ’’بالکو! اب چنتا کی کوئی بات نہیں، آرام سکون سے گھر چلے جاؤ، اب باقی کام میرا ہے لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہ جو تم نے دو ہزار روپے دان کئے ہیں اس کا ذکر اوروں سے نہیں کرنا کیونکہ بھینٹ اور دان کا ڈھنڈورا پیٹنے سے ماتا ناراض ہوتی ہے۔ چلو اب تم دونوں جاؤ۔‘‘ پنڈت نے کہا تو دونوں اٹھے اور مندر سے نکلتے چلے گئے۔

دو ہزار روپے پا کر خوشی سے پنڈت کے قدم زمین پر ٹک نہیں رہے تھے۔ اس نے مندر کا دروازہ بند کیا اور پھر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ ’’ارے نہ بابا، میں اب خود کو کشٹ میں نہیں ڈال سکتا، میں کسی صورت بھی ان دونوں کے لئے ماتا سے پرارتھنا نہیں کروں گا، چال چلن سے یہ دونوں تو ٹھیک نہیں ہیں، انہیں کون نہیں جانتا کہ یہ کس قدر بگڑے ہوئے ہیں اور بگڑے لوگوں کو تو ماتا ویسے بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی، ایسا نہ ہو کہ الٹا ماتا میری درگت بنا دے، چلو اس بہانے دو ہزار تو آئے۔ ان کے آنے پر انہیں ’’آئیں بائیں شائیں‘‘ کر دوں گا اور بول دوں گا ماتا کے چرنوں میں بیٹھ کر میں نے تمہارے لئے بہت پرارتھنا کیا ہے، ماتا ضرور تم دونوں پر کرپا کرے گی۔ گھبراؤ نہیں ماتا اپنے چاہنے والوں کو نراش نہیں کرتی، ماتا ویسے بھی بہت دیالو ہے۔‘‘ اور یہ تمام باتیں سوچ کر پنڈت مسکراتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ادھر مالنی کے بغیر رمیش کی دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ دن بدن وہ سوکھ کر کانٹا بنتا جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں بار بار یہی خیال آتا کہ ’’مالنی یہاں پارک تک آئی تھی اور پھر اچانک غائب ہو گئی؟‘‘ سب کو پتہ ہے کہ اگر انسان کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور جب جانکاری ہو جاتی ہے تو آدمی کو صبر آ جاتا ہے لیکن جب کسی کی کوئی خبر ہی نہیں ملتی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا، وہ آخر غائب ہوا تو کیسے اور کہاں غائب ہوا؟ اس صورت میں اس کے چاہنے والے دن رات بیاکل رہتے ہیں اور چونکہ رمیش تو مالنی کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے والا تھا اور مالنی بھی اس کے لئے راضی تھی تو اس صورت میں رمیش کو چین کیوں کر ملتا۔ ایک طویل عرصہ تک دونوں نے لندن میں ایک ساتھ اپنا وقت گزارا تھا، سہانی زندگی کے سپنے دیکھے تھے، دل میں خوشیاں بھری طرح طرح کی

امنگیں ہوں گی، ہر لمحہ ہر پل دونوں ایک دوسرے کے خیالوں میں گم رہتے تھے اور بہت جلد اس وقت کے انتظار میں تھے کہ جب وہ منڈپ میں اگنی کے چکر لگا کر زندگی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جیون ساتھی بن جائیں گے۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ظالم، بدکار، بدچلن، خوشیوں کے دشمن، سماج کے ناسور ان کی خوشیوں کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیں گے اور ان کے دل کے ارمان آنسوؤں میں ڈھل جائیں گے۔

رمیش اب بھی مالنی کے غم میں گھلتا جا رہا تھا۔ پل پل کا اس کا چین اس سے بہت دور جا چکا تھا۔ اس کی زندگی میں خزاں کا دور دوراں تھا، اس کے ہونٹوں سے ہنسی اور مسکراہٹیں دم توڑ چکی تھیں۔ وہ غم اور آہوں کا مجسمہ بن کے رہ گیا تھا۔

اور مرنے کے بعد مالنی کی آتما رمیش کے لئے بے قرار ہو گئی تھی۔ وہ ہر وقت رمیش کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ رمیش کی ابتر حالت کو دیکھ کر وہ بہت دکھی ہو گئی تھی۔ وہ پورے گاؤں میں بیاکل پھرتی رہتی تھی، رمیش سے زیادہ وہ کہیں بے سکون تھی، اس کی آتما ایک بھٹکتی ہوئی آتما بن گئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی رمیش پر ظاہر نہیں کر سکتی تھی کہ ”ظالموں نے مجھ پر ظلم کے پہاڑ توڑے، اور زندگی سے میرا ناطہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ میری خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ بہار کی امید میں خزاں ہم پر دھاوا بول دیا۔ رمیش ہم دونوں اب کبھی نہیں مل سکتے۔ میری بیاکل آتما تمہاری یاد میں شاید ہمیشہ ہمیشہ رامپور کی فضاؤں میں در و دیوار سے اپنا سر ٹکراتی رہے گی۔

لیکن اگر بھگوان نے چاہا تو ہمارا ملن ضرور ہوگا۔

”دوسرے جنم میں۔“

کالی ماتا کی طرف سے مالنی کی آتما کو ابھی بھر پور آزادی نہیں ملی تھی کیونکہ ابھی وہ سمے نہیں آیا تھا۔ کالی ماتا اسے دلاسہ ضرور دیتی تھی کہ ”مالنی تو گھبرا نہیں، میرا آشیر واد تیرے ساتھ ہے، جو مظلوم مجھے پکارتا ہے میں اس کی مدد ضرور کرتی ہوں، میری نظریں اپنے پکارنے والوں پر ہر وقت لگی رہتی ہیں۔ میں اپنے سیوکوں کو نظر انداز نہیں کرتی۔ تیری آتما کے لئے بھی اچھا سمے ضرور آئے گا، تیری آتما کو شانتی ضرور ملے گی اور تو دوسرے جنم میں اپنے چاہنے والے کو ضرور پا لے گی۔

تو گھبرا نہیں! تجھ پر ظلم کرنے والے نرک میں جائیں گے، ان کی آتما کو کبھی بھی شانتی نہیں ملے گی، ان کی آتما سدا بیاکل رہے گی۔ کیونکہ ایشور کا یہ وعدہ ہے کہ ظلم کرنے والوں کو مر کر بھی شانتی نہیں ملے گی اور ظلم کرنے والے ضرور نرک میں جائیں گے۔“

ایک دن مالنی کی آتما اپنی بے چینی کو برداشت نہ کر سکی اور پھر وہ کالی ماتا کے سامنے گڑگڑانے لگی۔

”ماتا اب مجھ سے رمیش کا درد دیکھا نہیں جا رہا۔ ماتا مجھے اتنی آزادی دے کہ میں رمیش کی بے چینی ختم کر سکوں اور اس کے دل کو ڈھارس بندھاؤں تا کہ وہ تھوڑا بہت تو شانت ہو جائے۔“

اور پھر مالنی کی آتما کو کالی ماتا کی طرف سے ایک حدود میں رہتے ہوئے رمیش کے لئے آزادی مل گئی کہ وہ رمیش کے قریب ہو سکتی ہے، جس سے رمیش کو کچھ شانتی ملے۔

ایک رات سے آخر کار رمیش کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ آنسوؤں کے سمندر میں غوطے لگانے لگا۔ ایک طویل عرصہ سے اس نے مالنی کی یادوں کو سینے میں دبائے بیاکل رہا تھا مگر آج کی رات وہ قابو سے بے قابو ہو گیا، اس کے جسم کا خون آنسوؤں کی صورت میں باہر نکلنے لگا۔ وہ اپنا منہ تکیہ میں چھپا کر سسک پڑا۔ آنسوؤں، سے اس کا چہرہ تر ہو گیا، دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ گھر سے باہر نکل کر پورے رامپور کو اپنے آنسوؤں کے سیلاب میں بہا دے مگر وہ مجبور تھا۔ ”مالنی تم کہاں ہو! مالنی تم کہاں چلی گئیں؟ مجھے اس سنسار میں بے یار و مددگار اکیلا چھوڑ کر میں تمہیں کس طرح اور کہاں کہاں ڈھونڈوں، میں کہاں اور جاؤں، کس سے تمہارا پتہ پوچھوں؟ مالنی اب تمہارا بچھڑنا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا، مالنی تمہارے بنا میر

جیون کٹی پتنگ کی طرح ہوا کے دوش پر ڈول رہا ہے، میں تو تمہارے لئے بھگوان سے پرارتھنا کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب تو تم ہی بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ بہت جلد ہمارا تمہارا ملن ہو جائے، میں تو بھگوان سے یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ بھگوان تو میرا جیون ختم کر دے، اب مجھ میں شکتی نہیں کہ میں اپنا وجود سنبھال سکوں، اب تو میرا وجود خود مجھے بھاری لگنے لگا ہے۔ مالنی تم مجھے بھی اپنے پاس بلا لو، مالنی اب میں کیا کروں، اب تو صرف ایک ہی خواہش رہ گئی ہے کہ میں اپنا جیون تیاگ دوں، اور ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن اس سنسار کو چھوڑ دوں گا، اس سنسار سے اپنا ناطہ توڑ لوں گا، مالنی میں تمہیں ہر جیون میں تلاش کروں گا، اور ہر جیون میں تمہاری تلاش میں آنسو بہاتا رہوں گا، اور پھر اپنا جیون تیاگتا رہوں گا۔"

روتے روتے رمیش کی آنکھیں سوج گئی تھیں، اس کی ہچکیاں اس کے گلے میں گھٹ گئی تھیں، اس کا دم گھٹنے لگا تھا، اس کی سانسیں اپنی رفتار کم کرنے لگی تھیں کہ اچانک اس کی ایک زوردار آہ نکلی اور اس پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ دماغ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مدھم پڑ گئی، وہ بالکل نڈھال ہو گیا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ وہ سو گیا تھا لیکن اس کا حواس جاگ رہا تھا۔

اس نے اچانک محسوس کیا کہ "کسی نے اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا ہو، اس نادیدہ وجود کی نرم و نازک مخروطی انگلیاں اس کے بالوں میں پھرنے لگیں، رمیش کو ہلکا ہلکا سکون محسوس ہونے لگا۔ اس نے سوچا کہ اس نرم و نازک اور شفیق ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے مگر ایسا کرنے سے وہ مجبور تھا، اس کے ہاتھوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ ایسا کر سکتا تھا اس نے یہ بھی چاہا کہ آنکھیں کھول کر وہ دیکھ لے کہ وہ کون مہربان ہے جو اس کے بالوں میں اپنا نرم و نازک گداز انگلیاں پھیر رہا ہے، اس کی بوجھل آنکھیں بہت وزنی ہو چکی تھیں، کئی بار اس نے کوشش کی کہ آنکھوں کو صرف وا کر سکے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

نرم و نازک انگلیاں تواتر سے اس کے بالوں میں سرگرداں تھیں اور اس وجہ سے اسے آج مہینوں بعد سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا سکون اس نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کے دل میں خواہش جاگی کہ وہ اس مہربان کا شکریہ تو ادا کر دے جو اسے سکون پہنچا رہا تھا۔

رات کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں جبکہ سب کو اپنی نیند پیاری ہوتی ہے لیکن وہ وجود تو خود جاگ کر اپنا سکون ختم کر کے اسے سکون پہنچا رہا تھا۔ وہ اب اپنے پورے جسم میں فرحت ہی فرحت محسوس کر رہا تھا، اب اس کے جسم کے کسی بھی حصے میں کوئی کسک باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے سینے میں مقید سارا غم جیسے باہر کو نکلتا محسوس ہوا، اس نے ایک بہت لمبا سانس کھینچا اور سکون اس کے سارے جسم میں سرایت کرتا چلا گیا کہ پھر اچانک آنسو کا ایک بڑا سا گرم قطرہ اس کے چہرے پر گر پڑا۔۔۔۔"

☆☆☆

رمیش ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور فوراً اس کا ہاتھ اپنے گال پر اس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ آنسو کا قطرہ گرا تھا۔ اس نے اپنی سیدھی انگلی پر پانی کو محسوس کیا اور پھر اچنبھے میں پڑ گیا۔ "اس رات سے میرے گال پر جیسے گرم پانی کا قطرہ کیا معنی رکھتا ہے؟" اور پھر اسے اپنے بالوں میں کسی کی نرم و نازک انگلیوں کا پھرنا یاد آ گیا۔ اب تو اس کی نیند اچاٹ ہو کر رہ گئی تھی، وہ سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ہچکولے کھانے لگا کیونکہ اس نے بہت واضح طور پر نیند کی غنودگی میں محسوس کیا تھا کہ کوئی اپنی نرم و نازک انگلیوں سے اس کے سر میں انگلیوں کا لمس پہنچا رہا تھا۔

اور پھر مالنی کی یادوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ "وہ دن کتنے اچھے اور سہانے تھے جب وہ دونوں لندن میں مستقبل کے پروگرام بناتے تھے۔" وہ دونوں الگ الگ کمپارٹمنٹ میں تھے مگر کالج کے وقت دونوں کا ساتھ، کالج کے بعد دونوں اپنے اپنے کمپارٹمنٹ میں چلے جاتے اور پھر شام سے پہلے پہلے دونوں اپنی جگہوں سے نکل پڑتے اور پھر پروگرام کے تحت مطلوبہ جگہ پر آن ملتے۔ زیادہ تر وہ دونوں سیر سپاٹے کی جگہوں پر ملتے تھے۔

دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے کئی کئی گھنٹے گزارتے تھے۔

اور ایسے موقع پر رمیش کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔ ''مالنی اب مجھ سے تمہارا دور رہنا برداشت نہیں ہوتا، یہ دوری کی گھڑیاں مجھے بہت اذیت پہنچاتی ہیں۔ کاش! میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں لے کر ایسی جگہ چلا جاتا جہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ کالج کے وقت اور پھر وہ سے جب تک تم میرے قریب رہتی ہو خوشی خوشی کٹ جاتا ہے مگر رات کا سے ایسے ہو جاتا ہے میرے لئے جیسے بن جل مچھلی تڑپتی ہے۔''

یہ سن کر مالنی مسکرانے لگتی اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولتی۔ ''رمیش ذرا صبر سے کام لو، دن اور رات کا زیادہ سے میں تمہارے ساتھ گزارتی ہوں۔ نہانے دھونے اور پھر رات میں سونے کے لئے تھوڑا سا ہی تو سے تم سے دور رہتی ہوں، اور اگر میں ان سے بھی تم سے دور نہ رہوں تو تم احتیاط کی ساری حدیں پھلانگ جاؤ، اور یہ اس وقت تک کے لئے بہت ضروری ہے جب تک ہم شادی کے منڈپ میں سات پھیرے نہ لگالیں۔''

''یہ تمہارے سات پھیرے میرے لئے سات جنموں سے بھی بڑھ کر ہو گئے ہیں، میں تو رات بھر بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ'' بھگوان جلد از جلد ہماری سن لے اور میرے بیاکل من کو شانتی دے یعنی مالنی کل چھوڑ آج ہی مجھے مل جائے۔'' رمیش بولتا۔

''رمیش شادی کرنے کو تو میں لندن میں بھی کر سکتی ہوں، مگر تم ذرا ان لوگوں کے متعلق سوچو جو ہمیں یہاں بھیج کر ایک ایک دن کس بیاکل پن سے گزارتے ہوں گے، ان کے بھی سپنے ہیں ان کی بھی خوشیاں ہیں کہ میں پڑھ لکھ کر واپس جاؤں اور پھر وہ لوگ میری خوشیوں کو آٹھ چاند لگا دیں۔ تمہارے اپنوں نے بھی ایسا ہی سوچا ہو گا۔

اب دیکھو نا ہمارے اپنوں کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں وہ بھی ہماری خوشی میں خوش ہیں، بس اب آخری مرحلہ رہ گیا ہے، اس کے بعد موج ہی موج، ذرا من کو شانت رکھو۔'' مالنی اکثر رمیش کو ان الفاظ میں سمجھاتی رہتی تھی۔

''مالنی مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلی گئیں، تم کس جہاں میں کھو گئیں، کچھ تو مجھے بتایا ہوتا، کیا میں تمہارے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا تھا؟ کیا میں نے بھی تم سے بے وفائی کی تھی؟ کیا میرے لئے تمہارے دل میں کوئی بدگمانی ہو گئی تھی؟ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں، کس سے تمہارا پتہ معلوم کروں۔ تمہیں احساس نہیں کہ تمہارے بن میرا اپنا جیون کتنا بوجھ بن گیا ہے، مالنی تم میرے پاس آ جاؤ نہیں تو میں اپنا جیون تیاگ دوں گا، میں کیا کروں، میں ہر پل تمہاری یادوں کے سہارے ہی تو جی رہا ہوں، اب تو لوگ میری حالت کے پیش نظر مجھ سے دور ہونے لگے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کون کسی کو برے حالات میں اور پھر کب تک سہارا دیتا ہے۔ کاش!.....'' اور پھر وہ بلکنے لگا۔

کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا کہ اچانک اس نے کسی کی سسکیوں کی آواز سنی تو وہ تڑپ کر اٹھا اور جھٹ سے لالٹین جلا دی۔ مگر کمرے میں کوئی بھی انسانی وجود موجود نہیں تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا مگر کمرے میں کوئی ہوتا تو اسے نظر آتا۔ اور پھر وہ دھپ سے اپنی چارپائی پر گر پڑا اور اپنا چہرہ تکیے میں چھپا کر زار و قطار رونے لگا۔ وہ کب تک روتا رہا سسکتا رہا اسے پتہ نہ چلا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اس کی ماتا اسے جگا رہی تھی۔

''بیٹا رمیش! کیا بات ہے آج تو بہت دیر تک سوتا رہا، میں کئی مرتبہ تیرے پاس آئی مگر تو بے سدھ پڑا تھا۔ اب جا کے میں نے تجھے جگایا ہے۔ تیرے بابوجی بول کر گئے ہیں کہ رمیش سے بولنا وید صاحب سے دوا لے آئے۔ اب جا کر نہا دھو لو، میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔'' ماں نے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''جی ماں! میں ابھی اٹھتا ہوں، آپ جائیں، میں ترنت نہا دھو کر آتا ہوں۔'' رمیش نے کہا تو اس کی ماں اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔

رمیش اٹھا اور اپنے کپڑے لے کر گاؤں میں بنے بڑے تالاب کی طرف جانے لگا۔ (گاؤں دیہات میں ویسے بھی لوگ زیادہ تر تالاب، نہر یا پھر کنوئیں پر نہاتے ہیں)

تھوڑی دور ہی وہ گیا تھا کہ اسے مندر کے پنڈت جی آتے ہوئے مل گئے۔ پنڈت کو دیکھ کر رمیش نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ پنڈت نے بہت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر پنڈت نے کہا۔ ''رمیش بیٹا! کیا بات ہے تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم رات میں سوئے نہیں، تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم اندرونی طور پر کچھ زیادہ ہی بیاکل رہنے لگے ہو، کسی سوچ نے تمہیں بیاکل کر دیا ہے۔ ایک ہفتہ سے تم مندر میں بھی نہیں آئے، لگتا ہے تم نے گاؤں میں ہونے والے حالات کا زیادہ اثر لے لیا ہے، ظالم اور پاپی لوگ بہت بھیانک انجام سے دوچار ہوتے ہیں وہ جو دونوں مرے ہیں بہت زیادہ پاپی اور آوارہ تھے، انہوں نے گاؤں والوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ زیادہ تر لوگ ان سے پریشان تھے، ہر وقت نشے میں رہنا ان کا شیوہ تھا۔ یہاں تک کہ چوری چکاری سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ گاؤں کی کئی ناریوں کو بے عزت کر دیا تھا چونکہ کھاتے پیتے گھرانے سے تھے اس لئے لوگ ان کے معاملے میں خاموش رہتے تھے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ خود بھگوان نے انہیں ان کی کرنی کی سزا دی۔ اور یہ بھی کتنے اچنبھے کی بات ہے کہ اس جگہ ان کی مرتیو ہوئی جہاں ماتا کا مندر ہے۔ ماتا کبھی بھی انیائے کو برداشت نہیں کرتی۔ ماتا بہت دیالو ہے۔
رمیش پتر تم مندر میں آیا کرو، تمہارے من کو شانتی ملے گی۔''

''پنڈت جی! آپ کی بات ٹھیک ہے، میرا من ہر وقت بیاکل رہنے لگا ہے، آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مالنی میری خاطر اس گاؤں میں آئی تھی، وہ مجھے بہت چاہتی تھی اور یہ کس قدر ظلم و زیادتی کی بات ہے کہ وہ یہاں تک اچھی بھلی آئی اور پھر راتوں رات غائب ہوگئی۔ کسی کے متعلق اگر پتا لگ جائے کہ وہ...'' اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''بات تمہاری بھی ٹھیک ہی ہے، اگر کسی کے بارے میں پتا چل جائے کہ وہ کہیں چلا گیا، کسی نے اغوا کر لیا یا پھر اس کے ساتھ کوئی اور حادثہ ہو گیا تو من بیاکل نہیں رہتا... میرا تو مشورہ ہے کہ تم بھگوان سے پرارتھنا کرو، میرا من کہتا ہے کہ کسی نہ کسی روز مالنی کے بارے میں معلوم ہو جائے گا، لیکن تم اپنے آپ کو سنبھالو، اگر تم ٹھیک رہو گے تو مالنی کے لئے پرارتھنا بھی تو کر سکو گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ٹھیک ہے پنڈت جی! میں اپنے آپ کو ٹھیک رکھنے کی کوشش کروں گا، آپ کی باتیں من کو بھاتی ہیں۔ میں کل سے مندر میں ضرور آیا کروں گا۔'' اور یہ بول کر رمیش آگے کو بڑھ گیا۔

رمیش تالاب پر پہنچا، نہایا دھویا اور پھر واپس آ گیا۔ اس کی ماں نے اسے ناشتہ دیا، ناشتہ کے بعد ماں نے کہا۔ ''بیٹا حکیم صاحب کے پاس چلے جاؤ، تمہارے بابو جی بول کر گئے ہیں کہ رمیش کو بول دینا حکیم صاحب کے پاس چلا جائے، انہوں نے حکیم صاحب سے بات کر لی ہے۔ بیٹا اب تم ترنت چلے جاؤ۔'' ماں نے کہا۔

''ٹھیک ہے ماں، میں جا رہا ہوں۔'' اور رمیش حکیم صاحب کے پاس جانے کے لئے گھر سے نکل پڑا۔

تھوڑی دیر میں رمیش حکیم کے پاس پہنچ گیا۔ حکیم نے رمیش کی نبض دیکھی تو کہا۔ ''رمیش بیٹا؟ تم اندرونی طور پر بہت کمزور ہو رہے ہو، تمہاری نبض کی رفتار بہت زیادہ سست ہو رہی ہے، اور اگر یہی کیفیت رہی تو تم بستر کے ہو کر رہ جاؤ گے، میرا مشورہ ہے کہ تم خود کو سنبھالو، اور باقاعدگی سے دوا لیتے رہو، نہیں تو تمہاری صحت اور زیادہ گر جائے گی۔''

''ٹھیک ہے حکیم صاحب! میں آپ کی باتوں پر ضرور عمل کروں گا، آپ دوا دیں۔'' رمیش نے کہا۔ اور پھر دوا لے کر گھر آ گیا۔

دن کا سمے بیت گیا، شام کا اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا، ویسے بھی گاؤں دیہات میں رات بہت جلدی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ گاؤں میں بجلی کا انتظام نہیں ہوتا، لوگ سرے شام ہی کھا پی کر اپنے اپنے بستروں میں دبک جاتے ہیں، لیکن شہری زندگی میں گہما گہمی ہوتی ہے، لوگ آدھی رات سے بھی زیادہ سے تک دھما چوکڑی مچاتے رہتے ہیں۔

رمیش اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا، دوا اس نے پہلے ہی کھالی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند کی دیوی نے اسے فوراً ہی اپنی آغوش میں لے لیا۔ لیکن لگتا تھا کہ حکیم نے دوا میں نیند کی بھی دوا دی تھی جس کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، ورنہ بستر پر لیٹنے کے بعد ہر روز رمیش بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا تھا اور مالتی کی یادوں میں کھویا رہتا تھا۔

رات کا ایک پہر بیت گیا تھا۔ اندھیرا ہر طرف مسلط تھا۔ ویسے بھی آج کل اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔

جب اماوس کی راتیں شروع ہوتی ہیں تو آسمان سے چاند غائب ہو جاتا ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والا اندھیرا اپنا راج قائم کر لیتا ہے۔

آج تو سرے شام سے ہی ہلکی بوندا باندی شروع تھی۔ گاؤں میں موجود کتے بھی نہ جانے کہاں دبک گئے تھے۔ نہیں تو کتوں کے بھونکنے کی آوازیں تو سنائی دیتی ہی رہتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ پورے گاؤں پر کسی بھیانک عفریت نے اپنا تسلط جما لیا ہو وقفے وقفے سے زوردار بجلی بھی اپنی گھن گرج آواز کے ساتھ دماغ کو جھنجھنا دیتی تھی۔ جب بجلی چمکتی تو ایسا لگتا کہ اب بجلی گر کر پورے گاؤں کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دے گی۔

سنیل اپنے کمرے میں محوِ خواب تھا۔ کمرے میں اس نے دروازے کو بھیڑ دیا تھا۔ ایک کالی بلی بہت بڑے جسامت کی اس کے کمرے میں گھسی۔ اس بلی کی دونوں آنکھیں اندھیرے میں کچھ زیادہ ہی چمک رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے نکلتی سبز رنگ کی روشنی عجیب پرہیبت نظارہ پیش کر رہی تھی۔ بلی کی آنکھیں جس طرف کی ہوتیں اس طرف کی جگہ سفید روشنی سے چکا چوند ہو جاتی۔ کمرے میں بلی چاروں طرف گھوم گھوم کر نہ جانے کیا دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کمرے کے چاروں طرف گھوم پھر کر تھک گئی تو سنیل کی چارپائی کے سامنے بیٹھ کر سنیل کو غضبناک نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

بلی کی آنکھوں سے نکلی سبز روشنی سنیل پر بدستور پڑ رہی تھی۔ سنیل گہری نیند میں غرق تھا۔ تھوڑی دیر بعد اچانک بلی کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ پھر چند ساعت بعد بلی کی غراتی ہوئی میاؤں... میاؤں... کی آواز کمرے کی فضا کو منتشر کرنے لگی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا بلی کی غراہٹ اور چیخ میں اضافہ ہوتا گیا...... پھر کیا تھا بلی کی فلک شگاف چیخیں کمرے کی در و دیوار کو دہلانے لگیں۔

اچانک سنیل کی آنکھ کھل گئی۔ اندھیرے میں اس نے دو سبز چھوٹے گولے دیکھے تو وہ تھرا کر رہ گیا کہ اچانک وہ دونوں سبز گولے غائب ہو گئے مگر بلی کی چیخ بدستور جاری رہی۔ سنیل چارپائی پر بیٹھا تھرانے لگا۔ اندھیرے میں وہ آنکھیں پھاڑے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر گھپ اندھیرے میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پہلے تو ایک بلی کی چیخ سنائی دیتی رہی اس کے بعد ایک دو... تین... اور پھر بے شمار بلیوں کی دل و دماغ پر لرزہ طاری کرتی آسمان کو دہلاتی چیخیں سن کر سارا گھر اٹھ بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سنیل کی بھی دہشت ناک چیخیں ان بلیوں کی چیخوں میں شامل ہو گئیں۔ اس کے کمرے کا دروازہ اب خود بخود بہت مضبوطی سے بند ہو چکا تھا۔

"ماں... بابو جی... جلدی آؤ... بچاؤ... بچاؤ......" سنیل کی کربناک چیخیں در و دیوار کو دہلانے لگیں۔ گھر والے جلدی سے اس کے کمرے کی طرف لپکے مگر دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

"سنیل دروازہ کھولو....." اس کی ماں نے چیخ کر کہا۔ مگر باہر والوں کی آوازیں سنیل تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ پھر اس پر ہی موقوف نہیں رہا۔ اب سارے کمروں

سے بلیوں کی خوفناک غراہٹ اور دہشت ناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ بلیوں کی چیخوں سے پورا گھر دہلنے لگا۔ چیخیں اس قدر تیز تھیں کہ گھر والوں نے اپنے اپنے کانوں پر اپنے ہاتھ رکھ لئے تھے۔

گھر کے سارے افراد افراتفری میں حال سے بے حال ہو کر رہ گئے تھے، بلیوں کی اتنی خوفناک چیخیں ان لوگوں نے اب تک اپنی زندگی میں نہیں سنی تھیں۔ سنیل کا کمرہ بدستور بند تھا مگر اور دیگر کمرے کے دروازے کھلے پڑے تھے۔ پورے گھر میں گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ اور آوازیں ہر کمرے میں گونج رہی تھیں۔

"سنیل کی ماں...... جلدی سے چراغ جلاؤ۔" سنیل کے بابو نے چیخ کر کہا۔

"ماچس نہیں مل رہی...... ماچس اپنی جگہ سے غائب ہے......" "ارے کہیں اور دیکھو...... گنگا جلدی سے رسوئی میں دیکھو...... ماچس وہاں بھی ہوتی ہے۔" سنیل کی ماں کی بدحواس آواز سنائی دی۔

"رسوئی میں بھی ماچس نہیں ہے۔" سنیل کی بہن گنگا چیخ کر بولی۔

اب تو گھر میں موجود چھوٹے بچے بھی خوف و ڈر کی وجہ سے دہاڑیں مار مار کر چیخنے چلانے لگے تھے۔

"او تلسی...... او راما نند...... جلدی کرو...... تلسی جلدی کرو...... تلسی...... تلسی۔" سنیل کے بابو اپنے پڑوسیوں کو آواز دینے لگے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ باہر کا دروازہ بھی بند تھا۔ کسی نے باہر سے کنڈی لگا دی تھی۔ گھر کے سارے افراد گھر میں جیسے قید ہو کر رہ گئے تھے۔

اب تو سارے گھر والے چیخ و پکار کرنے لگے تھے، گھر والوں کی فلک شگاف چیخیں اور بلیوں کی سر پر آسمان اٹھاتی خوفناک چیخیں دل کو پھاڑے دے رہی تھیں۔ گھر والے گلا پھاڑ کر چیخ رہے تھے، لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رہے تھے۔ اور بلیاں ہر کمرے میں اس قدر رو رہی تھیں کہ اب گھر کی دیواریں زمین بوس ہو جائیں مجال ہے کہ ان آوازوں کو باہر والے سن رہے ہوں۔

باہر کے افراد بھی کسی کی کوئی آواز نہیں سن رہے تھے۔

اپنے کمرے میں مقید سنیل کی آواز اب تو گلے میں پھنسنے لگی تھی۔ اس کی فلک شگاف چیخیں اب دم توڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ "ماں جی...... بابو...... ماں جی...... مجھے بچاؤ...... میں مر رہا ہوں...... بابو...... جلدی...... بابو...... بابو...... بلی مجھے نوچ رہی ہے...... بابو...... بابو......با......با......بابو......ل......بلی مجھے مار دے گی۔"

"بھ...... بھگ...... بھگوان کرپا کرو...... بھگوان ہم پر دیا کرو...... بھگوان ہمیں بچالو...... کالی ماتا ہم پر دیا کرو......" اس قسم کی زوردار آوازیں سنیل کے بابو کی تھیں۔

اچانک سنیل کے کمرے کا دروازہ دھڑام سے کھلا...... اور ایک بکری کی جسامت کی بلی اپنی انگارہ برساتی آنکھوں کے ساتھ باہر نکلی...... جسے دیکھ کر سارے گھر والے سہم کر لرزنے لگے۔ وہ بلی گھر والوں کے سامنے بہت زوردار آواز میں غرائی اور پھر گھر والوں نے دیکھا کہ باہر کا دروازہ بھی خود بخود کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ کالی بلی دروازے سے باہر کو نکلتی چلی گئی۔

سنیل کی ماں دوڑ کر رسوئی میں گئی اور تختے پر ہاتھ مارا تو اب اس جگہ ماچس موجود تھی۔ سنیل کی ماں نے جلدی سے رسوئی میں موجود جلتے چراغ کو لے کر باہر کو آئی تو جھٹ سے سارے گھر والے سنیل کے کمرے کی طرف بڑھے۔

کمرے میں سنیل فرش پر پڑا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ اکثر اپنے کمرے میں نیکر پہن کر سویا کرتا تھا۔ گھر والوں کی اس پر نظر پڑتے ہی سارے گھر والے لرز کر رہ گئے۔

سنیل خون میں لت پت تھا۔ اس کے سارے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ بلی نے اس کے ہاتھ پاؤں چہرہ اور جسم کو اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالا تھا۔ زخم بہت گہرے تھے اور ان سے بڑی تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔

سنیل کے بابو دوڑ کر باہر نکلے اور اپنے پڑوسیوں

کا دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔ پڑوسی بدحواسی کی حالت میں باہر نکلے۔ ''شیام بھائی خیریت تو ہے۔'' پڑوسی نے کہا۔

''ارے تلسی...... میرا سنیل مر رہا ہے...... جلدی چلو...... سنیل کو بچالو...... ارے میں کیا کروں...... میرا سنیل مر جائے گا...... جلدی چلو......'' اور ان کے ساتھ سارے پڑوسی دوڑتے ہوئے ان کے گھر میں داخل ہوئے۔

سنیل کی حالت بہت ہی ابتر تھی۔ ابھی تک وہ بے ہوش تھا۔ سنیل کو دیکھ کر پڑوسی تھرا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں جیسے پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ ان میں خوف سوار ہو گیا تھا۔

''ارے دیکھو...... یہ مر جائے گا...... اب میں کیا کروں...... میری بدھی تو ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ بھائی تلسی تم ہی کچھ بتاؤ......'' سنیل کے بابو سسکتے ہوئے بولے۔

''شیام بھائی...... یہ سب ہوا کیسے؟'' تلسی داس نے پوچھا۔

''ارے میں تو تم لوگوں کو آوازیں دیتے دیتے تھک گیا۔ میں تو گلا پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔'' سنیل کے بابو نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟ ہم نے تو کوئی آواز نہیں سنی۔ آواز اگر ہم سنتے تو ضرور آتے...... اور اس سے پہلے کیا کبھی ایسا ہوا ہے۔''

تلسی داس نے کہا۔ ''اچھا تم جلدی سے پانی اور ایک صاف کپڑا لے آؤ۔ میں کچھ کرتا ہوں۔''

یہ سن کر گنگا دوڑتی ہوئی گئی اور مٹی کے کونڈے میں پانی لے آئی ساتھ ہی ایک بڑا سا ململ کا ٹکڑا بھی اٹھا لائی۔ تلسی داس نے کپڑے کو پانی میں بھگو کر سنیل کے زخم سے نکلتے خون کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ سنیل کی سانسیں بہت ہلکی چل رہی تھیں۔ مگر وہ ابھی بھی بے سدھ ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا تھا۔

''شیام بھائی یہ سب ہوا کیسے؟ سارے جسم پر اتنے زخم، ایسا لگ رہا ہے کہ سارے جسم کو نوچا گیا ہے۔'' تلسی داس نے کہا۔

اتنے میں گاؤں کی مسجد سے ''اللہ اکبر'' کی آواز سنائی دی۔ اذان فجر ہونے لگی تھی۔ اذان کی آواز سن کر اس جگہ موجود لوگوں کے جسم میں جیسے چین کی لہر دوڑ گئی۔

''صبح ہونے والی ہے۔ اجالا پھیلتے ہی وید صاحب کو بلا کر لاتے ہیں، وہ سارے جسم پر کوئی مرہم لگا دیں گے اور اسے دوا بھی دیں گے۔'' تلسی داس نے کہا۔

اور پھر تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پورے گاؤں پر پھیل گیا۔ سنیل کے بابو نے سنیل کے چھوٹے بھائی راجیش کو ترنت حکیم صاحب کی طرف دوڑایا۔ وہ بولے۔ ''حکیم صاحب سے کہنا، حکیم صاحب بابو نے جلدی سے بلایا ہے۔ سنیل بھائی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ سنیل بھائی کو رات سے بلیوں نے اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالا ہے۔ آپ جلدی سے چلیں دوا اور مرہم لے کر، سنیل بھائی اپنے ہوش میں نہیں ہیں، آپ جلدی چلیں...... سنیل بھائی کو بچالیں۔ اگر دیر ہو گئی تو سنیل بھائی مر جائیں گے، سارے جسم سے خون بہہ رہا ہے، ان کی حالت دیکھی نہیں جا رہی۔'' اور راجیش حکیم صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

''بلیوں نے نوچا!'' حکیم صاحب اچنبھے کی حالت میں بڑبڑائے۔ ''اچھا میں چلتا ہوں، دوا وغیرہ لے لوں۔'' وہ جلدی سے گھر کے اندر چلے گئے اور پھر چند منٹ میں باہر آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں دواؤں کا ایک چھوٹا سا لکڑی کا بکس تھا اور ایک ہاتھ میں روئی کا ایک بنڈل بھی تھا۔

راجیش کے ساتھ حکیم صاحب چند منٹ میں آ گئے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو سنیل کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئے، ان کا ذہن یہ ماننے سے قاصر تھا کہ بلیوں نے اس قدر سنیل کے سارے جسم پر اپنے ناخن مارے ہوں۔ انہوں نے زمانہ دیکھا تھا۔ بڑے بڑے حادثے ان کے سامنے آئے تھے، وہ زمانہ شناس تھے، وہ کیسے مان سکتے تھے کہ ایک ہٹے کٹے جوان آدمی کو بلیوں نے نوچا تھا۔ جبکہ سنیل کی دونوں آنکھیں

ٹھیک ٹھاک تھیں۔
بہرحال حکیم صاحب نے اپنا علاج شروع کر دیا۔ فوراً انہوں نے پانی گرم کرایا۔ پہلے گرم پانی میں ایک رقیق دوا ڈالی اور پھر اس پانی میں روئی بھگو کر آہستہ آہستہ سنیل کے زخم پر سے خون صاف کرنا شروع کیا۔ خون صاف کرنے سے سنیل کسمسا بھی رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ دوا اسے لگ رہی ہے۔

سارا خون صاف کرنے کے بعد حکیم صاحب نے ایک گہرا پیلا مرہم سارے جسم پر لگا دیا۔ یہ کرنے کے بعد انہوں نے ایک لال رنگ کی دوا سنیل کے منہ میں انڈیل دی۔ چند ساعت ہی گزرے تھے کہ سنیل نے اپنی سہمی ہوئی آنکھیں کھول دیں۔ اور خوف کھائے ہوئے لرزیدہ آواز میں بولا۔ ”وہ مجھے مار دے گی...... وہ مجھے مار دے گی۔“ اور پھر اس نے بھرپور نگاہوں سے اپنے گرد کئی لوگوں کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔

حکیم صاحب نے جھٹ ایک دوسری دوا اس کے منہ میں ڈال دی۔ سنیل کرب و اذیت سے تکلیف دہ انداز میں منہ بناتا رہا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کی پلکیں بند ہونے لگیں اور وہ بے سدھ ہو کر سو گیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر حکیم صاحب بولے۔ ”اسے آرام کرنے دیں۔ جب یہ خود بخود سو کر اٹھے گا تو اسے گرم دودھ میں ہلکی سی ہلدی کے ساتھ چینی ملا کر دودھ پلا دینا۔ میں شام سے پہلے آ کر ایک مرتبہ اور دیکھ لوں گا اور دوسری دوا بھی دوں گا، مگر اس کی یہ حالت ہوئی کیسے؟“ حکیم صاحب نے پوچھا۔

سنیل کے باپو بولے۔ ”حکیم صاحب ہماری آنکھ کھلی تو ہم نے دیکھا کہ سنیل کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ یہ اندر سے چیخ رہا تھا اور ساتھ ہی کمرے سے بے شمار بلیوں کے چیخنے کی خوفناک آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ہم کمرے کی طرف بڑھے تو سارے کمروں سے بلیوں کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ باہر کا دروازہ بھی بند تھا۔ کسی نے باہر کی کنڈی لگا دی تھی۔ پورے گھر میں ماچس جل کے نہیں دے رہی تھی۔ پھر میں نے بہت زوردار آواز میں بھگوان اور کالی ماتا کو پکارا تو ایک بہت بڑی کالی بلی سنیل کے کمرے سے باہر نکلی اور ہم سب پر غراتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر دروازے سے نکل گئی، اچنبھے کی بات یہ تھی کہ بلی جب باہر کو نکلی تو باہر کا دروازہ بھی خود بخود کھل گیا تھا۔ گھر میں بلیاں چیخ رہی تھیں اور ساتھ ہی ہم سارے گھر والے بھی چیخ چیخ کر پڑوسیوں کو پکارتے رہے، سنیل کی آوازیں بھی در و دیوار کو دہلاتی رہیں مگر گھر سے باہر کسی کی بھی آواز نہیں گئی۔ یہ سوچ سوچ کر تو میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے کہ ایسا کیا تھا، وہ بلی کیسی تھی اور اس بلی نے ایسا کیوں کیا؟“

یہ سن کر حکیم صاحب بولے۔ ”شیام داس یہ تو مجھے کوئی ہوائی چکر لگتا ہے۔ وہ بلی کوئی عام بلی نہیں ہو سکتی۔“ حکیم صاحب کی اس بات کو سن کر اس جگہ موجود سارے لوگ سہم کر رہ گئے۔ ”شیام داس میں چلتا ہوں اور پانچ بجے آ کر دوبارہ دیکھوں گا۔“ یہ بول کر حکیم صاحب چلنے لگے تو شیام داس نے کہا۔ ”حکیم صاحب کتنے پیسے ہوئے بتا دیں۔“

حکیم صاحب بولے۔ ”پیسوں کی فکر نہ کرو، میں شام میں بتا دوں گا۔“ اور یہ بول کر حکیم صاحب نے اپنا چھوٹا سا بکس اٹھایا اور گھر سے باہر نکل گئے۔

یہ عجیب و غریب اور خوفناک خبر پورے گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ گاؤں بھر کے سارے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ جس کو دیکھو منہ اٹھائے آنے لگا۔ تمام لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہر آدمی اچنبھے میں تھا، کسی کو بھی یقین نہیں آ کر دے رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے گاؤں میں کبھی بھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اور نہ ہی کبھی اس قسم کا واقعہ سننے میں آیا تھا۔ پورے گاؤں میں دہشت تھی۔ اس سے پہلے گاؤں کے دو نوجوانوں کی دہشت ناک موتیں ابھی بھی لوگوں کے ذہن میں تازہ تھیں۔ اور اب پھر یہ خوفناک واقعہ، لوگ سہم کر رہ گئے تھے۔

گاؤں کے زیادہ تر لوگ دوڑ کر مندر میں پہنچ گئے

اور پنڈت کے سامنے دست سوال بن گئے۔ "پنڈت جی! گاؤں میں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ ہی کچھ بتائیں، اس سے پہلے تو کبھی گاؤں میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ہمارا گاؤں تو سکھ شانتی سے بھرا پڑا تھا۔ مگر اب اچانک دل دہلاتا ایسے حالات؟....."

"بھائیو! مجھے لگتا ہے ضرور کوئی نہ کوئی کٹھن بات ہوئی ہے اور اس کارن کالی ماتا بھی ناراض لگتی ہے، سارے گاؤں والے مل کر ماتا کے جتنوں میں پرارتھنا کریں، ماتا اپنا کرپا کرے گی۔" پنڈت نے کہا۔

کچھ لوگ گاؤں کی مسجد میں پیش امام کے پاس پہنچ گئے اور بولے۔ "پیش امام صاحب آپ اللہ سے دعا کریں کہ اب اچانک یہ سب کچھ گاؤں میں کیوں ہونے لگا۔ ہمارا گاؤں تو ہمیشہ ہمیشہ سے سکھ چین کا گہوارہ رہا ہے۔ گاؤں میں ایسی ایسی خوفناک لرزہ خیز موتیں، اور یہ ات میں خوفناک بلیوں کا حملہ..... آپ دعا کریں۔ اللہ کے حضور!"

"آپ لوگ گھبرائیں نہیں..... مجھے تو لگتا ہے کہ گاؤں کے کسی فرد سے ضرور کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے، یا ھر ضرور کوئی ایسی نافرمانی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے اس قت سارا گاؤں دہشت زدہ ہے، جبکہ یہ معاملہ ہر کسی کے ساتھ پیش نہیں آ رہا ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، میں دعا کروں ا، آپ لوگ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ بڑا رحمٰن رحیم اور پنے بندوں پر فضل کرنے والا ہے۔"

شام پانچ بجے حکیم صاحب سنیل کے گھر آئے۔ وپہر کے وقت سنیل کو ہوش آ چکا تھا۔ مگر کسی نے بھی اس سے باز پرس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی چارپائی پر خاموش پڑا ا۔ ماں نے ہوش میں آنے پر گرم دودھ میں چینی اور ری ڈال کر پلا دیا تھا۔

حکیم صاحب سنیل کے قریب ایک چھوٹے نڈھے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ سنیل ے سر پر رکھا تو سنیل نے اپنی آنکھیں کھول کر حکیم حب کو دیکھا۔

"سنیل بیٹا! اب طبیعت کیسی ہے؟" حکیم صاحب نے پوچھا۔

سنیل کے منہ سے آوازیں نہیں نکل رہی تھیں۔ وہ بہت زیادہ سہما ہوا نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔ حکیم صاحب نے سنیل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی نبض پر اپنی انگلی رکھ دی اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک منٹ اپنی انگلی نبض پر رکھنے کے بعد انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر بکس میں سے ایک شربت نکالا اور ایک گلاس منگوا کر اس شربت کو گلاس میں ڈالا اور اسے سنیل کو پلا دیا۔ جب سنیل شربت پی چکا تو حکیم نے کہا۔ "سنیل بیٹے! اب تم لیٹو نہیں بلکہ تکیہ کے سہارے بیٹھے رہو۔"

حکیم صاحب کی بات سن کر سنیل تکیہ کے سہارے بیٹھ گیا۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ سنیل نے ایک بہت لمبا سانس کھینچا۔ حکیم صاحب بدستور اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ اب سنیل اپنی آنکھیں موندتا رہا۔ اور کھولتا رہا۔ چند بار ایسا کرنے کے بعد اس نے ایک اور لمبا سانس کھینچا۔

"سنیل بیٹا! اب طبیعت کیسی ہے؟" حکیم صاحب نے پوچھا۔ "اور تمہارے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا کہ تمہاری ایسی حالت ہوئی کچھ بتاؤ تا کہ اس کا تدارک کیا جائے۔"

سنیل اپنی نحیف آواز میں بولا۔ "حکیم صاحب میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک کسی بلی کے چیخنے پر میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، میں نے دیکھا کہ دو سبز گہرے رنگ کے گولے نظر آ رہے تھے، کہ پھر اچانک بلی کی غراہٹ سنائی دی، اس کے بعد بلی کی لرزا دینے والی زوردار آوازیں آنے لگیں۔ آوازیں پھر زور پکڑنے لگیں اس کے بعد لگا کہ کئی بلیاں ایک ساتھ مل کر چیخنے لگیں۔ آوازیں اتنی زوردار تھیں کہ میں نے اپنے کان اپنے دونوں ہاتھ سے بند کر لئے لیکن پھر بھی آوازیں میرا کان پھاڑنے لگیں۔ پھر ان بلیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا، حملہ اتنا زوردار تھا کہ میرے برداشت سے باہر

ہوگیا۔ تکلیف اور اذیت میرے برداشت سے باہر ہوگئی اور میں چیخنے لگا۔ اندھیرا اتنا تھا کہ میں دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور پھر میں تیورا کر گر پڑا، اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔"

"شیام داس! آج سے سنیل کو اندھیرا کر کے سونے نہیں دینا، اور کوشش کرنا کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی سوئے، چند دن تک اس کا اکیلا سونا میرے خیال میں ٹھیک نہیں، کیونکہ ابھی بھی اس کے ذہن پر خوف سوار ہے۔ میں چند دن تک متواتر اسے چیک کرتا رہوں گا اور دوا دوں گا۔"

"حکیم صاحب پیسوں کا آپ بتا دیں۔" سنیل کے باپو نے پوچھا۔

"آپ دو روپے دے دیں۔" وہ سستا زمانہ تھا، ایک روپے میں بیس سیر آٹا آتا تھا۔ سنیل کے باپو نے دو روپے حکیم صاحب کو دیئے۔ روپے لے کر حکیم صاحب کمرے سے باہر نکل گئے۔ حکیم صاحب نے ایک دوا دی تھی کہ رات میں سوتے وقت سنیل ضرور کھایا کرے۔ اور وہ دوا تھی گہری نیند کے لئے۔

ادھر سنیل کے دوست گنیش کو بھی سنیل کے ساتھ پیش آنے والے حالات کا پتا چل چکا تھا، تمام باتیں سن کر گنیش پر بھی کپکپی سوار ہوگئی تھی۔ اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ سرِ شام ہی گھر میں گھس کر سو جاتا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے تو سنیل سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سنیل کے ساتھ میں بھی ان میں سے کسی بلی کی نظر میں آ جاؤں۔ کئی دفعہ سنیل نے گنیش کے پاس خبر بھی بھیجی کہ گنیش میرے پاس آئے مگر گنیش یہ بول کر ٹال دیتا کہ "سنیل سے بولنا میں ترنت آؤں گا۔"

گنیش کا اب زیادہ تر وقت کالی ماتا کے مندر میں گزرنے لگا تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ مندر میں پہنچ جاتا اور اپنا سر نیچے کئے کالی ماتا کے سامنے بیٹھا رہتا۔ لوگ آتے اور کالی ماتا کے چرنوں میں پھول یا پھر دان دکھشنا ڈال کر چلے جاتے مگر گنیش کو کسی کے آنے جانے سے کوئی فکر نہیں تھی، بس وہ اپنا سر جھکائے بیٹھا رہتا، دوپہر تک لوگوں کا آنا جانا بالکل ختم ہو جاتا تو پنڈت کی آواز سنائی دیتی۔ "گنیش اب گھر چلا جا، یہ آرام کا سمے ہے، اب ماتا کو بھی آرام چاہئے۔" جب گنیش یہ سنتا تو اپنے گھر کی راہ لیتا اور بولتا۔ "پنڈت جی پتا نہیں کیوں میرا سکھ شانتی سب کچھ چھن گیا ہے، ہر وقت دل میں دھڑکا سا لگا رہتا ہے، من کہیں بھی نہیں لگتا، ہر سمے خوف اور ڈر دماغ میں سمایا رہتا ہے، آپ ماتا کے سیوک ہیں، ماتا آپ کی سنے گی، میرے لئے پرارتھنا کرنا کہ ماتا مجھ پر دیا کرے، بس میرے بیاکل من کو شانتی مل جائے، ماتا جس چیز کے لئے بھی اشارہ کرے گی میں وہ چیز لاکر ماتا کے چرنوں میں ڈال دوں گا۔" ہر روز پنڈت سے اس قسم کی باتیں کرتا اور گھر کی راہ لیتا۔

ادھر سنیل کی زندگی اجیرن بن کر رہ گئی تھی۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ وہ اپنے گھر کے قریب گھومنے پھرنے کے علاوہ اب دارو والی جگہ پر بھی جانے لگا تھا۔ لیکن ہر وقت سہما سہما رہتا تھا۔ لیکن سب سے بڑی مصیبت اس کے ساتھ یہ لگ گئی تھی کہ وہ جب بھی اور جہاں بھی اکیلا ہوتا اور قرب و جوار میں کوئی اور نہیں ہوتا تو کسی خونخوار بلی کی بھیانک فلک شگاف چیخ سنائی دیتی تو وہ اچھل پڑتا اور لرز جاتا۔ وہ گھنٹوں دارو خانے میں بیٹھا گھونٹ گھونٹ دارو پیتا رہتا، چونکہ دارو خانے میں ہر وقت رش رہتا تھا اس وجہ سے وہ اس جگہ بیٹھا رہتا تھا۔ شام کا اندھیرا ہونے سے بہت ہی پہلے اپنے گھر آ جاتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی رہے، اس لئے وہ کوشش کرتا کہ کسی کو بھی اپنے ساتھ رکھے لیکن کوئی کب تک کس کے ساتھ رہتا ہے، اور جب وہ اکیلا ہوتا تو اسے بلی کی چیخ سنائی دیتی۔

حکیم صاحب ہر روز رات کے لئے اسے نیند کی دوا دیتے تاکہ وہ رات میں سوتے سمے گہری نیند میں پڑا رہے، مگر اس کے باوجود بھی وہ اکثر رات میں بہت زیادہ ڈر جاتا، اس کی گھٹی گھٹی آواز گھر والوں کو سنائی دیتی، کبھی کبھی وہ نیند میں چیخ پڑتا، بچاؤ...... یہ مجھے مار

دے گی...... یہ مجھے مارنے آرہی ہے...... بچاؤ...... بچاؤ۔'' سنیل کی آوازیں سن کر بھی گھر والے اسے نہیں اٹھاتے کیونکہ وہ گہری نیند میں ہوتا، اور حکیم صاحب کا کہنا تھا کہ ''چاہے یہ جتنا بھی چیخے اسے جھنجوڑ کر اٹھانا نہیں، اگر اسے اس حالت میں جھنجوڑ کر اٹھا دیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ خوف کی وجہ سے اس کا دماغ الٹ جائے۔''

دن بدن اس کی حالت غیر سے غیر ہورہی تھی۔ اس کی جسمانی کمزوری صاف نظر آنے لگی تھی۔ اس بڑھتی ہوئی کمزوری کے باعث اس کو اس کے بابوجی کئی مرتبہ شہر میں موجود ایک بڑے ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر جاچکے تھے۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگائے اور کئی دوائیں دیں کہ وہ رات اور صبح کے وقت استعمال کرے۔ مگر کمزوری تھی کہ بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اب زیادہ دور تک وہ چل بھی نہیں سکتا تھا۔ زیادہ چلنے سے اس کا سانس پھولنے لگتا تھا اور جب سانس پھولنے لگتا تو پھر وہ مجسم پسینے میں شرابور ہوجاتا۔ اس کی ماں سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی، ماں اس کی حالت دیکھ کر اندر سے ٹوٹ جاتی۔ جوان اولاد کا غم ویسے بھی ماں باپ کے لئے بہت بھاری ہوتا ہے۔

''بیٹا! تو کھل کھلا کر بتا تو کہ تیرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے، کیسا ڈر تیرے دل و دماغ میں سما گیا ہے، بیٹا! ہم نے بڑے ارمانوں سے تیری پرورش کی ہے، جب تک تو اپنے من کا نہیں بتائے گا اس وقت تک کیا ہوسکتا ہے، دیکھ تیرے بابوجی بھی تیرے غم میں گھلتے جارہے ہیں، تو نے ایسی کیا غلطی کردی جس کا رکن یہ سزا بھگت رہا ہے۔'' اس کی ماں آئے دن اس طرح کی باتیں کرتی۔

لیکن وہ مجبور تھا، اپنی کرنی کی سزا بھگت رہا تھا، چند منٹ کی ہوس پرستی نے آج اس کی زندگی کو کربناک بنادیا تھا، وہ اس کرب میں مبتلا تھا کہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر بتادیتا تو شرمندگی کے ساتھ ساتھ پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاتا اور یہی نہیں بلکہ اس کے گھر والے بھی شرمندگی سے کہیں کے بھی نہیں رہتے۔

''ماں۔'' یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یہ کیا کچھ ہورہا ہے، بس میں اب زندگی کے دن پورے کررہا ہوں، میری حالت خود میری سمجھ سے باہر ہے، کاش! کہ میں سمجھ پاتا۔'' سنیل اسی طرح کے جواب دیتا تو اس کی ماں سسک پڑتی۔

گاؤں والے بھی اس کی بگڑتی ہوئی ابتر حالت کو دیکھ کر دکھی ہوجاتے تھے۔ ایسا کڑیل جوان دیکھتے دیکھتے چلنے پھرنے سے بھی قاصر ہوگیا تھا۔ طرح طرح کی باتیں اور مشورے لوگ دیتے مگر وہ سب کی سنتا رہتا، اس کے پاس یا پھر اس کے گھر والوں کے پاس اس کی بیماری کا کوئی حل نہیں تھا۔ ڈاکٹر، وید، سادھو، سنیاسی اور بڑے سے بڑے پنڈت تک کے پاس اسے لے جایا گیا مگر وہی ڈھاک کے تین پات...... کوئی جنتر منتر والا بھی کھل کر اس کے بارے میں نہیں بتا پاتا، ایسا لگتا کہ اس کی حالت کی تفصیل بتانے کے لئے ان کی زبان ان کا ساتھ نہیں دیتی تھی۔ وہ سب بائیں شائیں کی باتیں کرکے ٹال دیتے۔

رات میں سوتے سے اسے اکیلا نہیں سونے دیا جاتا تھا۔ کوئی نہ کوئی اس کے کمرے میں ضرور سوتا تھا۔ رات بھر کمرے میں چراغ جلتا رہتا تھا۔ اندھیرا بالکل نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ ایک نے مشورہ دیا تھا کہ اس کے سرہانے ایک چھری رکھ دیا کریں کیونکہ چھری رکھنے سے ہوائی چیزیں قریب نہیں آتی ہیں، اور اس طرح ہوائی چیزوں سے حفاظت رہتی ہے۔ لہٰذا اس کے سرہانے رات سے ایک چھری ضرور رکھ دی جاتی تھی۔

گاؤں والے آہستہ آہستہ اپنے دل و دماغ سے خوف نکال چکے تھے اور ویسے بھی کب تک کسی غم، کسی دکھ، کسی اذیت، یا پھر کسی خوف کو دماغ میں رکھا جاتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی حالت نارمل ہوتی چلی جاتی ہے، اب گاؤں کے افراد بے خوف و خطر رات برات آتے جاتے نظر آنے لگے تھے۔

گرمیوں کا وقت شروع ہوچکا تھا اور گرمیوں میں ویسے بھی لوگ زیادہ تر کافی دیر تک جاگتے رہتے ہیں۔ پاس پڑوس کے چند لوگ اپنے گھر بار کے قریب بیٹھ کر اپنا

دکھ سکھ کہہ کر غم بانٹتے رہتے ہیں اور گاؤں دیہات میں تو ایسے بھی لوگ دن بھر رات محنت مزدوری کے علاوہ، مشقت والا کام زیادہ کرتے ہیں جس میں کھیتی باڑی یا ہل چلانا، جانوروں کی دیکھ بھال شامل ہوتی ہے، شام کا اندھیرا پھیلتے ہی اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر تھوڑے وقت کے لئے چند لوگ ایک جگہ بیٹھ کر ہنس بول کر اپنے آپ کو ہلکا کر لیتے ہیں جبکہ شہروں میں یہ بات نہیں، شہروں میں چونکہ رات دن کی مصروفیات ہوتی ہیں لہٰذا پڑوسی اپنے پڑوسی سے مہینوں میں کہیں میل ملاقات کرتا ہے۔

رات کافی سے بیت چکا تھا۔ کمرے میں چراغ بدستور جل رہا تھا۔ سنیل کی چارپائی کے قریب ہی دوسری چارپائی پر اس کے باپو گہری نیند میں پڑے تھے۔ اچانک سنیل کی آنکھ کھل گئی، اس نے چاروں طرف کمرے کو بہت غور سے دیکھا۔

پھر اچانک اس نے اپنا تکیہ اٹھا کر دیکھا اور تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تیز دھار چھری اٹھالی، چھری پر اپنی گرفت مضبوط کر لی، ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنے حواس میں نہ ہو بلکہ کسی ان دیکھی طاقت کے زیر اثر ہو۔

وہ بہت احتیاط سے اپنی چارپائی پر سے اٹھا اور بچتا بچاتا کمرے سے نکلنے لگا، خیر وہ اپنے کمرے سے باہر صحن میں نکل آیا۔ اس نے اچٹتی نظروں سے اپنے پورے گھر کو دیکھا اور پھر اپنے قدم باہر دروازے کی طرف بڑھادیئے۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا، دروازے سے وہ باہر نکل گیا۔ چھری اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور اندر سے کنڈی لگنے کی آواز بھی سنائی دی۔

وہ ٹرانس کی حالت میں چل رہا تھا۔ وہ اپنے ارد گرد سے بیگانہ ایک سمت میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہا تھا۔ گاؤں میں موجود کئی کتوں نے اسے دیکھا تو وہ بھونکنے لگے مگر ہر جگہ اس کی آنکھ سے چنگاریاں نکل کر کتوں پر پڑتیں تو کتے نحیف آواز میں ''کوں ں ں...... کوں ں ں...... کر کے خاموش ایک طرف بیٹھ جاتے۔

پورے گاؤں میں آج کی رات ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا کہ کسی کی نظر اس پر پڑتی۔ ہر آدمی اپنے گھر میں محو خواب تھا۔ سنیل اپنی حالت سے بالکل بیگانہ بس ایک ہی طرف سیدھ میں چلتا رہا۔ چلتے چلتے گاؤں کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ وہ جگہ بالکل سنسان اور ویران تھی۔

اس جگہ کالی ماتا کا پرانا مندر گھپ اندھیرے میں بہت ہی مہیب منظر پیش کر رہا تھا۔ مندر سے چند قدم کے فاصلے پر وہی برگد کا درخت تھا جس جگہ پہلے دو شخص مرے پڑے تھے۔ ایک برگد کے درخت پر برگد کی داڑھی سے گلے میں پھندا لگ کر مرا تھا جبکہ دوسرے پر برگد کی ایک ٹہنی اوپر سے ٹوٹ کر گری تھی اور وہ ٹہنی مرنے والے کے سر پر سے ہوتی ہوئی سینے میں اتر گئی تھی۔

سنیل برگد کے درخت کے پاس پہنچ کر ساکت کھڑا ہو گیا۔ چھری اس کے ہاتھ میں اب بھی موجود تھی۔

مندر کے پیچھے جہاں کہ مالتی کو مار کر ان چاروں نے گڑھا کھود کر دبا دیا تھا۔ اس جگہ سے ایک روشن ہیولہ باہر کو نکلا اور چکراتے ہوئے وہ ہیولہ کالی ماتا کے مندر کے اندر چلا گیا اور پھر چند منٹ بعد وہ ہیولہ مندر سے باہر نکلا اور اس جگہ آ گیا جہاں کہ سنیل بے حس و حرکت خاموش کھڑا تھا۔ پھر وہ ہیولہ سنیل کے چاروں طرف چکر لگانے لگا۔ ہیولہ نے سنیل کے چاروں طرف چکر لگانے کے بعد سنیل کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک جگہ ٹھہر گیا۔

سنیل ارد گرد سے بیگانہ خاموشی سے برگد کے درخت کی جڑ کے پاس خاموشی سے چت لیٹ گیا۔ اس نے اپنا وہ ہاتھ جس میں چھری تھی میکانکی انداز میں اوپر کو اٹھایا۔ چھری کی دھار کو سیدھی کر کے اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے کو اپنی گردن کی طرف لانے لگا۔ اپنا ہاتھ اپنے نرخرے کے قریب لایا اور پھر ایک جھٹکے سے تیز دھار چھری کو نرخرے پر پھیرنے لگا۔ وہ کسی ان دیکھی وجود کے زیر اثر لگ رہا تھا۔

خرخر کی آواز کے ساتھ ہی نرخرے سے خون فوارہ کی طرح ابل پڑا۔ اب اس کا پورا نرخرہ کٹ چکا تھا۔ سنیل چند سیکنڈ میں ساکت ہو گیا۔ اس کا دایاں ہاتھ جس میں چھری تھی وہ سیدھے پہلو کی طرف گر گیا۔ اب بھی چھری اس کے ہاتھ میں ہی موجود تھی۔

روشن ہیولہ اب حرکت کرتا ہوا مندر میں چلا گیا، پھر چند سیکنڈ میں مندر سے نکل کر اس جگہ آیا جہاں مالنی کو گڑھے میں دبایا گیا تھا۔ پھر وہ ہیولہ اس جگہ آہستہ آہستہ زمین کے اندر سماتا ہوا غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد برگد کے درخت پر بیٹھے الو نے ایک کریہہ چیخ مار کر ایک طرف کو اڑتا ہوا چلا گیا۔

ادھر صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے سنیل کے باپو کی اچانک آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ سنیل کی چارپائی خالی پڑی ہے، وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے گھبراتے ہوئے سنیل کے بستر کو دیکھنے لگے، پھر وہ اپنی چارپائی سے اٹھے اور صحن میں آ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ باہر کا دروازہ بند تھا، کنڈی اندر سے لگی پڑی تھی۔

سنیل کے باپو کو پہلے تو تشویش ہوئی کہ اتنی جلدی سنیل کہاں جا سکتا ہے پھر انہیں اچانک خیال آیا کہ کھیتوں میں رفع حاجت کے لئے چلا گیا ہوگا، لیکن اندر سے کنڈی لگی پڑی تھی؟ پھر انہوں نے سوچا کہ اس نے اپنی ماں کو اٹھالیا ہوگا اور پھر انہوں نے کنڈی لگالی ہوگی۔ (ویسے بھی گاؤں دیہات میں مرد حضرات گاؤں میں پورا اجالا پھیلنے سے پہلے کھیتوں میں رفع حاجت کے لئے جاتے ہیں)

صبح کا اجالا پھیلتے ہی گاؤں کے افراد اپنے کام کاج کے لئے گاؤں سے باہر جانے لگے۔ جب ایک شخص اس برگد کے درخت کے پاس سے گزرنے لگا تو اس کی نظر مردہ سنیل پر پڑی تو وہ دہل کر رہ گیا۔ وہ کپکپاتی ٹانگوں سے بھاگتا ہوا گاؤں میں آیا اور یہ خبر پورے گاؤں میں گرجتے بادلوں کی طرح آناً فاناً پھیل گئی کہ سنیل نے برگد کے درخت کے نیچے رات کسی سے جا کر تیز دھار چھری سے خودکشی کر لی ہے۔

چند منٹ بھی نہیں لگے کہ پورا گاؤں امڈ کر برگد کے درخت کے نیچے جمع ہو چکا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا انگشت بدنداں تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر سنیل نے خودکشی ہی کرنی تھی تو وہ کسی اور جگہ بھی خودکشی کر سکتا تھا اتنی دور گاؤں سے ہٹ کر کیوں آیا؟

سنیل کے گھر والوں کی حالت جل تڑپتی مچھلی کی طرح تھی، انہیں ہوش آتا، پھر وہ پچھاڑ کھا کر نیچے گرتے اور بے ہوش ہو جاتے، گاؤں میں موجود ہر آنکھ اشک بار تھی، غم سے سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ویسے بھی گاؤں کے سارے لوگ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔

سنیل کی لاش کو چارپائی پر ڈال کر گاؤں میں لایا گیا، گاؤں کے سارے لوگ روتے اور بلکتے رہے اور پھر دوپہر کے بعد سنیل کو چتا کے حوالے کر دیا گیا۔

اب تک برگد کے درخت کے پاس تین موتیں ہو چکی تھیں۔ گاؤں والوں نے کسی ایک کے بارے میں بھی پولیس کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس لئے کہ پولیس کا کام سوائے شک شبہ اور پوچھ گچھ کے کچھ بھی نہیں ہوتا، چند روز تک گاؤں والوں کو تھانے میں بلانا اور پھر چند باتیں کر کے واپس کر دینا یا پھر شک کی بنا پر چند کو ڈرا دھمکا کر کچھ رقم اینٹھ لینا، اسی وجہ سے گاؤں والوں نے پولیس سے دوری اختیار کر رکھی تھی۔

(گاؤں کے لوگ اکثر سر جوڑ کر کسی نہ کسی جگہ بیٹھ جاتے اور آپس میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگتے انہیں ہر وقت فکر رہنے لگی تھی کہ نہ جانے اب کس پر کٹھن وقت آن پڑے اور وہ موت کے منہ میں چلا جائے۔ یہ بات تو ان کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی کارن ضرور ہے کہ اس طرح جوان مر رہے ہیں اور وہ بھی ایک ہی جگہ پر ان کی موت انہیں کھینچ کر لے جاتی ہے۔ برگد کا درخت اور پرانا مندر کے پاس۔

کسی نے یہ بھی کہا کہ "لگتا ہے ماتا ہم گاؤں

والوں سے ناراض ہوگئی ہے۔" پھر یہ بات طے کی گئی کہ ماتا کے چرنوں میں دو عدد کالے بکروں کی بھینٹ دی جائے اور ماتا سے غلطیوں کی معافی مانگی جائے۔ لہٰذا گاؤں والوں نے تھوڑے تھوڑے ہندو برادری سے پیسے جمع کئے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر ماتا کے نام پر دان دیا۔ اتنے پیسے جمع ہوگئے کہ دو کے بجائے تین کالے بکرے آگئے۔ گاؤں والوں کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

گاؤں والوں نے پروگرام بنایا کہ کل چھوڑ پرسوں بکروں کی بھینٹ دی جائے۔ اور اس بات پر سارے گاؤں والے متفق ہوگئے۔

دوسرے دن گاؤں میں ایک عمر رسیدہ سادھو مہاراج آگئے، وہ گاؤں میں داخل ہوئے تو انہوں نے آواز لگانی شروع کردی۔ "بربادی! اس گاؤں پر منڈلا رہی ہے، بہت سارے موت کے منہ میں چلے جائیں گے، میں دیکھ رہا ہوں، یہاں پر موت نے اپنا ڈیرہ ڈال لیا ہے، مرنے والوں کا بچنا بہت مشکل ہے۔"

سادھو مہاراج کی بات سن کر گاؤں والے دہشت زدہ ہوگئے، زیادہ تر لوگوں پر لرزہ طاری ہوگیا، کچھ سہم کر رہ گئے، کچھ لوگوں پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا اور کچھ تو ایسے ہوگئے کہ کاٹو تو ان کے جسم سے خون نہ نکلے۔

سادھو مہاراج کو پیار محبت سے ایک جگہ بیٹھایا گیا۔ ان کی آؤ بھگت کی گئی۔ ان کے آگے ہاتھ جوڑے گئے۔ ان کے آگے گاؤں والوں نے اپنے سر ٹیکے اور سادھو مہاراج سے کہا گیا۔" سادھو مہاراج اس کشٹ کا کوئی تو اپائے ہوگا، آپ برائے مہربانی ہم گاؤں والے پر دیا کرتے ہوئے ہمیں اس کشٹ سے چھٹکارا دلوائیں۔ ہماری تو دن کا چین اور رات کا سکون برباد ہوکر رہ گیا ہے۔"

" جئے ماتا کی، جئے بھوانی ئی، جئے درگا کی۔"

سادھو مہاراج ان تین ناموں کا نعرہ لگا کر بولے۔" اپائے ہوسکتا ہے اور تم گاؤں والوں کی جان بچ سکتی ہے۔ اس کے لئے تمہیں تین بکرے کالے اور ایک عدد دودھ دینے والی گائے دینی پڑے گی، اور ان جانوروں کو لے کر میں تمہاری جان چھڑوا سکتا ہوں، موت سے، راکھشش موت کو بہت دور بھگا دوں گا، اگر تم لوگوں کو منظور ہے تو حامی بھرو، ورنہ میں اپنے راستے چلا جاؤں گا، اور تم لوگ آئے دن کسی نہ کسی بہانے مرتے رہو گے، جئے بھوانی۔"

سادھو مہاراج نے ایک اور نعرہ لگایا اور مسکرا کر لوگوں کو دیکھنے لگے۔

مہاراج کے آگے فوراً ٹھنڈی لسی رکھی گئی اور پھر چند لوگوں نے ان کے پاؤں دبانے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ مہاراج ہم ابھی مشورہ کر کے آپ کے چرنوں میں آتے ہیں۔"

مہاراج پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں دبوانے لگے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق لوگوں نے ترنت آپس میں مشورہ کیا اور دھڑا دھڑ پیسے جمع کرنے شروع کردیئے۔ تین کالے بکرے تو پہلے ہی ان کے پاس موجود تھے۔ اور ان بکروں کی بھینٹ کالی ماتا کے مندر میں دینی تھی۔ مگر اب ان تینوں بکرے اور ایک گائے دودھ والی سادھو مہاراج کے سامنے پیش کردی گئی۔ سادھو مہاراج تین کالے بکرے اور ایک تگڑی گائے دیکھ کر مسکرانے لگے اور بولے۔" تم لوگ موت سے بچ گئے آج رات میں مندر میں جاپ کروں گا اور کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے موت کے راکھشش کو یہاں سے دور کردوں گا اور تم لوگ ہنسی خوشی اپنی زندگی گزارنے لگو گے، گاؤں میں خوشحالی آجائے گی، تم لوگوں کی فصلیں لہلہانے لگیں گی۔ کھیتوں میں غلے کا ڈھیر لگ جائے گا۔ تم لوگوں کی قسمت اچھی ہے کہ میں اس گاؤں میں آگیا۔ ورنہ تم لوگوں کا حال آگے اور بہت برا ہوتا۔"

بہرحال گاؤں والے بہت خوش تھے کہ سادھو مہاراج موت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گاؤں سے بھگا دیں گے، ایسی موت جو کہ آئے دن جوانوں کو اپنا نشانہ بنا رہی ہے۔

شام ہوگئی اور پھر شام کے بعد رات کا اندھیرا پورے گاؤں پر چھا گیا۔ سادھو مہاراج کو بھوجن کرایا گیا۔

اور پھر انہیں مندر میں پہنچا دیا گیا۔

سادھو مہاراج کو مندر کے ایک کمرہ میں بستر لگا دیا گیا۔ مندر میں چند ایسے کمرے بھی تھے کہ جن میں دور دراز سے آنے والے سادھوؤں، پنڈتوں اور مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔

سادھو مہاراج کو خوشی خوشی مندر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد اس جگہ موجود سارے لوگ سادھو مہاراج سے آشیرواد لے کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

رات کے دو بجے کے قریب کسی نے جھنجھوڑ کر سادھو مہاراج کو گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ پورے کمرے میں چکا چوند روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ خوف اور ڈر کی وجہ سے سادھو مہاراج کی گھگھی بندھ گئی تھی، ڈر کی وجہ سے سادھو مہاراج کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابل رہی تھیں۔ ان کی آواز ان کے حلق میں اٹک رہی تھی۔ ”ماتا مجھے معاف کر دو، ماتا میں پاپی ہوں، ماتا میں لوبھی ہوں، ماتا میں نے لالچ میں آ کر تمہارے نام پر لوگوں کو دھوکا دیا، ماتا میں اسی وقت رات کے اندھیرے میں یہ گاؤں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ ماتا مجھ پر دیا کرو، ماتا تم دیالو ہو اور میں لوبھی پاپی ہوں۔“ تعریف کرتے کرتے سادھو کی آواز گلے میں پھنس رہی تھی۔

کالی ماتا کی گرجدار آواز سنائی دی۔ ”تو بہت بڑا پاپی ہے، تیرا پاپ دیا کے قابل نہیں، تجھ پر کرپا نہیں کر سکتی، تو نے جان بوجھ کر میرے نام پر لوگوں کو دھوکا دینے کا سوچا اور وہ بھی میرے ہی مندر میں عیش و آرام سے رات گزارنے کے لئے آ گیا۔ تجھے پتا ہے گاؤں والوں نے وہ تین کالے بکرے میرے چرنوں میں بھینٹ دینے کے لئے لائے تھے، ارے پاپی اگر میں نہ آتی تو تو ان بکروں اور گائے کو لے کر چلا جاتا۔ تو نے بہت بڑا پاپ کیا ہے، ناقابل معافی پاپ۔“ اور پھر کالی ماتا کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل کر سادھو کی طرف بڑھیں۔۔

چنگاریوں کا سادھو کے جسم سے ٹکرانا تھا کہ سادھو بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑا، پھر سادھو کا پورا وجود اوپر کو اٹھنے لگا اور پھر جسم سادھو ہوا میں معلق ہو گیا۔ پھر اسی صورت سادھو کا جسم ہوا میں ہی معلق کمرے سے باہر کو نکل کر مندر کے سامنے موجود پیپل کے درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ اور پھر پیپل کے درخت کے پاس پہنچ کر اوپر کو اٹھنا شروع ہو گیا۔ کافی اوپر جب پہنچ گیا تو نہ جانے کدھر سے ایک مضبوط رسی لہراتی ہوئی آئی اور سادھو کی گردن میں مضبوطی سے اسی کا ایک سرا لپٹ گیا۔ اور اس کا دوسرا سرا ایک موٹی ٹہنی میں بندھ گیا۔ ایسا ہوتے ہی سادھو کا وجود جھولنے لگا کہ اچانک سادھو کی اذیت ناک اور کربناک دل و دماغ کو ماؤف کرتی فلک شگاف چیخ پوری فضا کو منتشر کر گئی۔

سادھو کی موت واقع ہو گئی تھی۔ سادھو کی چیخ اتنی کربناک اور زوردار تھی کہ مندر اور پیپل کے درخت کے قریب کے گھروں سے ہڑبڑا کر کئی لوگ باہر کو نکل آئے تو انہوں نے دیکھا کہ پیپل کے درخت پر اچھی خاصی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں پیپل کے درخت پر سادھو کی جھولتی ہوئی لاش واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ سادھو کی جھولتی ہوئی لاش دیکھ کر لوگ مبہوت ہو کر رہ گئے، دہشت سے ان پر کپکپی طاری ہو گئی۔ لوگوں پر اس قدر دہشت سوار ہوئی کہ لوگ ڈر کر اپنے گھروں میں جا کر دبک گئے۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور ہو گئی تھی۔

ساری رات ان لوگوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی۔ دن کا سورج طلوع ہوا تو پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ دہشت اور خوف کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ کسی کے بھی دماغ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ بھلا یہ ہوا تو کیسے ہوا؟

سادھو نے ایسا کیوں کیا؟ جبکہ سادھو اچھا بھلا اپنے کمرے میں تھا، لوگ اس سے آشیرواد لے کر اپنے گھروں کو لوٹے تھے اور پھر عمر رسیدہ سادھو اتنی اونچائی پر پہنچا کیسے؟

گاؤں کے دو نوجوان بڑوں کے مشورے سے بھاگم

بھاگ پولیس کو بلانے کے لئے تھانے پہنچے اور انہوں نے سادھو کی خودکشی کی کتھا تھانیدار کو بتادی۔ تین پولیس والے اور ایک داروغہ اپنی جیپ میں ان دونوں نوجوانوں کے ہمراہ گاؤں میں آ گئے۔

مندر کے پاس جیپ روکی گئی۔ اوپر لٹکتی ہوئی سادھو کی لاش کو دیکھ کر پولیس والے حیران ہو گئے کہ ایک عمر رسیدہ سادھو اتنے بڑے اور اونچے درخت پر چڑھا کیسے؟ درخت کی ساخت بتاتی تھی کہ ایک جوان اور مضبوط آدمی کا بھی اس درخت پر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ پولیس والے اور گاؤں کے لوگ ابھی سادھو کی لاش دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک رسی کے ٹوٹنے سے لاش نیچے زمین پر دھڑام سے گر گئی۔ لاش کے نیچے گرتے ہی سادھو کا سر پھٹ کر بھیجا دور جا پڑا۔ لاش کی بہت بری حالت ہو گئی تھی اور چہرہ کو تو دیکھ کر لوگوں پر دہشت سوار ہو گئی۔ لوگوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سادھو کی لاش کو نظر بھر کر دیکھ سکیں۔

داروغہ نے جلدی سے ایک شخص کے گھر سے چادر منگوائی اور جھٹ لاش پر چادر ڈال دی اور اس کے بعد داروغہ نے گاؤں کی ایک بیل گاڑی میں لاش کو اس پر ڈال کر پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوادیا۔

داروغہ نے چند کاغذی کارروائی کی، چند لوگوں کی گواہی لی اور انگوٹھے لگوا کر جیپ میں بیٹھ کر چلتا بنا۔

سادھو کی لاش دیکھ کر گاؤں والوں کی بہت بری حالت تھی۔ ہر کوئی یہی سمجھنے لگا تھا کہ اب ہمارا زندہ رہنا مشکل ہے۔ جب سادھو سنت جیسا آدمی نہیں بچا تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ لوگوں نے مندر کے بعد اپنے اپنے گھروں میں بھگوان نام کا بھجن گانے شروع کر دیئے۔

اب تو لوگ برگد کے درخت کی طرف اور پیپل کے درخت کے قریب جانے سے بھی ڈرنے لگے تھے، اگر اس طرف کوئی کسی کام سے جاتا بھی تو اکیلا نہیں جاتا تھا۔ کئی لوگ مل کر ایک ساتھ ان دونوں درختوں کے پاس سے گزرنے لگے تھے۔

تینوں کالے بکرے لاکر مندر میں ماتا کے چرنوں میں بلی دی گئی اور گاؤں والے ہاتھ جوڑ کر کالی ماتا سے پرارتھنا کرنے لگے تھے، ماتا ہم گاؤں والوں پر دیا کرو، ہماری غلطیوں کو معاف کر کے ہمیں شانتی دو۔"

خوف اور ڈر کی وجہ سے مندر میں ماتا کے چرنوں میں دان دکھشنا کا ڈھیر لگنے لگا۔ کھانے پینے کی چیزوں سے لے کر کپڑے لتے اور پیسے بھی لوگ ماتا کے چرنوں میں رکھنے لگے تھے۔ صبح شام رات دن ہر سمے جیسے ہی وقت ملتا وہ مندر میں پہنچ جاتے اور مندر میں بیٹھ کر کالی ماتا کے نام کا مالا جپنے لگتے تھے۔

چوتھے دن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں لکھا تھا کہ سادھو کی موت دہشت، خوف اور ڈر کی وجہ سے دل کی حرکت بند ہونے سے ہوئی، اس کے علاوہ کوئی اور کارن موت کا نہیں۔ رپورٹ کو جان کر لوگ اور بھی زیادہ حیرت میں پڑ گئے تھے کہ سادھو مہاراج کس چیز سے رات سے خوفزدہ ہو گئے اور وہ کون سی بلا تھی جس نے سادھو مہاراج کو دہشت زدہ کر دیا۔ سادھو مہاراج تو بہت پہنچے ہوئے تھے بھلا کسی سے کیسے ڈر سکتے تھے؟ خیر جتنے منہ اتنی باتیں، پورا گاؤں حیرت زدہ، خوفزدہ اور بیاکل تھا کہ اب نہ جانے کیا ہو جائے۔

سادھو کی موت نے لوگوں کو اور بھی سہما کر رکھ دیا تھا۔ نحیف و ناتواں ایک ضعیف آدمی کو پیپل کے درخت پر اوپر چڑھنا، یہ بات لوگوں کے دماغ میں بالکل بھی نہیں آ رہی تھی اور سونے پر سہاگہ یہ کہ جب پولیس آ گئی تو خود بخود درخت سے رسی ٹوٹ کر لاش کا نیچے گرنا، یہ دماغ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

بڑے بوڑھے جب ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھتے اور یہ موضوع چھڑ جاتا تو لوگ طرح طرح کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے، کوئی بھی حتمی اور اٹل بات نہیں کہہ پاتا، اور پھر سب سے زیادہ خوف والی بات یہ تھی کہ جو بھی مرتا وہ کسی نہ کسی بہانے برگد کے درخت کے پاس ضرور جاتا۔ اب تو لوگوں کا یہ خیال اٹل ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو برگد کے درخت پر کسی بھٹکی ہوئی خونی آتما کا بسیرہ ہو گیا ہے۔

اس بات کو حتمی شکل دیتے وقت یہ بات بھی دماغ میں آ جاتی کہ کالی ماتا کا مندر اس جگہ موجود ہے اور ایسا کسی جوگ میں ہو نہیں سکتا کہ دیوی دیوتاؤں کے مندر کے پاس کوئی بھٹکی ہوئی آتما بسیرا کر لے اور پھر وہ آتما لوگوں کی بھینٹ لینا شروع کر دے۔ اگر مندر سے ہٹ کر برگد کا درخت ہوتا تو ایسا ہو سکتا تھا کیونکہ اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے پرانے برگد یا پھر پیپل کے درخت پر کوئی آتما بسیرا کر لیتی ہے۔

اور پھر دوسرا اچنبھے میں ڈالنے والا واقعہ سادھو کی خودکشی پیپل کے درخت پر، وہ بھی مندر کے سامنے، چونکہ سامنے مندر تھا اس لئے کوئی خونی آتما اس درخت پر آ نہیں سکتی۔

''تو پھر آخر یہ سب ہے کیا؟'' لوگوں کا دماغ چکرا کر رہ جاتا۔ بہر حال پورا گاؤں سہما ہوا تھا۔ دن ہی دن میں لوگ اپنے سارے کام نمٹا لیتے اور سر شام ہی اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے کمروں میں دبک کر رہ جاتے۔

گنیش کے باپو جی رام پرشاد گاؤں کے مکھیا تھے۔ آئے دن گاؤں کے چند افراد ان کے پاس جاتے اور دست سوال بن جاتے۔ ''مکھیا جی اب آپ ہی کچھ کریں، یہ کب تک چلے گا اور ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ آپ ہم لوگوں سے زیادہ بدھی مان ہیں کوئی اپائے کریں، کسی سیانے یا کسی پہنچے ہوئے سے رابطہ کریں کہ گاؤں والوں کی جان جو سولی پر لٹکی ہوئی ہے اس سے شانتی ملے۔

یہ سن کر رام پرشاد پریشانی سے اپنے ماتھے پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگتے اور بولتے: ''بھائیو! اس گاؤں کے سارے لوگ میری نظر میں بدھی مان ہیں، میں کسی کو بھی بے عقل نہیں سمجھتا، جنم جنم سے ہم ساتھ رہتے ہوئے آ رہے ہیں، میرے اور آپ لوگوں کے باپ دادا نے بھی ایسا کچھ نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا خونی واقعہ ان کے سامنے آیا۔ میری پہنچ بھی وہیں تک ہے، جہاں تک کہ آپ لوگوں کی ہے، میں اس واقعے کا ذکر اپنے کئی جاننے والوں سے کر چکا ہوں اور کہہ بھی دیا ہے کہ اگر ان کی نظر میں کوئی زیادہ پہنچا ہوا، مہا پرش ہے تو ہمارے گاؤں لے کر آ ئیں یا خبر دیں ہم اس کے پاس جا کر پاؤں پڑ جائیں گے۔ اس مہا پرش کو ہم ہر حال میں اپنے گاؤں میں لے آئیں گے اور پھر وہ یہاں آ کر یہ پتا لگائے کہ گاؤں میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

بھائیو! اس گاؤں میں ہم جتنے لوگ بھی رہتے ہیں ہم ایک پریوار کی طرح ہیں، ایک دوسرے کا دکھ ہم سب کا دکھ ہے، گاؤں کے ہر دکھ سکھ میں ہم لوگ برابر کے شریک رہتے ہیں، میں نے آج ہی اپنے ماما کے گاؤں میں یہ خبر بھیجی ہے۔ سنا ہے کہ وہاں مندر میں ایک پنڈت جی ہیں جو کہ اپنے علم میں مہان ہیں، اب ان کی عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ مگر میں نے کہا کہ ہم خود ان کے پاس جائیں گے اور انہیں گھوڑا گاڑی یا پھر بیل گاڑی پر لے آئیں گے اور میں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنے علم سے یہ معلوم کریں کلہ یہ معاملہ کیا ہے؟

اب میں کیا بتاؤں ہمارا اپنا بیٹا اپنے دوستوں کی موت کو دیکھ کر خوف سے سہم گیا ہے۔ ایسے ہو گیا ہے جیسے کہ مہینوں کا بیمار ہو، ہر وقت سہما سہما رہنے لگا ہے، اگر کسی وقت اکیلا ہو تو بھاگ کر اپنی ماتا، بھائی بہنوں یا پھر میرے پاس آ جاتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ''باپو جی مجھے اکیلے میں ڈر لگنے لگا ہے، آپ لوگ مجھے اکیلا نہ چھوڑیں نہیں تو وہ آتما مجھے بھی مار دے گی۔ میں کئی مرتبہ اس آتما کو خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ وہ آتما میرے پاس آ کر میرے چاروں اور چکر لگاتی ہے اور اس کی آنکھوں سے لال رنگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں۔ اس آتما کے ہاتھ لمبے ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے ہاتھ کے ناخن بڑھ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں آتما کا رنگ کالا بھجنگ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہنسنے لگتی ہے اور بولتی ہے۔ ''چل میرے ساتھ، میں تجھے لینے آئی ہوں، آرام سے میرے ساتھ چلا چل نہیں تو میں تجھے گھسیٹ کر لے جاؤں گی۔ ہر حالت میں تجھے میرے ساتھ چلنا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تجھے نہیں

بچا سکتی مجھ سے۔"
سنیل کی موت کے بعد تو وہ اور بھی ڈر گیا ہے۔ اب تو ایسا لگنے لگا ہے کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں۔ میں اسے حکیم صاحب کے پاس لے گیا تھا۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ "یہ بہت تیزی سے اندرونی طور پر کمزور ہو رہا ہے۔ اب کل ہی کی بات ہے کہ خوف زدہ ہو کر بے تکی باتیں کرنے لگا۔ میں تو ایسے ہی بہت پریشان ہوں، گاؤں والوں کی حالت کو دیکھ کر میں اسے منع کرتا رہا، اسے ڈھارس دیتا رہا۔ "بیٹا تو جوان ہے، طاقتور ہے، مرد بن، کیوں بچوں کی طرح ڈر رہا ہے، مگر وہ مانا نہیں میں نے غصہ سے اسے ایک تھپڑ دے مارا۔ اس کے بعد وہ بچوں کی طرح دھاڑیں مار کر رونے لگا اور بولا۔ "بابو جی! میں مر جاؤں گا...... کسی صورت بھی وہ آتما مجھے نہیں چھوڑے گی۔ وہ ایک آتما ہے جس نے میرے تینوں دوستوں اور پرسادھو مہاراج کو مارا ہے۔ آپ مجھے بچالیں...... مجھے اس طور سے رات میں بہت ڈر لگتا ہے۔"
بھائیو! اب آپ لوگ اندازہ کریں کہ میں کس .ردکھی ہو گیا ہوں۔ جس کا جوان پتر اس حالت کو پہنچ ے اور وہ خود اپنی موت کے بارے میں بتائے تو اس ے باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے۔ میں تو خود اتنا بیاکل ں کہ کوئی مجھ سے ہزاروں لے لے اور اس بھیانک ت سے مکتی دلا دے!!"
"کھیا جی! آپ پر بھگوان دیا کرے اور ہم تمام ؤں والوں کو سکھ شانتی دے۔" یہ کہتے ہوئے لوگ ں آگئے اور اپنے اپنے گھروں میں بھگوان سے تھنا کرنے لگے۔
دن ڈھل گیا۔ شام کے بعد رات آگئی۔ ہر طرف ٹوپ اندھیرے کا راج ہو گیا۔ رات کا ڈھائی کا پہر تھا "چانک کھیا جی کے باڑے میں بندھے ہوئے بیل نے لگے۔ بیل اس قدر زوردار آواز میں ڈکرا رہے نہ پاس پڑوس کے گہری نیند میں سوئے ہوئے لوگ ے بیدار ہو گئے اور گھروں میں ششدر ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ "اتنی رات گئے کھیا جی کے بیل گلا پھاڑ کر کیوں ڈکرا رہے ہیں۔" قرب وجوار کے لوگوں کے دماغ میں یہی سوال تھا۔
بیل تھے کہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ان کا ڈکرانا ایسا تھا کہ جیسے انہیں زبردست طور سے تکلیف پہنچ رہی ہو۔ وقفے وقفے سے ایسا بھی لگتا کہ جیسے ان کے گلے پر چھری چلائی جا رہی ہو۔ کھیا جی! بھاگتے ہوئے باڑہ میں آئے، لالٹین ان کے ہاتھ میں تھی۔
اس دوران پاس پڑوس کے اور بھی چند لوگ آگئے اور کھیا جی کے ساتھ باڑے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ آنے والے دو لوگوں کے ہاتھ میں بھی لالٹین تھی۔ کھیا جی نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو وہ سب چکرا کر رہ گئے۔ بیل کھونٹے پر مضبوط رسیوں سے بندھے پڑے تھے اور بری طرح پچھلی ٹانگوں سے اچھل رہے تھے، بیلوں کی زبانیں باہر کو نکلی پڑی تھیں اور چاروں بیل ڈکرائے جا رہے تھے۔ لوگوں نے اندازہ لگایا کہ بیل ناقابل برداشت تکلیف سے ڈکرا رہے ہیں۔
ایک بڑی جسامت کی خونخوار کالی بلی بیلوں کے سامنے چبوترے پر بیٹھی تھی، ایسا دلخراش منظر جس نے لوگوں کی عقل سلب کر دی تھی، اس منظر کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ وہ تو بڑے دل گردہ کے لوگ تھے اور اگر کمزور دل کے مالک ہوتے تو وہ حواس باختہ ہو کر الٹے پاؤں اس جگہ سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ایسا دل دہلا دینے والا منظر تھا کہ لوگوں کے دل دہل کر رہ گئے تھے۔ ایسا خوفناک اور بھیانک منظر انہوں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کسی سے سنا تھا۔
بلی کی آنکھوں سے سبز رنگ کی چنگاریاں سی روشنی نکل کر بیلوں کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔ بیل تھے کہ ان چنگاریوں کے آنکھوں میں پڑتے ہی کرب و اذیت سے اچھل رہے تھے۔ کسی بیل میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا منہ کسی اور طرف کر لے۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی مرئی ان دیکھی طاقت نے بیلوں کا سر پکڑ کر چنگاریوں کی سیدھ میں کر

اس بات کو حتمی شکل دیتے وقت یہ بات بھی دماغ میں آجاتی کہ کالی ماتا کا مندر اس جگہ موجود ہے اور ایسا کسی جوگ میں ہو نہیں سکتا کہ دیوی دیوتاؤں کے مندر کے پاس کوئی بھٹکی ہوئی آتما بسیرا کرلے اور پھر وہ آتما لوگوں کی بھینٹ لینا شروع کردے۔ اگر مندر سے ہٹ کر برگد کا درخت ہوتا تو ایسا ہوسکتا تھا کیونکہ اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے پرانے برگد یا پھر پیپل کے درخت پر کوئی آتما بسیرا کرلیتی ہے۔

اور پھر دوسرا اچنبھے میں ڈالنے والا واقعہ سادھو کی خودکشی پیپل کے درخت پر، وہ بھی مندر کے سامنے، چونکہ سامنے مندر تھا اس لئے کوئی خونی آتما اس درخت پر آ نہیں سکتی۔

"تو پھر آخر یہ سب ہے کیا؟" لوگوں کا دماغ چکرا کر رہ جاتا۔ بہر حال پورا گاؤں سہما ہوا تھا۔ دن ہی دن میں لوگ اپنے سارے کام نمٹا لیتے اور سرِ شام ہی اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے کمروں میں دبک کر رہ جاتے۔

گنیش کے باپو جی رام پرشاد گاؤں کے مکھیا تھے۔ آئے دن گاؤں کے چند افراد ان کے پاس جاتے اور دست سوال بن جاتے۔ "مکھیا جی اب آپ ہی کچھ کریں، یہ کب تک چلے گا اور ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ آپ ہم لوگوں سے زیادہ بدھی مان ہیں کوئی اپائے کریں، کسی سیانے یا کسی پہنچے ہوئے سے رابطہ کریں کہ گاؤں والوں کی جان جو سولی پر لٹکی ہوئی ہے اس سے نجات ملے۔

یہ سن کر رام پرشاد پریشانی سے اپنے ماتھے پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگتے اور بولتے۔ "بھائیو! اس گاؤں کے سارے لوگ میری نظر میں بدھی مان ہیں، میں کسی کو بھی بے عقل نہیں سمجھتا، جنم جنم سے ہم ساتھ رہتے ہوئے آرہے ہیں، میرے اور آپ لوگوں کے باپ دادا نے کبھی ایسا کچھ نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا خونی واقعہ ان کے سامنے آیا۔ میری پہنچ بھی وہیں تک ہے، جہاں تک کہ آپ لوگوں کی ہے، میں اس واقعے کا ذکر اپنے کئی جاننے والوں سے کرچکا ہوں اور کہہ بھی دیا ہے کہ اگر ان کی نظر میں کوئی زیادہ پہنچا ہوا، مہاپرش ہے تو ہمارے گاؤں لے کر آئیں یا خبر دیں ہم اس کے پاس جاکر پاؤں پڑ جائیں گے۔ اس مہاپرش کو ہم ہر حال میں اپنے گاؤں میں لے آئیں گے اور پھر وہ یہاں آکر یہ پتا لگائے کہ گاؤں میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

بھائیو! اس گاؤں میں ہم جتنے لوگ بھی رہتے ہیں ہم ایک پریوار کی طرح ہیں، ایک دوسرے کا دکھ ہم سب کا دکھ ہے، گاؤں کے ہر دکھ سکھ میں ہم لوگ برابر کے شریک رہتے ہیں، میں نے آج ہی اپنے ماما کے گاؤں میں یہ خبر بھیجی ہے۔ سنا ہے کہ وہاں مندر میں ایک پنڈت جی ہیں جو کہ اپنے علم میں مہان ہیں، اب ان کی عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ مگر میں نے کہا کہ ہم خود ان کے پاس جائیں گے اور انہیں گھوڑا گاڑی یا پھر بیل گاڑی پر لے آئیں گے اور میں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنے علم سے یہ معلوم کریں کلمہ یہ معاملہ کیا ہے؟

اب میں کیا بتاؤں ہمارا اپنا بیٹا اپنے دوستوں کی موت کو دیکھ کر خوف سے سہم گیا ہے۔ ایسے ہو گیا ہے جیسے کہ مہینوں کا بیمار ہو، ہر وقت سہما سہما رہنے لگا ہے، اگر کسی وقت اکیلا ہو تو بھاگ کر اپنی ماتا، بھائی بہنوں یا پھر میرے پاس آجاتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ "باپو جی مجھے اکیلے میں ڈر لگنے لگا ہے، آپ لوگ مجھے اکیلا نہ چھوڑیں نہیں تو وہ آتما مجھے بھی ماردے گی۔ میں کئی مرتبہ اس آتما کو خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ وہ آتما میرے پاس آکر میرے چاروں اور چکر لگاتی ہے اور اس کی آنکھوں سے لال رنگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں۔ اس آتما کے ہاتھ لمبے ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے ہاتھ کے ناخن بڑھ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں آتما کا رنگ کالا بجنگ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہنسنے لگتی ہے اور بولتی ہے۔ "چل میرے ساتھ، میں تجھے لینے آئی ہوں، آرام سے میرے ساتھ چلا چل نہیں تو میں تجھے گھسیٹ کرلے جاؤں گی۔ ہر حالت میں تجھے میرے ساتھ چلنا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تجھے نہیں

بچا سکتی مجھ سے۔"

سنیل کی موت کے بعد تو وہ اور بھی ڈر گیا ہے۔ اب تو ایسا لگنے لگا ہے کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں۔ میں اسے حکیم صاحب کے پاس لے گیا تھا۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ "یہ بہت تیزی سے اندرونی طور پر کمزور ہو رہا ہے۔ اب کل ہی کی بات ہے کہ خوف زدہ ہو کر بے تکی باتیں کرنے لگا۔ میں تو ایسے ہی بہت پریشان ہوں، گاؤں والوں کی حالت کو دیکھ کر میں اسے منع کرتا رہا، اسے ڈھارس دیتا رہا۔ "بیٹا تو جوان ہے، طاقتور ہے، مرد بن، کیوں بچوں کی طرح ڈر رہا ہے، مگر وہ مانا نہیں میں نے غصہ سے اسے ایک تھپڑ دے مارا۔ اس کے بعد وہ بچوں کی طرح دہاڑیں مار کر رونے لگا اور بولا۔ "بابو جی! میں مر جاؤں گا...... کسی صورت بھی وہ آتما مجھے نہیں چھوڑے گی۔ وہ ایک آتما ہے جس نے میرے تینوں دوستوں اور پھر سادھو مہاراج کو مارا ہے۔ آپ مجھے بچالیں...... مجھے خاص طور سے رات میں بہت ڈر لگتا ہے۔"

بھائیو! اب آپ لوگ اندازہ کریں کہ میں کس قدر دکھی ہو گیا ہوں۔ جس کا جوان پتر اس حالت کو پہنچ جائے اور وہ خود اپنی موت کے بارے میں بتائے تو اس کے باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے۔ میں تو خود اتنا بیاکل ہوں کہ کوئی مجھ سے ہزاروں لے لے اور اس بھیانک حالت سے مکتی دلا دے!!"

"مکھیا جی! آپ پر بھگوان دیا کرے اور ہم تمام گاؤں والوں کو سکھ شانتی دے۔" یہ کہتے ہوئے لوگ واپس آ گئے اور اپنے اپنے گھروں میں بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگے۔

دن ڈھل گیا۔ شام کے بعد رات آ گئی۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج ہو گیا۔ رات کا ڈھائی کا پہر تھا کہ اچانک مکھیا جی کے باڑے میں بندھے ہوئے بیل ڈکرانے لگے۔ بیل اس قدر زوردار آواز میں ڈکرا رہے تھے کہ پاس پڑوس کے گہری نیند میں سوئے ہوئے لوگ نیند سے بیدار ہو گئے اور گھروں میں ششدر ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ "اتنی رات گئے مکھیا جی کے بیل گلا پھاڑ کر کیوں ڈکرا رہے ہیں۔" قرب و جوار کے لوگوں کے دماغ میں یہی سوال تھا۔

بیل تھے کہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ان کا ڈکرانا ایسا تھا کہ جیسے انہیں زبردست طور سے تکلیف پہنچ رہی ہو۔ وقفے وقفے سے ایسا بھی لگتا کہ جیسے ان کے گلے پر چھری چلائی جا رہی ہو۔ مکھیا جی! بھاگتے ہوئے باڑہ میں آئے، لالٹین ان کے ہاتھ میں تھی۔

اس دوران پاس پڑوس کے اور بھی چند لوگ آ گئے اور مکھیا جی کے ساتھ باڑے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ آنے والے دو لوگوں کے ہاتھ میں بھی لالٹین تھی۔ مکھیا جی نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو وہ سب چکرا کر رہ گئے۔ بیل کھونٹے پر مضبوط رسیوں سے بندھے پڑے تھے اور بری طرح پچھلی ٹانگوں سے اچھل رہے تھے، بیلوں کی زبانیں باہر کو نکلی پڑی تھیں اور چاروں بیل ڈکرائے جا رہے تھے۔ لوگوں نے اندازہ لگایا کہ بیل ناقابل برداشت تکلیف سے ڈکرا رہے ہیں۔

ایک بڑی جسامت کی خونخوار کالی بلی بیلوں کے سامنے چبوترے پر بیٹھی تھی، ایسا دلخراش منظر جس نے لوگوں کی عقل سلب کر دی تھی، اس منظر کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ وہ تو بڑے دل گردہ کے لوگ تھے اور اگر کمزور دل کے مالک ہوتے تو وہ حواس باختہ ہو کر الٹے پاؤں اس جگہ سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ایسا دل دہلا دینے والا منظر تھا کہ لوگوں کے دل دہل کر رہ گئے تھے۔ ایسا خوفناک اور بھیانک منظر انہوں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کسی سے سنا تھا۔

بلی کی آنکھوں سے سبز رنگ کی چنگاریاں سی روشنی نکل کر بیلوں کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔ بیل تھے کہ ان چنگاریوں کے آنکھوں میں پڑتے ہی کرب و اذیت سے اچھل رہے تھے۔ کسی بیل میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا منہ کسی اور طرف کر لے۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی مرئی ان دیکھی طاقت نے بیلوں کا سر پکڑ کر چنگاریوں کی سیدھ میں کر

رکھا ہو۔ اس جگہ موجود سارے لوگ بھی جیسے ٹرانس میں آ کر مبہوت ہو کر رہ گئے تھے کہ اچانک دل دہلا دینے والی بلی کی فلک شگاف خونخوار چیخ پورے باڑہ میں گونج گئی کیونکہ اب بلی نے آنے والے لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔

اب بلی کی آنکھوں سے سبز روشنی کی جگہ سرخ رنگ کی چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ بلی بدستور خوفناک طریقے سے غرا رہی تھی۔ اس کی جسامت اتنی بڑی تھی کہ وہاں پر موجود لوگوں نے اتنی بری بلی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔

چند ساعت بلی غراتی رہی پھر اچانک اس نے چھلانگ لگائی اور ایک بیل کی پیٹھ پر جا بیٹھی۔ بلی کا بیل کی پیٹھ پر بیٹھنا تھا کہ کرب و اذیت سے دو چار ہو کر بیل نیچے کو گرتا چلا گیا۔ اور پھر پچھاڑ کھاتے ہوئے بہت زور سے ڈکرا کر ٹھنڈا ہو گیا۔ باقی تینوں بیل جیسے ساکت و جامد ہو چکے تھے۔ بیل کے نیچے گرتے ہی بلی آنکھوں سے اوجھل ہو کر غائب ہو چکی تھی۔

اچانک جیسے کھیا رام پرشاد کو ہوش کا جھٹکا لگا اور وہ جھٹ دوڑ کر بیل کے پاس پہنچے مگر بیل اپنی زندگی ہار کر نیچے گرا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے اس جگہ موجود لوگ بھی آگے کو بڑھے مگر سب نے بیل کی ابتر حالت دیکھ کر سکتے میں آ گئے تھے۔ کھیا جی کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں، ان کی نظروں کے سامنے ان کا مہنگا بیل مر چکا تھا۔

سب لوگ ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے، کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں کہ ”یہ سب کیسے ہو گیا؟“

”مر گیا!!“ کھیا جی کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔

پھر ان کے منہ سے نکلا۔ ”بھگوان ہم پر کرپا کر۔“ اور ان کا سر غم کے بوجھ سے جھک گیا۔ ایک شخص نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو جیسے انہیں ہوش آ گیا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور بے بسی کی حالت میں لوگوں کی طرف دیکھا۔ کسی کی بھی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہوا کیا۔

وہ خونخوار بلی کون تھی؟ اس کی آنکھوں سے پہلے سبز رنگ کی چنگاریاں، پھر سرخ رنگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں، اس کا بیل پر چھلانگ لگا کر پیٹھ پر سوار ہونا، اس کے بعد بیل کا اذیت کی حالت میں نیچے گرنا اور پھر فوراً اس بیل کا مر جانا، یہ سب کتنے اچنبھے کی بات تھی۔

بہرحال کھیا جی نے ایک شخص سے کہا۔ ”رگھو! باقی تین بیلوں کو یہاں سے ہٹا کر دوسری طرف باندھ دو نہیں تو یہ بیل اس مردہ بیل کو دیکھ کر مزید پریشان ہوں گے۔“

رگھو کے ساتھ دو شخص اور بھی لگے اور انہوں نے تینوں بیلوں کو کھول کر اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر دوسری طرف لے جا کر باندھ دیئے۔ اس کے بعد کھیا جی نے ایک جلتی ہوئی لالٹین باڑے میں لٹکا دی۔ اور لوگوں سے بولے۔ ”یہاں سے چل کر باہر بیٹھتے ہیں۔“

دیگر کل چھ افراد تھے کھیا جی کے علاوہ۔ سب کے سب باڑے سے باہر نکل کر چار پائیوں پر بیٹھ گئے۔

کھیا جی! کیا آپ کی بدھی میں کوئی بات آئی ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ ہم سب تو یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو گئے ہیں۔“ ایک شخص بولا۔

میرا دماغ تو یہ سب سوچ سوچ کر اب سنسنانے لگا ہے۔ اندرونی طور پر میں خود بھی کپکپانے لگا ہوں، یہ نہیں کہ مجھے ڈر لگ رہا بلکہ یہ سوچ کر کے گاؤں والے ہر روز ایک نئی مصیبت سے دو چار ہو رہے ہیں۔ میرے دماغ میں تو بس یہی بات آ رہی ہے کہ گاؤں میں کوئی خونی آتما گھس آئی ہے اور طرح طرح سے یہ خونی کھیل کھیل رہی ہے اور اگر اس کا روک تھام نہ کیا گیا تو.....“ اور کھیا جی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کھیا جی! پھر کیا اپائے کیا جائے، ہر اچھے اور برے کا کوئی نہ کوئی تو حل ہوتا ہے۔“ رگھو بولا۔

”ہاں! رگھو ہوتا تو ہے، مگر جس تیزی سے گاؤں کے لوگ مر رہے ہیں، یہ دیکھ کر تو ہر آدمی حال سے بے حال ہو گیا ہے۔“ کھیا جی بولے۔

جو بھی حالات واقعات ہو رہے ہیں وہ نہ تو اتفاق کہلا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی جادو ٹونا ہو سکتا ہے، جادو ٹونا اس قدر سر چڑھ کر نہیں بولتا۔ یہ سراسر کسی ٹونی آتما کا کیا دھرا

ہے۔ ابھی جو کچھ بھی ہوا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ وہ بلی کوئی عام بلی نہیں تھی۔ کسی عام بلی کی آنکھوں سے سبز اور لال چنگاریوں کا نکلنا اور پھر اچانک اس بلی کا چھلانگ لگا کر بیل کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی، اس بلی کا سینکڑوں من وزنی ہو جانا جس سے اتنا تگڑا بیل پلک جھپکتے ہی نیچے کو بیٹھتا چلا گیا اور پھر نیچے گرتے ہی اس کا مر جانا، یہ عام بات نہیں بلکہ ناقابل یقین ہے۔" مکھیا جی نے کہا۔ اور وہاں پر موجود لوگوں پر انہیں نظریں مرکوز کر دیں۔"

"جی مکھیا جی! آپ کی باتیں سو فیصد ٹھیک ہیں۔" ایک شخص نے کہا۔

"حل تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم پورے گاؤں کے لوگ ایشور کے آگے ماتھا ٹیک دیں اور گڑگڑا کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگیں۔ چلو مانتے ہیں کہ چند لوگ قصور وار ہوں گے، یعنی انہوں نے ایشور کی نافرمانی کی ہوگی اور سارا گاؤں دکھ جھیل رہا ہے۔" مکھیا جی نے کہا۔

اس جگہ موجود سارے لوگ اور مکھیا جی طرح طرح کی باتیں کرتے رہے اور انہیں سے کا پتہ نہ چلا اور پھر صبح کا اجالا چاروں اور پھیل گیا۔ تو وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تا کہ اپنے اپنے کام کاج کو نمٹا سکیں۔

مکھیا جی نے گاؤں میں موجود کئی چماروں کو بلا بھیجا۔ تھوڑی دیر میں ہی تین چمار بھاگے ہوئے آئے اور مکھیا جی کے سامنے جھکتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور پھر ان میں سے ایک بولا۔ "مائی باپ خیر تو ہے، آپ نے صبح ہی صبح ہمیں بلا بھیجا۔"

"ارے خیریت نہیں ہے، ہمارا ایک بیل رات سے مر گیا، باڑے میں پڑا ہے، اسے اٹھا کر لے جاؤ، گاؤں سے باہر جنگل میں، کھال اتار لینا، اور پھر کھال کو بیچ کر تم لوگ آپس میں روپے بانٹ لینا۔ بیل کو تو چند منٹ میں ہی گدھ نوچ کر چٹ کر جائیں گے، اس کے بعد ہڈیوں کو جنگل میں گڑھا کھود کر دبا دینا۔ بس یہی کام ہے۔" مکھیا جی نے کہا۔

"جی سرکار! جیسا آپ بول رہے ہیں ایسا ہی ہوگا۔" ان تینوں نے کہا اور پھر اس مرے ہوئے بیل کو ایک بیل گاڑی میں ڈال کر جنگل کی طرف لے گئے۔

مکھیا جی بیل کے مرنے سے بہت اداس تھے کیونکہ ان چاروں بیلوں کی جوڑی بہت زبردست تھی اور وہ تھے بھی بہت مہنگے۔ ان کا دل نہیں کرتا تھا کہ کچھ کھائیں پئیں، بہرحال زندہ رہنے کے لئے تو کھانا ہی پڑتا ہے۔ ان کے گھر والے بھی بہت پریشان تھے۔ سب سے بڑی پریشانی گنیش کی تھی جو ڈر کی وجہ سے دن بدن گھلتا جا رہا تھا۔

مکھیا جی نے اپنے ماما کے گاؤں میں موجود مندر کے پنڈت جی کو خبر بھیجی تھی کہ "پنڈت جی آپ بتائیں کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ اور اس سمسیا کا حل کیا ہے؟ تو پنڈت جی نے کہلا بھیجا تھا کہ یہ بہت گھمبیر سمسیا ہے اور یہ اتنی آسان بات نہیں، جان جوکھوں کا کام ہے اور آج کل میں ایک بہت بڑے جاپ میں معروف ہوں میرے پاس وقت نہیں اور ویسے بھی میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں، اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اتنا بڑا کام کر سکوں، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کسی اور کا انتظام کر لیں۔"

پنڈت جی کا انکار سن کر مکھیا جی بہت افسردہ اور غمگین ہو گئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس مصیبت سے گاؤں والوں کو چھٹکارا دلوا دیں۔ خیر انسان جب بے بس ہو جاتا ہے تو وہ اوپر والے کی طرف دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور یہی حال گاؤں کے سارے لوگوں کا تھا۔

اب اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔ سر شام ہی پورے گاؤں پر مہیب اندھیرا مسلط ہو جاتا تھا۔ چونکہ گاؤں والے بہت زیادہ خوفزدہ تھے لہٰذا سر شام ہی اپنے اپنے گھروں میں بند ہو جاتے تھے۔

رات دس بجے مکھیا جی اپنے گھر کے بیٹھک میں گئے تا کہ اگر گنیش سو چکا ہو تو اسے جگا کر اندر کمرے میں لے آئیں۔ جب وہ بیٹھک میں گئے تو گنیش بیٹھک میں موجود نہیں تھا۔ انہیں تشویش ہوئی کہ اس وقت کہاں جا سکتا ہے؟ پاس پڑوس میں بھی انہوں نے اسے دیکھا، اب تو ان کا دل دھڑکنے لگا کیونکہ ان دنوں گنیش گھر کے علاوہ

کہیں جاتا بھی نہیں تھا۔

وہ اپنے پڑوسی کو ساتھ لے کر باہر نکلے، اس پڑوسی کے ہاتھ میں لالٹین تھی اور کھیا جی کے ہاتھ میں ایک بڑا اور مضبوط لٹھ تھا۔ گنیش کے لئے وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔ قرب و جوار میں ان دونوں نے سب سے پوچھ لیا مگر گنیش کا کہیں بھی پتہ نہیں تھا۔ ''اب کیا کریں؟ کہاں ڈھونڈیں؟ ہر جگہ تو دیکھ لیا۔'' اتنی دیر میں مزید کئی لوگ کھیا جی کے ساتھ ساتھ پھرنے لگے تھے۔ وہ سب ملا کر تقریباً پندرہ کے قریب لوگ تھے۔

ان میں سے ایک بولا۔ ''سب جگہ تو دیکھ لیا، کہیں وہ برگد کے درخت......'' اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ اب اس میں ہمت نہیں تھی کہ کوئی بات اپنی زبان سے نکالے۔

برگد کے درخت کی بات سن کر لوگوں پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا اور کھیا جی کی تو ٹانگیں کپکپانے لگیں، سارے لوگوں کے دل و دماغ پر خوف سوار ہو چکا تھا۔ بہر حال ایک شخص بولا۔ ''چلو چل کر اس طرف بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

''ہاں...... ہاں...... چلو...... چل کر دیکھنے میں کیا ہے۔'' ایک دوسرا بولا۔

گاؤں دیہات میں ایک بات اچھی ہے کہ جب لوگ گھر سے رات برات نکلتے ہیں تو اپنے ہاتھ میں مضبوط لٹھ ضرور رکھتے ہیں۔ اس وقت بھی لوگوں کے پاس ان کے اپنے لٹھ تھے۔ ان لوگوں کے قدم برگد کے درخت کی جانب اٹھنے لگے۔ چھ لوگوں کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی لالٹین بھی موجود تھی۔

جب سارے لوگ بھگوان بھگوان کرتے ہوئے پرانے مندر کے قریب برگد کے درخت کے پاس پہنچے تو سب کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا، تھوڑی دور سے ہی انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ کوئی ہے جو برگد کی جڑ کے پاس برگد کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے کیونکہ بیٹھنے والے نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔

اور جب سارے لوگ بہت قریب گئے تو لوگوں کے جسم میں گردش کرتا خون جیسے اچانک منجمد ہو کر رہ گیا۔ ان کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں۔ دماغ ماؤف ہو گیا، ٹانگیں جیسے کپکپانے لگیں، پندرہ کے پندرہ لوگ سہم کر رہ گئے تھے۔ اسی اثناء میں گنیش کے پتا تو غش کھا کر زمین پر گر گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے گنیش کو پہچان لیا تھا۔ گنیش کا سر دھڑ سے الگ ہو کر اس کے قریب ہی پڑا تھا جیسے کسی نے سر کو کھڑا کر کے رکھ دیا ہو، اور اس کا دھڑ برگد کے تنے سے ٹکا ہوا تھا۔

اچانک ایک الو اپنی کریہہ آواز نکالتا ہوا درخت پر سے کسی جانب پرواز کر گیا تو لوگ الو کی آواز سے جیسے چونک کر ہوش میں آ گئے۔

سب کے سب اپنا سر پکڑ کر اکڑوں بیٹھ گئے اور غور سے گنیش کی کٹی ہوئی گردن کو دیکھنے لگے۔ کئی لوگ گنیش کے پتا کی جانب لپکے کہ وہ تو حواس سے بیگانہ ہو کر بے ہوش پڑے تھے۔

گنیش کی گردن اور دھڑ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کسی وزنی تلوار یا پھر بھاری گنڈاسا سے کسی مضبوط آدمی نے ایک ہی وار سے دھڑ اور گردن کو الگ کر دیا ہو، گنیش کے دھڑ سے نکلتے خون کی وجہ سے اس کا سفید جوڑا بالکل سرخ ہو گیا تھا۔

بہت ہی ڈراؤنا اور ہیبت ناک منظر تھا۔ الو کی کریہہ چیخ نے لوگوں کو اور بھی سہما کر رکھ دیا تھا۔ لوگوں نے گنیش کے پتا کو بہت ہلایا جلایا، جھنجھوڑا اور منہ ناک تک بند کئے تاکہ ہوش آ جائے، مگر چند سیکنڈ کے لئے انہیں ہوش آتا اور پھر سے وہ اپنا حواس کھو بیٹھتے۔

''اب کیا کیا جائے؟ پوری رات تو یہاں نہیں بیٹھا جا سکتا۔'' ایک شخص بولا۔

''بھیا تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن کرا کیا جائے؟'' ایک اور نے کہا۔

''اسے تو بغیر چارپائی کے نہیں لے جا سکتے، چارپائی پر ڈالنا ضروری ہوگا۔'' ایک اور کی آواز سنائی دی۔

''ایسا کیا جائے کہ چند لوگ چل کر چارپائی لے

آئیں، مگر چارپائی دو چاہئیں کیونکہ مکھیا جی بھی اپنے پیروں سے چل کر نہیں جاسکتے، انہیں اپنے حواس قابو میں کرنے کے لئے تھوڑا سمے لگے گا۔" مکھیا جی کے پڑوسی نے کہا۔

بہر حال سب کی مرضی سے چار افراد اس جگہ سے گاؤں کی طرف چل پڑے، ان کے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی، اور ان سے کہا گیا تھا کہ واپسی پر دو چار لوگوں کو اور بھی لیتے آئیں اور ساتھ میں دو چارپائی ضرور لائیں تاکہ ایک چارپائی پر گنیش کی لاش رکھی جائے اور دوسری پر مکھیا جی کو لٹا کر گاؤں لے جایا جائے۔

ڈر اور خوف کی وجہ سے اس جگہ موجود برگد کے درخت کے نیچے لوگوں کا پتا پانی ہوا جارہا تھا۔ مگر مجبوری تھی، وہ لوگ اس حالت میں گنیش اور مکھیا جی کو چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے تھے۔ سارے لوگ کوشش میں تھے کہ مکھیا جی کو ہوش آجائے، مگر آدھا گھنٹہ گزرنے کے باوجود بھی مکھیا جی کو ہوش نہیں آ کے دے رہا تھا۔

ایک باپ کی نظروں کے سامنے جب اس کے جوان بیٹے کی لاش اس بری طرح کٹی پھٹی پڑی ہو تو اس باپ پر کیا گزر سکتی ہے، وہ باپ ہی جان سکتا ہے، جوان اولاد کی لاش اس حالت میں دیکھنا ہر باپ میں ہمت بھی نہیں ہوتی۔ اور یہی حال گنیش کے پتا رام پرشاد جی کا تھا کہ وہ اپنے حواس پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔

رات کا سمے یہ خوفناک گھٹا ٹوپ اندھیرا، اماوس کی راتیں، اور ویسے بھی جب اماوس کی راتیں شروع ہوتی ہیں تو نفسیاتی طور پر لوگ خوفزدہ ہوجاتے ہیں، کیونکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان راتوں میں ہر طرح کی بلائیں، بھوت، چڑیل، آسیب، اور بھٹکی ہوئی آتمائیں اپنے مسکن اور ٹھکانے سے نکلتی ہیں اور آزادانہ طریقے سے دندناتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس سے کوئی ان کے راستے میں آجائے تو وہ اس شخص کا نقصان کئے بنا چھوڑتی نہیں ہیں۔ کئی دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ آتمائیں منش کو اذیت دے کر خوفناک طریقے سے اس کا جیون ختم کر دیتی ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ ایسے سے لوگ رات برات اماوس کی راتوں میں دور دراز اور ویران جگہوں پر جانے سے کتراتے ہیں۔

خیر پچیس منٹ میں وہ چاروں افراد جو چارپائی لینے گاؤں کی طرف گئے تھے وہ آگئے ان کے ساتھ اور بھی کوئی آٹھ دس کے قریب لوگ تھے چار کے ہاتھ میں لالٹین بھی تھیں۔ چار آدمیوں نے دو دو کر کے چارپائی اٹھا رکھی تھی۔ انہوں نے دونوں چارپائی زمین پر رکھ دی تو ایک چارپائی پر مکھیا جی کو اٹھا کر لٹا دیا گیا اور دوسری چارپائی پر گنیش کا دھڑ اور سر رکھ دیا گیا۔ اور پھر دونوں چارپائی اٹھا کر لوگ گاؤں کی طرف چل پڑے۔ چند منٹ میں سارے لوگ مکھیا جی کے گھر کے پاس پہنچ گئے۔

چارپائی نیچے رکھ دی گئی۔ جھٹ سے چند لوگ اپنے گھر سے دری لے آئے جس پر لوگ بیٹھ گئے۔ چند منٹ میں ہی گیس بتی کا انتظام ہوگیا۔ جلتی ہوئی، چار گیس بتی اس جگہ ایک میز پر رکھ دی گئیں، مکھیا جی کے چہرے پر تابڑ توڑ پانی ڈال کر جھنجھوڑا گیا تو کسمسا کر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے مگر ابھی بھی وہ حواس باختہ تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھے تھے اور ان کے گھر سے گھر والوں کی درد میں ڈوبی بین کرنے کی آوازیں لوگوں کا دل دہلانے لگیں۔

پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ اردگرد اور پاس پڑوس کی عورتیں رات سے ہی مکھیا جی کے گھر میں آنے لگیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ اور باہر گاؤں کے سارے مرد حضرات آکر بیٹھ گئے۔ سب کی آنکھیں نم تھیں، سب کی قوت گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ سو، سوا سو کے قریب لوگ دری پر بیٹھے تھے مگر سب کی زبان گنگ تھی، ہر آدمی اپنی جگہ جیسے بت بنا بیٹھا تھا۔ سب کی گردنیں نیچے کو جھکی پڑی تھیں اور دماغ میں ان گنت سوالات تھے مگر کسی کے پاس بھی ان سوالات کے جوابات نہیں تھے۔ کہ یہ سب اچانک کیسے اور کیوں ہوگیا؟

غم اور صدمے کی رات ویسے بھی پہاڑ بن جاتی ہے۔ کسی جگہ بھی اس حالت میں بیٹھے ہوئے لوگ پل پل گن کر وقت گزارتے ہیں مگر وقت ہوتا ہے کہ گزرنے کا نام نہیں لیتا اور اس کے مقابلے میں ناچ گانے اور خوشی کی رات پلک جھپکتے گزر جاتی ہے۔ لوگوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ کب رات گزر گئی اور اچانک صبح کا سپیدہ پھیل گیا۔ جہاں غم اور صدمہ ہو اس جگہ لوگ صرف اور صرف اپنی ذات میں مقید ہوتے ہیں، غم کی وجہ سے کوئی کسی سے بات تک نہیں کرتا، لوگ اپنی اپنی سوچوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ بہرحال رات غم کی ہو یا خوشی کی گزر ہی جاتی ہے۔

رات گزر گئی۔ اب تک کھیا جی کو بالکل ہوش آ چکا تھا۔ ان کے حواس بحال ہو چکے تھے، مگر وہ بالکل چپ تھے جیسے کہ پتھر کے بت ہوں، گنیش سے بڑا بھائی بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ کئی گھروں سے فانٹ چائے بن کر آ گئی۔ دل تو کسی کا بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ چائے پئیں مگر دل مار کر لوگ چائے پینے لگے۔ لاش کی حالت بہت خراب ہونے لگی تھی۔ سارا بدن سیاہ پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا جلدی جلدی کر کے کریا کرم کر دیا گیا۔ چتا کے شعلے بلند ہوتے ہی گنیش کے بھائی کا کلیجہ جیسے پھٹنے لگا۔

''لوگو! میرا گنیش مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ پتر! میں تیری یادوں کا بوجھ کیسے سنبھال پاؤں گا، ارے اسی سال تیرا لگن ہونا تھا، تم دو ہی بھائی تھے، میرے دو بازو تھے، تو چلا گیا، اب تو میرا ایک بازو کٹ گیا، میں تو اب اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھا پاؤں گا، بھگوان! تو نے مجھے چھوڑ دیا، ارے گنیش کے بدلے مجھے اٹھا لیتا۔'' رام پرشاد جی زار و قطار رونے لگے تھے، کئی لوگوں نے انہیں سہارا دے رکھا تھا۔

چتا کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے تو لوگ واپس آ گئے۔

دو ماہ پہلے یہی گاؤں رامپور دلکش خوبصورتی اور جاذب نظر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور اب پورا رامپور ویران اور اجاڑ نظر آتا تھا۔ جدھر نظر اٹھ جاتی عجیب قسم کی ویرانی نظر آتی تھی۔ بڑے اور عمر رسیدہ لوگ تمام خونی واقعات کو سوچ سوچ کر خون کے آنسو روتے تھے۔ مگر سب کے سب مجبور و بے کس تھے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا، تمام اندازے، تمام سوچ، تمام اپائے، تمام کوششیں بے کار ثابت ہو گئی تھیں۔

مرنے والے چاروں دوست چندر، رامو، سنیل اور گنیش پکے دوست تھے، اکھڑ مزاجی، لوگوں پر دھونس جمانا ان کا شیوہ تھا۔ بڑوں کی تو عزت کرنا ان کے شریعت میں شامل نہ تھی، وہ بہت زیادہ منہ پھٹ ہو گئے تھے۔ زیادہ تر وقت شراب کے نشے میں دھت رہنا ان کا شیوہ تھا۔ گاؤں بھر کی جوان لڑکیاں تو انہیں دیکھ کر لرزیدہ ہو جاتی تھیں۔ ہر جوان لڑکی کی کوشش ہوتی تھی کہ ان میں سے کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔

گاؤں میں اس طرح کے کئی کیس ہو چکے تھے۔ رات کے اندھیرے میں تین لڑکیاں ان کی ہوس کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ اس قسم کے معاملات وہ اندھیری رات میں کرتے تھے۔ اور ویسے بھی گاؤں دیہات میں چھوٹی چھوٹی چار دیواریاں ہوتی ہیں۔ جب زیادہ رات بیت جاتی اور لوگ گہری نیند میں غرق ہو جاتے، اس سے وہ لوگوں کے گھروں میں کود جاتے اور لڑکی کا منہ دبا کر باہر لے جاتے اور پھر اپنی ہوس پرستی کو عروج پر پہنچا دیتے اور من مانی کرنے کے بعد لڑکی کا گلا گھونٹ کر مار دیتے، پھر اسے قریب کے جنگل میں گہرا گڑھا کھود کر دبا دیتے تھے۔

صبح ہوتے ہی لڑکی کو پورے گاؤں میں ڈھونڈا جاتا مگر لڑکی نہ ملتی۔ یہی نہیں چوری چکاری بھی ان کا کام تھا، کوئی اور چیز وہ چراتے نہیں تھے سوائے روپے کے، کیونکہ کوئی اور چیز چراتے تو وہ پکڑے جاتے۔ گاؤں میں جو بھی وارداتیں ہوتی تھیں لوگوں کا شک ان پر جاتا تھا۔ ان پر شک کرنے والے جو لوگ آگے آگے ہوتے تو وہ چاروں ان لوگوں کے ساتھ بھی رات کے اندھیرے میں چھپ کر کوئی ایسی کارروائی کر دیتے کہ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اپنی زبان پر تالا لگا لیتے تھے۔ وہ نشہ کے عادی تھے اور پھر ہر کوئی جانتا تھا کہ وہ اوباش قسم کے جوان تھے۔

لوگوں کے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ آخر

یہ چاروں ہی کیوں یکے بعد دیگرے موت کا شکار ہوئے۔ چاروں کی موت الگ الگ طریقے سے اور پھر سب سے اہم بات جو کہ لوگوں کو اچنبھے میں ڈالتی تھی کہ ان چاروں کی موت کی جگہ بھی ایک ہی تھی۔ پرانا مندر کے قریب برگد کے درخت پر، یا درخت کے پاس۔

لوگوں کو تو یقین ہو چلا تھا کہ ہو نہ ہو ان چاروں نے کوئی ایسا پاپ ضرور کیا ہوگا جو کہ ناقابل معافی تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے پاپ یا ظلم کے کرتوتوں کا کسی کو علم نہ تھا۔ ابھی تک ان چاروں کے علاوہ کوئی اور اس آتما کا شکار نہیں بنا تھا۔ لیکن درمیان میں وہ سادھو بھی آ گیا تھا جس نے اس آتما سے ٹکر لینے کی بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں جاپ کر کے اس خونی آتما سے پورے گاؤں کو مکتی دلا دوں گا۔ اور اسی بنا پر وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا، ورنہ کوئی اور کارن نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کچھ ہوتا۔

جس رات گنیش کی موت واقع ہوئی تھی اور جب لوگ برگد کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے تو انہوں نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ رات کے اندھیرے میں مندر کے پیچھے والی جھاڑیوں کی جگہ سے ایک روشن ہیولہ اچانک نمودار ہوا، اور پھر وہ چکراتا ہوا مندر میں جا گھسا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ روشن ہیولہ مندر سے نکل کر مندر سے باہر چکراتا رہا۔ جسے دیکھ کر لوگوں کے اوسان گم ہونے لگے تھے۔ ایک تو گنیش کا قتل اور پھر اس ہیولے کا نمودار ہو کر مندر میں جانا اور پھر مندر سے نکل کر چند منٹ تک چکراتے رہنا ضرور کوئی بات تھی۔ اس کے بعد وہ ہیولہ دوبارہ مندر کے اندر چلا گیا اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد باہر نکلا، اب واضح طور پر لوگ دیکھ سکتے تھے کہ وہ ہیولہ کسی عورت کا تھا۔

پھر وہ ہیولہ اس طرح چکرتا ہوا، جس جگہ اور جس طرف سے آیا تھا، اس جگہ جا کر آہستہ آہستہ زمین کے اندر گھستا چلا گیا۔

اب کھیا جی بھی ہوش و حواس میں تھے اور ویسے بھی مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے قلبی اور خونی رشتے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں اور جب مرنے والے کو آخری منزل تک پہنچا کر لوگ آتے ہیں تو کافی حد تک حواس باختہ اور غمزدہ لوگوں کو سکون مل جاتا ہے اور پھر اس کے بعد جب روٹی اس کے پیٹ میں جاتی ہے تو تقریباً تین حصہ غم کم ہو جاتا ہے، صداسے یہی ہوتا آ رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔

کھیا جی بھی آہستہ آہستہ اپنے کام کاج میں دلچسپی لینے لگے تھے، ہر وقت جاگتے سے گاؤں کے چند افراد کھیا جی کے پاس بیٹھے ہی رہتے تھے۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے کھیا جی کا دل بہلاتے رہتے تھے۔ ایک دن شام کے بعد جب پاس پڑوس کے لوگ کھیا جی کے پاس بیٹھے تو اچانک ان کے پڑوسی رگھو کو اس رات والا واقعہ یاد آ گیا جس رات گنیش کا قتل ہوا تھا، رگھو نے من وعن وہ سب کچھ بیان کر دیا کہ کس طرح ایک روشن ہیولہ جھاڑیوں میں سے نمودار ہوا، اور پھر وہ چکراتا ہوا ماتا کے مندر میں گیا، اس کے بعد پھر وہ باہر نکلا تھوڑی دیر تک باہر چکراتا رہا، اس کے بعد دوبارہ وہ ہیولہ مندر میں چلا گیا۔ پھر جب وہ باہر نکلا تو واضح طور پر نظر آیا کہ وہ ہیولہ کسی عورت کا تھا۔ پھر وہ چکراتا ہوا اس جگہ جا کر زمین کے اندر آہستہ آہستہ گھستا چلا گیا۔

اس بھیانک اور ڈراؤنے واقعے کو سن کر کھیا جی جیسے سن ہو کر رہ گئے۔ اس وقت کئی لوگ اور بھی موجود تھے۔ جنہوں نے رگھو کی بات کی تصدیق کی کہ واقعی ایسا ہوا تھا۔

کھیا جی بولے۔ ''ہیولے کا جھاڑیوں سے نکلنا اور پھر ماتا کے مندر میں جانا، پھر باہر نکل کر چکراتے رہنا پھر دوبارہ مندر میں جانا، اس کے بعد مندر سے نکل کر جھاڑیوں کی جگہ جا کر زمین میں گھسنا، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی سمبدھ ماتا کے مندر سے ضرور ہے۔ جبکہ ماتا کا نیا مندر گاؤں کے بیچ میں بن چکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوا کہ ماتا اپنے پرانے مندر میں بھی آشن جماتی ہے۔ پرانے مندر میں ماتا کی آشن نہیں ہوتا تو وہ ہیولہ مندر میں کبھی بھی نہ جاتا۔

بھائیو! اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ہم لوگ ماتا کے چرنوں میں اپنا اپنا ماتھا ٹیکیں تو یقیناً ماتا ہم پر کرپا کرے گی۔

یہ سمسیا بہت گمبھیر لگتی ہے اس لئے میرے ماما کے گاؤں کے پنڈت جی نے یہ بول کر جان چھڑالی کہ یہ میرے بس سے باہر ہے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ پنڈت جی بہت مہان ہیں، دیوی دیوتاؤں سے ان کے رابطے رہتے ہیں۔ اور دیوی دیوتا ان کی بات مانتے ہیں۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو کچھ ہمارے گاؤں میں ہو رہا ہے، اس کی خبر دیوی دیوتا یا پھر کالی ماتا کو نہ ہو۔ کالی ماتا تو ہر وقت اپنے بھگتوں پر نظر رکھتی ہے اور ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

میں نے تو یہ سوچا ہے کہ آنے والی پورن ماشی کو ماتا کا بہت بڑا پوجا کرایا جائے۔ اور ساتھ ہی سات کالے بکروں کی بھینٹ بھی دی جائے، ماتا کو خوش کر کے ہی ہم گاؤں والے سکھ شانتی میں رہ سکتے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ گنیش اچھی سوچ کا نہیں رہا تھا اور اس کی سنگت بھی ایسے لوگوں سے تھی جو کہ بھگوان کے احکام ماننے والے نہیں تھے، آپ لوگ ذہنی طور پر پورن ماشی کے پوجا کے لئے تیار ہو جاؤ اور یہ باتیں باقی لوگوں کو بھی بتا دینا اور ان سے کہنا کہ زیادہ سے زیادہ رقم اپنے حصے کے جمع کرا دیں۔"

اور یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ آنے والی پورن ماشی کی رات ماتا کا بڑا پوجا ہوگا اور سات بکروں کی بھینٹ دی جائے گی، لوگ دھڑا دھڑ مکھیا جی کے پاس پیسے جمع کرانے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آنے والے مہینہ میں نیا چاند طلوع ہوا۔

ایک دن...... دو دن ...... اور پھر اس طرح کر کے پورن ماشی کی رات آ گئی۔ سارے انتظامات مکمل تھے۔ سات بکروں کی بھینٹ دی گئی۔ طرح طرح کے لوازمات اور پھول پرشاد ماتا کے چرنوں میں رکھے گئے۔

پوجا کے دن ایسا ہوتا ہے کہ پنڈت جو کہ دیوی دیوتا کا بہت بڑا بھگت ہوتا ہے۔ وہ اس دیوی یا دیوتا کے نام کا اشلوک پڑھتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اشلوک پڑھنے والے پر اس دیوی یا دیوتا کی حاضری آ جاتی ہے، جس کے لئے وہ اشلوک پڑھ رہا ہے۔ پھر وہ دیوتا یا دیوی اشلوک پڑھنے والے کی زبان میں بات کرتی ہے اور جس بات یا مسئلے کے لئے دیوی دیوتا کی حاضری کی جاتی ہے، وہ مسئلہ ان کی زبانی سامنے آتا ہے۔

بہر حال وقت مقررہ پر گاؤں کے سارے لوگ موجود تھے۔ ہر آدمی شکل سے سوالی نظر آ رہا تھا۔ ان کے دماغ میں خوشی کی روشنی جگمگا رہی تھی۔ وجہ یہ کہ ماتا کی حاضری جب ہوتی ہے تو ماتا اپنی خوشی یا ناراضگی کا اظہار کرتی ہے اور پھر وہ لوگوں کو پیغام بھی دیتی ہے کہ آئندہ انہیں کیا کرنا ہے۔

سب سے زیادہ لوگوں کی خوشی تھی کہ آج کی رات ماتا ہم سے خوش ہو کر ہم گاؤں والوں پر دیا کرے گی جس سے گاؤں سے سارے دکھ درد ختم ہو کر گاؤں میں سکھ شانتی کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔

پنڈت اپنی جگہ بیٹھا ہوا ماتا کے نام کا اشلوک پڑھ رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ تک وہ اشلوک پڑھتا رہا کہ پھر اچانک اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا، اس کی آواز بھاری ہونے لگی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئیں۔ پھر چشم زدن میں اس کے منہ سے مترنم مگر غصیلی گونجدار آواز کسی عورت کی سنائی دی۔

"گاؤں والو! مجھے بلانے کی کیا ضرورت پیش آئی، بولو! مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔"

آواز سے پتا چلتا تھا کہ دیوی بہت غصہ کی حالت میں ہے۔

ایک کافی ضعیف آدمی اٹھا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "ماتا! ہم سے کوئی غلطی یا نافرمانی ہوئی ہے تو ہم گاؤں والوں کو معاف کر دو، ہمیشہ آپ کی کرپا ہم گاؤں والوں پر رہی ہے، مگر دو ماہ سے ہم کشٹ میں گھر گئے ہیں، سکھ شانتی کے لئے ہم ترس گئے ہیں، ہر وقت ہم لوگ

بیاکل رہنے لگے ہیں۔ گاؤں کے کئی لوگ بھیانک موت مر گئے ہیں اور نہ جانے آگے اور کیا ہونے والا ہے، ماتا ہم پر کرپا کرو۔" یہ بول کر وہ شخص خاموش ہو گیا۔ سارے گاؤں والے اپنا سر نیچا کیے اور ہاتھ جوڑے بیٹھے تھے۔

"گاؤں والو! مجھے معلوم ہے! مرنے والے پاپی تھے، انہوں نے بہت بڑا پاپ کیا تھا۔" دیوی کی گونجدار غصہ سے بھری آواز سنائی دی۔

☆☆☆

مندر میں گونجتی ہوئی دیوی کی آواز سن کر گاؤں والے سکتے میں آ گئے اور جیسے ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ کالی ماتا غصے میں تھی اس کا بھرا ہوا، انداز جو کہ آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ غضبناک حالت میں ہے۔

"گاؤں والو! ان چاروں پاپیوں کا انت ہو گیا، انہوں نے گاؤں بھر کا چین سکھ برباد کر کے رکھ دیا تھا، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انہوں نے ناریوں کی عزت کو خاک میں ملایا، رات کے اندھیرے میں انہوں نے بہت کچھ کیا۔ مجھے سب کچھ معلوم تھا، میں نے بار بار انہیں موقع دیا کہ وہ ٹھیک ہو جائیں مگر ہر بار وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔

اب اس گاؤں میں اس طرح کوئی نہیں مرے گا، جو سادھو گاؤں میں آیا تھا، وہ بہت بڑا الوبھی تھا، میرے نام کے آئے ہوئے نجروں پر اس نے ہاتھ صاف کرنا چاہا اور وہ بھی میرے مندر میں بیٹھ کر اس کا بھی انت ہو گیا۔"

اتنے میں ایک کافی ضعیف شخص اٹھا اور اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "ماتا جی! ان چاروں کا دوش کیا تھا، اور ایسا کیا ہوا تھا کہ ان کا انت آپ کے مندر کے پاس برگد کے درخت کے پاس ہوا۔"

"ان کے پاپ کے بارے میں تم لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا، آگے اب کوئی اور سوال نہ کرنا، بس اب خاموش ہو جاؤ اپنے دل میں شک شبہ نہ لاؤ، بہت جلد اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھ جائے گا۔ اب میں چلتی ہوں۔" اور پھر مندر میں خاموشی چھا گئی۔

چند منٹ تک سارے لوگ اپنا سر جھکائے کھڑے تھے پھر آہستہ آہستہ لوگوں نے اپنے سروں کو اٹھایا اور اچنبھے کی حالت میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کسی میں اتنی سکت نہیں تھی کہ ایک دوسرے سے کوئی سوال کر سکیں۔

اتنے میں مندر کے پنڈت کی آواز سنائی دی۔

"ماتا کے سیوکوں! تم لوگوں نے ماتا کی ساری باتیں سن لیں، اور یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ ماتا کس قدر غصے میں تھی۔ ان چاروں نے بہت بڑا پاپ کیا تھا جو کہ ماتا کے برداشت سے باہر ہو گیا اور اس پاپ کے بارے میں بقول ماتا کے بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ، اور کل سے ماتا کے چرنوں میں زیادہ سے زیادہ دان پن ماتا کے نام پر کرو کہ ماتا ہم تمام گاؤں والوں سے خوش رہے۔" یہ بول کر پنڈت خاموش ہو گیا۔

پنڈت کی باتیں سن کر سارے لوگ خاموشی سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اپنے اپنے گھروں کو پہنچ کر لوگ سہمے ہوئے تھے، ماتا کی غضبناک آواز نے لوگوں کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا، سب کے ذہنوں میں بس ایک سوال گردش کر رہا تھا کہ مرنے والے ان چاروں نے ایسا کیا پاپ کیا تھا جس سے کالی ماتا ناراض ہوئی، ایسا کیا بڑا پاپ تھا کہ کالی ماتا سے برداشت نہ ہو سکا۔

بہر حال لوگ جس قدر سوچ رہے تھے وہ اس قدر الجھتے جا رہے تھے پھر لوگوں نے سوچنا ترک کر دیا اور یہ سوچ کر اپنے من کو شانت کر لیا کہ ماتا نے بول دیا ہے کہ "سمے آنے پر ان سب کا پاپ لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا۔"

دوسرے دن سے گاؤں کے لوگوں نے زیادہ سے زیادہ کالی ماتا کے مندر میں آنے لگے اور ماتا کا نام لے کر پرارتھنا کرنے لگے۔ سب کی خواہش تھی کہ ماتا ان سے خوش رہے، سب کی یہ کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ ماتا کے نام پر دان دیں۔ اور پھر گاؤں والوں نے آپس میں مشورہ کر کے سب نے چندہ کیا اور سات عدد کالے

بکرے لائے گئے تاکہ ماتا کے نام کی بھینٹ دیں۔
مندر کے پنڈت کو بتادیا گیا تو پنڈت نے جواب دیا کہ ''پرسوں منگل وار ہے، اوراس کام کے لئے منگل وار ٹھیک رہے گا۔'' لہٰذا ایک دن گذار کر منگل کے دن صبح ہی صبح کالی ماتا کے نام پر ساتوں بکروں کی بلی دے دی گئی۔
بکروں کی بلی دینے کے بعد گاؤں والوں نے اپنے آپ میں بہت سکون محسوس کیا، سب کا ذہن ہلکا ہو گیا۔ کیونکہ ماتا نے کہا تھا کہ اب اس طرح اس گاؤں میں کوئی بھی نہیں مرے گا۔'' خیال کے تحت سارے لوگ بے فکر اور بے خوف ہو کر اپنے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔
چھ راتیں آرام سے گزر گئیں۔ ساتویں رات آ گئی، موسم ٹھیک نہیں تھا۔ دن سے ہی بوندا باندی کا عالم تھا، لہٰذا لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔
ٹھیک رات کے ساڑھے بارہ بجے ایسا لگا کہ پورے گاؤں پر کوئی بہت ہی مہلک بم گرا ہو، دھاکہ اتنا زوردار تھا کہ لوگوں کے دل ہل کر رہ گئے، گھروں کے درودیوار جیسے لرز کر رہ گئے۔ سارے لوگ ہڑبڑا کر گہری نیند سے اٹھ بیٹھے۔
''اے بھگوان......! یہ کیا ہو گیا؟'' ایک شخص بولا۔
ڈر اور خوف کی وجہ سے چھوٹے بچے چیخنے لگے، پورے گاؤں میں ہلچل مچ گئی اور پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوا۔ دھاکہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی بجلی کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی، بجلی کی گڑگڑاہٹ اس قدر زوردار تھی کہ لوگ تھر تھر کانپنے لگے۔
بجلی جب چمکتی تو ایسا لگتا کہ پورا گاؤں روشنی میں نہا گیا۔ وقفے وقفے سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا بجلی کا یہ انداز اس سے پہلے لوگوں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا، جب بھی بجلی کی چمک اور گڑگڑاہٹ سنائی دیتی تو یہی لگتا کہ بجلی پورے گاؤں پر اب گری۔ اور اس طرح پورا گاؤں جل کر خاک ہو جائے گا۔ ہر گھر میں لوگ بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگے تھے۔ ہر گھر میں ایسا ہو گیا تھا کہ گھر کے سارے لوگ اپنے اپنے کمروں سے نکل کر ایک ہی کمرے میں سہم کر بیٹھ گئے تھے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے سینے سے چمٹائے بیٹھی تھیں۔ بڑے لوگ چھوٹوں کو دلاسہ دینے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے تھے کہ اچانک مندر میں سے گھنٹیاں بجنے کا شور سنائی دیا۔
مندر میں موجود ساری گھنٹیاں بہت بلند آواز سے بجنے لگی تھیں۔ ایک طرف بجلی کی گڑگڑاہٹ اور دوسری طرف گھنٹیوں کی آواز، گھنٹیوں کی آواز سن کر لوگ یہ تو جان گئے کہ ہو نہ ہو پورے گاؤں پر کوئی آفت آن پڑی ہے یا پھر کوئی بھٹکی ہوئی روح اور آتما نے اپنا قبضہ جما لیا ہے اور اس وجہ سے کالی ماتا کے مندر سے گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگی ہیں۔
مندر سے گھنٹیوں کی آوازیں ہمیشہ اس لمحے آتی ہیں جب بہت اہم ضرورت سامنے ہو پھر اچانک گاؤں کی مسجد سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں آنے لگیں۔ مسجد سے اذان کی پرزور آواز سنائی، دینے لگی تھی۔ اور پھر یہ اذان کا سلسلہ متواتر سنائی دینے لگا۔ ایک گھنٹہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اچانک بجلی چمکنا بند ہو گئی اور ساتھ ہی بجلی کی گڑگڑاہٹ بھی بند ہو گئی تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔
اور پھر ایک گھنٹہ بعد آذان فجر کی آواز پورے گاؤں میں گونجنے لگی تو لوگوں کے پورے جسم میں اطمینان کی لہر دوڑنے لگی اور لوگ جان گئے کہ اب صبح ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی صبح کا سپیدہ ہر طرف پھیلنے لگا۔
ویسے گاؤں میں ریت ہے کہ لوگ منہ اندھیرے ہی اٹھ کر اپنے کام کاج میں لگ جاتے ہیں مگر آج کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر اپنے گھر سے باہر نکلے۔ جب مکمل اجالا پورے گاؤں پر پھیل گیا تو لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے، اکثر گاؤں میں لوگ دودھ دینے والے جانور پالتے ہیں کھیتی باڑی کے لئے بیل بھی رکھتے ہیں اور بیلوں سے کھیت میں ہل جوتتے ہیں۔
پورے گاؤں میں لوگوں نے دیکھا کہ بیس کے قریب جانور اپنی زندگی ہار چکے تھے، یہی نہیں بلکہ گاؤں میں چھ کتے بھی مردہ پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر گاؤں والوں پر

خوف سوار ہو گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی آفت رات کے وقت آئی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ جانور مر گئے۔ بجلی چمکنے کے ساتھ ساتھ بجلی کی گڑگڑاہٹ، یہ سب اسی آفت کی وجہ سے تھا۔ گاؤں والوں کی عقل کام کرنے سے قاصر تھی۔

ہندو حضرات فوراً مندر میں جا کر پرارتھنا کرنے لگے، مسلمان مسجد میں پہنچ گئے اور پیش امام صاحب سے ملاقات کی۔ پیش امام صاحب نے بتایا کہ۔ ''رات میں جو کچھ بھی ہوا۔ وہ یقیناً کسی غیر مرئی آفت کی وجہ سے ہوا، اور ایسا جب ہوتا ہے تو بابلند آواز سے اذان دی جاتی ہے، جس سے پریشانی دور ہو جاتی ہے، اور ہوا بھی یہی۔ بہر حال گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہے، اللہ اپنا فضل کرے گا، رات بارہ بجتے ہی میں اذان دینا شروع کر دوں گا، اور مجھے قوی امید ہے کہ گاؤں پر جو بھی کوئی آفت منڈلا رہی ہے وہ دور ہو جائے گی۔ آپ سب نماز پابندی سے ادا کریں۔ اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعائیں کریں۔ ہم گاؤں والے سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ لوگ تشریف لے جائیں اور اللہ کی رحمت پر نظر رکھیں اور دعاؤں میں مشغول رہیں۔'' یہ سن کر لوگ مسجد سے واپس آ گئے۔

مندر میں بھی لوگ کالی ماتا سے پرارتھنا کر کے واپس آ گئے اور ہر وقت بھگوان بھگوان کرنے لگے رات کے بارہ بجتے ہی مسجد سے اذان کی آوازیں آنے لگیں اور ساتھ ہی ساتھ ہندو حضرات اپنے مندر میں گھنٹیاں بجانے لگے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح مندر میں گھنٹی بجا کر کالی ماتا سے مدد طلب کرتے ہیں اور ماتا مدد کرتی ہے۔

بہر حال مسلمان اور ہندو دونوں ہی اپنے اپنے طریقے سے دنیا کے خالق و مالک سے مدد طلب کرنے لگے تھے اور اس طرح رات سکون سے گزرنے لگی تھی۔

دو ہفتے بعد ایک رات مندر کے سامنے جو پیپل کا درخت تھا اس پر شور شرابہ ہونے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ کئی بدروحیں یا آتمائیں بین کر رہی ہوں۔ اب یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی تھی۔ مندر کے قریب جتنے بھی گھر تھے اس گھر کے مکین پریشان ہو گئے تھے۔ اور پھر وہ بین کرنے کی آوازیں دور دور تک پھیلنے لگیں۔ صاف سنائی دیتا تھا کہ کئی آتمائیں مل کر پہلے تو سسکتی ہیں اور پھر ان کی سسکیاں بین میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

گاؤں والے اس طرح کے آئے دن آفت اور پریشانیوں سے تنگ آ گئے تھے۔ گاؤں کے لوگ پنڈت کے پاس مندر میں پہنچ گئے۔ پنڈت کو بھی پتہ تھا کہ پیپل کے درخت پر رات کے سمے آتمائیں روتی ہیں اور اودھم مچاتی ہیں۔ کیونکہ پنڈت تو مندر میں ہی رات کے سمے موجود ہوتا تھا۔ پنڈت نے لوگوں سے کہا کہ۔ ''آپ لوگ شانت ہو جائیں۔ آج رات میں، میں ماتا کے نام کا اشلوک پڑھوں گا اور ماتا سے معلوم کروں گا کہ اب یہ نئی مصیبت ہم گاؤں والوں پر کیوں آ گئی ہے۔'' پنڈت کی بات سن کر لوگ واپس آ گئے۔

رات میں پنڈت نے کالی ماتا کے نام کا بھجن گانا شروع کر دیا۔ پنڈت رات بھر بھجن گاتا رہا اور اشلوک پڑھتا رہا مگر ماتا کی حاضری نہ ہوئی۔

صبح کے وقت لوگ مندر میں آئے اور پنڈت کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ لوگوں کو دیکھ کر پنڈت سمجھ گیا کہ لوگ مجھ سے کیا سوال کر رہے ہیں۔ پنڈت بولا ''بھائیو! میں رات پھر اشلوک پڑھتا رہا مگر نہ جانے کیوں ماتا کی حاضری نہیں ہوئی۔ میں خود بھی بہت بیاکل ہوں کہ ماتا حاضر کیوں نہ ہوئی۔ یہ تو ماتا ہی بتا سکتی ہے، ماتا کی مرضی کے آگے کون کیا کر سکتا ہے، آپ لوگ چنتا نہ کریں، میں آج رات بھی ماتا کے چرنوں میں بیٹھ کر اشلوک پڑھوں گا۔ مجھے امید ہے کہ ماتا ضرور جواب دے گی۔''

ایک دن، دو دن، تین اور پھر چوتھی رات بھی مندر میں پنڈت اشلوک پڑھتا رہا کہ رات کے ڈھائی بجے لوگوں نے سنا کہ پیپل کے درخت پر کچھ زیادہ ہی شور

ہونے لگا۔ آج رات کربناک چیخیں سنائی دینے لگیں، ایسا لگتا تھا کہ کوئی کسی کی گردن پر چھری پھیر رہا ہو، اور وہ تکلیف کی وجہ سے ڈکرا رہا ہو۔ آواز بالکل واضح تھی، کوئی اذیت سے چیخ رہا تھا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد ایک زوردار دھما کہ لوگوں نے سنا کہ زمین پر کوئی وزن گرا ہو۔ اس آواز کو سن کر لوگ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔ ڈر اور خوف نے لوگوں کے جسم میں دوران خون تو جیسے منجمد کر کے رکھ دیا۔ اور پھر اس کرب واذیت میں رات گزر گئی۔

صبح کا اجالا ہر طرف پھیل گیا۔ ڈر اور خوف کھاتے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ اور تھوڑی دیر میں ہی گاؤں کے سارے لوگ پیپل کے درخت کے قریب جمع تھے۔ لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ لوگوں پر سکتہ طاری تھا، لوگ سہمے ہوئے تھے، کچھ لوگوں پر تو جیسے کپکپی طاری تھی۔ سب کی نگاہیں پیپل کی جڑ پر مرکوز تھیں، کسی میں بھی سکت نہیں تھی کہ کوئی کسی سے کلام کرے۔ کیونکہ وہ منظر ایسا تھا کہ لوگوں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔

پیپل کے درخت کی جڑ کے قریب ایک بہت بڑی چمگادڑ مردہ پڑی تھی۔ چمگادڑ بہت بڑی تھی، اتنی بڑی چمگادڑ لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کا وزن کم از کم پندرہ سیر کے لگ بھگ تھا۔ اس کی لمبی اور موٹی زبان باہر کو نکلی پڑی تھی۔ منہ سے ڈھیر سارا خون نکل کر پاس ہی زمین کو سرخ کر گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اوہ! اتنی خوفناک تھیں، جو لوگوں پر خوف طاری کر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھینس یا بیل کی بڑی آنکھیں ہوں۔ آنکھیں بالکل سرخ تھیں۔ ضعیف سے ضعیف لوگ اس جگہ موجود تھے ان لوگوں کا بھی کہنا تھا کہ اتنی بڑی چمگادڑ کے متعلق تو انہوں نے کبھی سنا تک نہیں اور دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مسجد کے پیش امام صاحب نے کہا۔" بھائیو! آپ لوگ قریب سے ہٹ جائیں اس کا حل یہ ہے کہ اسے جلا دیا جائے، کسی میں ہمت نہیں ہے کہ اس چمگادڑ کو اٹھا کر کہیں اور لے جائے......" پیش امام صاحب کی بات سن کر لوگ فوراً قریب سے دور ہٹ گئے۔

پیش امام صاحب اپنے ساتھ ایک چھوٹی بوتل لائے تھے اس میں غالباً پانی تھا۔ انہوں نے بوتل کا ڈھکنا کھولا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا اور پھر اس پانی سے چمگادڑ کے گرد ایک حصار کی صورت میں پانی ڈالا۔ اس سے فارغ ہو کر انہوں نے چمگادڑ پر مٹی کا تیل چھڑک کر ماچس کی تیلی اس پر پھینک دی۔ جلتی تیلی کا چمگادڑ پر گرنا تھا کہ چمگادڑ کے جسم کو شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شعلے بلند سے بلند تر ہوتے رہے اور پھر اچانک چمگادڑ کے منہ سے ایک کریہہ اذیت ناک دل دہلا دینے والی آواز نکلی جسے سن کر اس جگہ موجود سارے لوگ گھبرا گئے۔ آواز کے نکلنے کے بعد چمگادڑ ساکت ہو گئی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایسا لگا کہ جیسے پوری کی پوری جلی ہوئی چمگادڑ کو زمین نے نگل لیا ہو۔ ایسا ہوتے ہی فوراً شعلے یکسر غائب ہو گئے۔

جب تمام آگ ٹھنڈی ہو گئی تو پیش امام صاحب نے کہا۔" یہ چمگادڑ نہیں بلکہ کوئی زبردست بلا تھی، اگر میں اس کے گرد قرآنی آیات سے دم کیا ہوا پانی حصار کی صورت میں چھڑکتا نہیں تو یقیناً یہ آگ اطراف میں پھیل سکتی تھی کیونکہ یہ اپنی جگہ سے اچھل کود کر سکتی تھی اور اس صورت میں اس جگہ موجود آگ سے متاثر ہوتے۔ اللہ نے بہت کرم کیا کہ یہ کمبخت بلا اپنے آخری انجام کو پہنچ کر غائب ہو گئی۔ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھر جا کر آرام کریں۔" یہ بول کر امام صاحب مسجد کی طرف چلے گئے اور پھر سارے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ گھروں میں جا کر لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔

ادھر رمیش اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے ہنسی یکسر غائب ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت مانسی کے خیالات اسے گھیرے میں لئے رہتے تھے۔ وہ

گاؤں میں موجود اپنے دوست یار میں بیٹھا رہتا مگر اس کا ذہن ہر وقت مالنی کے خیالوں میں الجھا رہتا۔ دوست یار لاکھ کوشش کرتے کہ اس کا دل بہلتا رہے مگر اندرونی طور پر اس کا دل بجھا بجھا رہتا تھا۔ کھانا پینا بھی اس کا بہت کم ہو کر رہ گیا تھا۔ جب اسے تنہائی ملتی تو وہ خلاؤں میں نہ جانے کیا گھورنے لگتا، نیند تو اس سے ویسے ہی کوسوں دور چلی گئی تھی۔ اس کی نیند اچاٹ ہو کر رہ گئی تھی۔

کئی بار ایسا ہی ہوا تھا کہ جب وہ اپنی حالت سے بے زار ہو جاتا، اسے کسی پل چین نہیں آتا، پھر اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن جاتیں اور پھر اپنے کمرے میں رات کے اندھیرے میں تکیہ میں منہ چھپا کر زارو قطار رونے لگتا۔ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ روتے ہوئے وہ چیخ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ گھر میں گھر والے موجود ہوتے تھے۔

روتے روتے ایک وقت آتا کہ وہ بے سدھ ہو کر غنودگی کی حالت میں محو خواب ہو جاتا تو مالنی کی آتما تڑپ اٹھتی اور پھر وہ کمرے میں آ جاتی۔ اپنی مخروطی انگلیاں رمیش کے بالوں میں پھیرنے لگتی، چونکہ رمیش بے سدھ ہوتا، اس میں ہلنے تک کی بھی سکت نہیں ہوتی، اس کی آنکھیں جاگنے کی وجہ سے سوج کر بوجھل ہو چکی ہوتیں اس صورت میں وہ اپنی پلکیں بھی نہیں کھول سکتا تھا۔ لیکن اس کے محسوسات جاگتے رہتے تھے وہ محسوس کرتا کہ کوئی اپنی نرم و نازک انگلیاں اس کے بالوں میں پھیر رہا ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ جب مالنی کی آتما بیاکل ہو کر رمیش کے پاس آئی اور اپنی نازک انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی اور پھر جذبات سے بے قابو ہو کر اس کے آنسو کا ایک گرم قطرہ رمیش کے گال پر گر پڑا تو اچانک رمیش کی آنکھ کھل گئی اور وہ کمرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں موجود لالٹین جلا دی مگر کمرے میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

اس کے گال پر اب بھی آنسو کا قطرہ موجود تھا۔

اس نے گال پر اپنی انگلی پھیری تو آنسو انگلی میں لگ گیا جسے اس نے واضح طور پر دیکھا۔ اور پھر وہ اچنبھے میں پڑ گیا کہ اس اندھیری رات میں بند کمرے میں کون آیا تھا اور پھر اسے خیال آیا کہ کمرے کی کنڈی تو اندر سے بند ہے بھلا کوئی کمرے میں کیسے آ سکتا ہے؟

وہ سوچتا رہا اور اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھتی رہیں۔ جب درد اس سے ناقابل برداشت ہو گیا تو وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ میلوں دور سے دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔

اتنے میں صبح کا اجالا پھیلنا شروع ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے گھر سے کافی دور کھیتوں کی طرف نکلتا چلا گیا۔ جب وہ سرسوں کے کھیت میں پہنچا تو دیکھا کہ سرسوں کے قد آور بڑے، بڑے پودے اپنے سروں پر پیلے پیلے پھول سجائے ہوا کے دوش پر جھوم رہے ہیں، صبح کا سہانا سماں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے بہت بھلے لگنے لگے تھے۔ وہ کھیت کے درمیان میں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگا، کہ اتنے میں تھوڑی دور اسے ایک نسوانی سایہ نظر آیا جو کہ اس کی طرف اپنی پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ اس نسوانی سایہ کو وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔

اس کا تجسس اسے آگے بڑھنے پر مجبور کرنے لگا، لہٰذا وہ کسی انجانی قوت کے تحت اس طرف بڑھنے لگا۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں کہ وہ نسوانی وجود کھڑا تھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ، اب اس جگہ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی نظروں کو چاروں اور گھمانے لگا اور پھر اس کے منہ سے بے ساختہ آواز نکل پڑی۔ ”اس جگہ کون موجود تھا....؟ کون تھا؟ کون تھا اس جگہ....؟“

وہ متواتر جیسے چیختا رہا لیکن اس کا چیخنا بے سود تھا۔ پھر اچانک اس کے دل میں خیال آیا۔ ”یہ میرا وہم تھا۔“

”میرا وہم.....“ وہ اپنے آپ سے بڑبڑایا۔

کہ اچانک تھوڑی دوری پر پھر وہی نسوانی وجود اسے نظر آیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا سفید لباس میں ملبوس تھا،

اس کے کھلے بل کھاتے لمبے لمبے سیاہ بال ہوا کے دوش پر لہرانے لگے تھے۔

اب رمیش سے برداشت نہیں ہوا، اور وہ اس وجود کی طرف دوڑنے لگا، جب فاصلہ تھوڑا رہ گیا تو اس نسوانی وجود کی ایک اچٹتی سی جھلک نظر آئی۔ تو وہ پکارا اٹھا۔

''مالنی...... مالنی...... میری بات سنو!''

مگر جب وہ اس جگہ پہنچا تو اس جگہ وہ نسوانی وجود موجود نہیں تھا۔ وہ اپنے حواس سے بے گانہ ہونے لگا کہ اتنے میں پھر وہی وجود تھوڑے فاصلے پر سرسوں کے لہلہاتے ہوئے کھیت میں نظر آیا تو پھر سے وہ بے تحاشہ اس طرف دوڑنے لگا۔ دوڑنے کی اس کی رفتار بہت تیز تھی، وہ اپنی پوری قوت سے اس طرف دوڑ رہا تھا۔ اور پھر دوڑتے دوڑتے اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل سرسوں کے کھیت کے کنارے گر کر بے ہوش ہو گیا۔

یہ تو اچھا ہوا کہ وہ سرسوں کے کھیت کے درمیان نہیں گرا تھا، اگر وہ کھیت میں قد آور پودوں میں گرا ہوتا تو کسی کی بھی نظر اس پر نہیں پڑتی اور نہ جانے پھر وہ کب تک بے ہوش کھیت میں پڑا رہتا۔ چونکہ وہ کھیت سے باہر کنارے پر گرا تھا اس لئے اس طرف سے ایک گزرتے ہوئے شخص کی اس پر نظر پڑ گئی۔ وہ شخص اس کے گاؤں کا تھا لہٰذا اس نے آناً فاناً آ کر اس کے پتا کو خبر کر دی۔

اس خبر کو سننا تھا کہ اس کے پتا، اس کے بھائی اور گاؤں کے مزید کئی لوگ دوڑتے ہوئے اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ رمیش کھیت سے باہر بے ہوش پڑا ہے۔

اسے بے ہوش پڑا دیکھ کر اس کے پتا کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ فوراً ان کے دماغ میں آیا کہ کہیں کسی سانپ نے تو اسے نہیں کاٹ لیا۔ کیونکہ اکثر گاؤں دیہات میں سانپ کھیتوں میں آزادانہ گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں اور خاص طور پر جب سرسوں کی فصل ہوتی ہے اور جب پھول کھلتے ہیں تو سرسوں کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوں ہوا کو معطر کر دیتی ہے اور پھر اس خوشبو کے زیر اثر سانپ سرسوں کے کھیتوں میں نظر آتے ہیں۔

خیر رمیش کو کندھے پر اٹھا کر وہ لوگ گھر لائے۔

اسے چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ چار لوگ فوراً اس کی چارپائی کے پاس بیٹھ گئے اور تیزی سے اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے تلوؤں کو سہلانا شروع کر دیا۔ آدھا گھنٹہ سر توڑ کوشش کے بعد رمیش کو ہوش آ گیا۔ کسمساتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دیں اور فوراً اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔

اس کے پتا جی نے ایک لمبا سانس کھینچا اور پوچھا۔ ''بیٹا! اس کھیت میں تم کیسے پہنچے، اور ہوا کیا تھا کہ تم بے ہوش ہو گئے؟ یہ بھگوان کی کرپا تھی کہ تم کھیت سے باہر پڑے تھے اور اگر تم کھیت میں پڑے ہوتے تو......؟'' اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس جگہ موجود اور لوگوں نے بھی تابڑ توڑ کئی سوال کر ڈالے مگر رمیش پر تو جیسے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنے میں گاؤں کے حکیم صاحب آ گئے، آتے ہی انہوں نے اس کی نبض پر اپنی انگلی رکھ دی۔

تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب بولے۔ ''بیٹا رمیش! تمہیں کیا ہوا تھا، کیا تمہیں کچھ اچانک نظر آیا تھا، یا تم کسی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے تھے؟ بیٹا اندرونی طور پر تم بہت کمزور ہو رہے ہو، تمہارے جسم میں توانائی کی بہت کمی ہو گئی ہے۔ بیٹا! تم جوان ہو، اپنی صحت کا خیال رکھو، صحت اگر زیادہ خراب ہو گئی تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ یہ دوا کی چند پڑیا ہیں انہیں وقت پر کھاتے رہنا، ویسے گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔''

''حکیم صاحب کچھ مجھے بھی بتائیں! ویسے یہ تو بالکل حقیقت ہے کہ رمیش بہت کمزور ہو گیا ہے کیا بتاؤں تنہائی کا شکار ہو گیا ہے، ہر وقت اپنے کمرے میں پڑا رہتا ہے اور چھت کو گھورتا رہتا ہے۔ اس کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کی ماں بہت زیادہ غمگین رہنے لگی ہے۔ میں نے تو اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے شہر اپنی موسی کے گھر چلا جائے۔ شہر کی بھیڑ اور گہما گہمی میں دل بہل جائے

گا اور ویسے ہی اس کی موسی کے بچے بہت محبت کرنے والے ملنسار اور نس مکھ ہیں۔ ان کی اپنی موٹر کار ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ہم رمیش بھیا کو سیر کراتے رہیں گے اس کے علاوہ شہر میں اور بھی بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں۔ مگر یہ ہے کہ شہر جانے کا نام نہیں لیتا۔ جوان اولاد کا اس طرح رہنا ماں باپ کے لئے اذیت ہے۔ میری بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ بھگوان اسے اچھا کر دے چاہے اس کے لئے ہماری جان ہی کیوں نہ لے لے۔" یہ بولتے ہوئے رمیش کے پتا آبدیدہ ہو گئے تھے۔

"آپ گھبرائیں نہیں، اللہ نے چاہا تو یہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں، دوا اسے وقت پر کھلاتے رہیے گا اور ہاں! اس وقت گرم گرم دودھ اسے پلائیں، دودھ پلانے کے ایک گھنٹہ بعد اس کو ہلکی غذا دیجئے گا۔" یہ بول کر حکیم صاحب نے سب سے مصافحہ کیا اور چلے گئے۔

رات آئی۔ تھوڑی کھا کر رمیش اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ چھوٹی بہن نے دوا لا کر دی تو اس نے دوا کھالی۔ اس کے بعد دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ دبے قدموں رات اپنی منزل کی طرف محو سفر رہی مگر نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور چلی گئی تھی۔ آج آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے رات کاٹ دی۔ اور پھر ایک وقت آیا جب بستر اسے بے چین کرنے لگا تو وہ بستر سے اٹھ کر آنگن میں آیا اور پھر باہر دروازے کی کنڈی کھول دی۔

"پتر اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" پیچھے اسے اس کی ماں کی آواز سنائی دی۔

"ماں جی! میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ کمرے میں بہت گھٹن ہے، ذرا ٹھنڈی ہوا میں رہوں گا تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ بولا۔

"پتر اکیلے نہ جاؤ، بھائی کو ساتھ لے لو۔ تمہارے پتا جی بول رہے تھے کہ اسے اکیلا نہیں جانے دینا۔" ماں نے کہا۔

"نہیں ماں جی! میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا، بس تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا آپ آرام کریں، فکر نہ کریں، میں ابھی آیا۔" یہ بول کر رمیش باہر نکل گیا، تو اس کی ماں نے دروازے کی کنڈی لگالی۔

رمیش کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اس کے قدم کسی انجانی قوت کے زیر اثر اس طرف اٹھ رہے تھے جدھر سرسوں کے کھیت تھے۔ وہ چلتا رہا...... چلتا رہا اور پھر اس کھیت میں پہنچ گیا جہاں کہ کل اسے ایک نسوانی وجود کا سایہ نظر آیا تھا، اور اس سایہ کو دیکھ کر اسے گمان گزرا تھا کہ وہ سایہ مالتی کا تھا۔"

سرسوں کے کھیت کے بیچ رمیش پہنچ گیا تو اسے جیسے اچانک ہوش آ گیا۔ اس نے چاروں طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا ہو کہ اتنے میں اسے اپنے پیچھے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "رمیش۔"

یہ سننا تھا کہ وہ فوراً پیچھے کو پلٹا۔ اور ٹکٹکی باندھے اس طرف گھورنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ اس طرف قدم بڑھانے لگا۔

"رمیش ادھر دیکھو۔" اب کی بار پھر پیچھے سے آواز سنائی دی۔ تو وہ فوراً پیچھے کی طرف پلٹا تو اسے پھر وہی وجود نظر آیا جو کہ کل اسے نظر آیا تھا۔ وہ وجود سفید لباس میں ملبوس تھا، ہوا کے دوش پر اس کے لمبے سیاہ بال لہرا رہے تھے اور وہ آگے ہی آگے بڑھتے جا رہا تھا۔ یہ دیکھنا تھا کہ رمیش اس طرف کو دوڑ پڑا، جدھر وہ نسوانی وجود جا رہا تھا وہ بہت تیز دوڑا مگر اس جگہ پہنچ کر مایوس ہو گیا کیونکہ اس جگہ اب وہ وجود نہیں تھا۔

"رمیش...... میرے پاس آؤ...... میں بھی تم بن بیاکل ہوں......" جدھر سے آواز آئی تھی اس طرف رمیش تیزی سے پلٹا تو دیکھا کہ وہی وجود اب اس کی طرف منہ کئے کھڑا ہے۔

"مالتی...... مالتی......" یہ بول کر وہ اس طرف دوڑ پڑا، اس نے واضح طور پر پہچان لیا تھا کہ وہ نسوانی وجود کوئی اور نہیں بلکہ مجسم مالتی تھی۔ اس کی چاہت...... اس کی محبت...... حقیقت میں مالتی تھی۔

رمیش سے اس طرف دوڑ پڑا۔ ادھر مالنی کھڑی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ مگر پھر وہ بھی بڑی تیزی سے آگے کو دوڑنے لگی۔ وہ بھی بہت تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ اس کے پیچھے رمیش اپنی پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا۔

اب مالنی کھیتوں سے نکل کر سڑک کی طرف دوڑ رہی تھی۔ صبح کا اجالا ابھی بالکل واضح طور پر ہر سو مسلط نہیں ہوا تھا۔ مالنی کا سایہ اس طرف تیزی سے دوڑ رہا تھا جس طرف پرانا کالی ماتا کا مندر تھا اور مندر کے قریب برگد کا درخت موجود تھا۔ مالنی وقفے وقفے سے پیچھے مڑ مڑ کر رمیش کو دیکھ بھی لیتی تھی۔

رمیش اپنے اردگرد سے بے نیاز اندھا دھند سرپٹ دوڑ رہا تھا کہ پھر اچانک سڑک پر اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل سڑک پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں گاؤں کے لوگ اپنے کام کاج کے لئے اس طرف سے گزرنے لگے تو انہوں نے سڑک پر رمیش کو بے ہوش پڑا پایا۔ اور پھر یہ خبر آناً فاناً پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ کل رمیش سرسوں کے کھیت کے باہر بے ہوش پڑا تھا اور آج چوڑی سڑک پر بے ہوش پڑا ملا ہے۔

گاؤں والے اسے دیکھنے کے لئے گھر میں جمع ہو گئے۔ آج بھی اس کو اس کے پتا اور گاؤں کے چند لوگ اٹھا کر لائے تھے۔ فوراً حکیم صاحب کو بلایا گیا۔ حکیم صاحب نے دوا دی اور چلے گئے، حکیم صاحب کا کہنا تھا کہ اس پر "کڑی نظر رکھی جائے۔"

جتنے منہ اتنی باتیں جتنے لوگ آتے گئے سب نے کوئی نہ کوئی سوال کیا۔ مگر رمیش تو ایسا ہو گیا تھا کہ جیسے وہ کسی کی بات سن ہی نہ رہا ہو۔ یا پھر سوال کرنے والے کسی اور بھاشا میں سوال کر رہے تھے۔ اس نے کسی کے بھی سوال کا کوئی بھی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ اپنے پتا اور ماں کے سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دودھ دیا گیا اس نے دودھ پی لیا۔ اس کے بعد دوا کھائی اور بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ آخر تھک ہار کر اس جگہ موجود لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے پتا اور گھر والوں نے بھی اس سے سوال کرنا بند کر دیا۔

رات آئی اور کھانے کے بعد اسے گرم دودھ میں دوا کی ایک پڑیا ڈال کر دودھ اسے پلایا گیا۔ حکیم صاحب نے نیند کی دوا اسے دی تھی کہ اسے گرم دودھ میں ڈال کر پلا دیں۔ دودھ کے پیتے ہی چند منٹ میں رمیش نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔ اور پھر رات گزر گئی۔ صبح کا اجالا ہر طرف پھیل گیا۔ گھر والے صبح ہی صبح اٹھ گئے۔ ابھی تک رمیش اپنے بستر پر محو خواب تھا۔ حکیم صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے نیند سے نہ اٹھایا جائے جب یہ خود نیند سے جاگے تو پھر اسے ناشتہ دیا جائے۔

رمیش سوتا رہا اور پھر دن کے ساڑھے آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی، اس نے کسمسا کر ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔ اس کی نگاہوں میں جیسے اجنبیت تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آج اپنے گھر والوں کو پہچان نہیں رہا ہے۔ اسے جاگتا دیکھ کر اس کی ماں فوراً اس کے قریب آئی اور اس کے ماتھے پر اپنا ممتا بھرا ہاتھ پھیرا۔ "پتر طبیعت کیسی ہے اٹھ جاؤ۔ نہا دھو لو، میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔"

یہ بول کر رمیش کی ماں رسوئی میں چلی گئی۔ اور رمیش کے لئے ناشتہ تیار کرنے لگی۔ اس طرح آدھا گھنٹہ گزر گیا مگر رمیش اپنے بستر سے نہیں اٹھا۔ یہ سوچ کر رمیش اب نہا دھو کر تیار ہو گیا ہو گا اس کی ماں جب اس کے کمرے میں آ کر اس کو دیکھا تو رمیش جوں کا توں ابھی تک بستر پر ہی پڑا تھا۔ رمیش کو دیکھ کر ماں کا کلیجہ دھک سے ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ آج سے پہلے کبھی بھی رمیش نے اپنی ماں کی بات سنی ان سنی نہیں کی تھی۔

"پتر کیا بات ہے، تم ابھی تک اٹھے نہیں، میں نے تو تمہارے لئے ناشتہ تیار بھی کر لیا۔" رمیش کی ماں بولی۔ ماں کی بات سن کر رمیش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "رمیش پتر کیا ہوا؟ تم اس طرح کیوں پڑے ہو؟ ارے جلدی سے اٹھ جاؤ..... چلو فوراً اٹھو!" رمیش کی ماں دوبارہ بولی۔

مگر اس مرتبہ بھی رمیش ماں کی بات سن کر ٹس سے مس نہیں ہوا۔ وہ اپنی جگہ بے سدھ پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر ماں

نے ذرا زور سے کہا۔ ”پتر کیا بات ہے میں بولے جا رہی ہوں اور تم......“ اور رمیش کی ماں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیونکہ اس مرتبہ رمیش کی ماں کا کلیجہ دہل کر رہ گیا تھا۔ ”اے بھگوان یہ کیا...... پتر تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا......ارے یہ تو بہت سرخ ہو رہی ہیں۔“ رمیش کی ماں گھبراہٹ بھرے الفاظ میں بولی۔ رمیش کو دیکھ کر ماں کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔

وہ فوراً رمیش کے کمرے سے نکل کر اپنے پتی کے کمرے میں گئی اور بولی۔ ”آپ چل کر تو دیکھیں نہ جانے رمیش کو کیا ہو گیا ہے؟ میں آواز پر آواز دیتی رہی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میں ناشتہ بھی تیار کر چکی مگر وہ اپنی جگہ بے سدھ پڑا ہوا ہے، وہ اس کی آنکھیں تو دیکھ میں ڈر گئی اس کی آنکھیں ایسی ہو رہی ہیں جیسے آنکھوں میں خون بھر گیا ہو، آپ جلدی چلیں۔“

پتی کی بات سن کر رمیش کے بابو جی فوراً اٹھ کر رمیش کے کمرے میں آئے اور آواز دی۔ ”رمیش پتر چل اٹھ...... کتنی دیر سے تیری ماں آواز دے رہی ہے...... کیا ہوا...... چل اٹھ......“ اور انہوں نے رمیش کا ہاتھ پکڑا اٹھانے کے لئے تو ان کے ہاتھوں کو ایک عجیب سا جھٹکا لگا اور انہوں نے فوراً رمیش کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ سے سہلانے لگے۔

تشویش کی لہر ان کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ کیونکہ ان کے ہاتھ کو جھٹکا [illegible] کہ جیسے رمیش کا جسم نہ ہو بلکہ انہوں نے بجلی کے ننگے تار کو پکڑ لیا ہو۔ وہ ابھی تک اپنے ہاتھ کو سہلا رہے تھے۔ ان کے دماغ میں یہ بات آ کے نہیں دے رہی تھی کہ ایسا ہوا تو کیوں ہوا؟

انہوں نے ذرا زور سے آواز دی۔ ”رمیش پتر......کیا بات ہے؟“

اب جو رمیش نے اپنی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تو خوف کی ایک جھرجھری انہوں نے اپنے جسم میں محسوس کی کیونکہ رمیش کی آنکھوں میں اجنبیت تھی اور ساتھ ہی ایسا لگتا تھا کہ اس کی آنکھیں نہ ہوں بلکہ خون بھر دیا گیا ہو اس کی آنکھوں میں۔ رمیش نے گھور کر انہیں دیکھا تو وہ سہم کر رہ گئے۔ وہ فوراً رمیش کے کمرے سے باہر نکل گئے اور بولے۔ ”رمیش کی ماں باہر آؤ۔“

جب رمیش کی ماں باہر آ گئی تو وہ بولے۔ ”رمیش کی ماں مجھے تو لگتا ہے رمیش کسی ہوائی چیز کے چکر میں آ گیا ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو مجھے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہے۔ تم ابھی اس کے کمرے میں نہ جاؤ اور اس بات کا ذکر بچوں سے بھی نہ کرو، میں نے اس کی آنکھیں بھی دیکھی ہیں اور تم نے بھی...... مجھے تو شک بلکہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ کسی ہوائی چیز کے چکر میں آ گیا ہے۔ میں مندر جا رہا ہوں پنڈت جی کے پاس اور انہیں لے کر فوراً آتا ہوں۔“

یہ بول کر رمیش کے پتا بھاگتے ہوئے مندر پہنچ گئے، وہ بہت بدحواس ہو رہے تھے ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔ مندر میں پنڈت کا سامنا ہوتے ہی وہ بولے۔ ”پنڈت جی ذرا ترنت میرے گھر چلیں، نہ جانے رمیش کو کیا ہو گیا ہے، رمیش کی آنکھیں دیکھ کر بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ بے سدھ پڑا ہے کسی سے کوئی بات بھی نہیں کر رہا ہے۔ پنڈت جی آپ میرے ساتھ ترنت چلیں۔“

پنڈت ان کی بات سن کر گھبرا گیا۔ وہ فوراً اٹھا اور اپنے چیلے کو حکم دیا کہ اپنی جگہ بیٹھے رہنا ”میں فوراً آتا ہوں......“ رمیش کے پتا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پنڈت ٹال دیتا مگر پنڈت رمیش کے پتا کی بات نہیں ٹال سکتا تھا کیونکہ گاؤں میں وہ کھاتے پیتے آدمی تھے دھن دولت اور کافی زمینیں بھی تھیں اور مندر میں وہ دان دکھشنا سب سے بڑھ کر دیا کرتے تھے اور یہی نہیں بلکہ الگ سے پنڈت کو بھی رقم دیا کرتے تھے۔

چند منٹ میں یہ دونوں گھر پہنچ گئے۔ کمرے میں رمیش بے سدھ پڑا تھا۔ کمرے میں آتے ہی پنڈت نے آواز لگائی۔ ”رمیش پتر کیا بات ہے، چل جلدی سے اٹھ جا......؟ چل آنکھیں کھول دیکھ کون آیا ہے......“ یہ بول کر پنڈت نے بھرپور طریقے سے رمیش کا ہاتھ پکڑا۔

رمیش کا ہاتھ پکڑتا تھا کہ پنڈت کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور پنڈت دیوار سے جا ٹکرایا۔ پنڈت کی حالت دیدنی تھی۔ اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ پنڈت سہم کر رہ گیا تھا۔ اس پر جیسے کپکپی طاری ہو گئی تھی۔

پنڈت کو گرتا دیکھ کر رمیش کے پتا دوڑ کر پنڈت کے پاس پہنچے اور پنڈت کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ دونوں سکتے کی حالت میں تھے۔ پنڈت کی تو گھگھی بندھ گئی تھی۔

''اس پر کوئی زبردست آتما سوار ہو گئی ہے۔'' پنڈت کے منہ سے نکلا۔ ''یہ میرے بس سے باہر ہے۔''

''پنڈت جی اچانک یہ سب کیسے ہو گیا۔ رات تک تو یہ ٹھیک تھا۔'' رمیش کے پتا نے کہا۔

پنڈت حیران و پریشان ایک طرف سہما ہوا کھڑا تھا۔ اور ٹکر ٹکر رمیش کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ بہت شرمندہ تھا اس لئے کہ اگر گاؤں والوں کو معلوم ہو گیا کہ پنڈت کے ساتھ ایسا سلوک ہوا کہ آتما نے پنڈت کو حیران کر دیا اور ساتھ ہی پنڈت کو اٹھا کر دیوار سے دے مارا تو، پنڈت کی بہت جگ ہنسائی ہو گی۔ پنڈت کے دماغ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اگر رمیش پر کوئی آتما سوار ہو گئی ہے تو اس آتما کو وہ کیسے چلتا کرے، اور اگر پنڈت اس آتما پر قابو پا لیتا تو پنڈت کی واہ واہ ہو جاتی۔

''پنڈت جی اب اس کا اپائے کیا ہے؟'' رمیش کے پتا نے کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، میں اس کا کوئی اپائے ضرور کروں گا۔'' پنڈت نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

یہ بول کر پنڈت لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گھر سے نکلتا چلا گیا۔ رمیش کے پتا کی حالت بہت غیر تھی۔ وہ ایک طرف کھڑے بھرپور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اب ان کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ انہوں نے اپنی دونوں آنکھیں بھینچ لیں تو آنسوؤں کے دو قطرے ان کی آنکھ سے نکل کر زمین پر گر پڑے۔ اتنی دیر میں رمیش سو تے سے اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔

جب وہ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھا تو اس کی ماں اس کے قریب آ گئی اور بولی۔ ''رمیش پتر ناشتہ لاؤں۔'' یہ سن کر اس نے سر کا اشارہ کیا، اس کے معنی یہ تھے کہ ناشتہ لے آؤ۔ ہاں کا اشارہ ملتے ہی اس کی ماں دوڑی ہوئی گئی اور فوراً ناشتہ لے آئی۔ رمیش ناشتہ کرنے لگا۔

رمیش کو ناشتہ کرتا دیکھ کر اس کے پتا اچنبھے میں پڑ گئے، کیونکہ تھوڑی دیر پہلے جو اس کی حالت تھی وہ ناقابل بیان تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑتے ہی جو انہیں کرنٹ کا جھٹکا سا لگا تھا، اور اس پنڈت کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ پنڈت کو تو جھٹکا اتنا شدید لگا تھا کہ وہ دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ خیر انہوں نے کچھ بولا نہیں اور کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں جا کر بستر پر بیٹھ گئے۔

ان کی سوچوں میں طوفان برپا تھا۔ کسی صورت بھی انہیں یقین آ کے نہیں دے رہا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے جو رمیش کی حالت تھی وہ ناقابل یقین تھی۔ اور اب وہ بالکل نارمل حالت میں بیٹھا ہوا ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کی ماں قریب بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی اور وہ ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے برتن سامنے کو سرکا دیئے اور انگلی کے اشارے سے بولا۔ ''اب لے جاؤ۔''

اس کی ماں اٹھی اور برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ ماں کے جانے کے بعد وہ آرام سے اٹھا، چپل پہنی اور منہ ہاتھ دھو کر گھر سے باہر نکل گیا۔ اب اس کا رخ سرسوں کے کھیتوں کی طرف تھا۔ اس کو باہر نکلتا دیکھ کر اس کے پتا فوراً اپنے کمرے سے نکلے اور کافی فاصلہ اس سے رکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ وہ تیزی سے چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ سرسوں کے کھیت میں پہنچ گیا، اور کھیت میں چاروں طرف اس انداز سے دیکھنے لگا کہ جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ اس کی زوردار آواز ابھری۔ ''مالتی...... مالتی...... میں آ گیا ہوں۔ مالتی میں آ گیا ہوں...'' اس طرح کی آوازیں وہ متواتر نکالنے لگا تھا۔

''مالتی...... مالتی'' کی آوازیں سن کر اس کے پتا

چونک پڑے۔ وہ دوسرے کھیت میں چھپے ہوئے تھے۔

"یہ مالنی...... مالنی کی آوازیں لگا رہا ہے آخر کیوں؟" وہ یہ سوچنے لگے۔

رمیش متواتر کھیت میں کھڑا چاروں طرف گھوم گھوم کر "مالنی...... مالنی" کی ہی آوازیں لگا رہا تھا کہ پھر اچانک وہی سایہ تھوڑی دوری پر نظر آیا جو کہ اسے اکثر نظر آتا تھا...... سائے پر نظر پڑتے ہی وہ اسی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ "مالنی...... مالنی...... میں آرہا ہوں...... مالنی رکو...... مالنی رکو......" اس کی اس آواز کو سن کر اس کے پتا اپنی جگہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور پھر ان کی نظروں نے بھی وہ منظر دیکھا تھوڑی دوری پر ایک لڑکی بڑی تیزی سے آگے کو دوڑ رہی تھی۔ وہ دوڑ رہی تھی بلکہ ایسا لگتا تھا کہ وہ ہوا پر تیر رہی ہو۔ اور رمیش اس کے تعاقب میں سرپٹ اس طرف دوڑتا جارہا تھا۔ یہ دیکھ کر رمیش کے پتا بھی اس کے پیچھے تھوڑا فاصلہ رکھ کر دوڑ پڑے۔ رمیش آواز پر آوازیں دیتا جارہا تھا۔ "مالنی...... مالنی...... رکو...... مالنی مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ بھاگتے بھاگتے رمیش کو ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ اس کے پتا فوراً اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔ ان کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ بے ہوش رمیش کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لے جاتے۔ پہلے تو انہوں نے رمیش کو خوب ہلایا جلایا اور پھر زور سے جھنجھوڑ ڈالا تاکہ وہ ہوش میں آجائے مگر جب ان کی کوشش دم توڑ گئی تو وہ کھڑے ہوکر ادرگرد دیکھنے لگے کہ شاید اس طرف سے کوئی گزر رہا ہو تو اسے آواز دیں۔ خیر چند منٹ بعد ہی ایک آدمی کو دیکھ کر انہوں نے آواز لگائی۔ "جگدیش...... جگدیش......" اس شخص کا نام جگدیش تھا۔ اپنا نام سن کر وہ اس طرف دوڑتا ہوا آیا۔ اور جب قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ رمیش زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔

"جگدیش...... آج یہ پھر بے ہوش ہوگیا ہے۔ تم میری مدد کرو۔ اسے گھر لے چلتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

جگدیش ہاتھ پاؤں کا بہت مضبوط تھا۔ اور جوان کسرتی جسم کا مالک تھا۔ اس نے رمیش کو فوراً اپنے کندھے پر اٹھایا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ گاؤں میں قدم رکھتے ہی ایک کہرام مچ گیا۔ رمیش کو اس حالت میں دیکھ کر لوگ گھبرا گئے۔ کئی لوگوں نے کہا۔ "نہ جانے بیچارے کو کیا ہوگیا ہے؟ اچھا بھلا تھا، نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ بھگوان اس پر اپنی کرپا کرے۔"

گھر میں لے جاکر جگدیش نے رمیش کو چارپائی پر لٹا دیا۔

رمیش کو دیکھ کر اس کی بہنیں اور ماں رونے لگیں۔

"شانت رہو، رونے سے کیا فائدہ۔" رمیش کے پتا جی بولے۔

خیر لوگوں کا اس کے گھر تانتا بندھ گیا۔ ویسے بھی گاؤں دیہات کے لوگ بہت محبت کرنے والے اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ اور اس کے بہ نسبت شہر میں لوگ زیادہ پتھر دل، کٹھور، اور اپنے کام کاج میں مصروف رہنے والے ہوتے ہیں۔ شہری لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں بہت کم ہی شریک ہوتے ہیں۔ اور جو زیادہ پوش علاقے میں رہتے ہیں، ان کو تو اپنے پڑوسیوں سے بھی شناسائی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار ہی کسی خاص موقع پر ایک دوسرے سے علیک سلیک کرتے ہیں۔

بہرحال حکیم صاحب کو بلایا گیا۔ حکیم صاحب نے آتے ہی اسے دوا دی اور فرمایا۔ "جناب آپ لوگ اس پر کڑی نظر رکھا کریں۔ اور میں نے جو دوا دی ہے رات میں دودھ کے ساتھ ضرور دیا کریں۔ وہ نیند کی دوا ہے لہٰذا نہ یہ صبح سویرے اٹھے گا اور نہ ہی کھیتوں کا رخ کرے گا۔ رات میں دوا دینا بالکل نہ بھولنا۔ آپ لوگوں کو کم از کم ایک ہفتہ پابندی سے دوا دینی ہے۔" یہ بول کر حکیم صاحب چلے گئے۔

رمیش کو کسی نے بھی اٹھانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ "اسے اس حالت میں رہنے دیں۔ یہ مکمل بے ہوش نہیں ہے بلکہ یہ بہت آہستہ

آہستہ سانس لے رہا ہے۔ مگر اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ بے ہوش ہے۔ میں نے دوا پانی میں گھول کر اس کے منہ میں انڈیل دی ہے۔ اس پر بے ہوشی کا غلبہ قطعی نہیں ہے۔"

چار گھنٹے تک رمیش اسی حالت میں پڑا رہا۔ ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ جوان اولاد کا غم بہت زیادہ ہوتا ہے اور ماں کا غم ایک ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔

رمیش کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہو رہی تھی۔ وہ چارپائی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ صرف اور صرف اپنی ماں کی بات پر وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا اور ماں اس کے سامنے کھانا رکھ دیتی تو وہ خاموشی سے کھانا کھاتا اور پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتا۔ ہر وقت اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی اور خون کی طرح سرخ نظر آتی تھیں۔ اکثر رات شروع ہونے سے پہلے اور پھر کبھی کبھی رات میں بھی مالنی کا نام لے کر فلک شگاف آواز لگاتا۔

دن میں اکثر سوتے سوتے غنودگی کی حالت میں بولتا۔ "مالنی مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو..... مالنی مجھے چھوڑ کے نہ جاؤ..... مالنی میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ نہ لے گئی تو میں اپنا جیون تیاگ دوں گا۔ مالنی ٹھہرو..... میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" اور پھر اس طرح کی دیگر باتیں بھی وہ نیند کی حالت میں کرتا رہتا تھا۔

ایک دو بلکہ بے شمار سادھو، پنڈت، جوگی، اوجھا اور دیگر لوگوں کو رمیش کی حالت کے پیش نظر بلایا گیا، آنے والوں نے پیسے اینٹھے اور چلتے بنے۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ اس پر کوئی زبردست آتما سوار ہو گئی ہے۔ یہ مکمل طور پر اس آتما کے چکر میں آ گیا ہے۔ اگر جلد از جلد اسے اس آتما سے چھٹکارا نہ دلایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ آتما اسے اپنے ساتھ لے جائے۔

بتانے والے اس طرح کی باتیں بتا تو دیتے تھے مگر کسی میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اس آتما سے رمیش کی جان چھڑا دے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ رمیش کا ہاتھ پکڑ پاتا یا پھر اس کے جسم کے کسی حصے کو اپنے ہاتھ سے چھو سکتا کیونکہ جو بھی ایسا کرتا تو اسے بجلی کا ایسا جھٹکا لگتا کہ وہ دور جا گرتا اور گھنٹوں اپنے ہاتھ کو سہلاتا رہتا تھا۔ آنے والے جھاڑ پھونک کرنے والے دور، دور سے اپنی باتیں کرتے، پھونک مارتے اور تھک ہار کر چلے جاتے۔

دن بدن رمیش کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر اس کے گھر والے خون کے آنسو روتے تھے۔ اس پر کسی قسم کی دوا اثر کرتی نہیں تھی کیونکہ اس کی بیماری جسمانی نہیں بلکہ ہوائی چیز کی تھی۔ وہ ہوائی چیز تھی ہی اس قدر طاقتور کہ اب تک کسی کے قابو میں آ کے نہیں دے رہی تھی۔ اس آتما کا اصل مقصد ابھی تک کھل کر سامنے نہیں آیا تھا کہ وہ آتما آخر چاہتی کیا ہے۔ وہ آتما رمیش کے ساتھ لگی کیوں؟

ابھی تک اس آتما نے کھل کر اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اور جب تک اس طرح کی کوئی آتما کھل کر اپنی خواہش کا اظہار نہیں کرتی اس وقت تک لوگوں کو سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ وہ آتما ہے کون؟ وہ کہاں سے پیچھے لگی ہے؟ اس کی مرضی کیا ہے؟ جب کوئی آتما کھل کر سامنے آ جاتی ہے تو اس کے حساب سے کوئی عامل اپنا پروگرام مرتب کرتا ہے اور اس حساب سے وہ اس آتما کا علاج کرتا ہے۔

رمیش کی گرتی ہوئی صحت سے پتا چلتا تھا کہ رمیش اب بہت دنوں کا مہمان نہیں رہا۔ وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ اور حکیم صاحب کے بقول اس کی صحت بہت تیزی سے خراب ہو رہی تھی۔

ایک دن حکیم صاحب نے رمیش کی گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر پریشان ہو کر کہا رمیش کے والد سے۔ "دلی میں ایک مطب ہے جو کہ حکیم وقار کے مطب سے مشہور ہے۔ اس مطب میں ایک حکیم بنام حکیم کامل کے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ بہت بڑے بڑے مسئلے انہوں نے اللہ کے فضل سے ٹھیک کئے ہیں۔ میں نے ابھی تک اپنی زندگی میں ان جیسا کامل کسی اور کو نہیں دیکھا اور نہیں سنا۔ آپ اگر میری بات مان کر ان سے ملاقات کرلیں تو

مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلے کو حل کر دیں گے، بہت ہی خدا ترس اور ہمدرد انسان ہیں۔ جو بھی آیا یا جس کے پاس بھی وہ گئے سب نے دل سے اپنی دعائیں دیں۔

دلی یہاں سے کوئی زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ اگر گھوڑا گاڑی پر جایا جائے تو پانچ چھ گھنٹے کا سفر ہے۔ میری بات مان لیں، اب وقت ضائع نہ کریں کیونکہ رمیش کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔ میں اس معاملے میں آپ کو جھوٹی تسلی اب نہیں دینا چاہتا۔ میری نظر میں کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ یہ یقینی روحانی علاج ہے۔ اور اس کا مکمل حل اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب کوئی پہنچا ہوا عامل کامل مل جائے۔ ایک مسئلہ میری نظروں کے سامنے کا ہے۔ یہ بہت پرانی بات ہے اس وقت میں حکیم وقار کے پاس ان کے مطب میں زیر تربیت تھا۔ جوانی کا دور تھا۔ شروع سے دوا علاج کا میرا یہ شوق رہا ہے۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ بہت ہی پریشانی کی حالت میں آئے، اور انتظارہ گاہ میں مریضوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب ان کا نمبر آیا تو وہ بھی حکیم وقار کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ ان دنوں میں حکیم وقار کے برابر میں بیٹھتا تھا۔ میں مریض کے نام کی پرچی پر حکیم وقار کے فرمانے پر دواؤں کا نام لکھتا تھا۔

وہ بزرگ سامنے بیٹھتے ہوئے زار وقطار رونے لگے اور ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حکیم وقار نے مجھ سے فرمایا کہ ''گلاس میں ٹھنڈا پانی لاکر انہیں پلاؤں۔'' میں فوراً اٹھا اور ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاکر انہیں پلایا۔ تھوڑی دیر میں ان کی حالت قدرے بہتر ہوگئی۔ تو حکیم وقار نے فرمایا! ''محترم آپ پریشان نہ ہوں، آپ اپنا مقصد بیان کریں اللہ کے فضل وکرم سے آپ کی پریشانی ہم دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کے لئے دوا پیدا کر دی ہے۔ آپ اپنا مدعا بیان کریں۔''

یہ سن کر بزرگ نے فرمایا۔ ''جناب! میں بہت بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میری اور میرے گھر والوں کی زندگی عذاب میں گرفتار ہوگئی ہے، ہماری رات کی نیندیں اور دن کا سکون تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ حالات کے پیش نظر میں دردر مارا مارا پھر رہا ہوں۔ جس نے بھی جہاں بتایا میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا گیا۔ جس نے بھی جتنا مانگا میں نے اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اب تو میں پائی پائی کا محتاج ہو کر رہ گیا ہوں۔ اب تو عزت داؤ پر لگ گئی ہے۔ حکیم صاحب آپ مجھے اللہ کے واسطے بچالیں۔ میں بہت امید وآس لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ بہتوں سے میں نے آپ کی شہرت سن رکھی ہے۔ ہر کسی کا کہنا ہے کہ آپ بڑے سے بڑا مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔

حکیم صاحب میری بچی پر کوئی جن عاشق ہو گیا ہے۔ نجانے کس طرح اس نے میری بچی کا پیچھا پکڑ لیا۔ میری جوان بچی اس کے نرغے میں آگئی ہے۔ چھوٹے موٹے جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تو وہ اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ بڑے سے بڑے عامل اپنا دامن بچا کر جاچکے ہیں۔

میری بچی اپنی خالہ کے بیٹے سے بچپن سے منگی ہوئی ہے۔ اگر انہوں نے سنا تو اور بھی بدنامی ہوگی، خالہ چونکہ بہت دور رہتی ہیں اس لئے انہیں اس بات کی خبر نہیں ..... یہ مسئلہ کوئی دو ماہ سے ہوا ہے۔ ایک دن بچی آموں کے باغ میں چلی گئی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔ جب وہ واپس آئی تو اس کی حالت بہت غیر ہورہی تھی۔

اس جن کا کہنا ہے کہ ''اگر مجھے زیادہ چھیڑا گیا تو یہ لڑکی اپنی جان سے چلی جائے گی اور اس کی روح کو میں اپنے قبضہ میں کرلوں گا یا پھر کسی رات اسے لے کر اپنی دنیا میں چلا جاؤں گا۔ لہٰذا مجھے چھیڑا نہ جائے میں کسی صورت بھی اس لڑکی سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ اور اگر تم سارے گھر والے اپنی خیریت چاہتے ہو تو اپنا منہ بند کر کے بیٹھ جاؤ ورنہ .....''

''محترم آپ گھبرائیں نہیں۔ میرا نام حکیم وقار ہے، میں جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہوں، اور میرے

بھائی حکیم کامل ہیں جو کہ روحانی علاج کرتے ہیں۔ آپ تشریف رکھیں، میں انہیں بلا لیتا ہوں، وہ اس وقت اپنے کمرے میں کسی کام میں مصروف ہیں۔ آپ ان سے مل لیں۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد آپ اس مسئلے سے چھٹکارا پالیں گے۔"

وہ بزرگ سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ اور چند منٹ ہی گزرے تھے کہ حکیم کامل کمرے میں داخل ہوئے۔ سب سے انہوں نے مصافحہ کیا اور حکیم وقار کے قریب بیٹھ گئے تو حکیم وقار نے ساری روداد بزرگ کی کہی ہوئی حکیم کامل کے گوش گزار کردی۔

بزرگ کی پریشانی سن کر حکیم کامل بہت افسردہ ہوئے، بزرگ کو تسلی دی اور بولے۔ "آپ میرے کمرے میں تشریف لے چلیں وہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ یہاں بیٹھ کر بات کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح اور مریضوں کا وقت ضائع ہوگا۔"

یہ بول کر حکیم کامل اٹھ کھڑے ہوئے اور بزرگ ان کے پیچھے ہو لئے، اپنے کمرے میں پہنچ کر بزرگ کو آرام سے بیٹھا دیا اور پوری روداد سننے کے بعد فرمایا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ اکثر ایسا جوان بچیوں کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ ہوائی مخلوق پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی جوان بچی کا ایسی ویسی جگہ جانا اور وہ بھی خاص کر کھلے بال کے ساتھ جانا تو غضب ہوجاتا ہے اگر بچی زیادہ خوبصورت ہو تو اس کے لئے اور بھی زیادہ خطرہ منڈلانے لگتا ہے۔ مجھے لگتا ہے آپ کی بچی بھی یقیناً زیادہ خوبصورت ہے۔ خیر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ بے فکر ہوکر اپنے گھر جائیں۔ آپ اپنا پتا لکھوادیں۔ میں رات میں اپنے تئیں معلومات کروں گا اور رات ہوتے ہی آپ کے گاؤں آپ کے مکان میں پہنچ جاؤں گا۔ آپ دل میں بالکل بھی خیال نہ لائیں۔ میں خرچ وغیرہ بالکل بھی نہیں لیتا۔ اللہ نے مجھے بہت دے رکھا ہے۔ مخلوق خدا کی خدمت کرکے مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔"

یہ سن کر بزرگ نے اپنے گاؤں اور مکان کا اتہ پتہ لکھوادیا اور بولے۔ "جناب اس کا اجر اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور دے گا۔ بس آپ میری بچی کو بچالیں۔ میں اور میری نسل تاحیات آپ کو دعائیں دے گی۔ مرنے کے بعد بھی میری روح آپ کے لئے دعاگو رہے گی۔" بزرگ نے آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

بزرگ کی باتیں سن کر حکیم کامل نے فرمایا۔ "آپ آرام سکون سے گھر جائیں۔ بالکل بے فکر ہوجائیں۔ اوپر والے پر بھروسہ رکھیں۔ آپ کا مسئلہ بہت جلد نمٹ جائے گا۔"

وہ بزرگ حکیم کامل کی باتیں سن کر مطمئن ہوگئے اور اطمینان وسکون سے اپنے گھر کے لئے روانہ ہوگئے ،اس مسئلے سے فراغت کے بعد حکیم کامل نے بتایا حکیم وقار سے۔

"اس رات میں نے اپنے چند نادیدہ کارندوں کو بزرگ کے مکان کے چاروں طرف متعین کردیا اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں وہ جن بچی کو جانی نقصان یا پھر بچی کو مکان سے باہر نہ لے جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کردیا کہ وہ جن بھی اس مکان سے باہر نہ جاسکے یعنی پورے مکان کے گرد ایک مضبوط حصار کھینچ دیا۔

حصار کا کھینچنا تھا کہ اس جن کو پتا چل گیا کہ اس کے گرد مضبوط حصار کھینچ دیا گیا ہے اور پھر اس بچی کو بھی میرے کارندوں نے اٹھا کر کسی اور کمرے میں ڈال دیا۔ اب وہ جن اس کمرے میں مقید ہوکر رہ گیا تھا جس کمرے میں پہلے بچی موجود تھی۔ چاروں طرف سے اس کمرے کو جیسے ساؤنڈ پروف بنادیا گیا کیونکہ ہوسکتا ہے وہ جن اودھم مچاتا اور خوفناک آوازوں سے گھر والوں کو ڈراتا دھمکاتا۔

وہ بے مذہب جن تھا۔ اس نے رات میں کافی اودھم مچانا شروع کردیا مگر اس کی ایک نہ چلی۔ میں صبح دس بجے کے قریب ان بزرگ کے مکان پر پہنچ گیا۔ بزرگ مجھے دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور فوراً مجھے بیٹھک میں بیٹھایا۔ اور بولے۔ "حکیم صاحب نہ جانے کس طرح رات میں ہماری بچی خود بخود ہمارے کمرے میں آکر

آرام وسکون سے سوگئی، حالانکہ آج رات سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

یہ سن کر میں نے فرمایا۔ ''آپ اطمینان رکھیں۔ آپ مجھے اس کمرے تک لے چلیں جو کہ بچی کا کمرہ ہے۔'' یہ سن کر بزرگ مجھے اس کمرے تک لے گئے جہاں کہ بچی رہا کرتی تھی۔

بزرگ سے میں نے کہا۔ ''فی الحال کمرے سے باہر ٹھہریں میں جب آواز دوں تو آپ کمرے میں آ جائیں، جب تک میں آواز نہ دوں اس وقت تک آپ یا گھر میں سے کوئی بھی اس کمرے میں نہ آئے۔''

بزرگ نے کہا ''بالکل آپ کے حکم کی میں تعمیل کروں گا۔''

میں نے کمرے میں قدم رکھا تو اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا، اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس دھماکے کی آواز سن کر یقیناً اس کا دل پھٹ جاتا یا پھر دماغی طور پر وہ مفلوج ہو جاتا۔ وہ جن بہت ہی بھیانک شکل میں مجھے نظر آیا۔ اس کا غضبناک انداز بتا رہا تھا کہ اگر میں کمزور ہوتا تو وہ مجھے کچا ہی چبا جاتا۔ اس کی کریہہ آواز کمرے میں گونجی! ''مجھے جانے دے، نہیں تو تیرا بھی حشر نشر ہو جائے گا، میں تو جان سے جاؤں گا مگر تو بھی زندہ نہیں بچے گا۔ تو نہیں جانتا کہ میں کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا قبیلہ بہت خونخوار ہے، ہمارا مذہب سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ہم حرام حلال میں کوئی تمیز نہیں کرتے، تیرے ساتھ ساتھ اس گھر کے سارے افراد بھی مارے جائیں گے۔'' وہ جن بولا۔

پھر میں نے کہا۔ ''تو ہماری فکر نہ کر اور نہ ہی گھر والوں کی فکر کر، اور تو جس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے، میں رات میں تیرے قبیلے میں گیا تھا اور تیرے سردار سے مل کر آیا ہوں۔ تیرے سردار کا کہنا ہے کہ تو ضدی، عیاش، اوباش اور نافرمانوں میں سے ہے۔ تجھ سے ویسے بھی قبیلے والے نفرت کرتے ہیں، تو اچھے چال چلن کا نہیں۔ کسی نے بھی تیری حمایت نہیں کی۔ تیرے سردار کا کہنا ہے کہ ہم غیر مذہب سے ضرور تعلق رکھتے ہیں مگر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، ہمیشہ ہم نے اصل اور نقل میں فرق رکھا ہے۔ ہم نے ہمیشہ ظالم کی مخالفت کی ہے اور مظلوم کا ساتھ دیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ مرنے کے بعد ہم نے حساب دینا ہے۔ ظلم ظلم ہوتا ہے اور ہر ظالم اور برے کا انجام برا ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کی جو مرضی آپ اس کے ساتھ سلوک کریں، ہمیں کوئی رنج نہیں ہوگا۔''

یہ سن کر وہ جن پیچ و تاب کھانے لگا، وہ باتیں کرتا رہا کہ اچانک اس نے اپنی طرف سے میری جانب آگ کا ایک بہت بڑا گولا پھینکا، اگر میں ذرا سا بھی چوک جاتا تو میرا جانی نقصان ہو جاتا مگر میں بھی چوکس تھا، میں نے فوراً اپنے سیدھے ہاتھ کی سیدھی انگلی اٹھا دی تو آگ کا وہ گولا فوراً درمیان میں ہی رک گیا۔ یہ دیکھ کر وہ بلبلا اٹھا، اس کی حالت بہت غیر ہونے لگی اس کی آنکھوں میں جیسے چنگاریاں کوندنے لگی تھیں۔

''اب بول تیرا کیا حشر کیا جائے......؟ تجھے سسکا سسکا کر مارا جائے یا پھر فوراً تجھے خاکستر کر دیا جائے۔'' میں نے کہا۔ میری بات سن کر وہ قہقہہ لگانے لگا اور بولا۔ ''تو اپنے آپے میں رہ، اپنی گیدڑ بھبکی مجھے نہ دے۔''

یہ سننا تھا کہ میں نے اس کے آگ کے گولے کی طرف دوبارہ اپنی انگلی اٹھا دی تو آگ کا وہ گولا آناً فاناً اس جن کی جانب پلٹ گیا اور چشم زدن میں اس جن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آگ کے شعلوں میں وہ کراہنے لگا اس کی فلک شگاف چیخیں در و دیوار کو ہلانے لگیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے پورے کمرے میں بھونچال آ گیا ہو۔ مگر وہ سب کچھ کمرے تک ہی محدود تھا۔ کمرے سے باہر کسی قسم کوئی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''ایک لمحہ بھی نہیں لگا اور وہ جن جل کر راکھ ہو گیا تو میں نے بزرگ کو آواز دی کہ آپ کمرے میں آ جائیں۔ بزرگ کمرے میں آ کر میرے قریب بیٹھ گئے تو میں نے کہا۔ اس جن کا خاتمہ ہو گیا ہے، وہ دیکھیں سامنے راکھ پڑی ہوئی ہے۔'' راکھ کو دیکھ کر بزرگ بہت

حیران ہوئے اور دعائیں دینے لگے اور پھر بولے۔ ''حکیم صاحب ایسا تو نہیں کہ اس کے ساتھی یا اس کے خاندان والے بعد میں ہمیں پریشان کریں کیونکہ میں نے سن رکھا ہے کہ ایسی صورت میں اس کے خاندان والے پریشان کرتے ہیں۔''

بزرگ کی بات سن کر میں نے کہا۔ ''آپ بے فکر رہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں نے پکا کام کر دیا ہے۔ اب آپ کی بچی ہر طرح کے خطرے سے مبرا ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ آپ ہنسی خوشی اپنی فیملی کے ساتھ کھائیں پئیں اور بے فکر ہو جائیں۔ ویسے اگر کبھی کوئی اور ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں۔''

پھر میں نے انگلی سے اس راکھ کی طرف اشارہ کیا تو ہوا کا ایک زبردست جھونکا آیا اور اس راکھ کو اپنی لپیٹ میں لے کر کمرے سے باہر کو نکلتا چلا گیا، اور آسمان کی اونچائی پر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور اس طرح حکیم کامل بزرگ سے اجازت طلب کر کے حکیم وقار کے مطب میں واپس آ گئے۔

اس واقعہ کے کافی عرصہ تک میں حکیم وقار کے مطب میں زیر تربیت رہا۔ ایک دن حکیم وقار نے مجھ سے کہا۔ ''اب آپ حکمت میں مکمل ہو گئے ہیں، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، آپ اب بصد شوق اپنے گاؤں جا سکتے ہیں اور اپنا مطب کھول سکتے ہیں۔''

اور پھر اس طرح میں دلی سے واپس آ گیا۔ وقت گزرتا رہا اور پھر میں نے مکمل طور پر سکونت اس گاؤں میں اختیار کر لی۔ ''اور اب آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آپ میری بات مان کر فوراً دلی روانہ ہو جائیں۔ اور جب حکیم وقار کے مطب میں جائیں تو انہیں میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔'' حکیم صاحب نے کہا

یہ باتیں سن کر رمیش کے والد فوراً بولے۔ ''حکیم صاحب جب آپ اتنی مہربانی کر رہے ہیں تو ایک احسان اور کر دیں کل صبح اجالا پھیلنے سے پہلے ہی ہم دونوں گھوڑا گاڑی پر دلی کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ میری بات مان لیں، یہ آپ کا ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان ہوگا۔''

اب رمیش کے والد کے سامنے حکیم صاحب سے انکار نہیں ہو سکا۔ اور یہ بات طے ہو گئی کہ کل علی الصبح دونوں بذریعہ گھوڑا گاڑی دلی روانہ ہو جائیں گے۔ حکیم وقار کے مطب کے لئے۔

دوسرے دن ساڑھے گیارہ بجے ان دونوں کی گھوڑا گاڑی حکیم وقار کے مطب کے سامنے جا کر رک گئی، دونوں گاڑی سے اترے اور کوچوان کو بول دیا کہ گاڑی کو مطب سے تھوڑی دور کنارے لگا دے اور واپسی کا ہمارا انتظار کرے۔ کوچوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں مطب کے انتظار گاہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد انتظار گاہ میں جب ایک ضعیف ملازم اپنے ہاتھ میں جگ اور گلاس لے کر داخل ہوا تو اس کی نظر اچانک حکیم نعیم پر پڑی تو وہ بولا۔ ''حکیم صاحب خیریت! آپ اور اس وقت۔''

ویسے مطب کا اصول تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی ملازم جگ میں ٹھنڈا پانی اور گلاس لے کر انتظار گاہ میں داخل ہوتا اور اس جگہ بیٹھے ہوئے ضرورتمندوں کو پانی پلاتا۔

''جمال بابا! بس ایک ضرورت آن پڑی ہے اور حکیم کامل سے ملنا ضروری تھا اس سلسلے میں انتظار گاہ میں بیٹھے ہیں۔ اور یہاں کا یہ اصول ہے کہ ہر وہ ضرورتمند اپنا نمبر آنے پر اندر جاتا ہے۔''

''ویسے خیریت تو ہے ناں.....؟'' جمال بابا نے پوچھا۔

''جی خیریت ہی ہے، یہ میرے گاؤں کے ساتھی ہیں، ان کا ایک مسئلہ ہے اس سلسلے میں مجھے بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ ہم گاؤں والے سب کے سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں اس لئے میں ان کے ساتھ آیا ہوں۔ ان کے جوان بیٹے کے ساتھ کوئی پراسرار مسئلہ ہو گیا ہے۔'' حکیم نعیم نے کہا۔

تھوڑی دیر میں ان کا نمبر آ گیا تو وہ دونوں اندر حکیم وقار کے سامنے حاضر ہو گئے۔ حکیم نعیم کو دیکھ کر حکیم وقار نے انہیں گلے سے لگایا اور کرسی پر بیٹھایا اور گویا ہوئے۔ ''آپ کس سلسلے میں تشریف لائیں ہیں......؟''

یہ سن کر حکیم نعیم نے کہا۔ ''یہ محترم میرے گاؤں کے رہائشی ہیں ان کے جوان بیٹے کے ساتھ کسی ہوائی مخلوق کا چکر ہو گیا ہے۔ بے چارے بہت پریشان ہیں، اس سلسلے میں ان کے ساتھ چلا آیا کہ حکیم کامل سے ان کی ملاقات کرادوں گا۔''

رولوکا نے دونوں کو اپنے سامنے کرسی پر بیٹھایا اور بولا۔ ''حکیم نعیم چلئے اس بہانے آپ سے ملاقات تو ہو گئی۔ ورنہ آج کل کے حالات کے پیش نظر لوگوں کی اتنی مصروفیات ہو گئی ہیں کہ لوگوں کا اپنے معمولات سے ہٹ کر کہیں آنا جانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔

اور سنایئے کہ آج کل آپ کی مصروفیات کیا ہیں اور گزر بسر کس طرح چل رہا ہے۔''

رولوکا کی بات سن کر حکیم نعیم نے کہا۔ ''حکیم صاحب گاؤں میں تھوڑی بہت زمینیں ہیں اور پھر اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا مطب کھول رکھا ہے، قرب وجوار کے تین چار گاؤں ہیں وہاں کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں جس سے تھوڑی بہت آمدنی ہو جاتی ہے۔ بس اللہ کا فضل ہے گزر بسر ہو رہا ہے۔''

''چلئے یہ اچھی بات ہے ورنہ انسان کی خواہشات لامحدود ہیں، خواہشات کی تکمیل ہونا ممکن نہیں۔ زیادہ آمدنی اور دولت کی ریل پیل کی وجہ سے انسان اپنے پیدا کرنے والے کے احکام اکثر بھلا بیٹھتا ہے۔ شادی بیاہ سے پہلے ایک آدمی اپنے مستقبل کے لئے کوشاں رہتا ہے اور جب شادی ہو جاتی ہے تو بیوی بچوں کے لئے تگ ودو میں لگا رہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی ہوس اسے اندھا کر دیتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جائز کر رہا ہے یا ناجائز۔ بلکہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ دین ودنیا کا جو خالق ومالک ہے وہی سب کا پالن ہار ہے، اور وہی سب کو روزی دینے والا ہے، وہی ضروریات زندگی کا پورا کرنے والا ہے، لیکن انسان سوچتا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے مجھے کرنا ہے، اپنی دولت اور اپنے کاروبار میں وسعت اور یہی نہیں بلکہ اپنی شہرت کے لئے لوگوں کا گلا کاٹنے لگتا ہے، دوسروں کے بچوں کی ضروریات کا گلا دبا کر اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے بلکہ کسی کسی مقام پر تو ایک طاقتور انسان یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اسے اپنے فائدے کے لئے کسی کا خون نہیں بہانا چاہیے مگر وہ دوسروں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ چند روزہ زندگی کے لئے اپنی طاقت، عہدہ، بڑائی اور دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے منہ سے نوالے تک چھین لیتا ہے۔

وہ اپنی ضرورت سے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرتا ہے، ایک گھر کے علاوہ کئی گھر بناتا ہے اور پھر ان گھروں کو کرائے پر دے دیتا ہے۔ مگر دنیا کے خالق ومالک کا یہ فرمان ہے کہ ''اے انسان تو ضرورت سے بڑھ کر مکان پر مکان بنا رہا ہے، اس میں تو ہمیشہ نہیں رہے گا، اس سے دوسرے عیش کریں گے مگر یوم حساب صرف تو پکڑا جائے گا، تو ہی جوابدہ ہوگا، تیرے عزیز واقارب تیرے بھائی بند، تیرے بچے اور تیری بیوی تیرے کام نہیں آئیں گے، اپنے کرتوتوں کی سزا صرف تو ہی بھگتے گا۔ اور وہ جگہ جہاں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں، وہ جگہ تیرے حصے میں آئے گی۔''

خیر یہ انسانی فطرت ہے لیکن صبر وشکر کرنے والے اور قناعت پسند افراد صرف اتنا ہی کوشش کرتے ہیں کہ جس سے آرام وسکون سے زندگی گزاریں، جب سب کا پالن ہار اوپر بیٹھا ہے وہی بیوی، بچے اور ہمیں دینے والا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اپنی جان مارنے والے اور دوسروں سے چھین کر اپنا گھر بھرنے والے، بہرحال انسان کو قناعت پسند ہونا چاہیے اور صبر وشکر سے زندگی گزارنی چاہیے۔

ارے میں کیا لے کر بیٹھ گیا، اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں، آپ سنائیں، مسئلہ کیا ہے......؟'' حکیم نعیم بولے۔ حکیم صاحب مسئلہ بہت گھمبیر لگتا ہے۔ ایک طویل

عرصہ سے ہمارے گاؤں کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے ہمیں اس گاؤں میں بہت آرام وسکون تھا۔ گاؤں کے سارے لوگ شیر وشکر کے مانند تھے، ہنسی خوشی زندگی گزر رہی تھی، گاؤں کا نام رام پور ہے، لوگ ڈرے ڈرے ، سہمے ہوئے رہتے ہیں۔ آئے دن کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے کہ جس سے دل دہلتا رہتا ہے، ایسے ایسے انہونے واقعات رونما ہو جاتے ہیں کہ کبھی نہ دیکھے ہوں اور نہ ہی کسی نے سنے ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ پورے گاؤں پر اندیکھی ہوائی مخلوق کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس مسئلے کے لئے آئے ہیں۔ یہ بے چارے بھی وقت کے ستائے ہوئے ہیں۔ حالات سے مجبور ہو کر یہ میرے ساتھ آئے ہیں، آپ انہی کی زبانی سن لیں تو بہتر ہوگا۔'' حکیم نعیم نے کہا۔

اس کے بعد رمیش کے پتا گویا ہوئے۔ ''حکیم صاحب! میں تو کسی قابل نہیں آپ کی ہمدردی اور تعاون کا اجر آپ کو ایشور دے گا، میں اپنی چتا کیا سناؤں یہ سمجھیں کہ میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔'' ان کی آواز روہانسی ہوئی اور آنکھوں سے آنسو کے قطرے نکل پڑے اور وہ سسک پڑے۔

یہ دیکھ کر رولوکا نے جلدی سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی منگوا کر انہیں پینے کو دیا۔ جب وہ پانی پی چکے تو رولوکا بولا۔'' آپ گھبرائیں نہیں، اوپر والے پر بھروسہ رکھیں، جب آدمی اس پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ انسان کے دکھ درد اور تمام تکلیفیں دور کر دیتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں اور بتائیں۔''

رولوکا کی بات سن کر انہوں نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر بولے۔'' حکیم صاحب جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، یہ حالات وہاں سے شروع ہوئے اور اب میرا جوان بیٹا مرنے جیسا ہو گیا ہے۔ اب وہ نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی اس پر کسی آتما کا قبضہ ہو گیا ہے۔

میرا بیٹا اچھا بھلا تھا، لندن سے چھٹیاں گزارنے آیا تھا، وہ لندن میں زیر تعلیم تھا، لندن میں ہی اس کی دوستی ایک لڑکی مالنی سے ہو گئی، دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ خیر دونوں یہاں آ گئے، وہ لڑکی اپنے گاؤں چلی گئی اور میرا بیٹا اپنے گاؤں آ گیا۔

جبکہ میں یہ کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ میرے بیٹے اور اس لڑکی نے پروگرام بنایا تھا کہ دونوں شادی کر لیں گے آپس میں۔ دونوں گھرانوں میں کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔

جب میرا بیٹا اپنے گاؤں آیا تو بقول اس کے کہ اس نے مالنی سے وعدہ کیا تھا کہ آنے کے تیسرے چوتھے دن وہ مالنی سے رابطہ کرے گا مگر ایک ہفتہ گزر گیا میرا بیٹا جس کا نام رمیش ہے۔ اس نے مالنی سے کوئی بھی رابطہ نہ کیا۔

لہٰذا مالنی نے ہمارے گاؤں آنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر وہ ہمارے گاؤں آنے کے روانہ ہو گئی۔ وہ اسٹیشن پر اتری اور بقول تانگے والے کے اس نے اس لڑکی کو رام پور کے پارک کے پاس اتارا تھا۔ اس وقت پورے علاقے میں رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس کے بعد اس لڑکی کا کوئی پتا نہ چلا کہ لڑکی گئی تو کہاں گئی۔ چند دن بعد اس کے گاؤں سے ایک آدمی ہمارے گاؤں آیا کہ اس کا پتا کرے مگر اسے اور ہم سب یہ سن کر سکتے میں آ گئے کہ لڑکی تو یہاں پہنچی نہیں۔ اسٹیشن پر کھڑے تانگے والوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو ایک تانگے والے نے تصدیق کر دی کہ اس نے اس دن رات کے سے لڑکی کو پارک کے پاس اتارا تھا۔ اور پھر وہ تانگے والا اگلے گاؤں اپنے گھر چلا گیا تھا۔

پولیس والوں نے تانگے والے پر بہت سختی کی مگر تانگے والا ایک تو ضعیف اور کردار کا ایسا نیک آدمی ہے کہ ہر آدمی نے اس کی نیک نامی کی گواہی دی تو پولیس نے اس کی جان چھوڑ دی۔

بہر حال ہم سب اور اس لڑکی کے گھر والے رو دھو کر خاموش ہو گئے۔ اور میرے بیٹے کو چپ لگ گئی، اس دن سے اس کی زندگی میں ویرانی آ گئی۔ اس کے بعد ہم نے اس کے ہونٹوں میں آج تک ہنسی نہیں دیکھی۔

اس لڑکی کے غائب ہونے کے بہت تھوڑے دنوں بعد ہی گاؤں کی ایک بہت مضبوط جسم وجان رکھنے والا

نوجوان موت کے منہ میں چلا گیا۔ اس کی موت بہت بھیانک طریقے سے ہوئی تھی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے چار نوجوان اپنی جان گنوا بیٹھے۔ اور سب سے اچنبھے اور سکتے میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ وہ گاؤں کے سرے پر ایک پرانا مندر ہے اور اس مندر کے قریب برگد کا ایک بہت بڑا درخت ہے، اس درخت کے پاس ہی وہ چاروں وقفے وقفے سے مردہ پائے گئے اور صرف اماوس کی راتوں میں۔

اس کے بعد ایک سادھو کی موت واقع ہوگئی۔ سادھو اس رات مندر میں تھا اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ گاؤں میں موجود آتما کو گاؤں سے بھگا دے گا۔ مگر اسی رات وہ سادھو مندر کے قریب پیپل کے درخت پر لٹکا ملا، وہ مردہ تھا۔ ایک چھوٹی سی میں پیپل کے درخت پر اس کی لاش جھول رہی تھی۔ پیپل کا درخت بہت موٹا اور لمبا ہے۔ وہ سادھو بہت بوڑھا تھا اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ پیپل کے درخت پر چڑھتا اور خود کو پھانسی لگا لیتا۔ اس عرصے میں میرے بیٹے کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی، اس کی وجہ سے یہ حکیم نعیم بھی بہت دکھی ہوئے رہے ہیں۔ آئے دن انہوں نے ہر طرح کی دوا دی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اب تو وہ ایسا ہوگیا ہے کہ اس سے چارپائی پر سے اٹھنا بھی محال ہے۔'' یہ کہتے وہ آبدیدہ ہوگئے۔

تو رولوکا نے انہیں تسلی دی اور کہا، ''آپ فکر نہ کریں، یہاں تک آئے ہیں تو میری کوشش ہوگی کہ آپ کی پریشانیاں دور ہوجائیں۔ آدمی کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔''

''حکیم صاحب! آپ کی بات صحیح ہے مگر اب مجھ میں جوان بیٹے کو دیکھ دیکھ کر حوصلہ رہا نہیں۔ اب تو بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ اسے کچھ ہونے سے پہلے بھگوان مجھے اٹھالے۔'' یہ بول کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو رولوکا نے پھر ایک گلاس ٹھنڈا پانی منگوا کر انہیں پلایا۔

پانی پی کر وہ کچھ شانت ہوئے اور پھر بولے۔

''چند دن پہلے رمیش منہ اندھیرے ہی گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کی خبر ہم گھر والوں کو نہیں تھی۔ جب ہر طرف اجالا پھیل گیا تو ہم سو کر اٹھے اور دیکھا تو رمیش اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ ہم نے سمجھا کہ صبح سویرے اٹھ کر کہیں باہر گیا ہوگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ وہ سرسوں کے ایک کھیت کے باہر بے ہوش پڑا ہے۔ ہم بھاگے بھاگے گئے تو دیکھا کہ وہ واقعی سرسوں کے کھیت کے کنارے بے حس وحرکت بے ہوش پڑا تھا۔

یہ سلسلہ اس کے ساتھ کئی مرتبہ ہوچکا ہے۔ ایک دن میں نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا، اسی سرسوں کے کھیت میں چلا گیا جہاں بے ہوش پڑا تھا۔ کھیت میں وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا، ایسا لگتا تھا کہ شاید کسی کو تلاش کر رہا ہو، چونکہ میں اس کی حرکات وسکنات کو دیکھ رہا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ''مالنی ٹھہرو...... مالنی ٹھہرو.... مالنی مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔'' اور وہ ایک طرف کو دوڑ پڑا۔

اس آواز پر میں چونکا اور پھر میں نے اس طرف غور سے دیکھا جس طرف وہ دوڑ کر جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر کسی لڑکی کا واضح وجود نظر آیا۔ اس لڑکی نے سفید لباس پہن رکھا تھا، اس کے کالے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اور اس کا انداز ایسا تھا آگے بڑھنے کا کہ جیسے وہ ہوا کے اوپر چل رہی ہو۔ اس کا قدم زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ میں بھی تھوڑا فاصلہ رکھ کر رمیش کے پیچھے بھاگا۔ مگر کھیت کے کنارے پہنچتے پہنچتے اس لڑکی کا وجود غائب ہوگیا اور پھر رمیش کو ٹھوکر لگی اور وہ اوندھے منہ گر کر بے ہوش ہوگیا۔

حکیم صاحب آپ سے بنتی ہے میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، میرے بیٹے کو بچا لیں اس میں جتنا بھی خرچ آئے گا میں اپنے آپ کو بیچ کر بھی دوں گا۔'' اور یہ بول کر انہوں نے اپنی گردن جھکا لی اور سسکنے لگے۔

رولوکا اپنی سیٹ سے اٹھ کر ان کے قریب آیا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دینے لگا۔ تھوڑی دیر تک رولوکا کے تسلی دینے پر وہ شانت ہوگئے تو رولوکا بولا۔

''آپ غم نہ کریں، دل میں اچھی امید رکھیں، مالک نے چاہا تو بہت جلد آپ کا بیٹا ٹھیک ہو جائے گا، مجھ سے جہاں تک ہو سکا کوشش کروں گا۔ اور خرچ درچ سے بےفکر رہیں، کسی قسم کا کوئی خرچ نہیں ہوگا، میں جو بھی کرتا ہوں اوپر والے کی خوشی کے لئے کرتا ہوں۔ یہ اوپر والے کی مرضی اور مہربانی ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔ اور لوگوں کا دکھ درد ختم ہو جاتا ہے۔ ورنہ میں کس قابل ہوں، مجھ میں کوئی کمال نہیں، بس یہ سب اوپر والے کا کمال ہے۔

''حکیم نعیم! آپ اپنے مطلب اور ان کے گھر کا پتا لکھوا دیں۔ آج رات میں، میں حالات کا جائزہ لوں گا، معلوم کرتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے اور اس مسئلے کا پائیدار حل کیا ہے۔ میں آپ کے دیئے ہوئے پتہ پر ضرورت کے مطابق پہنچ جاؤں گا۔ آپ لوگ بےفکر ہو کر جائیں۔ دل میں کوئی اندیشہ نہ لائیں۔ بلکہ مسکراتے ہوئے جائیں، میں بہت جلد آپ کے گاؤں میں آؤں گا۔'' یہ بول کر رولوکا نے ان دونوں سے مصافحہ کیا اور انہیں رخصت کر دیا۔

دونوں خوش خوش رولوکا سے رخصت ہو کر تانگے کی طرف بڑھے اور تانگہ میں بیٹھ گئے۔ اور اس کے بعد تانگے والے کو اشارہ دیا کہ وہ تانگہ آگے بڑھائے۔ تانگے والے نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ چند گھنٹے میں وہ دونوں اپنے گاؤں رام پور پہنچ گئے۔

ادھر شام ہوئی اور پھر شام کے بعد اندھیرے نے پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اتفاق سے آج بھی اماوس کی رات تھی۔

رولوکا اپنے کمرے میں موجود تھا کہ اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ رام پور چلا جائے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کریں اور ارادہ کیا رام پور کا، پلک جھپکتے میں وہ رام پور میں موجود تھا۔ وہ غائب حالت میں اب پورے گاؤں کا چکر لگا رہا تھا۔ اس نے گاؤں کے سرے پر کالی ماتا کا پرانا مندر اور اس کے قریب برگد کے درخت کے نیچے تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بڑے غور سے کسی چیز کا اندازہ کر رہا ہو، پھر وہ مندر کے دروازے کے سامنے بھی گیا۔ اس کے بعد وہ گاؤں کے بیچ کالی ماتا کے مندر کے پاس آ گیا۔ اس جگہ اور پھر پیپل کے درخت کے پاس بھی آ کر وہ چند منٹ کھڑا رہا، اس کے بعد وہ رمیش کے گھر کی طرف چل پڑا، رمیش کے دروازے پر چند سیکنڈ کھڑا، اس کے بعد رولوکا غائب حالت میں ہی اس کمرے میں آ گیا جہاں رمیش بےسدھ پڑا تھا۔

رولوکا ایک کونے میں کھڑا ہو گیا اور اپنی نظریں رمیش پر مرکوز کر دیں۔

اچانک اسے ایک ہلکی سرگوشی سنائی دی کسی لڑکی کی آواز میں۔ ''رمیش تم میرے لئے کتنا بیاکل ہو، تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے، تم مجھے بھی تو دیکھو کہ میں تم سے کہیں بڑھ کر بیاکل تھی اور اب بھی بیاکل ہوں، میری آتما کو کسی پل چین نہیں، تمہاری چاہت میں تو میری جان چلی گئی۔ تم گھبراؤ نہیں، اب سے بہت کم رہ گیا ہے، کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی، تم بن میری آتما بھٹک رہی ہے، اب مجھ سے بھی تمہاری دوری برداشت نہیں ہو رہی ہے اسی کارن اب میں پل پل تمہارے پاس رہتی ہوں بلکہ اب تو میں تم میں سما گئی ہوں، اب زیادہ وقت نہیں رہا کہ ہم دونوں کی آتما ایک ساتھ رہیں گی، ہم آزاد فضاؤں میں اڑتے پھریں گے، ہمیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا، رمیش تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔'' اور پھر وہ سرگوشی یکدم معدوم ہو گئی۔

رولوکا نے ارادہ کیا اپنے کمرے میں آنے کا اور پھر چشم زدن میں وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے ہاتھ منہ دھوئے اور اپنے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موندلیں۔

لیکن رولوکا نے اپنے اندیکھے چند کارندے رام پور میں چھوڑ دیئے تھے، اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ہر وقت رمیش پر نظر رکھیں اور اس کے ارد گرد رہیں اور پل پل کی خبر یں اس تک پہنچاتے رہیں، لہٰذا سارے کارندے رولوکا کا حکم بجالانے پر لگ گئے تھے۔ اور پل پل کی رمیش کی

ذات کی خبریں رولوکا تک پہنچا رہے تھے اور اس طرح رولوکا رمیش کی ذات سے باخبر تھا۔

ادھر رمیش کے بابو جی پل پل رولوکا کو یاد کر رہے تھے، ان کے دل میں آیا تھا کہ پتا نہیں حکیم صاحب آئیں گے کہ نہیں، ان کا دل بہت زیادہ اندیشے میں تھا، اور یہ حقیقت بھی ہے کہ پریشان حال آدمی بہت سہما سہما اور ذرا ڈرا سا رہتا ہے، یہی حالت ان کی بھی تھی۔ وہ ہر وقت خلاؤں میں گھورتے رہتے تھے، ان کی نظریں رمیش پر پڑتی تو وہ بہت زیادہ دکھی ہو جاتے تھے۔ لیکن اپنی پریشانی اور دکھ کو گھر والوں پر ظاہر نہیں کرتے تھے کہ اس طرح گھر والے اور بھی دکھی ہو جائیں گے۔ وہ ہر وقت اپنے گھر والوں کو تسلی اور دلاسہ دیتے رہتے تھے کہ ”بھگوان کی کرپا سے ہمارا رمیش بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔“

تیسرے دن رولوکا ساڑھے دس بجے رام پور حکیم نعیم کے مطب کے سامنے موجود تھا۔ وہ آگے بڑھا تو دیکھا کہ حکیم نعیم دوا کی پڑیاں باندھنے میں مصروف ہیں، رولوکا نے بلند آواز سے حکیم نعیم کو مخاطب کیا تو فوراً حکیم نعیم نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوڑ کر وہ آئے اور رولوکا کے گلے لگ گئے۔

”حکیم صاحب! آپ اور اس وقت، کوئی اطلاع تو دی ہوتی، آپ نے اس دن بھی نہیں فرمایا تھا کہ آپ کس دن آئیں گے۔“

”خیر میں آج آ گیا۔“

اس کے بعد حکیم نعیم نے رولوکا کو مطب میں بٹھایا اور بولے۔ ”حکیم صاحب گرم چلے گا یا ٹھنڈا......؟

رولوکا بولا۔ ”گرم چلے گا اور نہ ٹھنڈا بلکہ میں خود چلوں گا۔“ یہ سن کر حکیم نعیم مسکرانے لگے۔

”اچھا ایک گلاس ٹھنڈا پانی آپ پلا دیں۔“ رولوکا بولا۔

”جی اچھا! ابھی لایا۔“ یہ بول کر حکیم نعیم فوراً گھر کے اندر گئے اور گھڑے کا ٹھنڈا پانی شیشے کے گلاس میں لے آئے۔

رولوکا نے پانی پیا اور بولا۔ ”حکیم نعیم! رمیش کے گھر چلنا ہے، آپ جلدی سے فارغ ہو جائیں، وہاں تھوڑا وقت لگے گا، آپ اس کو ذہن میں رکھیں۔“

”حکیم صاحب! کوئی بات نہیں، اگر زیادہ وقت بھی لگ جائے تو کوئی بات نہیں۔ آپ کو زحمت تو ہوگی، اگر آپ اجازت دیں تو یہ چند ضرورت مند بیٹھے ہیں انہیں دوا دے کر آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔“ حکیم نعیم نے کہا۔

”ارے اس میں زحمت کی کوئی بات نہیں، آپ دوا دیں، میں آرام سے بیٹھا ہوں۔“ رولوکا بولا۔

دوا دے کر حکیم نعیم آدھے گھنٹے میں فارغ ہو گئے تو رولوکا سے بولے۔ ”حکیم صاحب میں فارغ ہو گیا، آپ تشریف لے چلیں۔“

یہ سن کر رولوکا کھڑا ہو گیا تو حکیم نعیم نے اپنے بڑے صاحبزادے کو آواز دی۔ وہ فوراً باہر آیا تو انہوں نے کہا۔ ”بیٹے اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس سے کہنا کہ وہ میرا انتظار کرے، میں تقریباً دو گھنٹے میں واپس آؤں گا یا پھر وہ دوپہر کے بعد تشریف لے آئے۔“

”جی ابو! آپ جائیں میں بیٹھا ہوں۔“ بچے نے کہا۔

چند منٹ میں دونوں رمیش کے گھر کے پاس پہنچ گئے، حکیم نعیم نے دروازے کو کھٹکھٹایا تو رمیش کے بابو جی باہر نکلے اور پھر رولوکا کو دیکھ کر جیسے اچھل پڑے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے حکیم نعیم سے بھی ہاتھ ملایا۔

علیک سلیک کے بعد رولوکا بولا۔ ”میں رمیش کے کمرے میں چلنا چاہتا ہوں۔“

یہ سن کر رمیش کے بابو جی فوراً گھر کے اندر گئے اور چند منٹ میں باہر آ کر بولے۔ ”آپ اندر تشریف لے چلیں، رمیش اپنی چارپائی پر بے سدھ پڑا ہوا ہے۔“

ان کے ساتھ رولوکا اور حکیم نعیم دونوں رمیش کے کمرے میں گئے تو دیکھا کہ رمیش آنکھیں بند کئے اپنی

چار پائی پر بے حس وحرکت پڑا تھا۔

رولوکا اسے چند منٹ تک غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''میں آپ کے آنگن میں بیٹھنا چاہتا ہوں یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ آنگن میں سایہ دار بادام کا درخت لگا ہوا ہے۔ آپ کا آنگن کافی بڑا ہے آپ ایک چار پائی درخت کے نیچے بچھا دیں جس پر رمیش لیٹے گا اور چار پائی سے تھوڑا ہٹ کر ایک چٹائی بھی ڈال دیں جس پر میں اور آپ لوگ بیٹھیں گے۔''

یہ سن کر رمیش کے پتا ترنت اندر گئے اور درخت کے نیچے چار پائی اور چٹائی بچھا کر فوراً اندر آئے اور بولے۔ ''حکیم صاحب میں نے دونوں چیزیں درخت کے نیچے رکھ دی ہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ باہر چلیں، میں رمیش کو لے کر آتا ہوں۔'' رولوکا بولا۔

''حکیم صاحب! آپ بیٹھیں میں اٹھا کر لاتا ہوں، آپ باہر چلیں۔'' رمیش کے پتا بولے۔

''ارے جناب! یہ اس حالت میں ہے کہ آپ کی قطعی نہیں سنے گا اور نہ ہی یہ آپ کے اٹھانے پر اٹھ کر آپ کے ساتھ باہر آئے گا۔'' رولوکا بولا۔

''ٹھیک ہے آپ بہتر جانتے ہیں۔'' یہ بول کر وہ اور حکیم نعیم دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

پھر رولوکا بولا۔ ''آپ اپنے پاس پڑوس کے چند لوگوں کو بلا لائیں تا کہ ان کے سامنے تمام حقیقت کھل کر آ جائے اور انہیں بھی پتا لگ جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے؟''

یہ سنتے ہی رمیش کے پتا ترنت باہر نکل گئے اور پلک جھپکتے میں اپنے پاس پڑوس کے چند لوگوں کو لے کر اپنے آنگن میں بادام کے درخت کے سائے میں کھڑے ہو گئے۔

کمرے میں رولوکا نے رمیش کا سیدھا ہاتھ پکڑا تو رمیش روبوٹ کی طرح اپنی چار پائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا، پھر رولوکا نے ہاتھ کا اشارہ دیا تو وہ چار پائی سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا، اور پھر بے چوں وچراں رولوکا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اس دوران رمیش کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

رمیش کا ہاتھ پکڑے ہوئے رولوکا درخت کے نیچے آیا اور پھر رمیش کو چار پائی پر بیٹھا دیا۔ جب رمیش چار پائی پر بیٹھ گیا تو رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی سیدھی انگلی اس کی پیشانی پر رکھ کر یہ اشارہ دیا کہ وہ چار پائی پر لیٹ جائے۔

ایسا ہی ہوا، رمیش بے حس وحرکت چار پائی پر لیٹ گیا۔

درخت کے نیچے کھڑے ہوئے چند لوگوں سے رولوکا بولا۔ ''آپ لوگ برائے مہربانی خاموشی سے چٹائی پر بیٹھ جائیں۔ آپ لوگ خاموش بیٹھے رہیں گے، کوئی اپنی جگہ سے اٹھے گا نہیں اور نہ ہی کوئی کسی قسم کا سوال کرے گا اس کے علاوہ ایک ضروری بات ہے کہ سامنے جو بھی منظر رونما ہوگا اسے دیکھ کر کوئی ڈرے گا نہیں، کیونکہ وہ منظر دیکھنے والوں کو صرف نظر آتا رہے گا، اس کا اثر کسی کی ذات پر نہیں پڑے گا۔ بلکہ اس منظر سے یہ پتا چلے گا کہ گاؤں میں جتنی بھی پریشانیاں، جتنے بھی انہونے واقعات رونما ہوئے ہیں وہ کیوں ہوئے......؟ اور ان کے رونما ہونے میں کس کے ہاتھ تھے؟ کس نے اپنی نفسانی خواہشات کے پیش نظر ظلم وزیادتی کی۔ اب آپ لوگ آرام سے بیٹھ جائیں اور مجھے اپنا کام کرنے دیں۔''

رولوکا کی بات سن کر اس جگہ درخت کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے ان سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر خاموشی کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ گئے۔

رولوکا رمیش کی چار پائی کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اپنے ایک طرف حکیم نعیم کو بیٹھایا اور دوسری طرف رمیش کے پتا کو بیٹھا لیا۔ ابھی تک چار پائی پر رمیش آنکھیں بند کیے بے سدھ اور بے حس وحرکت پڑا تھا۔

رولوکا نے اپنے سامنے مٹی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں صاف پانی موجود تھا۔ رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پانی پر پھونک ماری۔ اس جگہ بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی نظریں رمیش پر مرکوز تھیں۔

رولوکا نے پیالے میں موجود تھوڑا سا پانی اپنے چلو میں لیا اور رمیش پر چھڑک دیا۔ پانی کا رمیش پر پڑنا تھا کہ رمیش اچانک کپکپانے لگا کہ اتنے میں رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی سیدھی انگلی سے فوراً اشارہ کیا۔ انگلی کا اشارہ ایسا تھا کہ جیسے وہ کسی کو تنبیہہ کر رہا ہو کہ فوراً شانت ہو جا۔ رمیش اب بالکل شانت ہو چکا تھا۔

اس کے بعد رولوکا نے دوبارہ چلو میں پانی لیا اور چارپائی کی دوسری جانب پانی کو پھینکا۔

چند سیکنڈ بھی نہ لگے اور ایسا لگا کہ چارپائی سے لگ کر ایک چادر سی تن گئی۔ اس دوران رولوکا منہ ہی منہ میں متواتر کچھ پڑھتا رہا۔

اب اس چادر پر جو چارپائی سے لگ کر تنی تھی اس پر ایک منظر ابھرا۔ ایسا لگتا تھا کہ پردے پر پروجیکٹر سے فلم دکھائی جا رہی ہو۔

ایک تانگہ نظر آیا، اس تانگے میں ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ تانگہ رام پور کے قریب گنیش پارک کے پاس آ کر رک گیا تو تانگے میں سے وہی خوبصورت اور حسین لڑکی اتری۔ اس کے کندھے پر ایک بڑا سا بیگ لٹک رہا تھا۔ لڑکی نے بیگ میں سے چند روپے نکالے اور تانگے والے کو دیے اس کے بعد تانگہ آگے کو بڑھ گیا۔ اس وقت چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔

لڑکی نے پارک کی طرف دیکھنا شروع کر دیا پھر وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی ہوئی پارک کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ پارک کے اندر چلی گئی۔ پارک میں موجود بینچ پر چار نوجوان بیٹھے تھے۔

لڑکی کی آواز سنائی دی۔ ”آپ لوگ یہیں رام پور میں رہتے ہیں، اور کیا رمیش بابو کو جانتے ہیں.....؟ وہ حال ہی میں لندن سے آئے ہیں۔“

ان چاروں نوجوانوں میں سے ایک بولا۔ ”اجی! ہم تو رمیش بابو بلکہ پورے گاؤں والوں کو بھی جانتے ہیں، ہم بھی اسی گاؤں میں رہتے ہیں، آپ نے رمیش بابو کے گھر جانا ہے.....؟“

”جی! میں رمیش بابو کے گھر جاؤں گی۔“ وہ لڑکی بولی۔ ”میرا نام مالتی ہے۔“

مالتی کا نام سننا تھا کہ رمیش کے پتا چونک پڑے۔

”آپ ہمارے ساتھ چلیں، ہم آپ کو رمیش بابو کے گھر پہنچا دیں گے۔ ان میں سے ایک نوجوان بولا۔

ان چاروں کو دیکھ کر درخت کے نیچے بیٹھے لوگ چونک پڑے تھے۔ ان چاروں میں سے ایک کا نام چندر، دوسرے کا نام رامو، تیسرے کا نام گنیش اور چوتھے کا نام سنیل تھا۔

ان چاروں کے ساتھ لڑکی آگے کی طرف چلنے لگی۔ دو نوجوان آگے آگے اور دو لڑکی کے برابر میں چل رہے تھے، جب وہ چاروں کالی ماتا کے پرانے مندر کے پاس پہنچے جہاں کہ برگد کا درخت تھا۔ ان نوجوانوں میں سے ایک بولا۔ ”دیوی جی آپ ہمیں خوش کر دیں نہیں تو.....؟“

اور پھر انہوں نے لڑکی سے دست درازی شروع کر دی، اس کے بعد انہوں نے اس لڑکی کو دبوچ لیا اور پھر زور زبردستی سے اس لڑکی کے کپڑے پھاڑ دیے۔

وہ لڑکی چیختی چلاتی رہی، دہائیاں دیتی رہی، مگر ان چاروں پر لڑکی کے رونے اور اس کی آہ و زاری کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر وہ چاروں لڑکی کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنے لگے۔ کرب و اذیت اور تکلیف سے لڑکی کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اور پھر ایک وقت آیا کہ ان میں سے ایک نے لڑکی کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔ لڑکی کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

☆☆☆

درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے سارے لوگ جیسے سکتے کی حالت میں تھے۔ جب مالتی مر چکی تو چاروں ہوس کے پجاری اسے گھسیٹ کر مندر کے پیچھے جھاڑیوں میں لے گئے اور ایک گڑھا کھود کر اسے اس گڑھے میں دبا دیا اور اس کے بیگ سے رقم بھی نکال لی۔

اس کے ایک ہفتہ بعد کا منظر ابھرا اور پھر یکے بعد دیگرے ان چاروں کی موت کا منظر لوگوں نے دیکھا۔

سارا منظر واضح تھا۔ موت سے پہلے مالتی کی آتما کالی ماتا کے مندر میں جاتی اور پھر اپنی کارروائی کے لئے نکل پڑتی اور پھر موت کے بعد، وہ دوبارہ کالی ماتا کے مندر میں جاتی اس کے بعد وہاں سے نکل کر اس جگہ زمین میں سما جاتی جہاں اسے گڑھے میں دبا دیا گیا تھا۔

چاروں کی موت کے بعد اس نے اپنا رخ رمیش کی طرف کیا کیونکہ وہ جب زندہ تھی تو رمیش کی محبت میں گرفتار تھی، اب مر کر بھی وہ رمیش کے لئے بے چین و بے قرار تھی۔ رمیش کی چاہت میں وہ بھٹکتی پھر رہی تھی۔

کل تک کے سارے منظر جب لوگوں کے سامنے آ گئے تو ایسا نظر آیا کہ اس کی آتما رمیش کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ پھر وہ اٹھی اور رمیش کے قریب آ کر رمیش کے جسم میں حلول کر گئی۔ رمیش کو ایک جھٹکا لگا اور وہ کسمسا کر رہ گیا۔

''اب تمہارا کیا مقصد ہے اب تم کیا چاہتی ہو؟ میں نے اور ان سارے لوگوں نے دیکھا کہ تمہارے ساتھ بہت ظلم وزیادتی کی گئی۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے اور جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہوا، اس معاملے میں رمیش اور رمیش کے گھر والے انجان ہیں، ان لوگوں کا کوئی بھی قصور نہیں۔ لہٰذا اب یہ اچھا ہوگا کہ تم رمیش کی جان چھوڑ دو۔'' ردلوکا بولا۔

''مہاپرش! یہ نہیں ہو سکتا، میں رمیش کے بنا بیاکل ہوں، میں رمیش کے بنا ایک پل بھی نہیں رہ سکتی، میں رمیش کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' رمیش کے منہ سے مالتی کی آواز نکلی۔

''دیکھو یہ ممکن نہیں اور نہ ہی کبھی ایسا ہوا ہے کہ مرنے والا اپنے ساتھ کسی زندہ کو لے جائے اپنا ساتھی بنانے کے لئے۔ میرا مشورہ ہے کہ رمیش کی چاہت اور محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے تم اس کی جان چھوڑ دو۔'' ردلوکا نے کہا۔

''مہاپرش! میرے ساتھ جو انیائے ہوا ہے، اسے سامنے رکھتے ہوئے دیکھ کر بتائیں کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے ایک پل کے لئے بھی میری آتما کو شانتی نہیں۔ میں اپنے اس فیصلے سے الگ نہیں ہو سکتی کہ میں رمیش سے الگ ہو جاؤں۔ اس کی جان چھوڑ دوں، اور اسے ساتھ لئے بغیر چلی جاؤں۔''

''دیکھو اس میں تمہاری بھلائی ہے، میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا، مجھے اور یہاں بیٹھے ہوئے سارے لوگوں کو دکھ ہے کہ تم پر بہت ظلم ہوا۔ میں تمہاری اور رمیش کی محبت کے پیش نظر تمہیں رمیش کی محبت کی قسم دیتا ہوں کہ تم رمیش کی جان چھوڑ کر چلی جاؤ، ظلم برداشت کرنے والے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ دنیا کا خالق و مالک اچھا برتاؤ کرتا ہے۔'' ردلوکا بولا۔

''مہاپرش! آپ نے رمیش کی محبت کی قسم دے کر مجھے مجبور کر دیا، ٹھیک ہے میں اس کی محبت میں یہ بھی برداشت کرلوں گی۔'' مالتی کی آتما کی آواز سنائی دی۔

''تمہاری مثبت سوچ پر مجھے خوشی ہوئی اور یہ حقیقت ہے کہ صبر کرنے والوں کو دنیا کا خالق و مالک اچھا سمجھتا ہے، جو ہونا تھا وہ تو تمہارے ساتھ ہو گیا، لیکن رمیش نے ابھی زندہ رہنا ہے، اس نے آگے کا وقت دیکھنا ہے، شادی بیاہ اور پھر اس کی نسل آگے چلنی ہے، محبت کرنے والوں کو لوگ اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور پھر جو لوگ کسی کے لئے اپنی جان کی قربانی دیتے ہیں وہ امر ہو جاتے ہیں۔

اگر تمہاری کوئی خواہش ہے تو بتاؤ، تمہاری خواہش کا احترام کیا جائے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ رمیش بھی تمہیں مرتے دم تک ضرور یاد رکھے گا اور یہ کیا کم ہے کہ کوئی کسی کو اچھے الفاظ سے یاد کرے اور رمیش بھی تمہاری محبت میں وقت کے ساتھ ساتھ سلگ رہا ہے، اب تم خود بھی دیکھ رہی ہو کہ جب سے تمہاری گمشدگی ہوئی ہے اس وقت سے رمیش کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ رمیش کے دل میں بھی تمہاری چاہت ومحبت ہے۔ یہ بھی تم بنا بے چین رہنے لگا ہے، اس کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ اب تک تمہاری چاہت میں اپنی زندگی ختم کر لیتا۔'' ردلوکا بولا۔

"مندر کے پیچھے گڑھے میں میرا ڈھانچہ پڑا ہے اسے نکال کر دھرم کے مطابق رسوبات ادا کر دی جائیں اور پھر اسے چتا کے حوالے کر دیا جائے۔ میں رمیش کے لئے اپنے آپ کو سمجھا لوں گی اور میری خوشی ہے کہ رمیش خوش رہے، مہاپرش! میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے سیدھا راستہ دکھایا اور اب مجھے امید ہے کہ میری بیاکل آتما کو شانتی مل جائے گی اور میری آتما پرلوک میں چلی جائے گی، میں ساتھ ہی کالی ماتا کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری سہائتا کی اور میری آتما کو شکتی دی۔

ماتا کی دی ہوئی شکتی ہی سے میں نے اپنے دشمنوں کو نرک میں پہنچایا، اگر ماتا میری سہائتا نہ کرتی تو میں اپنے دشمنوں سے بدلہ نہ لے سکتی تھی۔

مہاپرش! میں رمیش کے جسم سے نکل رہی ہوں۔ اور میرے بتائے ہوئے کام کو آج ہی کر دیا جائے۔" مالنی کی آتما کی آواز سنائی دی۔

اور پھر اچانک رمیش کو ایک جھٹکا لگا، وہ کسمسا کر اپنی جگہ اٹھ بیٹھا اور اچنبھے کی حالت میں اس جگہ موجود سارے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ رمیش کو دیکھ کر سارے لوگ خوش ہو گئے۔

رولوکا رمیش کے بابو جی سے بولا۔" آپ رمیش کو گرم گرم دودھ پلائیں، اب یہ بالکل ٹھیک ہے، آپ کی ہر بات مان لے گا، اب اس کے دماغ میں کوئی کسک باقی نہیں۔"

بہر حال چند گھنٹے میں ہی مندر کے پیچھے سے گڑھا کھود کر مالنی کے ڈھانچے کو نکال لیا گیا۔ رمیش کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگی تھی۔

مالنی کے ڈھانچے کو ہندو دھرم کے مطابق چتا کے حوالے کر دیا گیا۔ گاؤں کے سارے لوگ بہت دکھی تھے مگر وہ بے چارے کر بھی کیا سکتے تھے۔

مغرب کے وقت سے پہلے پہلے سارا کام مکمل ہو گیا، رولوکا نے ایک گلاس پانی منگوایا اور اس پانی پر نہ جانے کیا پڑھ کر دم کیا اور وہ پانی رمیش کو پلایا۔ پانی کے پیتے ہی رمیش ہشاش بشاش ہو گیا۔ اس کے بعد رولوکا نے تمام لوگوں سے مصافحہ کر کے دلی حکیم وقار کے مطلب میں آ گیا۔

اسی رات مالنی کی آتما رمیش کے کمرے میں آئی وہ ایک ہیولہ کی صورت میں تھی۔ سفید لباس میں ملبوس، جس لباس میں رمیش اسے سرسوں کے کھیت میں دیکھتا آیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

رمیش ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا، مالنی بھی اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی کہ رمیش گویا ہوا۔" مالنی کاش! کہ ہم دونوں پوری زندگی ساتھ رہتے، اب میرا جیون تم بنا ادھورا ہے میں کسی پل بھی تمہیں نہیں بھول پاؤں گا۔ ظالموں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا، بھگوان ان کی آتما کو کبھی بھی شانتی نہ دے۔ کاش! بھگوان مجھے بھی موت دے دیتا۔"

"رمیش تم یہ نہ بولو، تمہیں میری خوشی کے لئے آگے بڑھنا ہے، تمہیں خوشی خوشی زندگی گزارنی ہے۔ اگر تم مجھے خوش رکھنا چاہتے ہو تو تمہیں بھی پل پل خوش رہنا ہو گا۔ میرے لئے تم بالکل بھی غم نہیں کرو گے اور میری یہ بھی خوشی ہے کہ تم جلد از جلد ویواہ کر لو۔" مالنی کی آتما بولی۔

"مالنی تم بنا میرا جیون بالکل بے کار ہے، تم بنا میں خوش نہیں رہ سکتا، آنے والی کو میں خوشیاں نہیں دے سکتا اور جب میں کسی کو خوشی نہیں دے سکتا تو بھلا اس کے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ۔" رمیش بولا۔

"رمیش تمہیں زندہ رہنا ہے، اپنی نسل کو آگے بڑھانا ہے۔ مجھے امید ہے بلکہ میری خوشی کے لئے تم ضرور ویواہ کرو گے، اور اس کے لئے میرا مشورہ ہے کہ میرے چاچا رام پرشاد کی لڑکی رکنی ہے، وہ بہت ہی سندر، سگھڑ، ہنس مکھ، دکھ سکھ میں ساتھ دینے والی، پتی سیوک ہو گی، تم اس سے دیواہ کر لینا، میرے کہنے اور میری خوشی کے لئے رشتہ ان کے گھر بھیجنا وہ لوگ تمہارا رشتہ قبول کر لیں گے، ا
س کے لئے میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی، رکنی

سے دیواہ کر کے تم سکھ شانتی میں رہو گے اور پھر میری آتما کو بھی شانتی ملے گی۔ ان لوگوں کو تمہارے رشتہ کے لئے کوئی بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں اس لئے اس رشتہ پر زور دے رہی ہوں کہ رکمنی کی ذات سے تمہیں زندگی میں بہت خوشیاں ملیں گی۔ ایک پتی کے لئے یہ بہت سکھ شانتی کی بات ہے کہ اس کی پتنی اپنے پتی کی سیوا کرے، اور اپنے پتی کا ہر طرح کا خیال رکھے، رمیش بس میری خوشی کے لئے تم یہ قدم اٹھالو، اور ویسے بھی جب مجھے تمہارا خیال آئے گا تو میں تمہارے دیدار کے لئے پرلوک سے بھگوان کی مرضی سے کچھ پل کے لئے آجایا کروں گی۔ رمیش تم میری بات مانو گے ناں۔'' مالنی کی آتما پیار بھرے لہجہ میں بولی اور یک ٹک رمیش کی طرف دیکھنے لگی!!

''مالنی تمہاری خوشی کے لئے یہ قدم بھی اٹھالوں گا۔ تمہاری خوشی مجھے بہت عزیز ہے، تم مجھ سے وعدہ کرو کہ مجھ سے ملنے آیا کروگی۔ رشتہ کے لئے اپنے بابو جی کو تمہارے چاچا کے پاس بھیج دوں گا۔''

''رمیش مجھے بھی تمہاری خوشی اور سکھ شانتی عزیز ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اکثر تم سے ملنے کے لئے آیا کروں گی۔ مگر میری کسی بھی بات کا ذکر تم رکمنی سے نہیں کرنا، یہ تم سے بنتی ہے اور نہ ہی رشتہ کے متعلق کوئی ذکر کرنا۔ اب تم سو جاؤ، میں چلتی ہوں، اب سے ختم ہو رہا ہے اور میرے جانے کا سمے ہوگیا ہے۔'' یہ بول کر مالنی کی آتما مسکراتی ہوئی غائب ہوگئی۔

☆......☆......☆

سلامت علی اور کرامت علی اپنے والدین کے دو ہی بیٹے تھے۔ والد کا بہت بڑا کریانہ اسٹور تھا۔ گاؤں بھر کے لوگ نقد کے علاوہ ادھار بھی سودا سلف لیا کرتے تھے۔ ہول سیل پر بھی وہ چیزیں دیا کرتے تھے اس لئے پاس پڑوس کے گاؤں والے انہی سے سامان اٹھایا کرتے تھے۔ ان کا نام صداقت علی تھا۔ اپنے نام کے لحاظ سے وہ واقعی ایمانداری کا مظاہرہ سب کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ گاؤں اور گاؤں سے باہر کئی بنیا، نے کی کوشش کی کہ وہ ان کے کام پر اثر انداز ہوں مگر سب کے سب اس منصوبے میں ناکام رہے۔ جو بھی ادھر سے سودا سلف لیتا اس کے حساب میں ایک پائی کا بھی کبھی ہیر پھیر نہیں ہوتا تھا۔

یہی صداقت علی کی ایمانداری کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ سودا سلف کے علاوہ لوگ انہیں بہت عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ گاؤں میں کوئی بھی مسئلہ ہوتا ان کی شمولیت کے بغیر اس مسئلے کا انجام بخیر نہیں ہوتا تھا۔ لوگ اپنے مسئلہ مسائل کے معاملے میں بھی ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کے بتائے ہوئے مشورے پر عمل کیا کرتے تھے۔

گاؤں کے لوگ شادی بیاہ کے لئے بھی ان سے ادھار سامان لیا کرتے تھے اور اپنے وقت کے حساب سے تھوڑا تھوڑا کر کے ساری رقم اتار دیتے تھے۔ ادھار رقم کے معاملے میں وہ کبھی بھی کسی پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالتے تھے اور لوگ بھی اپنے وعدے پر اپنی آسانی کے پیش نظر ادھار ادا کر دیتے تھے۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ دونوں بچے سلامت اور کرامت جوانی کی دہلیز کی طرف بڑھتے رہے، سلامت پڑھائی کی غرض سے مصروف رہا کرتا تھا مگر کرامت پڑھائی سے اکثر جی چرایا کرتا تھا۔ سلامت کے شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے صداقت علی کاروباری معاملے میں اسے دور ہی رکھا کرتے تھے۔ مگر کرامت کو وہ اسکول سے فراغت کے بعد اکثر دکان پر بیٹھالیا کرتے تھے۔ ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ کرامت زیادہ پڑھائی نہیں کر سکے گا لہٰذا اسے وہ کام میں لگائے رکھتے تھے اور پیار و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دکان کے کاموں میں دلچسپی لینے کا درس دیا کرتے تھے۔

کرامت کے دل میں یہ بات تھی کہ ابا مجھے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اس لئے کہ میں زیادہ محنتی ہوں، کام کو سمجھتا ہوں اور پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابا مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور بھیا چونکہ کام میں دلچسپی نہیں لیتے اور نہ ہی کام کو سمجھتے ہیں اس لئے ابا ان پر کام کے لئے زور

نہیں ڈالتے۔ دونوں بھائیوں کی عمروں میں صرف تین سال کا فرق تھا۔

صداقت علی نے اپنے دل میں اٹل فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ دونوں کی شادی ایک ساتھ کریں گے۔ دو بہو ایک ساتھ لائیں گے۔ اور جب وقت آیا تو انہوں نے اپنے دل کی بات کو عملی جامہ پہنانے کا اعلان کردیا کہ میں سلامت اور کرامت کی شادی ایک ساتھ کروں گا۔ دونوں لڑکیاں پہلے سے دیکھی بھالی تھیں۔ ایک بہو کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کی بیٹی لائیں گے اور دوسری کے لئے انہوں نے اپنی بیوی کی بہن کی لڑکی لانے کا سوچ لیا تھا۔

جب انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو گھر کے علاوہ خاندان کے لوگ بھی بہت خوش ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ گاؤں کے لوگوں نے بھی ان کے فیصلے کو سراہا۔

اب وہ کاروباری سلسلے میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرتے تھے۔ چھوٹا بیٹا کرامت نے آہستہ آہستہ زیادہ تر ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ شہر سے سارا سامان وہ خود لاتا تھا۔ حساب کتاب میں بھی وہ بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر سارا کچھ جانچ پڑتال، صداقت علی خود کیا کرتے تھے۔ کرامت باپ کے نقش قدم پر ٹھیک ٹھیک چل رہا تھا۔

بڑے بیٹے سلامت نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہ BA سیکنڈ ایئر میں تھا۔ صداقت علی نے فیصلہ کرلیا کہ BA پاس کرتے ہی دونوں کی شادی کردیں گے۔

دونوں گھروں میں میاں بیوی رشتہ لے کر گئے تو دونوں گھرانوں نے انہیں بہت عزت دی اور خوشی خوشی رشتہ کو منظور کرلیا۔ انہوں نے بتادیا تھا کہ ''سلامت کا رزلٹ آتے ہی وہ شادی کردیں گے لہٰذا آپ لوگ اسی مناسبت سے اپنی تیاریاں کرلیں۔''

اس بات پر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ ابھی شادی میں آٹھ مہینے باقی تھے۔

سلامت کی شادی خالہ زاد سے ٹھہری تھی جبکہ کرامت کا رشتہ چچازاد سے طے ہوا تھا۔ دونوں لڑکیاں خوبصورتی اور ہنرمندی میں اپنی مثال آپ تھیں اور دونوں بھائی جوانمردی، صحت مندی اور شرافت میں بے مثال تھے۔

سلامت کی مرضی تھی کہ BA کے بعد وہ MA میں داخلہ لے لگا۔ اس کی خوشی پر سب نے لبیک کہا تھا کہ ٹھیک ہے تمہاری مرضی جتنا چاہو آگے پڑھ سکتے ہو مگر صداقت علی جانتے تھے اور پھر دیگر تجربہ کار لوگوں کا بھی تجربہ تھا کہ شادی کے بعد کون اس کام کے لئے اتنا وقت نکال پاتا ہے۔

صداقت علی اکثر سلامت سے بولتے رہتے کہ ''بیٹا جب بھی وقت ملے یا پھر تھوڑا بہت وقت نکال کر دکان کا حساب کتاب چیک کرلیا کرو'' مگر وہ اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جواب دیتا۔ ''ابا جب ہر طرح کی ذمہ داری کو احسن طریقے سے کرامت نبھا رہا ہے اور پھر میں سمجھتا ہوں کہ جب سے اس نے کاروبار سنبھالا ہے حساب کتاب کے علاوہ کاروبار کو وسعت دینے میں آپ سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ میں ناتجربہ کار بھلا اس کام میں کیا دماغ خوری کروں گا۔ میری مرضی ہے کہ BA کے بعد MA کروں اور کسی جگہ بھی لیکچرار بن جاؤں۔''

ٹھیک ہے بیٹا جیسی تمہاری مرضی، اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب و کامران کرے، یہ جو کچھ بھی ہے تم دونوں بھائیوں کا ہی ہے۔

اکثر شادی کے بعد حالات میں تبدیلی آجاتی ہے، لوگوں کے خیالات بدل جاتے ہیں، رہن سہن اور سوچ میں دوسروں کی مرضی کا عمل دخل بھی ہونے لگتا ہے۔ بیٹا تمہیں یہ میرا حکم نہیں بلکہ میری التجا ہے کہ تم ہمیشہ چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا، اسے کاروباری مشورے دیتے رہنا، اس کی ہمت کو بڑھاتے رہنا تاکہ وہ آگے بڑھتا رہے۔ باپ کے بعد بڑے بھائی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں پر شفقت کی نظر ڈالے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ کرامت دل و دماغ کا بہت اچھا ہے۔ وہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دے گا۔

بیٹا! میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بھائی آپس میں شیر و شکر

کی مانند ہوتے ہیں مگر دلوں میں بیویاں نفاق ڈال دیتی ہیں جو لوگ بیویوں کی باتوں میں آ کر اپنے اخلاق کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ اپنی تو اپنی بلکہ غیروں اور خدا کی نظر میں بھی گر جاتے ہیں۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے شادی کے بعد اس کی سب سے اولین خواہش پورے گھر پر حکمرانی کی ہوتی ہے۔ وہ اکثر اس خیال کے تانے بانے میں الجھی رہتی ہے کہ گھر کے سارے لوگ میرے تابع ہوں، کوئی میرے فیصلے پر نکتہ چینی نہ کرے، اچھا برا سب کچھ میری مرضی سے ہو، آنے والے وقت کے مطابق وہ نہیں سوچتی کبھی کبھار تو دلوں میں اس قدر نفرت ڈلوا دیتی ہے کہ بھائی ایک بھائی کے خون خرابے سے بھی نہیں چوکتا۔ سارے بھائی اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر الگ ہو جاتے ہیں۔

بیٹا! اگر بغور جائزہ لیا جائے تو جوائنٹ فیملی میں بڑے فائدے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت و احترام برقرار رہتا ہے۔ بڑے چھوٹوں کو تنبیہ کرتے ہیں اور بڑے ہمیشہ چھوٹوں پر نظر رکھتے ہیں اس لحاظ ، چھوٹے اپنے بڑوں کا کہا مانتے ہیں، چھوٹے کوئی غلط قدم اٹھاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ چھوٹوں کو ہمیشہ یہ دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ میری غلط ہر حرکت اور غلط بات کا علم ہمارے بڑوں کو ہو جائے گا۔ چھوٹے اپنے بڑوں کو صراط مستقیم پر چلتے دیکھ کر ان کے اقدام کو سراہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ بھی سیدھی راہ پر چلیں۔

آپس کے اتحاد میں خیر و برکت ہے، تم ایسا کرو کہ دھاگے کی ایک ریل لے کر آؤ، میں تمہیں ایک اٹل مثال دکھاتا ہوں۔''

سلامت فوراً اٹھا اور اندر کمرے میں سے دھاگے کی ایک ریل لے آیا، تو اس کے ابا نے کہا۔''تم اس ریل کے دھاگے کو کھینچوں اور چند ٹکڑے کرو۔''

سلامت نے ایسا ہی کیا۔ اس نے دھاگہ کھینچا اور چھوٹے چھوٹے کئی ٹکڑے توڑ ڈالے۔ یہ دیکھ کہ اس کے ابا مسکرائے اور بولے۔''اب یہ ریل مجھے دے دو۔''

سلامت نے ریل ابا کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

اس کے ابا نے ریل میں سے دھاگہ کھینچ کھینچ کر تین تین بالشت کے کئی ٹکڑے توڑے اور پھر ان تمام ٹکڑوں کو آپس میں ملا دیا۔ پھر سلامت کے ہاتھ میں ان دھاگوں کو دے دیا اور بولے۔''اب ایک ساتھ ان دھاگوں کو توڑ کر دکھاؤ۔''

سلامت نے سارے یکجا کئے ہوئے دھاگوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور توڑنے کے لئے زور لگانے لگا مگر کافی زور لگانے پر بھی وہ دھاگے نہیں ٹوٹے۔''ابا یہ تو نہیں ٹوٹیں گے، اس لئے کہ آپ نے کئی ٹکڑوں کو آپس میں ملا دیا ہے۔''

سلامت علی مسکرانے لگے اور بولے۔''بیٹا یہی مثال آپس کی ہے۔ جب چند لوگ، چند خاندان، چند بھائی آپس میں ملے ہوتے ہیں تو اس دھاگے کی مثال ہوتے ہیں۔ جس طرح کئی دھاگے آپس میں مل کر نہیں ٹوٹے اس طرح لوگوں کے میل جول کو بھی دوسرے نہیں ہلا سکتے۔ اور بیٹا! یہی مثال مذاہب و قوموں کے لئے بھی ہے۔ ایک مذہب کے لوگ جب آپس میں شیر و شکر ہوتے ہیں تو اس مذہب میں مضبوطی آتی ہے۔ وہ مذہب پھلتا اور پھولتا ہے۔ آپس میں اتفاق اور اتحاد کے لئے بھاگ دوڑ اور اچھل کود کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہر فرد یہ سوچ لے کہ میری ذات، میرے عمل اور میرے اقدام سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کی دل شکنی نہ ہو، ہر ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھے، جس طرح ایک فرد کسی پریشانی میں مبتلا ہو کر دوسروں کی مدد کا طلبگار ہوتا ہے اسی طرح ہر دوسرا شخص بھی مصیبت کے وقت دوسروں کی مدد کا طلبگار ہوتا ہے اور یہی مثال قوموں کے لئے بھی ہے۔

ایک قوم کے افراد، ایک ملک کے افراد، جب اپنی اپنی ذمہ داریوں کا حسن طریقے سے احساس کرتے ہیں تو اس معاشرہ میں خوشحالی ہوتی ہے، پیار محبت کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، اس ملک اور قوم سے پریشانیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے ہیں،

کوئی بھی ظلم وستم کا شکار نہیں ہوتا، ہر مصیبت اور دکھ کا لوگ ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں، جب ایک فرد پریشانی کا شکار ہوتا ہے تو دوسرے فوراً اس کی مدد کو آجاتے ہیں اور اس طرح مصیبت زدہ کو ڈھارس ہوتی ہے، اس میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے اس کے جسم میں توانائی بھر جاتی ہے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ شخص مصیبتوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ چین اور سکھ کی زندگی گزارتے ہیں۔ لوگ ہر برائی کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور پھر وہ برائی بہت جلد معاشرہ سے ختم ہو جاتی ہے، لوگ ایک دوسرے کا حق نہیں مارتے، اپنی ضرورتوں اور اپنا گھر بھرنے کے لئے دوسروں کا حق نہیں مارتے، خدا کے دین پر صبر وشکر بجالاتے ہیں، وہ زیادہ دھن دولت کے لئے دوسروں کا ناحق خون نہیں بہاتے۔

بیٹا! اچھے برے لوگ ہر ملک اور ہر معاشرہ میں ہوتے ہیں۔ جب برے لوگ برائی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ آہنی ہاتھ کے ساتھ نمٹا جاتا ہے۔ قصور بس قصور ہوتا ہے، چھوٹے بڑے قصور کرنے والوں میں فرق نہیں رکھا جاتا۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا قصوروار کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔

تو بیٹا! میرا مشورہ ہے کہ ہمیشہ آپس میں تم دونوں بھائی اتفاق اور اتحاد رکھنا، ایک دوسرے کی چھوٹی موٹی غلطیاں اور کوتاہیاں نظرانداز کرنا۔ اپنی اپنی بیویوں کو سمجھا بجھا کر رکھنا، ایسا کروگے تو فلاح پاؤ گے، اور پھر یہی چیز تمہاری نسلوں میں بھی پائی جائے گی۔ بہرحال تم بڑا ہونے کا خیال رکھنا اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا۔" یہ بول کر صداقت علی خاموش ہوگئے۔

سلامت بولا۔ "ابا آپ کی بات ہر وقت میرے دل ودماغ میں رہے گی، اور میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ میں کرامت کا ہمیشہ خیال رکھوں گا، آپس میں ہم دونوں بھائی شیر وشکر کی مانند رہیں گے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی ہمیں دیکھ کر سبق حاصل کریں۔" یہ سن کر صداقت علی مسکرانے لگے اور بولے...... مجھے تم سے یہی امید ہے۔

تم نے BA پاس کرلیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، گھر میں شادی ہونے والی ہے، تیاریوں میں مصروف ہوجاؤ، کرامت چونکہ کاروبار میں مصروف رہتا ہے اس لئے یہ ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر ہے، جہاں میری ضرورت پڑے میں حاضر ہوں، اب جاؤ اور معمولات کے کام کرو۔"

"ابا آپ فکر نہ کریں، تمام کام آپ کے حسب منشا ہوگا اور آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ صرف آپ نے مجھے گائیڈ کرنا ہے۔" سلامت نے یہ کہا اور مسکراتے ہوئے باہر چلا گیا۔

وقت گزرتا رہا اور پھر شادی کی تاریخیں سر پر آگئیں۔ سارے انتظامات مکمل تھے۔ اماں اور والد کے مشورے سے سلامت نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

گھر میں شادیانے بجنے لگے، پورے گاؤں میں رونق ہی رونق تھی۔ ایک ہفتہ پہلے ہی سے روزانہ ناچ گانے کے پروگرام ہونے لگے۔ یہ وہ وقت تھا جب ملک میں ریڈیو اور ٹی وی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ لاؤڈ اسپیکر بھی نہ تھے۔ شادی بیاہ میں لوگ ناچ گانے کے پروگرام کرکے خوش ہوتے تھے۔ تھیٹر کا زمانہ تھا۔ تھیٹر والے بڑے لوگوں کے بلانے پر گاؤں یا شہر میں آتے۔ اپنے طرح طرح کے پروگرام اسٹیج کرتے اپنا معاوضہ لیتے اور لوگوں کو تفریح فراہم کرکے چلے جاتے۔

بڑی دھوم دھام سے بارات گئی۔ بارات میں باجے والے دھوم دھڑاکا کرتے رہے، ایسی شادی آج تک اس گاؤں میں کسی اور کی نہیں ہوئی تھی۔ صداقت علی نے اس خوشی میں تجوری کے منہ کھول دیئے تھے۔ گاؤں میں موجود ہندو اور مسلمان دونوں برادری کے لئے الگ الگ رات میں کھانے تیار ہوتے تھے، ان دنوں آپس میں بہت پیار ومحبت تھا۔

زیادہ تر ذات پات میں فرق نہ تھا۔ زیادہ سیاستدان نہیں تھے، خودغرضی نہیں تھی، لوگ اپنے مفاد میں ایک دوسرے کو لڑواتے نہیں تھے۔ ان دنوں جگہ جگہ بینک

نہیں تھے، جگہ جگہ ریستوران اور تفریح گاہیں نہیں تھیں، گولی اور گولے کا زمانہ نہیں تھا۔ ہوائی جہاز نہیں تھے۔ مفاد پرستی اور نفرتیں نہیں تھیں۔

بہرحال دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔ دونوں بہوئیں دھوم مچاتی آ گئیں۔ گھر میں خوشیوں نے ڈیرہ ڈال لیا۔ دلہنوں کی خوبصورتی دیکھ کر عورتیں جھوم اٹھیں۔ جو بھی عورت انہیں دیکھنے آتی تو بلائیں لیتی اور دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوجاتی۔

وقت نے دھیرے دھیرے تیزی پکڑلی۔ سلامت کا پڑھائی سے دل اچاٹ ہوگیا۔ اس نے MA میں داخلہ لینے کا اپنا فیصلہ بدل ڈالا اور کرامت کے ساتھ کاروبار میں لگ گیا۔

سلامت اور کرامت کے والد صداقت علی اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر گھر میں بیٹھ گئے۔ ہفتے میں ایک آدھ دن دکان پر جاتے تھوڑی دیر بیٹھتے اور لوگوں سے علیک سلیک کرتے چلے آتے۔

وقت نے پلٹا کھایا۔ ایک سال بیت گیا۔ قدرت کا فضل وکرم ہوا کہ دونوں بھائیوں کے گھر دو دو جڑواں بچے ہوئے۔ اب تو پورے گاؤں میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ پکوان پر پکوان پکنے لگے۔ محتاجوں اور غریبوں کو خوب نوازا گیا۔ اللہ کے نام پر بہت کچھ لٹایا گیا۔ پورے گاؤں اور پھر ان گاؤں میں بھی جہاں کی دونوں دلہنیں تھیں مٹھائی بانٹی گئی۔ دادا دادی چار بچوں میں مگن رہنے لگے، خوشیاں ان کے گھر لونڈی بن گئی تھیں۔ گاؤں میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو ان کے لئے دعائیں نہ کرتا ہو کیونکہ صداقت علی کے اخلاق اور ملنساری نے سب کو متاثر کیا ہوا تھا۔ ان کے دونوں بچے سلامت اور کرامت بھی اخلاق کا نمونہ تھے۔

صداقت علی اب طبیعت ناسازی کے بنا پر گھر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ دو سال کا عرصہ اور بیت گیا اللہ کی مہربانی دیکھیں کہ اس مرتبہ بھی دونوں بھائیوں کے گھر دو دو جڑواں بچے ہوئے۔ گاؤں والے اور دادا دادی خوشی سے جھومنے لگے۔

گھر کے کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر میں تین تین نوکرانیاں تھیں۔ ایک نوکرانی باورچی خانے کے لئے تھی اور دو نوکرانیاں صرف بچوں کی دیکھ بھال کے لئے۔ یعنی ایک نوکرانی چار بچوں کے لئے تو دوسری نوکرانی اور چار بچوں کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ دونوں بھائی کام میں دن رات لگے رہتے تھے۔ ہول سیل کا کام بہت زیادہ پھیل چکا تھا۔ ہر وقت کئی کئی گودام اجناس سے بھرے رہتے تھے۔ اگر چیزوں کے دام بڑھ جاتے تو وہ لوگ بے تحاشہ دام نہیں بڑھاتے تھے بلکہ کرایہ بھاڑا شامل کر کے معمولی اضافہ کردیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ پاس پڑوس کے سارے گاؤں والے انہی سے غلہ اور دیگر چیزیں اٹھاتے تھے۔

وقت سبک رفتاری سے گزر رہا۔ کہنے والے نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

دنیا ہے سکھ سے خالی دکھ چار سو بھرا ہے
غم کے سوا یہاں پر سوچو تو کیا دھرا ہے

صداقت علی اپنے اور پرائے سب کو بلکتا اور سسکتا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ گاؤں یا گاؤں سے باہر کوئی ایسی آنکھ نہ تھی جو صداقت علی کے غم میں اشکبار نہ تھی۔ لوگ ان کو دعائیں دیتے دیتے بھی نہیں تھکتے تھے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اچھوں کو اچھے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔

صداقت علی کے بنا گھر میں ویرانی چھائی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ روٹی کا نوالہ حلق سے نیچے پیٹ میں اترتے ہی انسان آدھا غم بھول جاتا ہے اور پھر جس گھر میں آٹھ بچے ہوں، اس گھر میں بچوں کا رونا دھونا، چہکنا اور شور شرابہ بہت ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں بعد ہی گھر میں بچوں کی وجہ سے سوگواری نے اپنا منہ موڑ لیا۔

لیکن اس گھر میں تین افراد ایسے تھے جن کے چہروں سے غم جھلکتا تھا۔ غم زدہ والدہ اور دونوں بھائی سلامت وکرامت تھے جو افسردہ رہتے تھے۔ کاروبار کے

سلسلے میں دونوں بھائی دن بھر باہر رہتے، کھانا نوکر کے ہاتھوں دکان پر ہی پہنچ جاتا، رات میں دونوں بھائی دکان بند کر کے ساتھ ہی گھر آیا کرتے تھے اور ساری رقم ماں کے دوپٹے میں ڈال دیا کرتے تھے۔ والد زندہ تھے تو رقم انہیں دیا کرتے تھے۔

ساری رقم والدہ کے پاس جمع رہتی اور حسب ضرورت مال کے لئے دونوں بھائی رقم ماں سے لیتے تھے۔ گھر کا سارا خرچ یعنی سودا سلف دکان سے آتا۔ سالن کی چیزیں وہ دکان سے بھیج دیا کرتے تھے اور پھر دیگر ضروریات زندگی کے لئے دونوں بھائی دکان سے اپنا اپنا خرچ لے لیا کرتے تھے مگر ہر طرح کا خرچ ایک کھاتہ میں لکھتے ضرور تھے، اگر ایک روپیہ بھی کہیں خرچ ہوتا تو اس کا حساب بھی کھاتہ میں درج ہوتا۔

وقت کے حساب سے سلامت کی بیوی جمیلہ کا مزاج بدلنے لگا تھا۔ وہ اکثر رات میں سلامت سے دبے دبے الفاظ میں طرح طرح کی باتیں کرتی۔ ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم پر کسی کی حکمرانی نہ ہو، ہم پر کوئی نظر رکھنے والا نہ ہو، ہمارے معاملات اور ہمارے کھانے پینے میں کوئی مداخلت نہ کرے، اب آپ یہی دیکھ لیں، گھر میں جو کچھ بھی پکتا ہے خالہ کی مرضی سے پکتا ہے، اگر میرا دل چٹنی کھانے کو چاہے تو میں ایسا نہیں کر سکتی، گھر تو وہ ہوتا ہے جس میں ہمارا جو دل چاہے ہم وہ پکائیں، ویسا کریں، ایسا کریں، نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔

”جمیلہ یہ کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہو، لگتا ہے تمہارے دماغ میں فتور آتا جا رہا ہے، کان کھول کر سن لو، اس گھر میں وہی ہوگا جو میری ماں چاہے گی، اگر تمہیں کوئی شکایت ہے یا اگر چٹنی کا دل چاہے تو پکا لیا کرو، اگر کوئی روکے تو پھر بات کرو۔ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے مگر ہم دونوں بھائیوں کے مزاج میں فرق نہیں آسکتا اور آئندہ خبردار جو تمہارے منہ سے ایسی کوئی اور بات سنوں، ورنہ حالات کی ذمہ دار تم خود ہوگی اور یہ تم آئے دن میکے جانا بند کرو۔ کرامت کی بیوی ثمرین بھی تو ہے جو مہینوں میکے جانے کا نام تک نہیں لیتی۔“

شوہر کے منہ سے کھری کھری باتیں سن کر وہ سٹپٹا گئی۔ لیکن اس کا دماغ پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس نے دل میں سوچ لیا کہ ”اگر میں نے بھی اپنی من مانی نہیں کر لی تو میرا نام بھی جمیلہ نہیں۔“ ہر ماہ کی نوچندی جمعرات کو وہ اپنے میکے جاتی۔ حالانکہ سلامت کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بھائی کو بلا لیتی جس کے ساتھ چلی جاتی۔“

جمیلہ کی ماں کا کہنا تھا کہ ”ایک طویل عرصہ سے ہمارے گھر نوچندی جمعرات کے دن نیاز دلتی ہے اس وجہ سے میں جمیلہ کو بلا لیتی ہوں۔“

سلامت کی والدہ بھی بیٹے کو سمجھا لیتی تھیں کہ ”بیٹا کوئی بات نہیں، اس طرح جمیلہ کا تھوڑا بہت دل بھی بہل جاتا ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے دو دن رہ کر چلی آتی ہے۔“ مگر سلامت بیوی کی اس حرکت پر اکثر اعتراض کرتا۔

وقت نے ایک مرتبہ پھر پلٹا کھایا اور والدہ بھی سب کو سسکتا چھوڑ کر دنیا سدھار گئیں۔ گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ گھر میں اب کوئی بڑا بوڑھا رہا نہیں۔ دونوں بھائیوں کا دل مسوس کر رہ گیا۔ دونوں بھائیوں کی آنکھ سے آنسو خشک نہیں ہو کے دیتے تھے۔ بہر حال بڑی مشکل سے دونوں نے اپنے آپ کو سنبھالا کیونکہ کاروباری مسئلہ تھا۔ چار دن تک دکان بند رہی اور پھر پانچویں دن انہوں نے دکان کھول لی۔

وقت ایک مرتبہ پھر سبک رفتاری سے آگے کو بڑھنا شروع ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے باہم مشورہ سے ایک عمر رسیدہ خاتون جو کہ دور کی رشتہ دار تھیں انہیں گھر میں بطور نگراں کے رکھ لیا۔ ان کا کام اپنی تجربہ کار آنکھیں پورے گھر اور نوکر چاکر پر رکھنا تھیں۔

ماں کے انتقال کے بعد کرامت نے سلامت سے کہا۔ ”بھیا اب آپ روپے پیسے بھابی کے ہاتھ میں دیا کریں۔ میری خوشی کی خاطر۔“

سلامت نے انکار کر دیا اور بولا۔ ”کرامت میں

اپنی بیوی کو اچھی طرح جانتا ہوں، مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں جان سکتا، اس کے ہاتھ میں روپیہ نہ رکھنا ہی بہتر ہوگا۔ اب آئندہ جو بھی لین دین ہوگا اس کے لئے رقم دکان میں پڑی رہے گی اور جو رقم دکان سے الگ ہوگی وہ تم خاموشی سے اپنے کمرے میں رکھنا، ایک ٹھکانہ رقم کے لئے بنالو، جو کہ خفیہ ہو اور اس جگہ تمہاری بیوی کا ہاتھ نہ پہنچے۔ یہ میرا حکم ہے۔"

کرامت پہلے تو ٹالتا رہا مگر پھر بھائی کے حکم کے آگے خاموش ہوگیا۔

دونوں بھائیوں کے بچے اب بڑے ہوگئے تھے۔ سلامت کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ کرامت کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں کے بڑے بیٹے تقریباً گیارہ سال کے ہوچکے تھے۔

ساس کے انتقال کے بعد سلامت کی بیوی جمیلہ متواتر کئی مرتبہ دبے الفاظ میں بولی "اب خالہ تو رہیں نہیں، پاس پڑوس اور خاندان کی عورتیں بولتی ہیں کہ لین دین اور حکم چلانے کی مہارانی تو تم ہی ہو، میں انہیں کوئی معقول جواب نہیں دیتی اور خاموش ہوجاتی ہوں۔ آپ بتائیں میں کیا جواب دیا کروں۔"

"جمیلہ تم جواب دینا کہ مہارانی میں تو ہوں، ہماری ضرورت کی ساری چیزیں مہیا ہوجاتی ہیں اور وقت ضرورت معقول رقم بھی میرے پاس ہوتی ہے، اس رقم سے میرا جو دل چاہے میں کرتی ہوں۔

جمیلہ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ امی کی بات اور تھی اور امی رہیں نہیں۔ گھر پر جتنا تمہارا حق ہے اتنا ہی حق کرامت کی بیوی ثمرین کا بھی ہے۔ سارا لین دین اور حساب کتاب میرے ہاتھ میں ہے اور میں ہی اپنی مرضی سے سارا انتظام چلا رہا ہوں۔ میں تمہیں تمہارے خرچ کے لئے معقول رقم دیتا ہوں، تم میکے جاتی ہو، کیا خرچ کرتی ہو، کسے دیتی ہو، کبھی میں نے یا اماں نے پوچھا نہیں۔ جس طرح گھر کا نظام چل رہا ہے اسی طرح چلتا رہے گا، بس تم اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ اور اب اماں نہیں رہیں لہٰذا اب تم کوشش کرو کہ میکے زیادہ نہ جانا ہو، اپنی اماں سے کہہ دینا کہ اب گھر کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں لہٰذا میرا زیادہ آنا جانا مشکل ہے۔"

جمیلہ شوہر کی باتیں سنتی رہی اور گردن ہلاتی رہی مگر اس کے دل میں کرامت کی طرف سے پھانس چبھ گیا تھا۔ اور اس نے سوچ لیا کہ اس قصہ کو میں بے باک ہی کر کے رکھ دوں گی۔" شوہر کو اس نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں، اور اب میں جاؤں گی تو اماں سے بھی بول دوں گی اماں اب میں ہر نوچندی جمعرات کو نہیں آسکوں گی کیونکہ اب وقت نکالنا مشکل ہوگیا ہے۔ پہلے خالہ تھیں تو کسی بات کی فکر نہیں ہوتی تھی۔" یہ سن کر سلامت تو مطمئن ہوگیا مگر سلامت کو کیا پتہ تھا کہ عورت کا دوسرا روپ ناگن کا بھی ہوتا ہے۔ عورت سب کچھ برداشت کرسکتی ہے مگر شادی کے بعد اپنی حکمرانی کے لئے جیسے توے پر لوٹتی رہتی ہے وہ چاہتی ہے کہ جس گھر میں، میں بیاہ کر آئی ہوں اس گھر پر میری حکمرانی ہو۔

نوچندی جمعرات آئی اور وہ اپنی اماں کے گھر گئی۔ موقع اور تنہائی ملتے ہی اس نے رونا دھونا اور مچلنا شروع کردیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر اماں حیران ہوگئیں۔ "ارے میری جان تجھے کیا ہوگیا، تجھے کسی نے کچھ بول دیا، ارے رو نہیں ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، بتا تو سہی ہوا کیا۔"

"اماں کیا بتاؤں، اس گھر پر ثمرین حکمران بن کر بیٹھ گئی ہے اور یہی نہیں کرامت نے تو سلامت پر جادو ٹونا بھی کرادیا ہے۔ جس کی وجہ سے سلامت کی زبان دونوں میاں بیوی کے آگے بند ہو کر رہ گئی ہے۔ انہوں نے ہمیں پائی پائی کا محتاج بنا کر رکھ دیا ہے، میں عزت کی خاطر اب تک خاموش تھی، کہیں ایسا نہ ہو کہ کرامت ہم میاں بیوی اور بچوں کو گھر سے نکال دے، اماں تمہیں میری قسم کچھ کرو، نہیں تو میں برباد ہوجاؤں گی، ایسا نہ ہو کہ سلامت اس غم کے پہاڑ تلے دب کر......" اور اس نے بات ادھوری چھوڑ

دی۔ اور پھر زار و قطار رونے لگی۔

"میری بچی نہ رو، میں تو اس منحوس کرامت کے ساتھ وہ سلوک کروں گی کہ کم بخت مر کر بھی چین نہیں پائے گا۔ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ جمیلہ میری بھابی ہی نہیں بلکہ خالہ کی بیٹی بھی ہے۔ میں اس وقت مندر کے پنڈت جی کے پاس جاتی ہوں، ارے ان کا کاٹا پانی نہیں مانگتا، لیکن اس کام میں تھوڑا بہت خرچ بھی ہوگا، پنڈت بہت لالچی ہے بغیر رقم لئے کوئی کام نہیں کرتا۔ سفلی عمل کا ماہر ہے۔" اماں نے کہا۔

جمیلہ نے جھٹ اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے کئی کرارے کرارے نوٹ نکال کر اماں کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ نوٹوں کو دیکھ کر اماں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جمیلہ دل ہی دل میں بہت خوش تھی۔ بولی۔ "اماں تم کہنا کہ یہ کام ذرا جلدی کرنا ہے، ایسا کام ہونا چاہئے کہ وہ بھی کیا یاد کریں گے۔ پیسوں کی فکر پنڈت جی نہ کریں، میں کرامت، ثمرین اور اس کے بچوں کی موت دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر کام وقت پر ہوگیا تو میں پنڈت کو خوش کردوں گی، دوگنا رقم دے کر۔"

اماں نے برقع اٹھایا اور جھٹ گھر سے نکل گئیں۔ وہ پنڈت کے گھر پہنچ گئیں۔ پنڈت کے گھر میں جانے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی انہیں پنڈت کے گھر جاتا دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پنڈت کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بدحواس ہوگئیں، پنڈت کی بیوی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی، انہیں ڈر تھا کہ انہیں کسی نے پنڈت کے گھر میں دیکھ لیا تو غضب ہوجائے گا۔ انہوں نے پنڈت کے ہاتھ پر بغیر گنے کئی کرارے نوٹ رکھ دیئے اور آنکھوں میں آنسو لاکر جلدی جلدی ساری روداد سنادی اور یہ بھی کہا کہ یہ کام فوراً ہونا چاہئے ورنہ میری بیٹی اور داماد کی جان چلی جائے گی اور کام ہونے پر میں دگنی رقم دوں گی۔

پنڈت جی آپ کے پاس میرے آنے کا کسی کو پتہ نہ چلے، یہ میری عزت کا سوال ہے۔ آپ اس کا خیال رکھیئے گا۔ بیٹی کی عزت اور جان مال کا سوال ہے۔ اس لئے مجبور ہوکر میں آپ کے پاس آئی۔"

"ارے آپ بالکل بھی فکر نہ کریں، کسی کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑے گی، آپ بے فکر ہوکر جائیں، تین دن گزرتے ہی تباہی و بربادی کا دھماکہ ہوگا، یہ کرامت بھی کیا خیال کرے گا کہ کس سے پالا پڑا ہے۔"

پنڈت کے دلاسہ دینے پر وہ دروازے سے باہر نکلیں اور ادھر ادھر دیکھا اور پھر ڈرے سہمے انداز میں اپنے گھر واپس آگئیں۔ ان کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی جمیلہ بولی۔ "اماں خیریت تو ہے، آپ کیوں گھبرا رہی ہیں اور کام کا کیا ہوا؟"

"ارے ذرا دم تو لے، بتاتی ہوں، تو تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہے۔" اماں بولیں۔ "میں بہت دیکھ بھال کر گئی تھی، وہ اپنے کام میں بہت ماہر ہے، میں ڈری سہمی گئی تھی کیونکہ کسی کی نظر پڑ جاتی تو غضب ہوجاتا کہ اس پنڈت کے گھر میرا کیا کام، ہر کام دیکھ بھال کر کرنا پڑتا ہے، اس نے بولا ہے کہ تین دن گزرتے ہی دکھ مصیبت پریشانی اور تباہی کا دھماکہ ہوگا، کرامت بھی کیا خیال کرے گا۔"

اماں کے گھر دو دن رہ کر جمیلہ اپنے گھر واپس آگئی اور بے چینی سے تین دن گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ ایک ایک پل گھر کے تمام افراد خاص طور پر کرامت اس کی بیوی اور بچوں پر نظر رکھنے لگی۔

تین دن گزر گئے چوتھی رات آئی۔ آدھی رات کے وقت اچانک کرامت کے بڑے بیٹے کو خون کی الٹیاں شروع ہوگئیں۔ کرامت کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی بیوی ثمرین زار و قطار رونے لگی۔ سلامت بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اپنے کمرے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حالات بہت سنگین تھے۔

کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک کیا ہوگیا۔ اچھا بھلا بچہ رات میں کھاپی کر سویا تھا۔ کوئی طبیعت بھی خراب نہیں تھی۔

پھر اچانک ایک اور خون کی بڑی الٹی آئی اور بچہ بے سدھ ہوکر پڑ گیا۔ اس کی روح جسم چھوڑ چکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ موت سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ آدھی رات کے وقت پورے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا۔ شور شرابہ اور رونا دھونا سن کر پاس پڑوس کے سارے لوگ اٹھ گئے۔ ثمرین کی حالت دیدنی تھی۔ سب سے بڑا بیٹا، وہ چند منٹ ہوش میں آتی اور پھر پچھاڑ کھا کر بے ہوش ہو جاتی۔

پاس پڑوس اور گاؤں میں موجود سب کی آنکھیں اشکبار تھیں، کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک کیسے ہو گیا؟

صبح کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ ان کے گھر کے باہر ایک مٹی کی ہانڈی ٹوٹی پڑی تھی۔ اس ہانڈی میں دو طرح کے پیلے پھول سیندور کی اچھی خاصی مقدار، لال کپڑے کا ایک ٹکڑا، پیلی سرسوں، سرسوں کا تیل، بکرے کا ایک چھوٹا سا دل، دل میں شگاف ڈالا گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا چاقو اور کپڑے کا بنا ایک چھوٹا سا گڈا تھا۔

لوگوں نے فوراً اندازہ لگا لیا بلکہ لوگوں کو پکا یقین ہو گیا کہ کسی دشمن نے بچے کی موت جس کا نام کمال تھا اسے مارنے کے لئے ہانڈی کا عمل کرایا تھا۔

ہانڈی کا عمل ایسا ہوتا ہے کہ عامل اپنے سامنے مٹی کی ہانڈی میں مطلوبہ چیزیں رکھ کر اس کے گرد ایک حصار کھینچتا ہے اور پھر جسے مارنا مقصود ہوتا ہے اس کا نام لے کر سفلی عمل پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔

عمل کی پڑھائی ختم ہوتے ہی ہانڈی میں سے۔
"گوں......ں......ں......گوں......ں......ں......" کی آوازیں نکلنے لگتی ہیں، آواز نکلنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمل نے ٹھیک طرح سے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہانڈی ہوا میں معلق ہو جاتی ہے اور اس سمت کو چلتی ہے جس طرف کے ایڈریس کے متعلق عامل پڑھ کر ہانڈی پر پھونک مار چکا ہوتا ہے۔ ہانڈی فضا میں معلق ہو کر ہلکی ہلکی گوں......ں......ں......ں" کی آواز نکالتی ہوئی مطلوبہ ایڈریس کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے اور مقررہ گھر کے مین دروازے کے سامنے اوپر سے زمین پر گر جاتی ہے اور پھر جس شخص کے نام کا عامل نے عمل پڑھا ہوتا ہے وہ شخص خون کی الٹیاں کر کے فوراً موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

روتے دھوتے اور آہوں سسکیوں کے ساتھ کمال کو دفن کر دیا گیا۔ ثمرین کو ہوش آ کے نہیں دے رہا تھا۔ پورا گاؤں غمزدہ تھا۔ لوگوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ یہ معاملہ تو کھل کر سامنے آ گیا تھا کہ جو کچھ بھی ہوا تھا کسی دشمن کا کیا دھرا تھا۔ مگر وہ دشمن کون تھا؟ اس کا کیا مقصد تھا؟ وہ اپنی کون سی دشمنی کے تحت ایسا کیا تھا جبکہ شرافت اور دیانت میں سلامت اور کرامت کا گھر مشہور تھا۔ ان لوگوں کی کسی سے بھی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی وہ لوگ کسی کے لفڑے میں پڑتے تھے، سب کے ساتھ بھائی بندی اور پیار محبت سے پیش آتے تھے، ایسے لوگوں کا اچانک یہ کون دشمن پیدا ہو گیا تھا، اور آنا فاناً جادوئی ہانڈی بھیج کر بچے کا خاتمہ کرا دیا تھا۔

ہانڈی کا عمل ایسا ہوتا ہے کہ اگر عمل آگے بڑھ گیا تو اس کا کوئی توڑ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ عمل زیادہ وقت لیتا ہے۔ رات میں ہی ہانڈی اڑائی جاتی ہے اور ہانڈی چند منٹ میں مطلوبہ جگہ پہنچ کر نیچے گرتی ہے اور جو شخص ہدف ہوتا ہے وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بڑا بیٹا باپ کا سہارا ہوتا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت۔ کرامت غم سے نڈھال تھا۔ اس کے جسم کی ساری توانائی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ غم نے اس کی کمر جھکا دی تھی۔

پورے گاؤں میں سوگ کا عالم تھا، ہر طرف ایک عجیب سی ویرانی چھائی تھی، کسی کو بھی کھانا پینا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کیونکہ بیٹھے بٹھائے اچھا بھلا چنگا سا بچہ چٹ پٹ موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ جو لوگ اس وقت حقیقت یعنی اس جادوئی ہانڈی کے متعلق جانتے تھے وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھے اور انہیں معلوم تھا کہ دشمن اب بھی چین سے نہیں بیٹھے گا۔

تیسرے دن سوئم تھا، چوتھے دن دونوں بھائی

سلامت اور کرامت نے دکان کھول دی۔ دکان پر جتنے بھی لوگ آتے سب کے سب افسوس کرتے رہے۔ تسلی اور دلاسہ دیتے رہے۔ کرامت کو بیٹھا کر سلامت مال لانے کے لئے شہر چلا گیا اور جاتے جاتے کرامت سے بولا۔ "کرامت تم گلے پر بیٹھے رہنا، یہ جو دونوں نوکر ہیں ان سے بھرپور کام لینا۔ میں کوشش کروں گا کہ جلدی سے آجاؤں۔

کرامت جو ہونا تھا ہوگیا، اللہ کی مرضی کے آگے کسی کی کیا چل سکتی ہے، جس دشمن نے بھی ایسا کیا ہے اس سے تو اللہ ہی نمٹے گا، اللہ کی رحمت پر نظر رکھو، اللہ اچھا کرے گا، اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اور یہ بول کر سلامت بیل گاڑی پر بیٹھ کر شہر چلا گیا۔ شہر زیادہ دور نہیں تھا، وہ اکثر بیل گاڑی پر مال لایا کرتے تھے۔ کچھ آڑھتی ایسے بھی تھے، جو کہ خود بخود اپنی گاڑی پر چھوڑ جایا کرتے تھے۔

گاؤں میں ایک عمر رسیدہ گردھاری لال تھے۔ وہ بہت شریف النفس اور ہمدرد تھے، وہ عامل تھے مگر چھوٹے عامل، اپنے جنتر منتر سے لوگوں کے مسائل حل کر دیا کرتے تھے، وہ ہندو مسلمان میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے ہر کسی کے ساتھ پیار محبت سے پیش آتے تھے۔

وہ کرامت کے پاس آئے اور تسلی دیتے رہے۔ "کرامت بیٹا جو کچھ ہوا وہ بہت برا ہوا، بالکل بھی گھبرانا نہیں، میں اس کوشش میں ہوں کہ وہ بدذات دشمن ہے کون؟ اس نے ایسا ذلیل اور اوچھا کام کیوں کیا۔

کرامت بیٹا! میں زیادہ پہنچا ہوا تو نہیں ہوں، اگر مجھ سے پتہ نہیں لگ سکا تو میرے ایک جاننے والے ہیں۔ وہ اس معاملے میں بہت ماہر ہیں، میں نے اپنی زندگی میں آج تک ان سے بڑا پہنچا ہوا اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ بہت ہمدرد اور خیال کرنے والے ہیں جو بھی ان کے پاس گیا وہ کامیاب لوٹا۔ اتنے دل کے دھنی ہیں کہ کسی سے کوئی پائی پیسہ نہیں لیتے، اگر کچھ خرچ بھی ہوتا ہے تو اپنے پاس سے کرتے ہیں، دلی میں حکیم وقار کے مطب میں حکیم وقار کے بھائی ہیں حکیم کامل، روحانی علاج میں ماہر ہیں۔"

"گردھاری کاکا، ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ہمارے ابا کی بھی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی، آپ بلکہ پورا گاؤں جانتا ہے کہ ہم لوگ کس مزاج کے ہیں، اب یہ کس نے اور کیوں کیا ہے اللہ بہتر جانتا ہے؟" کرامت نے کہا۔

"کرامت بیٹا! یہ بات تو اٹل ہے کہ یہ دشمن کا کیا دھرا ہے۔ دشمن بہت چالاک اور شاطر ہے۔ اس نے ایسا کام کرایا ہے کہ عقل دنگ رہ جائے۔ اگر کوئی کسی پر جادو کراتا ہے تو اس میں زیادہ وقت لگتا ہے مگر یہ ایسا عمل ہوتا ہے کہ فوراً اثر ہوتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے بندہ ختم ہو جاتا ہے۔ بھگوان بچائے ایسے عمل سے۔ بیٹا! میں کوشش کروں گا کہ دشمن کا پتہ چل جائے اور اگر نہیں ہوا تو میں تمہیں یا سلامت کو ساتھ لے کر دلی چلوں گا۔ حکیم کامل کے پاس۔

"اب میں چلتا ہوں، ذرا کھیت میں بھی جانا ہے، کھیت میں گنے کی بوائی ہو رہی ہے۔" اور یہ بول کر گردھاری لال چلے گئے۔

کرامت گلے پر بیٹھا تھا مگر اس کے دماغ میں سوچوں کا طوفان برپا تھا۔ اس کے دماغ میں بار بار یہی آرہا تھا کہ 'یا اللہ ہماری تو کسی سے بھی دشمنی نہیں، ہم نے تو کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا، کبھی کسی کے معاملات میں دخل بھی نہیں دیا لیکن ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوگیا، یہ کون ہے جو ہمارا دشمن بن گیا؟

اسی قسم کے خیالات نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ بار بار کمال کی صورت اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ تو اس کا دل مچل اٹھتا اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے، دکان میں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر بعد وہ جیسے لرز جاتا، اس پر اچانک خوف سوار ہو جاتا اور پھر اسے ایسا بھی محسوس ہوتا کہ جیسے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اور حقیقت میں ایسا ہی تھا۔ وقفے وقفے سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ساتھ ہی اس کا جسم کپکپا جاتا۔

آج سے پہلے کبھی بھی اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر دکان میں بیٹھے بیٹھے اسے بخار ہو گیا۔ کرسی پر بیٹھنا اس سے دوبھر ہو رہا تھا مگر وہ مجبور تھا اور دکان میں بیٹھنا بھی ضروری تھا کیونکہ بڑا بھائی سلامت تھا نہیں اور پھر پوری دکان دونوں نوکروں پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

گھر سے کھانا دکان پر آ گیا تھا مگر طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے آج اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔

خیر اللہ کر کے شام پانچ بجے سلامت بیل گاڑی پر مال لے کر آ گیا اور مال اتروانے لگا۔

بیل گاڑی سے سارا مال اتروانے کے بعد کرامت کے سامنے کرسی پر بیٹھا اور پھر غور سے کرامت کی طرف دیکھا۔ ''کرامت کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟'' اور یہ بول کر جب اس نے کرامت کی کلائی پکڑی۔ ''کرامت تمہیں تو سخت بخار ہو رہا ہے۔ صبح کے وقت تو بالکل ٹھیک تھے، یہ بخار کب چڑھا؟ دکان بند کر کے گھر چلے جاتے۔''

''بھیا! بس! اچانک بخار چڑھ گیا۔ آپ آ گئے تو میں گھر چلا جاتا ہوں۔'' کرامت بولا۔

تم فوراً گھر پہنچو! میں حکیم صاحب کے پاس خبر بھیجتا ہوں وہ آ کر چیک کر لیں گے اور دوا بھی دے دیں گے۔'' سلامت بولا۔

سلامت نے اپنے نوکر فضلو کو آواز دی۔ ''اے فضلو، بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں، ان کے ساتھ گھر جاؤ، اور انہیں گھر چھوڑ کر فوراً حکیم صاحب کے پاس جانا اور انہیں بلا کر جلدی سے لے آؤ، حکیم صاحب سے کہنا کہ کرامت بھائی کو سخت بخار ہو گیا ہے، آپ چل کر دیکھ لیں اور دوا بھی دے دیں، سلامت بھائی نے فوراً آنے کا کہا ہے۔''

کرامت کو فضلو کے ساتھ گھر روانہ کر دیا اور خود دکان میں رہ گیا۔ کرامت کی طبیعت اور حالت دیکھ کر سلامت بہت پریشان ہو گیا تھا۔

''یا اللہ اپنا فضل کر، کرامت کا بخار فوراً اتر جائے، یا اللہ ہم سارے گھر والوں پر رحم و کرم فرما۔'' سلامت نے کہا۔

کرامت کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی، چلنے میں اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ فضلو نے اسے سہارا دے کر گھر پہنچا دیا، اور فوراً تیز قدموں سے چلتا ہوا حکیم ارشاد علی کے پاس پہنچا۔ ''حکیم صاحب کرامت بھائی کو سخت بخار ہو گیا ہے، آپ جلدی چلیں، سلامت بھائی نے کہا ہے کہ حکیم صاحب سے کہنا جلدی سے آ کر کرامت کو دیکھ لیں اور دوا بھی دے دیں۔''

حکیم ارشاد نے جلدی سے بیگ اٹھایا جس میں مختلف اقسام کی دوائیں تھیں اور فضلو کے ساتھ چند منٹ میں کرامت کے پاس پہنچ گئے۔

حکیم صاحب نے جب کرامت کی نبض پر انگلی رکھی تو چونک گئے۔ ''ارے کرامت بیٹا تمہیں تو بہت سخت بخار ہے اور اس گرمی بھی بہت شدید ہے۔''

حکیم صاحب نے فوراً ایک بالٹی ٹھنڈا پانی منگایا اور ایک دوسری بالٹی بھی منگالی۔ دوسری بالٹی خالی تھی۔ ''کرامت بیٹا! چارپائی کی پٹی پر اپنا سر رکھ کر لیٹ جاؤ، تمہارے سر پر پانی ڈالنا بہت ضروری ہے۔ میں اپنے حساب سے پانی ڈالوں گا۔'' حکیم صاحب نے کہا۔

بخار اتنا تیز تھا کہ کرامت کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور پھر آنکھوں سے پانی بھی بہنے لگا تھا۔ حکیم صاحب کے کہنے کے مطابق کرامت نے اپنا سر چارپائی کی پٹی پر رکھ کر لیٹ گیا، حکیم صاحب پانچوں وقت کے نمازی تھے اور ساتھ ہی ساتھ دم درود بھی کیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ کرامت کے سر پر پیشانی کی طرف سے مگ میں پانی لے کر ڈالنا شروع کر دیا۔ سر سے ہوتا ہوا پانی خالی بالٹی میں گرنے لگا۔ نیچے گرتا ہوا پانی بھی گرم لگتا تھا، آہستہ آہستہ حکیم صاحب کرامت کے سر پر پانی ڈالتے رہے، جب پانی ختم ہو گیا تو انہوں نے ایک بالٹی پانی اور منگالیا اور اسے بھی کرامت کے سر پر ڈالنے لگے، آدھا

گھنٹہ تک پانی سر پر ڈالتے رہے، اس کے بعد حکیم صاحب نے کرامت کا بخار جب چیک کیا تو بخار کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔

حکیم صاحب نے دوا کی چھ پڑیاں دیں اور بولے۔ ''کرامت بیٹا اس دوا کو تم ہر دو گھنٹے بعد کھانا، اللہ نے چاہا تو بخار ختم ہو جائے گا۔'' اس کے بعد حکیم صاحب کوئی دس منٹ تک بیٹھے رہے اور کلام الٰہی پڑھ پڑھ کر کرامت پر دم کرتے رہے۔ ''اچھا کرامت بیٹا، اب میں چلتا ہوں۔ تم ٹائم پر دوا ضرور کھانا۔''

سستا زمانہ تھا۔ کرامت نے حکیم صاحب کو ایک روپیہ دیا۔ اور حکیم صاحب کرامت کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔ حکیم صاحب کے جانے کے بعد فضلو بھی دکان پر آ گیا اور ساری تفصیل سلامت کے گوش گزار کر دی۔

جاتے جاتے حکیم صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ ''شدید گرمی پڑ رہی ہے، بخار میں بھی شدت ہے لہٰذا رات میں چھت پر سونا تا کہ ٹھنڈی ہوا لگتی رہے۔''

دونوں بھائیوں کا اصول تھا کہ مغرب کی اذان سے چند منٹ پہلے دکان بند کر دیا کرتے تھے۔ سلامت نے دکان بند کی، مسجد گیا اور نماز مغرب کے بعد گھر آ گیا، وہ فوراً کرامت کے کمرے میں گیا اور کرامت کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''کرامت سر میں درد بھی ہو رہا ہو گا؟'' سلامت نے پوچھا۔

''جی بھیا! سر میں کافی درد ہو رہا ہے، پہلے سے اب بخار میں کمی آ گئی ہے، حکیم صاحب نے کہا ہے کہ ہر دو گھنٹہ بعد دوا کھانا اور یہ بھی بول کر گئے ہیں کہ رات میں چھت پر سونا کیونکہ گرمی آج زیادہ ہے۔'' کرامت نے کہا۔

''تم لیٹ جاؤ! میں تمہارا سر دبا دیتا ہوں۔'' سلامت بولا۔

''بھیا اس کی ضرورت نہیں، آپ آرام کریں۔'' کرامت بولا۔

''بس تم شرافت سے لیٹ جاؤ، آگے کچھ اور نہ بولنا۔'' سلامت نے کہا۔ سلامت کو دیکھ کر کرامت اٹھ بیٹھا تھا۔ سلامت کے کہنے پر وہ دوبارہ لیٹ گیا۔

جب کرامت لیٹ گیا تو سلامت نے بہت پیار سے کرامت کا سر دبانا شروع کر دیا۔ اس دوران وہ ادھر ادھر کی باتیں بھی کرتا رہا تا کہ کرامت کی طبیعت بہل جائے۔ آدھا گھنٹہ تک وہ کرامت کا سر دباتا رہا۔ پھر سلامت اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

سر شام ہی دونوں بھائیوں کا بستر چھت پر کر دیا گیا تھا۔ رات کا کھانا سب نے اکٹھا کھایا، حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ''کرامت رات میں روٹی چاول نہیں کھانا بلکہ گرم گرم دودھ پی لینا، دودھ میں دوا کی پڑیا ملا لینا۔'' حکیم صاحب نے دودھ میں ملا کر پینے کے لئے الگ سے ایک پڑیا دی تھی۔ جسے کرامت نے گرم دودھ میں ملا کر پی لیا تھا۔

رات ساڑھے آٹھ بجے دونوں بھائی چھت پر چلے گئے اور اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے، رات میں چھت پر سونے کے لئے بچوں اور عورتوں کو اجازت نہیں تھی۔

سلامت کافی دیر تک ماضی اور حال کے متعلق باتیں کرتا رہا اور پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔ کرامت بھی نیند کی وادی میں پہنچ گیا تھا۔

بہت بڑی چھت تھی۔ چھت پر لائن میں تین کمرے موجود تھے۔ ان کمروں کی چھت ٹین کی تھی۔ جب دونوں بھائی گھر میں موجود ہوتے تو عورتیں اور بچے اوپر جا کر ان کمروں میں کبھی کبھار آرام کرتے تھے۔

رات کے ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا کہ اچانک دونوں بھائیوں کی آنکھ کھل گئی ایسا لگا کہ کوئی بہت بھاری بھرکم وجود چھت پر چل رہا ہے۔ اس کے چلنے سے ٹین کی چھت واضح طور پر اوپر نیچے ہونے لگی تھی۔ یعنی جب وہ بھاری وجود قدم رکھتا تو چھت نیچے کو دب جاتی اور پھر جیسے وہ قدم اٹھاتا تو چھت اوپر کو ہو جاتی۔ اسی پر اکتفا نہیں تھا بلکہ وقفے وقفے سے وہ وجود اوپر کو اٹھتا اور دھڑام سے چھت پر گرتا۔ جس سے زوردار اور فلک شگاف آواز سنائی دیتی۔

دونوں بھائیوں کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات تھی۔ اتفاق سے چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ تو چھت پر موجود وہ شے کیسے نظر آتی۔ دونوں بھائی اٹھ کر اپنی اپنی چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ سلامت نے کرامت کا ہاتھ دبا کر اشارہ دیا کہ "کچھ بولنا نہیں۔"

دونوں بھائی ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ اس زوردار آواز سے پاس پڑوس بلکہ پورا گاؤں اب اٹھا کہ تب اٹھا۔ اس طرح ہوتے ہوئے کوئی پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک ان دونوں بھائیوں کے علاوہ کوئی نہیں اٹھا تھا۔ کوئی بیس منٹ تک وہ مہیب آوازیں آتی رہیں اور پھر آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ چھت اب اپنی اصل پوزیشن میں تھی۔

دونوں بھائی دوبارہ لیٹ گئے۔ ان کے دماغ میں طرح طرح کے سوالات تھے مگر وہ کسی بھی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ بستر پر کروٹیں بدلتے بدلتے ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ ہو چکا تھا کہ اچانک دو بلیاں اس چھت پر نہ جانے کہاں سے آ گئیں اور غرانے لگیں۔ اور پھر ان بلیوں کی آواز اتنی زوردار، خوفناک ہو گئی جو کہ ناقابل برداشت تھی۔

بلیوں کی آواز پر دونوں بھائی پھر اٹھ کر اپنے اپنے بستر پر بیٹھ گئے، اس مرتبہ بھی سلامت نے کرامت کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ دیا کہ خاموش رہنے میں بہتری ہے۔ اب کرامت پر لرزہ طاری ہونے لگا تھا۔ اندھیری رات ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا مسلط تھا۔ سلامت نے محسوس کیا کہ کرامت کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بستر پر سے اٹھ کر کرامت کے بستر پر بیٹھ گیا اور کرامت کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

اللہ کی پناہ! بلیاں اس طرح خوفناک اور بھیانک آوازیں نکالنے لگی تھیں کہ کان کے پردے متاثر ہونے لگے تھے۔ اچانک اسی دوران سلامت کی نظر چھت کی طرف اٹھ گئی تو اس پر جھرجھری طاری ہو گئی کیونکہ بلیوں کی آنکھیں نہیں بلکہ ایسا لگا کہ کسی نے اس جگہ دہکتے ہوئے چار انگارے رکھ دیئے ہوں۔

اگر عام حالات میں اس خوفناک طریقے سے بلیاں چیختیں تو ابھی تک پاس پڑوس اور قرب و جوار کے لوگ یقیناً اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے ہوتے۔ لوگوں کو ویسے بھی معلوم ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ بلیوں کا رونا یا چیخنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اب کرامت پر کپکپی سوار ہو چکی تھی۔ وقت ایسا تھا کہ سلامت سوائے خاموشی سے کرامت کو پکڑ کر بیٹھنے کے اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

آج سے پہلے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا، جو حالات آج ان کے سامنے تھے۔ ان کے گھر یا چھت پر کبھی بھی کوئی بلی نہیں آتی تھی۔ سلامت کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یقیناً یہ کوئی اور مسئلہ ہے۔ کرامت کو کندھے سے پکڑے ہوئے وہ بیٹھا رہا، تھوڑا وقت اور گزر گیا اب بلیوں کی چیخ میں فرق پڑ گیا تھا۔ اب وہ وقفے وقفے سے چیخنے لگی تھیں۔

اچانک "اللہ اکبر..... اللہ اکبر" کی صدا انہیں سنائی دی۔ اذان فجر کی آواز پورے گاؤں میں گونجنے لگی تھی۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کی آواز کا آنا تھا کہ اچانک دونوں بلیاں نہ جانے کہاں غائب ہو گئیں۔ اب سلامت کی جان میں جان آئی۔ مگر کرامت کی حالت بدستور غیر رہی۔ جب ذرا سپیدہ نمودار ہوا تو کرامت کو سہارا دے کر سلامت نیچے کمرے میں لے آیا۔ کرامت کو بستر پر لٹا دیا اور خود فجر کی نماز کے لئے وضو بنانے چلا گیا۔ وضو بنا کر اس نے کرامت کے کمرے میں ہی نماز فجر ادا کی۔ دعا سے فارغ ہو کر اس نے کرامت پر کلام الٰہی پڑھ کر دم کیا۔ دم کرتے ہی ایسا لگا کہ جیسے کرامت کے جسم کو بجلی کے کرنٹ کا جھٹکا لگا ہو۔ کرامت کا جسم زور زور سے جھٹکا کھانے لگا اور پھر کرامت شانت ہو کر بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

سلامت ثمرین سے بولا۔ "دودھ گرم کر کے لے آؤ۔" ثمرین فوراً دودھ گرم کر کے لے آئی تو سلامت نے

کرامت کو سہارا دے کر اٹھا اور گھونٹ گھونٹ گلاس کا سارا دودھ پلادیا۔ اس کے بعد حکیم صاحب کی دی ہوئی دوا بھی کھلادی۔ اس کے بعد قرآن کی دونوں "معوذتین سورتیں" پڑھ کر کرامت کو دم کیا تو اچانک کرامت نے سلامت کو عجیب نظروں سے گھورنے لگا۔ کرامت کی نگاہوں میں ایک عجیب طرح کی پراسراریت بھری تھی۔ جسے دیکھ کر سلامت کو اپنے جسم میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ لیکن وہ بدستور "معوذتین سورتیں" پڑھ کر دم کرتا رہا۔ ایسا کرنے سے کرامت کی طبیعت میں ٹھہراؤ آ گیا اور پھر چند منٹ میں ہی وہ گہری نیند سو گیا۔

کرامت کو گہری نیند میں دیکھ کر سلامت مطمئن ہو گیا، اس نے ناشتہ کیا اور پھر دکان کھولنے کے لئے چلا گیا۔ جب وہ دکان پر پہنچا تو دیکھا کہ دونوں نوکر پہلے پہنچ کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ دکان کھول کر سلامت گلے پر بیٹھ گیا۔ اور پھر گاہکوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔

پونے دس بجے گردھاری لال دکان پر آئے اور ان پر نظر پڑتے ہی سلامت نے انہیں سلام کیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور بولے۔ "سلامت بیٹا! اب کرامت کی کیسی طبیعت ہے؟ اور جہاں تک مجھے امید ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میری جانکاری کے مطابق کل رات اس کے ساتھ بہت ہی ادکھا مسئلہ رہا، میں نے اپنے جنتر منتر سے معلوم کرلیا ہے کہ کوئی اس کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اگر جلدی سے اس کا بچاؤ نہ کیا گیا تو بھگوان نہ کرے....." اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کاکا آپ صحیح کہہ رہے ہیں، کچھ کچھ اندازہ تو میں نے بھی لگالیا ہے، میرے اندازے کے مطابق کچھ ہوائی چیزوں کا مسئلہ لگتا ہے، کل رات میں جو واقعات پیش آئے ہیں، اسے مدنظر رکھتے ہوئے میرا بھی ارادہ ہے کہ اس کا فوراً تدارک ہونا چاہئے، مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی پہنچے ہوئے بندے کا ہمیں علم نہیں۔ ہم اسے کہاں ڈھونڈیں۔ اندرونی طور پر میں بھی لرز گیا ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کرامت کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" سلامت نے کہا۔

"بیٹا سلامت! میں خود بھی کرامت کے معاملے میں اندر سے ہل کر رہ گیا ہوں، اس کا اچھا بھلا بچہ بے موت مارا گیا۔ اس معصوم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ رات میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا گھر گھپ اندھیرے میں چھپ گیا ہے۔ تمہارے گھر سے ہٹ کر چاروں طرف روشنی ہے، اس طرح کہیں اندھیرا چھانا اچھا نہیں ہوتا، جب کوئی دشمن جادوٹونے پر اتر آتا ہے تو آہستہ آہستہ سارا گھر اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔" گردھاری لال نے کہا۔

گردھاری لال اور سلامت یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں کرامت دکان پر آ گیا اور گردھاری لال پر نظر پڑتے ہی ان سے نگاہیں چرانے لگا۔

"ارے کرامت تم کیوں آ گئے، بھئی گھر پر آرام کر لیتے، کام تو ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، جاؤ جا کر آرام کرو۔" سلامت نے کہا۔

"بھیا! گھر میں پڑا پڑا، میں بور ہو رہا تھا، اس لئے آ گیا، یہاں رہوں گا تو طبیعت بھی بہل جائے گی۔" اور پھر اچانک اس کا تیور بدل گیا۔ وہ گھور کر گردھاری لال کو دیکھنے لگا۔

"تم کیوں آ گئے، کام دام کا وقت ہے، تم تو بے کام آدمی ہو، کہیں اس طرح دھرنا دے کر بیٹھنا اور دوسروں کو پریشان نہ کرنا ٹھیک نہیں، جاؤ...... یہاں سے چلے جاؤ...... اور آئندہ ادھر آنے کے لئے خیال رکھنا۔" کرامت بولتا چلا گیا۔

سلامت فوراً بولا۔ "کرامت یہ تم کیا....." اور اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ گردھاری لال نے سلامت کو خاموش کرادیا۔

وہ بولے۔ "سلامت بیٹا! تم خاموش رہو، میں جانتا ہوں یہ خود نہیں بول رہا بلکہ اس سے بلوایا جا رہا ہے۔ مجھے ساری حقیقت کا پتہ ہے۔ تم فوراً یکہ والے کو بلوالو، فضلو کو بھیج کر، میں اسے اپنے ساتھ حکیم وقار کے مطب دلی

لے جا رہا ہوں، حکیم وقار کے مطب میں ایک حکیم صاحب ہیں۔ ''حکیم کامل۔'' جو بہت پہنچے ہوئے ہیں، ایک منٹ میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیں گے، اور دلی یہاں سے ہے کتنی دور، دو گھنٹے کا تو راستہ ہے۔ ہم نے جانا ہے اور واپس آنا ہے۔ تم جلدی کرو، نہیں تو کرامت کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور آج کی رات اس پر اور بھی بھاری ہے۔''

''او بڈھے! زبان سنبھال کر بات کر نہیں تو تیرا ٹیٹوا دبا دوں گا۔ میں تیرے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔'' کرامت کا لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔

اب گردھاری لال نے گھور کر کرامت کو دیکھا اور کچھ پڑھ کر اپنی سیدھی انگلی پر پھونک ماری اور انگلی کرامت کی آنکھ کے سامنے کر دی، تو کرامت کے منہ سے نکلا۔ ''اوہ!'' اور اس نے ایک بہت لمبا سانس کھینچا۔

''اب بالکل خاموش ہو جا! ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو سمجھ لے...... خبردار! بالکل خاموشی مانگتا ہوں۔ اور چل میرے ساتھ......'' گردھاری لال کی باتیں سن کر کرامت جیسے بھیگی بلی بن گیا اور نگاہیں نیچی کر لیں۔

سلامت یکہ والے کو لانے کے لئے فضلو کو بھیج چکا تھا۔ ''کاکا آپ برائے مہربانی کرامت کا خیال رکھنا، اگر دکانداری کا مسئلہ نہیں ہوتا تو میں خود بھی چلتا، ویسے بھی دلی گئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ اللہ کرے کرامت جلدی ٹھیک ہو جائے، کتنے روپے لگیں گے۔ آپ روپے لے جائیں۔'' سلامت نے کہا۔

''سلامت بیٹا! اس میں کوئی خرچ نہیں۔ بس یکہ والے کو آنے جانے کا کرایہ دے دینا، کامل صاحب ایک پائی بھی نہیں لیتے۔''

اتنے میں یکہ والا آ گیا۔ اسے دیکھ کر سلامت بولا۔ ''راجا، انہیں دلی لے جا اور واپس بھی لیتے آنا، انہیں وہاں پر تھوڑا وقت لگے گا، اس کی فکر مت کرنا، جتنا بھی کرایہ بنے گا لے لینا۔''

''ارے سلامت بھیا! کوئی فکر نہ کریں، جو آپ کے دل میں آئے دے دینا، میں آپ کے آگے کیا بول سکتا ہوں۔ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی، ویسے میں نے دلی میں حکیم وقار کا مطب دیکھا ہوا ہے، بہت مشہور مطب ہے۔'' راجا نے کہا۔

''کرامت تم جا کر یکہ میں بیٹھو، گردھاری کاکا، تمہیں حکیم صاحب کے پاس لے جا رہے ہیں، حکیم صاحب دلی میں رہتے ہیں، ان کا بہت بڑا مطب ہے۔ حکیم صاحب سے دوا لے کر واپس آ جانا۔ فضلو بھی تمہارے ساتھ جا رہا ہے۔ دکان کی فکر نہ کرو، میں سنبھال لوں گا۔'' سلامت نے کہا۔

سلامت کی بات سن کر کرامت بغیر چوں چرا اس کے خاموشی سے یکہ کے پاس گیا اور پھر یکہ پر چڑھ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد گردھاری لال اور فضلو بھی یکہ کے پاس گئے اور یکہ میں بیٹھ گئے۔

''گردھاری کاکا، آپ کی بہت بہت مہربانی کہ آپ اپنا کام چھوڑ کر کرامت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اس کا اجر آپ کو اللہ ضرور دے گا۔'' سلامت نے کہا۔

''سلامت بیٹا! تم فکر نہ کرو، بھگوان نے چاہا تو کرامت بالکل چنگا بھلا ہو کر واپس آئے گا، تم لوگوں کو بھی میں اپنا ہی سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ دشمن کا بیڑا ضرور غرق ہوگا، ذرا پتہ چل جائے پھر دیکھنا اس کا کیا حشر کروں گا۔ اچھا اب ہم چلتے ہیں، تین چار گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔'' یہ بول کر انہوں نے کوچوان سے کہا۔ ''راجا، اب اپنے گھوڑے کی تیزی دکھلا۔''

کوچوان نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے آگے جانے کے لئے اشارہ دیا تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ گھوڑا واقعی بہت تیزی دکھلا رہا تھا۔ اور اس طرح وہ لوگ سوا گھنٹے میں دلی حکیم وقار کے مطب کے سامنے پہنچ گئے۔ یکہ سے اتر کر گردھاری لال، کرامت اور فضلو مطب کی طرف بڑھ گئے، کوچوان یکہ کو ایک درخت کے سایہ تلے لے کر کھڑا کر دیا۔ اور بیڑی سلگا کر دھواں اڑانے لگا۔

کرامت بالکل کوئی شور شرابہ کئے گردھاری لال کے ساتھ چلتا ہوا، مطب کے انتظار گاہ میں جا کر بیٹھ گیا۔

کرامت یوں خاموش تھا کہ گردھاری لال نے دکان پر کچھ پڑھ کر اس کی بندش کر دی تھی۔

پندرہ منٹ بعد ہی ان کا نمبر آ گیا۔ ایک ملازم نے گردھاری لال اور کرامت کو حکیم وقار کے کمرے میں پہنچا دیا۔ حکیم وقار ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائے اور بڑی شفقت سے سامنے موجود کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب دونوں کرسی پر بیٹھ گئے تو حکیم وقار نے پوچھا۔ ”محترم! کس تکلیف کے تحت آپ لوگ تشریف لائے ہیں.....؟“

”حکیم صاحب! دراصل ہمیں حکیم کامل سے ملنا ہے، یہ میرے جاننے والے ہیں، ان کا نام کرامت علی ہے، یہ ہوائی چیزوں کے چکر میں آ گئے ہیں۔ ہم یہاں سے تھوڑے فاصلے پر رائی پور گاؤں میں رہتے ہیں۔“

”اچھا..... اچھا..... آپ اطمینان رکھیں، میں آپ لوگوں کو حکیم کامل کے کمرے تک پہنچا دیتا ہوں۔“ انہوں نے میز پر اپنے سامنے رکھی ہوئی گھنٹی بجائی تو فوراً ایک ملازم حاضر ہو گیا۔ ”جی حکیم صاحب!“ ملازم ہاتھ باندھ کر مودبانہ لہجے میں بولا۔

”شکور میاں! ان دونوں صاحبان کو حکیم کامل کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔“ حکیم وقار نے کہا۔

”جی بہت اچھا۔“ ملازم نے کہا اور دونوں کے ساتھ حکیم کامل کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ حکیم کامل کے کمرے میں پہنچ کر مودبانہ لہجے میں بولا۔ ”حکیم صاحب یہ دو صاحبان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ اور یہ بول کر ملازم الٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

ان دونوں کو دیکھ کر ردلوکا اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

گردھاری لال نے ہاتھ ملایا، اور جب ردلوکا نے کرامت کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو کرامت نے ہاتھ نہیں ملایا اور جلدی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

ردلوکا نے کرامت کو غور سے دیکھا اور بولا..... ”اچھا..... تو یہ بات ہے..... خیر تمہاری مرضی.....“ یہ بول کر ردلوکا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”حکیم صاحب! میرا نام گردھاری لال ہے، اور ان کا نام کرامت علی ہے۔ ہم رائی پور سے آئے ہیں۔ لگتا ہے ان کے ساتھ کوئی ہوائی چکر ہو گیا ہے۔“ گردھاری لال نے کہا۔

”آپ اپنی زور زبردستی اور اپنی شکتی کے سہارے یہاں تک لے آئے، ورنہ یہ کسی صورت یہاں نہیں آتے۔ خیر میں انہیں چیک کرتا ہوں۔“ یہ بول کر ردلوکا اپنی گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

چند منٹ کے بعد ردلوکا نے اپنی گردن اوپر اٹھائی اور ایک لمبا سانس کھینچ کر بولا۔ ”اچھا..... تو یہ معاملہ ہے..... گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔“ ردلوکا مسکرانے لگا۔

کرامت کو ردلوکا بہت گہری نظر سے دیکھنے لگا اور پھر بولا۔ ”کرامت صاحب! آپ کچھ بولنا پسند کریں گے..... کچھ تو بولیں، خیر چلئے نہیں بولنا چاہتے تو نہ بولیں..... لیکن ہم تو بولتے رہیں گے..... اچھا ہوتا اگر آپ ہماری بات کا جواب دیتے تو۔“

”گردھاری صاحب! آپ بھی شکتی شالی ہیں..... میں نے آپ کو پڑھ لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ انہیں ساتھ لے آئے۔ ان کے ساتھ مسئلہ نہیں بلکہ مسائل ہیں۔ یہ منہ سے نہیں بولیں گے بلکہ ان کی زبان کھلوانی پڑے گی۔“

کبھی کبھی انسان خودغرض اور مطلب پرستی میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ اپنے قلبی اور خونی رشتوں کو بھی بھول جاتا ہے۔ اپنے عیش و آرام اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے لوگوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، دوسروں کے منہ کا نوالہ چھین کر کھا لیتا ہے، اور اگر کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بنے تو اپنے راستے کی رکاوٹ کو ہٹانے کے لئے دوسروں کو روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے، چاہے اس کے لئے اسے

کتنے لوگوں کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔ اس قدر مال واسباب، زرو جواہر اور جگہ جائیداد جمع کر لیتا ہے کہ جیسے وہ اس دنیا سے جائے گا نہیں۔ لیکن وہ بھول بیٹھتا ہے کہ ''سامان سو برس کا ہے اور پل کی خبر نہیں۔'' رولو کا نے کہا۔

''حکیم صاحب! میں بہت آس لے کر آپ کے پاس انہیں لایا ہوں۔ بہت شریف النفس ان کا گھرانہ ہے، میرا یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ ان لوگوں سے زیادہ شریف کوئی پورے رانی پور میں نہیں ہے، ان لوگوں کی ذات سے کبھی کسی فرد کو نقصان نہیں پہنچا اور نہ ہی کسی کو کوئی شکایت ہوئی۔'' گردھاری لال نے کہا۔

رولوکا بولا۔ ''دراصل شریف لوگوں ہی کو تنگ کیا جاتا ہے، بدمعاش کے تو کوئی قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ ان کی قسمت اچھی ہے کہ آپ انہیں آج لے آئے، ورنہ آج کی رات ان پر بہت بھاری ثابت ہوتی۔ اتنی بھاری کہ ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا۔ ان کا دشمن بہت شاطر ہے اور اس نے بہت زبردست وار کیا ہے۔ ایک بہت گھناؤنے عمل کا سہارا لیا گیا ہے۔ ایسے عملیات بہت نیچ لوگ چند ٹکوں کے لئے کر بیٹھتے ہیں، کبھی کبھی عمل کرنے والے اگر غافل ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا خود کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

اس دنیا میں زیادہ تر لوگ لالچی ہیں، اپنے فائدے کے لئے لوگوں کی زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔ لوگوں کی زندگی چھیننے والے یہ نہیں سوچتے کہ ایک نہ ایک دن میری زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ سارا دھن دولت یہی رہ جائے گا۔ ایسے کم عقل لوگ ہوتے ہیں جو ایک جان مار کر مال واسباب جمع کرتے ہیں۔ اور مال ودولت کو سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو تمام دھن ودولت اپنی قبروں میں بھی لے جائیں۔

جس کا سب سے بڑا بے وقوفی کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے وقتوں میں جب فرعون مرتے تھے تو ان کی آخری آرام گاہ یعنی اہراموں میں کثیر تعداد میں دھن ودولت، زرو جواہر مرنے والوں کی خواہش کے مطابق رکھ دیا جاتا تھا، مرنے والوں کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی تھی کہ ایک طویل مدت گزارنے کے بعد زندہ ہو جائیں گے۔ تب انہیں دولت کی ضرورت پڑے گی۔ وہ مر کھپ گئے۔ ان ہڈیاں گل سڑ گئیں، وہ زندہ نہیں ہوئے بلکہ ان کے مال واسباب اور زرو جواہر کو لوگوں نے اپنی عقل سے نکالا اور عیش کیا، اور کر رہے ہیں۔

''جی حکیم صاحب! آپ سو فیصد درست فرما رہے ہیں، اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔'' گردھاری لال نے کہا۔

رولوکا بولا۔ ''آپ بے فکر ہو جائیں، کرامت میاں کچھ بولیں گے نہیں، خاموش ہی رہیں گے، میں ان کی ہر طرح سے بندش کر دیتا ہوں، کوئی بھی ہوائی چیز ان کے قریب نہیں آئے گی، اور کہیں جا بھی نہ سکے گی۔

جیسے چند یا کثیر تعداد میں فوج کسی قلعہ میں مقید ہو جاتی ہے اور باہر سے جب نئی کمک یا امداد ان تک نہیں پہنچتی تو اندر موجود تمام فوجی بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں اور اپنی جان بچانے کے لئے ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا پھر باہر موجود فوج کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ بس یہی حال کرامت میاں کے اندر موجود وجود کا ہو گیا ہے۔ باہر کی کوئی بھی کمک ان کے قریب نہیں آ سکتی بلکہ اندر والا اپنی مدد کے لئے کسی کو پکار بھی نہیں سکتا۔'' رولوکا بولا۔

''خیر میں ان کا مکمل وقتی بچاؤ کر دیتا ہوں۔''

ان تمام باتوں کے دوران کرامت بالکل خاموش گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ اس نے نظر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تک نہیں۔ وہ بہت زیادہ عمیق گہرائی میں پہنچ کر کچھ سوچ رہا تھا، رولوکا نے اپنی دراز سے ایک کالی ڈوری نکالی اور اس میں سے ایک بالشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اسے لے کر کرامت کے قریب پہنچا، کچھ پڑھ کر اس ڈوری میں تین گرہ لگا کر ڈوری کرامت کی سیدھی کلائی پر باندھ دی، اور واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

''گردھاری لال اب آپ انہیں لے جا سکتے ہیں۔ آپ بالکل بے فکر ہو جائیں، ذرہ برابر بھی ڈر، خوف ذہن میں نہ رکھیں اور باقی تفصیل میں رات میں معلوم

کرلوں گا اور پھر حسب ضرورت رانی پور آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، ان کو اکیلے کمرے میں صاف ستھرے بستر پر لٹا دیجئے گا۔ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے، یہ اپنی اپنی مرضی سے اٹھیں بیٹھیں، کھائیں پئیں۔ کسی بھی کام کے لئے زبردستی نہیں کیجئے گا۔ وقت پر کھانا ان کے سامنے رکھوا دیجئے گا۔ یہ خاموشی سے کھانا کھالیں گے۔ کھانے میں دال ساگ سبزی روٹی چاول دے سکتے ہیں۔ گوشت مرغی مچھلی اور انڈا ان کے سامنے نہ رکھا جائے اور ہاں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ کوئی بچہ اور خاص طور سے کوئی عورت ان کے کمرے اور ان کے قریب نہ جائے۔ اس کے لئے خاص تاکید ہے، اب آپ جا سکتے ہیں۔" ردلوکا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اور مصافحہ کے لئے گردھاری لال کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا، اور کرامت سے ہاتھ نہیں ملایا۔

گردھاری لال نے کرامت کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔ "کرامت میاں اٹھو چلیں۔" یہ سنتے ہی کرامت اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گردھاری لال کے ساتھ ردلوکا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

راجا یکہ لئے ایک درخت کے سایہ تلے کھڑا تھا۔ وہ تینوں کو دیکھ کر آگے بڑھا اور گھوڑے کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ تینوں یکہ میں بیٹھے تو راجا یکہ پر اپنی جگہ بیٹھ کر گھوڑے کی لگام ڈھیلی کردی اور اشارہ ملتے ہی گھوڑا آگے بڑھتے بڑھتے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

ایک گھنٹہ پانچ منٹ میں یکہ رانی پور پہنچ گیا۔ یکہ دکان کے سامنے رکا۔ سلامت دکان میں اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ جھٹ اٹھا اور یکہ کی طرف بڑھا۔ اور بولا۔ "گردھاری کاکا، سب خیریت ہے ناں۔"

"ہاں بیٹا! سب خیریت ہے، میری معلومات بالکل صحیح تھی، کرامت بہت زبردست ہوائی چیز کے چکر میں ہے۔ عامل صاحب نے بچاؤ کے لئے بندش کردی ہے۔ اور ہوسکتا ہے وہ کل یا پرسوں یہاں آ کر ہم سب کے سامنے حقیقت کی قلعی کھول دیں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" اور پھر کرامت کے رہن سہن اور معمولات کی ساری تفصیل سلامت کے گوش گزار کردی۔

"فضلو! تم دکان کو دیکھو، میں کرامت کو گھر چھوڑ کر چند منٹ میں آتا ہوں۔ اور ہاں گردھاری کاکا، آپ بھی چند منٹ اور یہاں ٹھہریں، میں واپس آ کر آپ سے تفصیل سے بات کرتا ہوں۔" یہ بول کر سلامت نے کرامت کا کندھا پکڑا اور اسے لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچ کر سلامت نے کرامت کو ایک کمرے میں بستر پر لٹا دیا۔ اور چند باتیں اس کی بیوی ثمرین کو بتا دیں اور اپنی بیوی جمیلہ سے بھی بولا۔ "جمیلہ تم ذرا اس کا خیال رکھنا، کوئی اس کے کمرے میں نہ جائے اور خاص کر تم یا ثمرین بالکل بھی کمرے میں قدم نہ رکھنا، میں جلدی سے دکان بند کرکے آ جاؤں گا۔" یہ بول کر سلامت دکان کے لئے گھر سے نکل گیا۔

دکان کے باہر کرسی ڈالے گردھاری لال بیٹھے تھے۔ سلامت ان کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "ہاں! گردھاری کاکا! اب آپ ذرا تفصیل بتائیں۔"

"بیٹا تفصیل یہ ہے، بس سمجھو کہ کرامت کی جان بچ گئی۔ اگر اسے میں آج نہیں لے جاتا تو آج کی رات اس پر بہت بھاری تھی، اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ اور ہم لوگ ہاتھ ملتے رہ جاتے، جس طرح تمہارا بھتیجا کمال ہم سے جدا ہوگیا۔

دشمن نے بہت کاری وار کیا ہے، یہ جادوئی ہانڈی کا وار ایسا ہوتا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے، آج رات کرامت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہونا تھا۔" گردھاری لال نے بتایا۔

"کاکا! آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے، ہم تو اس کا اجر دے نہیں سکتے، اس کا اجر آپ کو اللہ ہی دے گا۔ میرا ذہن یہ سوچ سوچ کر بہت بے چین ہے کہ ہمارا پوشیدہ دشمن ہے کون؟ اور اسے ہم سے دشمنی کیا ہے؟" سلامت بولا۔

"بیٹا! فکر نہ کرو، عامل صاحب نے کہا ہے کہ

''دشمن اپنے انجام کو پہنچے گا، اور یہ ہانڈی بھیجنے والا بھی دوسروں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے گا۔'' تم اپنے سارے معمولات کے کام کرتے رہو، اپنے دماغ سے سوچ فکر نکال دو، باقی باتیں جس طرح میں نے بتائی ہیں اس کے حساب سے کرامت کا دیکھ بھال کرتے رہو، اچھا اب میں چلتا ہوں، گھر والے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' یہ بول کر گردھاری لال اپنے گھر چلے گئے۔

ادھر سلامت کی بیوی جمیلہ دل ہی دل میں بہت خوش تھی۔ اس کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ اپنے کرائے ہوئے جانی نقصان کے عمل پر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ اپنی اماں کو دل ہی دل میں داد دے رہی تھی۔ واہ اماں تم نے تو کمال کر دیا، اتنا زبردست عمل کرایا کہ چند روز میں ہی تباہی شروع ہو گئی، اب میں یہ دیکھوں گی کہ کرامت کا بچہ مجھ پر کیسے حکومت کرے گا، ہمارے راستے میں کیسے رکاوٹ کھڑی کرے گا، اس گھر پر میرا راج ہوگا، اس گھر کی میں مہارانی ہوں۔

میں کرامت، اس کی بیوی اور اس کے بچوں کو نیست و نابود کرا دوں گی، نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری، بس ایک مرتبہ اور اماں کے پاس جانے کی دیر ہے۔ کرامت تو حال سے بے حال ہو ہی رہا ہے، بس دو چار دن کا مہمان ہے، پھر اس گھر پر میری حکومت ہوگی، سلامت میری مٹھی میں ہوگا۔''

مگر شاید جمیلہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ مارنے والا سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہوتا ہے، وہ اپنے انجام سے بے خبر تھی کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

مغرب سے پہلے پہلے سلامت دکان بند کر کے آ گیا، جمیلہ نے اسے دیکھا تو بھونچکی ہو کر رہ گئی، ''آج اتنی جلدی دکان کیوں بند کر دی؟ کیا آپ بھی کرامت کے ساتھ مریض بنتے جا رہے ہیں، کچھ آپ اپنا بھی سوچیں، آخر ہمارے بھی بچے ہیں، ہمارے بھی اپنے ارمان ہیں۔''

''جمیلہ! میں تمہیں کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں، روز بروز تمہاری سوچ منفی ہوتی جا رہی ہے، لگتا ہے تمہارا دماغ زیادہ خراب ہونے لگا ہے۔ ان باتوں کا سوچنا تمہارا کام نہیں، میں اپنا اور اپنی فیملی کے لئے اچھا ہی سوچتا رہتا ہوں، جو تمہارا کام ہے جو تمہاری ذمہ داری ہے اس پر نظر رکھو! اگر دوسرے معاملات میں ٹانگ اڑاؤ گی تو نقصان میں رہو گی، ٹینشن کا شکار ہو جاؤ گی رات دن کا سکون برباد ہو کر رہ جائے گا، زیادہ سوچ فکر انسان کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے۔'' سلامت نے جمیلہ سے کہا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر سلامت آیا اور ثمرین سے بولا۔ ''ثمرین کرامت کا کھانا نکال دو، میں اسے کھلا دوں۔''

ثمرین نے جلدی جلدی کھانا نکالا تو سلامت نے کھانا اٹھایا اور کرامت کے کمرے میں لے گیا۔ کھانا رکھ کر گھڑے کا ٹھنڈا پانی بھی لے گیا۔ کرامت کے پلنگ کے قریب میز پر کھانا رکھا تھا۔ ''کرامت اٹھو کھانا کھالو۔'' یہ بول کر سلامت قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلامت کی باتیں سن کر کرامت نے اپنی آنکھیں کھولیں اور سلامت کو بھرپور نظروں سے دیکھا اور پھر کھانے میں مصروف ہو گیا، بولا کچھ بھی نہیں۔ کھانا کھانے کے بعد کرامت نے چلمچی میں ہاتھ دھویا اور پھر اپنے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

سلامت نے برتن اٹھائے اور پانی کا جگ بھی لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے بعد جمیلہ نے اس کا کھانا نکا دیا تو وہ اپنے اور کرامت کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا، پورے گھر کا کھانا ایک ہی جگہ پکتا تھا۔

رات ہوئی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو گئے۔ کرامت اپنے کمرے میں اکیلا پڑا تھا۔ رات کے سوا بارہ بجے ہوں گے کہ ان کے گھر کی چھت کے اوپر چاروں طرف ایک عجیب و غریب مہیب، خوفناک، بھیانک اور ڈراؤنی آواز...... گوں ں ں ں...... سنائی دینے لگی۔

☆☆☆

سلامت اور کرامت کے مکان کے اوپر متواتر گوں......ں گوں......ں......ں......ں کی آوازیں جاری تھیں۔ ادھر گردھاری لال اپنے بستر پر بے چین تھے انہیں پتہ تھا کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ آج کی رات کرامت کے لئے بہت بھاری تھی۔ یعنی آج رات دشمن یقیناً کاری وار کرے گا۔ یہی سوچ سوچ کر وہ اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ اور جب ان سے بے چینی برداشت نہ ہوئی تو وہ اپنے بستر سے اٹھے اور گھر سے باہر نکل گئے۔ وہ فکر مندی سے چلتے ہوئے کرامت کے گھر کے پاس پہنچ گئے، چونکہ وہ بھی تھوڑے بہت گیانی تھے۔ انہوں نے بھی جان لیا کہ کرامت کے مکان کے اوپر کوئی شے ہے جو کہ متواتر چکر لگا رہی ہے اور اس میں سے گوں گوں کی آوازیں نکل رہی ہیں۔

وہ سمجھ گئے کہ ہو نا ہو...... دشمن نے موت کی ہانڈی بھیجی ہے۔ ان کے منہ سے نکلا۔ ''او! بھگوان رکھشا کرنا اس گھر کی۔ کرامت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔'' وہ اس جگہ کھڑے کھڑے سوچتے رہے کہ ''کبھی کبھی انسان کس قدر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے کہ وہ کسی کی جان لینے سے بھی نہیں چوکتا۔ کوئی غیر کسی غیر کے لئے ایسے خونی قدم نہیں اٹھاتا۔ صرف اپنا ہی اپنے کے لئے کرتا ہے۔ لگتا ہے سلامت اور کرامت کا کوئی اپنا خونی کھیل کھیل رہا ہے۔''

گردھاری لال کی نظریں مسلسل اوپر کو اٹھی تھیں کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ وہ شے گول تھی، اس کے گرد بجلی سی کوندی اور پھر وہ شے کرامت علی کے مکان سے دور ہوتی ہوئی نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔

گردھاری لال سمجھ گئے کہ حکیم صاحب کی طرف سے یہ یقیناً بچاؤ کے لئے کوئی ترکیب ہوئی ہے۔ جب حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ''آج کی رات بہت بھاری ہے۔'' تو انہوں نے اپنے تئیں ضرور کچھ نہ کچھ کیا ہوگا۔

اور یہی حقیقت تھی کہ رولوکا نے اپنے ان دیکھے کارندے کرامت علی کے مکان کے اوپر لگا دیئے تھے تاکہ وہ مکان کی حفاظت کریں اور اس طرح گھر کے مکین اور خاص طور سے کرامت محفوظ رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کی رات کرامت علی کی موت یقینی تھی۔

ہمیشہ ایسے خطرناک مسئلہ کے لئے رولوکا اپنا خاص کارندہ جاگتے الو کو ذمہ دار ٹھہراتا تھا، جاگتا الو تمام کارندوں میں بہت اہم مقام رکھتا تھا، بڑی تندہی اور جانفشانی اور چوکس طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا تھا۔ آج بھی جو کچھ ہوا تھا، جاگتے الو نے ہی کیا تھا۔ مکان کے اوپر چکر لگاتی موت کی ہانڈی کو جھپٹا مار کر اس مکان سے دور لے گیا تھا۔

گردھاری لال کو جب نظر آ گیا کہ موت کی ہانڈی اپنی جگہ سے ہٹ چکی ہے تو انہیں بہت خوشی ہوئی۔ انہیں دلی طور پر اطمینان ہوا، انہوں نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا کہ کرامت اور اس کے گھر والے آج کی رات کسی جانی یا پھر کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہے۔

وہ مزید آدھے گھنٹے تک مکان کے ارد گرد گھومتے رہے اور پھر جب کچھ اور نہ ہوا تو وہ قلبی سکون کے ساتھ اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ انہیں پکا یقین ہوگیا تھا۔ ''حکیم صاحب نے اپنے وعدے کے مطابق دشمن کے وار کو ضائع کردیا۔''

ادھر موت کی ہانڈی بھیجنے والا پنڈت اپنے کمرے میں موجود تھا اور اپنی کارروائی پر خوش تھا کہ اس کا خونی وار ہر صورت میں کارگر ثابت ہوگا کہ اچانک اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی، اس کے ہاتھ کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے کچھ زیادہ ہی پھیل گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ کمرے کے چاروں کونوں میں وہ تیزی سے جاتا اور اپنا سر اٹھا کر کچھ ان دیکھی چیز کو دیکھنے کی کوشش کرتا۔ اس کی بے چینی اور گھبراہٹ ساعت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔

چند ہی منٹ میں اس کی حالت ایسی نظر آنے لگی تھی کہ جیسے مچھلی کو پانی سے باہر ڈال دیا گیا ہو یا پھر موت

اپنا آہنی شکنجہ پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہی ہو۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا، اب وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ منتر پڑھنے کے بعد اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

پھر لکڑی کے ایک چھوٹے ڈبے میں پڑی ہوئی ایک موٹے دانے کی مالا کو نکال لیا اور جلدی جلدی کچھ پڑھنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ وہ مالا پر پھونک بھی مارتا جاتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مالا میں سے ایک سرخ رنگ کی شعاع نکلی۔

سرخ شعاع پر نظر پڑتے ہی پنڈت جیسے چیخ کر بولا۔ ''سنگھما..... سنگھما!'' اس آواز کا نکلنا تھا کہ پنڈت کے سامنے ایک کونے میں دھوئیں کا ایک مرغولہ اٹھا اور پھر چشم زدن میں اس دھوئیں نے ایک سایہ کا روپ دھار لیا۔

''سنگھما! جلدی سے پتہ کر کہ میری بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کدھر غائب ہوگئی۔ جلدی کر...... ورنہ...... زندگی یا موت اور......'' اور پنڈت نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

وہ سایہ جسے پنڈت نے سنگھما کے نام سے پکارا تھا، اچانک غائب ہوگیا اور پھر پلک جھپکتے ہی دوبارہ حاضر ہوگیا۔ وہ سایہ مؤدبانہ کھڑا تھا۔ اس کے پاس سے خرخراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''مہاراج مرتیو ہانڈی کا کوئی پتہ نہیں، پورب، پچھم، اتر، دکھن بلکہ اتال اور پاتال میں بھی وہ نظر نہیں آرہی ہے۔'' اور یہ بول کر وہ سایہ فوراً غائب ہوگیا۔

یہ سننا تھا کہ پنڈت کی حالت ناقابل فراموش حد تک غیر ہونے لگی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ وہ اپنے ماتھے کو اپنے دائیں ہاتھ سے زور زور سے دبانے لگا۔

اس کے بعد پنڈت اچانک فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور ایک کونڈے میں دہکتی ہوئی آگ اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھنے لگا پھر اس نے پاس پڑے ہوئے لوبان کا برادہ مٹھی میں اٹھایا اور مٹھی پر پھونک مار کر لوبان کو آگ میں ڈال دیا۔ لوبان کا آگ میں گرنا تھا کہ دھوئیں کا ایک طوفان سا اٹھا اور کمرے میں پھیل گیا۔ دھوئیں کا پورے کمرے میں پھیلنا تھا کہ کمرے میں بے شمار روشن ہیولے نظر آنے لگے۔

روشن ہیولے جو نظر آرہے تھے انہیں دیکھ کر پنڈت بولا۔ ''میرے وفادار، میرے زیر تسلط اور میرے حکم کے طابع، میں تم تمام بیروں کو حکم دیتا ہوں کہ فوراً پتہ کرو کہ میں نے جو مرتیو ہانڈی جس منش کے لئے بھیجی تھی اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ ہانڈی اس وقت کہاں ہے، میرے کسی دشمن نے اس پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ میری ہی نہیں تم سب کی بھی مرن جوگ ہے۔ اگر وہ ہانڈی نہیں ملی تو......'' اور پنڈت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

پنڈت کی بات سنتے ہی سارے روشن ہیولے اپنی اپنی جگہ سے غائب ہوگئے۔

روشن ہیولوں کے غائب ہونے پر بھی پنڈت اپنی جگہ بیٹھا جنتر منتر پڑھتا رہا اور اسی طرح مٹھی میں لوبان اٹھا اٹھا کر آگ میں ڈالتا رہا۔

پچیس تیس سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ روشن ہیولے ایک ایک کرکے اپنی اپنی جگہ دوبارہ نظر آنے لگے۔ جب تمام ہیولے آگئے تو پنڈت کی غم و یاس میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''سب خاموش کیوں ہو؟ جلدی بتاؤ! مرتیو ہانڈی کا کچھ پتہ چلا؟''

پنڈت کی آواز سن کر ہیولے خاموش رہے۔

ہیولوں کی خاموشی دیکھ کر پنڈت زخمی ناگ کی طرح پھنکارا۔ جلدی جواب دو! نہیں تو میں تم ہر ایک کو نشٹ کردوں گا۔ مرتیو ہانڈی کہاں ہے؟''

پنڈت کا بپھرا ہوا انداز دیکھ کر تمام ہیولے ایک ساتھ بول پڑے۔ ''مہاراج! اتال پتال بلکہ پورے سنسار میں! مرتیو ہانڈی کا کوئی پتہ نہیں۔''

یہ سن کر پنڈت نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مارے، اتنی دیر میں تمام روشن ہیولے اپنی اپنی جگہ سے غائب ہو چکے تھے۔

اچانک دیواروں میں سے گونجدار آواز گونجی۔
''پنڈت! تیری بھیجی ہوئی خونی ہانڈی تجھ سے بہت نزدیک ہے مگر تیرے جنتر منتر سے بہت دور!! پنڈت اب کیا بنے گا تیرا، تو چند ٹکے کے لئے لوگوں پر ظلم کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاتا، تو مرجائے گا، تیری دولت کا کیا بنے گا، کیا اپنے ساتھ خون سے لت پت دولت کو اپنے ساتھ چتا میں لے جائے گا، اب تو اپنا بچاؤ کر، تجھ میں کتنا زور ہے اپنا زور لگا لے، تیری خونی ہانڈی!! تیرے پاس ضرور آئے گی..... بچ سکتا ہے تو.....'' اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔

پنڈت دھاڑا۔ ''مورکھ!! اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آ، تو نے اپنی ماتا کا دودھ پیا ہے تو اپنی شکل دکھلا۔ میں اپنی ہانڈی اور تجھے بھی چاہے تو پتال میں ہی کیوں نہ چھپ جائے، ڈھونڈ نکالوں گا، ارے تجھے میری شکتی کا پتہ نہیں، ابھی تو نے میری شکتی دیکھی کہاں ہے؟'' پنڈت کی حالت بن جل مچھلی کی طرح ہو گئی تھی۔ اسے اپنی موت واضح نظر آنے لگی تھی۔

ردلوکا اپنی جگہ مطمئن تھا کیونکہ اس کے ان دیکھے کارندوں نے خونی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر کے پنڈت کے مکان کی چھت پر بیٹھ گئے تھے، ایسا کرنے والے کئی کارندوں میں جاگتا الو سب سے اہم تھا۔

دن کا اجالا پھیلتے ہی ردلوکا حسب وعدہ گردھاری لال کے پاس پہنچ گیا۔

ردلوکا کو اپنے سامنے دیکھ کر گردھاری لال فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور ردلوکا کے قدموں پر جھکنے لگے تو ردلوکا نے ان کا کندھا پکڑ کر اوپر کو اٹھایا اور بولا۔ ''گردھاری لال آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ صرف اوپر والے کے آگے جھکا کریں، اس کی عظمت سب سے اعلیٰ ہے، دنیا کی ہر شے اسی کے قبضے میں ہے، وہ ہر انسان کے فعل کو بہت باریک بینی سے دیکھتا ہے، وہ دلوں کا بھید جانتا ہے۔ خیر آپ سنائیں! آپ کی طبیعت کیسی ہے۔''

''آپ بہت اچھے دل و دماغ کے مالک ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی رحم دلی اور کوشش سے رات کرامت علی کی جان بچ گئی، اگر آپ اسے میرے پاس نہیں لاتے تو آج وہ منوں مٹی تلے جا چکا ہوتا۔ دشمن اپنا کاری وار کر چکا تھا لیکن بروقت اوپر والے کی مہربانی سے کرامت کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ لوگوں نے یہ صحیح کہا ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔''

''حکیم صاحب مہربانی تو آپ کی ہے کہ آپ کی کوشش اور مہربانی سے کرامت علی کی جان بچ گئی۔ اگر کسی کی ذرا سی کوشش سے کسی کا بھلا ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اچھائی کا کام اور کیا ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سارے لوگ برابر ہیں، میرے نزدیک تو انسان کی بھلائی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں، یہ ذاتیات کا فرق تو بعد کا ہے، ایشور کے آگے سارے سنسار کے لوگ برابر ہیں، ہر آدمی اپنی کرنی پر ایشور کے آگے جواب دہ ہے، دیکھئے ناں! ایشور بھی لوگوں میں فرق نہیں رکھتا، جب بارش ہوتی ہے یا پھر سورج نکلتا ہے تو علاقے کے سارے ذات پات میں فرق ڈالنے والے فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر ایشور کے من میں فرق ہوتا تو صرف اچھے لوگ ہی فائدہ اٹھاتے مگر نہیں سارے اچھے برے سب اس کی مہربانی سے فیض یاب ہوتے ہیں، جو جیسا کرے گا اسے اس کا پھل ملے گا۔''

''حکیم صاحب آپ تو پوجا کے لائق ہیں، آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، آپ نے کرامت علی کو بچا کر صرف اس کی ذات پر کرم نہیں کیا بلکہ آنے والی اس کی نسلوں پر کرم کیا ہے۔'' گردھاری لال نے کہا۔

''ارے گردھاری لال جی! ایسی کوئی بات نہیں، بس یہ تو اوپر والے مالک کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ پر اپنا کرم کیا کہ میں اس قابل ہوں، مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے ضرورت مندوں کی مشکل حل کر دیتا ہوں، ایسا کر کے مجھے بہت دلی سکون ملتا ہے، اچھا اب چلیں ذرا کرامت علی سے بھی مل لیتے ہیں، معلوم کریں کہ رات کیسی گزری۔'' ردلوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہے چلئے۔'' گردھاری لال نے کہا اور

رولوکا کے ساتھ کرامت علی کے گھر کی طرف چل پڑے۔

چند منٹ میں دونوں کرامت علی کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ گردھاری لال نے آواز دی۔

''سلامت پتر!'' آواز سن کر ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا جو یقیناً سلامت ہی ہوگا۔

سلامت علی آج گھر پر ہی تھا کیونکہ جمعہ کے دن دونوں بھائی دکان جمعہ کی نماز کے بعد کھولتے تھے۔ ورنہ اس وقت تو سلامت علی نے اپنی دکان میں ہونا تھا۔

گردھاری لال اور ان کے ساتھ رولوکا کو دیکھ کر وہ بولا۔ ''گردھاری کاکا آپ، اور اتنے سویرے!''

''سلامت یہ ہیں حکیم کامل، دلی والے انہی کے پاس میں کل کرامت کو لے گیا تھا، ان کی مہربانی کہ یہ خود ہی ہمارے پاس پہنچ گئے۔'' گردھاری لال نے کہا۔

یہ سنتے ہی سلامت رولوکا کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھا، رولوکا اور پھر گردھاری لال سے مصافحہ کیا اور بولا۔ ''حکیم صاحب میں اور میرا اہل خانہ جتنا بھی آپ کا شکریہ ادا کریں وہ کم ہے، اگر دیکھا جائے تو آپ نے ہم پر اتنی مہربانی کی ہے کہ پوری زندگی بھی ہم اس کا احسان نہیں اتار سکتے، گردھاری کاکا نے آپ کی بتائی ہوئی ساری باتیں میرے گوش گزار کر دی ہیں، گردھاری کاکا، کا بھی میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ یہ قلبی لگاؤ رکھتے ہوئے کرامت کو آپ کے پاس لے گئے، ورنہ آج ہمارا بھائی ہم میں نہیں ہوتا، اس کا اجر تو آپ کو اللہ ہی دے گا، ہم آپ کا یہ احسان مرتے دم تک بھی نہیں اتار سکتے بلکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی آپ کے احسان تلے دبی رہیں گی۔'' اور یہ بولتے ہوئے سلامت کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے گرنے لگے تھے۔

''ارے سلامت میاں! آپ اطمینان لیں، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، میں نے کچھ نہیں کیا، یہ سب اوپر والے کی مہربانی سے ہوا، اوپر والا ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر اپنے بندے سے پیار کرتا ہے، مگر ہم انسان ناشکرے ہیں، اس کی رحمت و فضل کو بھول جاتے ہیں، اور اپنی ناپائیدار زندگی کے لئے اپنا فائدہ اور دوسروں کا جانی و مالی نقصان کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ خیر آپ فکر نہ کریں، اب دشمن کا وار آپ کے گھر پر نہیں چلے گا۔ میں نے اس کی پوری حفاظت کر دی ہے، چلئے میں ذرا کرامت سے ملنا چاہتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... چلئے کرامت اپنے کمرے میں لیٹا ہوا ہے۔'' یہ بول کر سلامت گردھاری لال اور رولوکا کو لئے ہوئے کرامت کے کمرے میں پہنچا۔

کمرے میں چار کرسیاں پڑی تھیں۔ تین کرسیوں پر تینوں بیٹھ گئے۔ کرامت بدستور آنکھیں بند کئے اور اپنے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے بے سدھ پڑا تھا۔

کرامت کو دیکھ کر رولوکا مسکرایا اور بولا۔ ''کرامت علی آنکھیں کھولو۔ رات کٹ گئی اور اب سورج کی روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے۔''

لیکن ایسا لگا کہ کرامت نے رولوکا کی بات نہ سنی ہو۔ جب کرامت نے آنکھیں نہیں کھولیں تو سلامت بولا۔ ''کرامت! جلدی سے آنکھیں کھولو، دیکھو کون آیا ہے، چلو جلدی سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔''

مگر کرامت نے سلامت کی بات کو بھی سنی ان سنی کر دیا۔

رولوکا بولا۔ ''سلامت میاں! آپ نہ بولیں! یہ آپ کی نہیں سنیں گے۔ یہ میری بات پر ضرور توجہ دیں گے، اب میری آواز پر یہ نہ اٹھے تو پھر......'' اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کرامت نے اپنا جو ہاتھ اپنے سر پر رکھا تھا، اس ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی رولوکا نے پکڑ لی۔ انگلی کا پکڑنا تھا کہ اچانک کرامت کے منہ سے ایک پھنکار سی آواز نکلی اور اس نے اپنی انگارہ برساتی آنکھیں کھول کر رولوکا کو دیکھا۔

رولوکا نے کرامت کی انگلی نہیں چھوڑی تو کرامت کے منہ سے گرجدار آواز نکلی۔ ''اوئے! یہ انگلی چھوڑ دے ورنہ......'' اور پھر اس کی آواز منہ میں ہی دب کر رہ گئی۔

''ورنہ کیا؟.....اگر کچھ کر سکتا ہے تو کر لے، اور اگر انگلی چھڑا سکتا ہے تو چھڑا لے۔'' رولو کا بولا۔

''دیکھ! میں بولتا ہوں، انگلی چھوڑ دے، پھر نہ کہنا کہ'' اور اس مرتبہ بھی آواز کرامت کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

''اب یہ ڈرامہ ختم کر دے اور میں بولتا ہوں کہ چپ چاپ اٹھ کر بیٹھ جا، نہیں تو مجھے زبردستی کرنا بھی آتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس زبردستی میں تیرا کچھ زیادہ نقصان ہو جائے۔ پھر تو پچھتائے گا، چل اٹھ کر بیٹھ...... یہ میں آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں...... جلدی کر...... اٹھ جا...... جلدی کر......نہیں تو......'' اور پھر فوراً کرامت اٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ گیا۔

کرامت اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اپنی سرخ انگارہ برساتی آنکھوں سے رولو کا کی جانب گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں اس قدر سرخ اور ساتھ ہی ان میں اتنی روشنی تھی کہ گردھاری لال اور سلامت اس کی آنکھوں کو دیکھ کر ان کے جسم میں جھرجھری دوڑ گئی۔

دونوں کی حالت دیکھ کر رولو کا بھانپ گیا کہ دونوں خوف کھا رہے ہیں رولو کا بولا۔ ''آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ کرامت کے اندر جو یہ چھپا بیٹھا ہے، یہ اس کی گیدڑ بھبکی ہے، یہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''حکیم صاحب! تو کیا کرامت کے اندر......'' اور گردھاری لال کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ رولو کا نے ان کی بات درمیان میں اچک لی تھی۔

''گردھاری لال جی! آپ کی بات درست ہے! کرامت کے اندر پنڈت کا بھیجا ہوا ایک زبردست بیر چھپا ہوا ہے اور یہی کرامت کو بولنے سے روک رہا ہے بلکہ یہ خود بول رہا ہے، میں ابھی اس کی بولتی بند کرتا ہوں، اگر یہ شرافت سے الگ ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا تیاں پانچاں ہو جائے گا۔''

''ہاں! ابھی پنڈت کے غلام، اب تو یہ بتا کہ اس کی جان چھوڑ کر باہر نکلتا ہے کہ میں تجھے کھینچ کر باہر نکالوں۔''

''اوئے زبان سنبھال کر بات کر! لگتا ہے تجھے میری شکتی کا پتہ نہیں۔'' کرامت کے منہ سے آواز نکلی۔

''اچھا یہ بات ہے! کیا تجھے اپنی بقا عزیز نہیں! سوچ لے!'' رولو کا بولا۔

''ارے جا! میں بولتا ہوں اگر تجھے اپنی زندگی عزیز ہے تو تو یہاں سے فوراً چلا جا۔'' وہ بولا۔

''دیکھ ابھی بھی وقت ہے! میری بات مان لے......کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں تجھے پچھتانے کا موقع نہ ملے اور تیرا وجود ختم ہو جائے۔'' رولو کا بولا۔

''اچانک کرامت کے منہ سے ایک زبردست دھاڑتی ہوئی آواز نکلی۔ ''سنگھا۔'' دراصل سنگھا ان تمام بیروں کا سردار تھا جو کہ پنڈت کے قابو میں تھے۔ اس وجہ سے کرامت کے اندر مقید بیر نے سنگھا کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔

''سنگھا......سنگھا۔'' کرامت کے اندر چھپا بیر اس طرح کی آوازیں نکالتا رہا مگر بے سود اس کی آواز پر سنگھا تو کیا کوئی مکھی بھی نہیں آئی۔

''کیوں اپنا گلا پھاڑ رہا ہے ارے! سنگھا تو کیا......سنگھا کا گرو پنڈت بھی نہیں آئے گا۔ میں نے تو تجھے بہت سمجھایا کہ تو اندر سے باہر آ جا اور اس کی جان چھوڑ دے مگر تو بھی پنڈت کی طرح ضدی اور ہٹ دھرم لگتا ہے......کیوں ٹھیک ہے ناں۔'' رولو کا بولا۔

''میری مدد کو سنگھا ضرور آئے گا۔ وہ گرو کے پاس گیا ہوگا، دیکھ لے اب بھی وقت ہے، تو یہاں سے چلا جا......''

''اچھا تو نہیں مانتا......تو تیری مرضی......میں تیرا اپائے کر ہی دیتا ہوں۔'' رولو کا بولا۔ سلامت میاں۔ ''ایک سفید کپڑے کی پاک صاف پٹی لا کر دیں، اور ہاں! ماچس بھی لیتے آیئے گا۔''

سلامت اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا

اور پھر فوراً سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا لے آیا، ساتھ ہی ماچس بھی لے آیا تھا۔

رولوکا نے کپڑے کا ٹکڑا اسلامت کے ہاتھ سے لیا اور ٹکڑے میں سے دو انچ چوڑی اور کوئی تقریباً چار انچ لمبی پٹی پھاڑ لی۔ پھر اس نے اس پٹی کو لپیٹ کر فلیتہ بنالیا۔ اس کے بعد اس فلیتہ کے سرے کو ماچس سے جلادیا۔ فلیتہ جلنے لگا تو رولوکا نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔ پھونک مارتے ہی فلیتے کا شعلہ بجھ گیا اور اس میں سے گاڑھا گاڑھا سفید دھواں کافی مقدار میں نکلنے لگا۔

نکلتے دھوئیں کا رخ رولوکا نے کرامت کے ناک کی طرف کردیا۔ فلیتہ کا رخ کرامت کی طرف ہونا تھا کہ دھواں تیزی سے کرامت کی ناک میں گھسنے لگا۔

چند منٹ تو کرامت کسمساتا رہا، پھر اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی، اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے۔ اس کی دونوں آنکھیں اپنے حلقوں میں پھیل گئیں اور پھر دونوں آنکھوں سے ہلکی ہلکی سرخ شعاعیں نکلنے لگیں۔

''اوئے! اس دھوئیں کو روک لے! دھوئیں کو روک لے...... مجھ پر دیا کر...... تو جو بولے گا وہی کروں گا...... دھوئیں کو روک دے۔'' کرامت کے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکلنے لگیں۔

''ٹھیک ہے! میں دھوئیں کو روک دیتا ہوں۔ اب بھی وقت ہے، تو اگر اپنا بھلا چاہتا ہے تو، فوراً اندر سے باہر نکل آ......'' رولوکا بولا۔

اس کے بعد وہاں پر موجود سب نے دیکھا کہ کرامت کے کان اور ناک سے گاڑھا گاڑھا سفید دھواں نکلنا شروع ہوگیا۔ اور پھر وہ دھواں کرامت کے پلنگ کے بائیں طرف اکٹھا ہونا شروع ہوگیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے ایک ہیولہ کی شکل اختیار کرلی۔

''اب تو کیا چاہتا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

اس ہیولے کے ہونٹ ہلنے لگے اور آواز سنائی دی۔ ''میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں! مگر میرا یہاں سے جانے کا مقصد میرا وجود پنڈت گرو کی وجہ سے ختم ہوجائے گا۔ یہاں سے باہر نکلتے ہی گرو کے منتر مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ کر میرا وجود ختم کردیں گے۔''

''مہاپرش! میرے وجود کا خاتمہ یا پھر بقا اب تمہاری شکتی میں ہے، صرف تمہاری شکتی ہی مجھے بچاسکتی ہے یا پھر میرے لئے کچھ نہ کرنے سے میرا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سنسار سے ختم ہوجائے گا۔ اگر تمہاری دیا میرے ساتھ رہی تو میں تمہارے لئے ہمیشہ اچھا سوچوں گا، اب مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار ہے۔ تم مجھے یہاں سے جانے کا راستہ دے دو ورنہ گرو کے منتر مجھے گھیر کر میرا صفایا کردیں گے۔ مہاپرش! تم اچھے ہو! میری بھلائی اور آزادی اب تمہاری اِچھا پر ہے، میں تو حکم کا غلام ہوں۔'' اور پھر اس ہیولے سے آواز آنا بند ہوگئی۔

کرامت کی ناک سے سارا دھواں نکل چکا تھا کرامت اپنی جگہ بے سدھ ہوکر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد رولوکا نے کرامت کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ رولوکا نے کرامت کی انگلی اب چھوڑ دی تھی۔

ہیولہ سے رولوکا بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں تیری مجبوری سمجھتا ہوں، میں تجھے آزاد کرتا ہوں اور ساتھ تیرا تحفظ بھی کردیتا ہوں۔ پنڈت کے منتروں کی تیرے وجود کے پاس آنے کے لئے بندش کردیتا ہوں۔ اور ایک کام یہ بھی کرتا ہوں کہ میرے کارندے تیرا وجود سمندر پار چھوڑ آئیں گے تاکہ تیرا وجود پنڈت سے بہت دور ہوجائے، اور ویسے بھی پنڈت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے زیادہ دنوں کا مہمان نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پنڈت کا وجود بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ اچھا اب میں تیری بندش کھولتا ہوں۔ تو اس گھر سے باہر نکل، تیرے باہر نکلتے ہی میرے کارندے تجھے اچک لیں گے اور پھر تجھے سمندر پار چھوڑ دیں گے۔''

''لے اب تو نکل اور آئندہ کسی انسان کا نقصان نہیں کرنا، میری بات یاد رکھنا۔'' اور پھر رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی کا اشارہ اس ہیولہ کی طرف کردیا۔ تو

رولوکا کی انگلی سے ایک ہرے رنگ کا شعلہ نکلا اور اس ہیولہ کے آگے آگے بڑھنے لگا اور پھر دھوئیں کی شکل اختیار کر کے باہر کو نکلتا چلا گیا۔

جب سارا دھواں کمرے سے نکل گیا تو رولوکا سلامت کی طرف متوجہ ہوا، اور بولا۔ ''سلامت میاں گلاس میں تھوڑا سا پانی لائیں۔''

سلامت فوراً کرسی سے اٹھا اور چند منٹ میں ہی ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی لے آیا۔

رولوکا نے پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ پڑھ کر گلاس کے پانی پر پھونکا اور پھر تھوڑا سا پانی چلو میں لے کر کرامت کے منہ پر چھڑک دیا۔ لیکن کرامت بے سدھ پڑا رہا، اس طرح رولوکا نے تین مرتبہ پانی کرامت کے چہرے پر چھڑکا۔ تیسری مرتبہ پانی کا چھڑکنا تھا کہ کرامت ہڑبڑا کر اپنی جگہ اٹھ بیٹھا اور غور غور سے سب کو دیکھنے لگا۔

''کرامت میاں اب طبیعت کیسی ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''جی! میں تو ٹھیک ہوں! اور آپ؟'' کرامت نے پوچھا۔

''کرامت! یہ حکیم صاحب ہیں، دلی میں ان کا بہت بڑا مطب ہے۔ تمہاری طبیعت کے پیش نظر تشریف لائے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرو۔'' سلامت نے کہا۔

کرامت نے جھٹ اپنا ہاتھ رولوکا کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھا دیا اور پھر بولا۔ ''گردھاری کاکا آپ؟''

''ارے پتر! میں بھی تیری طبیعت کا سن کر آ گیا تھا۔ لگتا ہے اب تیری طبیعت ٹھیک ہے۔'' گردھاری بولے۔

''آج سے دو دن پہلے کے حالات انہیں یاد نہیں۔ بہر حال اب ان کی طبیعت ٹھیک ہے، گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اور دو دن تک جو کچھ ان پر بیتا اس کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کیجئے گا کیونکہ انہیں ان کے متعلق کچھ بھی یاد نہیں آئے گا۔ آج سے پہلے جو کچھ بھی ہوا، بہت برا ہوا، اچھا بھلا ان کا بچہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، اور پھر ان کے بھی جان کے لالے پڑ گئے تھے، یہ تو اوپر والے کی بہت مہربانی ہے کہ اس نے بچاؤ کا اسباب پیدا کر دیا اور اگر یہ گردھاری لال کے ساتھ دلی نہ آتے تو......اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کیونکہ گردھاری لال نے درمیان میں سوال کر دیا تھا۔ ''حکیم صاحب! آپ سے ایک بنتی ہے کہ وہ کون ہے جو ان کا دشمن ہے؟ جس نے ان بے چاروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ یہ لوگ تو بالکل بھگوان کی گائے ہیں، نہ کسی سے کبھی منہ ماری کی اور نہ ہی کسی سے ناراض ہوئے۔ بلکہ تمام گاؤں والوں کے دکھ سکھ میں ساتھ دیتے ہیں، ان کے پتا جی بھی انہی جیسے تھے، اپنے پلے سے رقم لگا کر خوش ہوتے تھے، کبھی انہوں نے یا ان کے گھرانے نے ذات پات میں فرق نہیں سمجھا، ضرورت مندوں کی ہمیشہ ضرورت پوری کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی میں نے نہیں دیکھا کہ کسی سے ادھار کی وصولی کے لئے زور سے بات تک کی ہو، اور نہ ہی کبھی کسی اور کے سامنے ادھار لینے والوں سے رقم کا مطالبہ کیا ہو، ایسے لوگوں کا جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ کون دشمن ہو سکتا ہے؟''

''گردھاری لال جی! آپ کی باتیں بالکل درست ہیں، مگر حاسد لوگ ہمیشہ حسد کے تحت دوسروں کا خوش ہونا دیکھ نہیں سکتے۔ ایسے لوگوں کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ صرف ہم خوشحال رہیں، صرف ہم عیش کریں، کسی اور کو ہمارے سامنے پھٹنے بولنے کی طاقت نہ ہو، اور ایسے ہی لوگ دوسروں کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ غیروں کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ اپنے قلبی رشتوں کے لئے بھی وہ دشمنی کرنے سے نہیں چوکتے۔ اپنی فطرت کی وجہ سے شب و روز اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جھلستے رہتے ہیں اور منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ کسی طرح موقع ملتے ہی دوسروں کی ہنستی مسکراتی زندگی میں زہر گھول دیں۔''

"حاسد لوگ ہمیشہ دوسروں پر نظر رکھتے ہیں اور پھر جگہ، جائیداد ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے اپنے اپنوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ زیادہ جذباتی لوگ اکثر جذبات کی وجہ سے کھل کر دشمنی پر اتر آتے ہیں اور جگہ جائیداد کا لفظ اسامنے لے آتے ہیں۔ مگر جو لوگ اپنے حسد کی وجہ سے زیادہ گھنے ہوتے ہیں وہ خاموشی سے یعنی یہ سمجھ لیں کہ جیسے آگ میں گھاس پھوس ڈال دیں تو ردعمل کیا ہوگا یعنی گھاس فوراً ہی شعلہ بن جائے گا مگر گوبر کے اوپلے میں آگ لگا دی جائے تو کس طرح اندر ہی اندر اوپلے کی آگ سلگتی رہتی ہے اس طرح جذباتی اور غیر جذباتی لوگ ہوتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جذباتی لوگ ہاتھ میں اسلحہ لے کر سامنے آجاتے ہیں مگر غیر جذباتی اندر ہی اندر، اوپلے کی آگ کی طرح نقصان پہنچاتے ہیں اور یہاں تک کہ "جادو ٹونے سے بھی نہیں چوکتے۔" جیسے کہ کرامت علی کی فیملی کے ساتھ کیا گیا۔"

کہنے والوں نے حقیقت کہا ہے "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، یا اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں۔

"بہرحال دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی آپ لوگوں کے سامنے آجائے گا۔ ایسا کرنے والے حاسد اپنا وار خالی ہوتا دیکھ کر اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں خود بخود جھلس جاتے ہیں اپنی زبان سے کسی کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔ وقت آپ لوگوں کو خود بتادے گا کہ ایسا کس نے کیا اور کیوں کیا؟"

"اب کرامت علی اور ان کی فیملی بالکل محفوظ ہے۔ میں نے حاسد کی سوچ کو بھی مفلوج کر کے رکھ دیا ہے کہ وہ آئندہ ان لوگوں کے متعلق اور اس گھرانے کے متعلق برائی کا نہیں سوچے گا۔"

رولوکا کی بات سن کر سلامت بولا۔ "حکیم صاحب ہم اللہ کے حضور سر بسجود رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر اپنا فضل و کرم رکھے اور آپ کے علم میں اور زور پیدا کرے، آپ کو اور حوصلہ ہمت عطا کرے تا کہ آپ ضرورت مندوں کے کام آئیں۔

"میں ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ آپ نے ہماری آنے والی نسلوں پر احسان کیا ہے، آپ نے کرامت کو بچا کر نئی زندگی دی ہے، کرامت سے بڑھ کر حکیم صاحب! میرے لئے میری زندگی میں اور کوئی نہیں، میرے والد صاحب نے آخری وقت میں مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ہر قیمت پر کرامت کا خیال رکھوں گا۔"

"حکیم صاحب! چاہے کرامت کے لئے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں کرامت کی خوشی میں خوش ہوں، اور خوش رہوں گا۔ میری ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ میں والد صاحب سے کئے گئے وعدے کا پاس رکھوں تا کہ قیامت کے دن ان کے سامنے سرخرو ہو جاؤں اور پھر اللہ کی نظر میں بھی وعدہ نبھانے والوں میں شامل رہوں۔"

"سلامت میاں تمہارے خیالات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی، میری بھی دعا ہے کہ اوپر والا آپ دونوں بھائیوں کو نظر بد سے بچائے اور آپ کو حوصلہ و ہمت دے کہ آپ اپنے وعدے کو نبھاتے رہیں اور دونوں بھائی ہمیشہ شیر و شکر رہیں۔"

"اب میں آپ لوگوں سے اجازت چاہوں گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مطب میں کوئی اور ضرورت مند میرا انتظار کر رہا ہو۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب! آپ سے میری بنتی ہے کہ آپ آئندہ بھی ان بچوں اور اس گھرانے پر اپنی نظر رکھئے گا تا کہ آئندہ یہ کسی دکھ تکلیف اور آفت سے دو چار نہ ہوں۔" گردھاری لال نے کہا۔

"گردھاری لال جی! آپ بے فکر رہیں، میں آئندہ بھی ان کا خیال رکھوں گا۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو بتائیں، میں دل و جان سے حاضر ہوں۔" سلامت بولا۔

بس آپ لوگ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھئے گا، اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کوئی خدمت نہیں، ہمیشہ

اوپر والے سے لو لگائے رہے گا۔ جتنا انسان اوپر والے کو یاد کرتا ہے، تو اوپر والا بھی ایسے لوگوں کو یاد رکھتا ہے۔" رولو کا بولا۔

"حکیم صاحب! میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں، آپ نے مجھے موت کے منہ میں سے کھینچ لیا، آپ نے مجھے نئی زندگی دی، آپ کی مہربانی اور کوششوں سے ہی آج میں زندہ ہوں، ورنہ منوں مٹی تلے میں ابھی تک دفن ہو چکا ہوتا، میں تاحیات آپ کا احسان مند رہوں گا اور مرنے کے بعد بھی میری روح آپ کے حق میں دعا گو رہے گی۔ آپ نے مجھے ہی نہیں بلکہ میرے چھوٹے بچوں اور بیوی کو بھی دربدر ہونے سے بچالیا، اور پھر میرے ہمدرد و شفیق بھائی کو بھی میری زندگی کی وجہ سے خوشیاں مل گئیں ورنہ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو میرے بھیا اس دنیا میں اکیلے رہ جاتے بلکہ جیتے جی مر جاتے۔" اس مرتبہ اپنی آنکھوں میں نمی لاتے ہوئے کرامت رولو کا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

کرامت میاں، میرا اس میں کوئی کمال نہیں، آپ اوپر والے کا شکر ادا کریں کہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی، آپ بچ گئے سب کچھ اسی کی مہربانی کی وجہ سے ہوا، انسان تو بس ایک ادنیٰ سا وسیلہ ہوتا ہے، اگر اوپر والا مجھ میں یہ صلاحیت نہیں دیتا تو میں بھلا کس کام کا، آپ دونوں بھائی بہت اچھے ہیں، آپ کا دشمن اپنے انجام کو پہنچے گا، آپ اپنے دل و دماغ سے ہر طرح کی فکر نکال دیں، اگر آپ کا دشمن سر توڑ کوشش بھی کر لے تب بھی وہ آپ لوگوں کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا، وہ کسی صورت بھی اپنے منصوبے اور ناپاک کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آپ آرام سکون سے رہیں، کھائیں پئیں روزمرہ کے کاموں میں دلچسپی لیں۔

اچھا اب میں چلتا ہوں، مجھے آپ لوگ اجازت دیں کیونکہ جلد از جلد میرا مطلب میں پہنچنا ضروری ہے۔" اور پھر رولو کا نے تینوں سے ہاتھ ملایا اور گردھاری لال کے ساتھ ان کے گھر سے باہر نکل آیا۔

باہر آ کر تھوڑی دور تک رولو کا گردھاری لال کے ساتھ چلتا رہا، اس کے بعد پھر گردھاری لال سے مصافحہ کیا اور اکیلے ایک طرف کو جس طرف راستہ جاتا تھا اس طرف بڑھ گیا۔ جب گردھاری لال کی نظروں سے اوجھل ہوا تو ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو کر، اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے دلی میں حکیم وقار کے مطب کا تصور کیا، اور پھر چشم زدن میں رولو کا اپنے کمرے میں موجود تھا۔

کرامت کو اچھا ہوئے ہفتہ بھر ہو گیا تھا۔ کرامت کی صحت یابی اور اپنا وار پٹتا ہوا دیکھ کر سلامت کی بیوی جیسے انگاروں پر لوٹنے لگی۔ کیونکہ ایک ایک پل گن کر اس نے وقت گزارا تھا اور اس ساعت کے انتظار میں تھی کہ اب اور تب بلکہ آج رات کرامت کی موت یقینی ہے۔

وہ ماہی بے آب اندر ہی اندر تڑپنے لگی تھی، اسے کھانا پینا، بچوں کا رونا دھونا دور جبکہ کھیلنا کودنا بھی ناگوار گزرنے لگا تھا۔

بیوی کا چڑچڑاپن اور غیر حالت دیکھ کر سلامت تشویش میں پڑ گیا تھا، وہ بار بار بیوی سے پوچھتا۔ "یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا؟ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں، بات بات پر بچوں کو زدوکوب کرنا، ہر وقت چڑچڑاپن کا مظاہرہ، میں کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ کھوئی کھوئی رہنے لگی ہو، نہ دن میں چین اور نہ رات میں تمہیں سکون مل رہا ہے۔ رات میں بستر پر کروٹیں بدلتے رہنا، یہ تمہارا ہر رات کا معمول بن گیا ہے۔ تم اپنے حال پر قابو پاؤ ورنہ بچوں کے ذہن پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے، تمہاری حالت اور تمہاری دن رات کی بے چینی دیکھ کر پھوپھو، کرامت اور اس کی بیوی بہت پریشان ہیں کہ آخر اچانک تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟" سلامت نے کہا۔ "اور اپنی اماں کے گھر جانا کچھ دنوں کے لئے بالکل بند سمجھو، یہ میرا حکم ہے۔"

اماں کے گھر جانے کی پابندی کا سن کر اور بھی جلتی پر تیل کا کام ہوا۔ وہ زخمی ناگن کی طرح بپھر کر بے چین ہوگئی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ کرامت اور کرامت

کے بیوی بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی۔
بچے اپنی ماں سے بھی دور دور رہنے لگے تھے، بچے خاص طور سے کرامت کی بیوی بچوں کے کمرے میں رہتے تھے، اب تو انہوں نے ماں کے ساتھ کمرے میں رات کے وقت سونے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ "امی ہر وقت بلکہ خاص طور سے رات میں زیادہ مارتی پیٹتی ہیں۔"
دبے الفاظ میں کرامت نے بھی بھائی سے شکایت کر دی کہ "نہ جانے بھابھی کو کیا ہو گیا ہے کہ ہر وقت گھر کے تمام بچوں کے پیچھے پڑی رہتی ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ آپ ہی آپ نہ جانے کیا کیا دھیمے لہجے میں بڑبڑاتی بھی رہتی ہیں۔"
سلامت بیوی کی بدلتی ہوئی حالت غیر سے اب بہت زیادہ ٹینشن میں آ گیا تھا لاکھ منع کرنے اور سمجھانے کے باوجود اس پر کوئی اثر ہو کے نہیں دے رہا تھا۔
رات میں اسے ایک تو نیند بہت کم آتی اور آتی بھی تو اچانک نیند سے بڑبڑا کر اور چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی، اس کے چیخنے کی آواز سن کر اور حالت دیکھ کر اب تو بچے بہت زیادہ خوفزدہ ہونے لگے تھے۔
جب ایک مرتبہ وہ رات میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی تو پھر دوبارہ لاکھ کوشش کے بھی اسے نیند نہیں آتی تھی۔ بچوں نے تو صاف طور سے انکار کر دیا تھا۔ "ہم امی کے کمرے میں نہیں سوئیں گے کیونکہ امی کے چیخنے سے ہمیں ڈر لگنے لگا ہے۔"
سلامت نے لاکھ بچوں کو پیار سے سمجھایا مگر اپنے فیصلے سے ٹس سے مس نہ ہوئے، تو مجبوراً سلامت نے بچوں کو اجازت دے دی کہ وہ کرامت کے بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں سو جائیں۔
کرامت کے اچھا ہونے کے ٹھیک دسویں دن میکے سے چھوٹا بھائی دوڑا دوڑا آیا کہ رات میں اماں کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ کھڑی کھڑی تیورا کر فرش پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔ بڑی مشکل سے اسے ہوش میں لایا گیا اور پھر طوعاً و کرہاً سلامت بیوی کے ساتھ اس کی ماں کی میت میں شرکت کے لئے چلا گیا۔
ان کے ساتھ کوئی بھی بچہ نہیں گیا کیونکہ سلامت نے کسی بھی بچے کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں سمجھا، اس لئے کہ میت کے گھر میں بچوں کو کون سنبھالے گا۔
کرامت اور کرامت کی بیوی کی بھی خواہش تھی کہ وہ بھی میت میں شامل ہوں گے مگر سلامت نے ان دونوں کو منع کر دیا کہ ان کے جانے سے گھر بالکل اکیلا ہو جائے گا۔ اور پھر بچوں کے ساتھ ساتھ دکان بھی کھولنی تھی۔
میکے میں قدم رکھتے ہی سلامت کی بیوی اماں کے جسد خاکی پر نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑی۔ بڑی مشکل سے اسے عورتوں نے سنبھالا۔
اسے ذرا سا ہوش آتا اور پھر "ہائے میری اماں" کہہ کر دھاڑیں مارتے ہوئے بے ہوش ہو جاتی۔ خیر اماں کو نماز ظہر کے بعد دفن کر دیا گیا۔
سوئم تک دونوں میاں بیوی ٹھہرے رہے، سوئم کے دوسرے دن سلامت نے گھر والوں سے معذرت چاہی، اس نے بتایا کہ آج کل کرامت کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر گھر میں اتنے بچوں کی دیکھ بھال اور اس کے علاوہ دکان کا سارا معاملہ اکیلا کرامت کو سنبھالنا بڑی مشکل ہو رہی ہو گی۔
سسرال والوں نے مجبوری دیکھتے ہوئے سلامت کو آنے کی اجازت دے دی۔ سلامت نے بیوی سے کہا کہ تم چاہو تو مزید چند دن تک یہاں رہ لو، مگر بیوی تو سلامت سے کہیں زیادہ جلدی میں تھی، اس نے صاف انکار کر دیا کہ "بچوں کی دیکھ بھال کون کرے گا، میں چالیسواں میں آؤں گی تو مزید چند دن رک جاؤں گی۔"
بہر حال دونوں میاں بیوی گھر آ گئے۔ گھر آ کر بیوی کی حالت مزید پہلے سے زیادہ بگڑ گئی۔ اب تو اس کی رات دن کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ دن تو دن رات بھر وہ کوشش کرتی کہ ایک پل کو بھی نیند آ جائے مگر نیند اس سے

کوسوں دور چلی گئی تھی۔
سوئم سے واپسی پر دو دن گزر گئے، تیسری رات آئی، سلامت گہری نیند میں سویا تھا کہ ایک فلک شگاف چیخ بیوی کی سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو بیوی بے سدھ بیٹھی تھی۔
چیخ اتنی بلند تھی کہ اپنے کمرے میں سوئے ہوئے کرامت اور اس کی بیوی بھی اٹھ کر دوڑتے ہوئے ان کے کمرے میں پہنچ گئے۔
وہ ارد گرد سے بالکل بے گانہ ہو کر بے سدھ بیٹھی تھی۔ کافی بلائے جانے کے باوجود بھی اس نے ایک لفظ بھی بول کر نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔
صبح ہوتے ہی سلامت نے گاؤں کے حکیم صاحب کو بلوالیا۔ حکیم صاحب نے معائنہ کیا مگر بے سود ان کے دماغ میں بھی کوئی حل نہیں آیا اور نہ ہی کوئی معقول وجہ سمجھ میں آئی کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا جس کی وجہ سے اس کی قوت گویا ختم ہوگئی تھی۔
تھک ہار کر سلامت نے کرامت اور گردھاری لال سے مشورہ کیا کہ ''کیوں نہ دلی میں مقیم حکیم کامل کو دکھلایا جائے۔''
تینوں کا متفقہ مشورہ تھا کہ یقیناً انہیں حکیم کامل کے پاس لے کر چلنا چاہئے اور امید ہے کہ حکیم کامل ان کی بیماری کی اصل وجہ بتادیں گے اور ساتھ ہی ساتھ علاج بھی کردیں گے۔'' خیر دوسرے دن گردھاری رولوکا کے پاس پہنچ گئے اور رولوکا کو سارا معاملہ بتایا کہ ''اچانک نجانے کیوں سلامت کی بیوی کی حالت ایسی ہوگئی اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم انہیں آپ کے پاس لے آئیں تاکہ آپ معائنہ کرکے بتائیں کہ بیماری کی اصل وجہ کیا ہے؟''
گردھاری لال کی باتیں سن کر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ ایک منٹ ہی گزرا ہوگا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور گمبھیر لہجے میں بولا۔
''جس کا ڈر تھا آخر وہی ہوا۔''
''کیا مطلب حکیم صاحب!'' گردھاری لال نے پوچھا۔
''دراصل ان کے دل و دماغ پر صدمہ نے سکتہ طاری کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی قوت گویا سلب ہوگئی ہے۔ خیر کل کسی وقت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اتنی دور خاتون کو یہاں لانا ٹھیک نہیں۔'' رولوکا نے کہا۔
''ٹھیک ہے حکیم صاحب! آپ کا بہت بہت دھنے واد، اب میں چلتا ہوں، کل دن میں ہم آپ کا انتظار کریں گے، حکیم صاحب، دراصل یہ گھرانہ بہت اچھا ہے، گاؤں کے تمام لوگوں کے دکھ سکھ میں یہ دونوں بھائی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔'' گردھاری لال نے کہا۔
''ٹھیک ہے، آپ تشریف لے جائیں، میں کل ضرور آؤں گا۔'' رولوکا بولا۔
گردھاری لال نے واپس آکر سلامت اور کرامت کو بتایا کہ حکیم صاحب کل خود تشریف لائیں گے تو دونوں بھائی بہت خوش ہوئے، اور رولوکا کو دل سے دعائیں دینے لگے۔
بہر حال دوسرے دن حسب وعدہ رولوکا سلامت کی دکان پر آ گیا۔ رولوکا کو دیکھ کر دونوں بھائی بہت خوش ہوئے، رولوکا بولا۔ ''سلامت میاں میرے ساتھ ذرا گھر چلیں، جہاں کہ میں آپ سے صرف اکیلے میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں، یہ ایسی باتیں ہیں کہ صرف آپ ہی سے ہو سکتی ہیں۔ کسی تیسرے فرد کے سامنے یہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔''
سلامت اپنی جگہ سے اٹھا اور رولوکا کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑا۔ سلامت نے کرامت سے کہا۔ ''کرامت تم ذرا دھیان رکھنا میں جلدی ہی واپس آتا ہوں۔''
کرامت بولا۔ ''بھیا آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ میں دکان سنبھال لوں گا۔''
''رولوکا سلامت کے ساتھ گھر میں آ گیا اور سلامت کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ رولوکا سلامت سے بولا۔
''کمرے میں اپنی بیوی کو ایک طرف بیٹھا کر پردہ کرادو،

میں چاہتا ہوں کہ ان کی موجودگی میں باتیں کروں تاکہ وہ خود بھی میری باتیں سن سکیں۔"

سلامت نے ایسا ہی کیا۔ اپنی بیوی کو کمرے میں پردہ کرا کر بیٹھا دیا۔ اس کے بعد ردلوکا گویا ہوا۔

"سلامت میاں! کرامت اور کرامت کے بچے کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا۔ اس کی ذمہ دار تمہاری بیوی ہے، سب کچھ ان کا کیا دھرا ہے، انہوں نے حسد میں آ کر ایسا کیا، انہوں نے سوچا کہ کرامت اور اس کی بیوی بچوں کا صفایا کرا دوں اور پھر پورے گھر اور ساری جائیداد پر میں رانی بن کر بیٹھ جاؤں، یہ اپنی والدہ کے پاس ان کے گاؤں گئیں، اور والدہ کے سامنے روئی پیٹیں، ان کی والدہ ایک پنڈت جو کہ سفلی عمل اور موت کی ہانڈی بھیجنے میں بہت ماہر ہے اس کی خدمات حاصل کی گئیں، اس کے لئے انہوں نے ایک معقول رقم اپنی والدہ کے ہاتھوں پنڈت کو دلوائیں۔

پنڈت نے موت کی ہانڈی بھیج کر پہلے کرامت کے بچے کو موت سے ہمکنار کیا اس کے بعد موت کا دوسرا شکار کرامت نے ہونا تھا، مگر بروقت میرے پاس آنے سے کرامت بچ گیا۔ وہ رات کرامت پر بہت بھاری تھی اور پھر آخری رات بھی تھی۔

لیکن میں نے اپنے خفیہ کارندے بھیج کر پنڈت کا وار ضائع کر دیا، اگر ذرا بھی چوک ہو جاتی تو کرامت کی موت یقینی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ سب کے سامنے ہے کیونکہ پنڈت کا بھیجا ہوا بیر، کرامت کے اندر سا گیا تھا۔ اگر کرامت موت کی ہانڈی سے نہیں مرتا تو پھر اس بیر نے اسے مار دینا تھا۔

جب کرامت بچ گیا تو اس کا دھچکا تمہاری بیوی کو لگا اور یہ جیسے انگاروں پر لوٹنے لگیں۔ اس چکر میں یہ ٹینشن کا شکار ہو گئیں اور پھر ان کی والدہ کی موت اس منصوبے کی کڑی ہے وہ اس خونی کھیل میں برابر کی شریک تھیں حالانکہ وہ آپ لوگوں کی خونی رشتہ دار تھیں۔ انہوں نے بیٹی کو سمجھانے کے بجائے اس خونی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں شریک ہو گئیں۔ تمہاری بیوی کا سارا منصوبہ فیل ہو گیا اور پھر جب اس کی اماں کا بھی ساتھ چھوٹ گیا تو انہوں نے خود کو تنہا محسوس کیا، اور اس کا اثر انہوں نے اپنے دل دماغ پر اتنا لیا کہ یہ اس نوبت کو پہنچ گئیں۔

ان کا ذہنی توازن بالکل تباہ ہو کر رہ گیا، صدمے نے ان کو اپنی لپیٹ میں کس لیا ہے، یہ کسی صورت بھی اس سکتے سے جانبر نہیں ہو سکتیں۔ سوچنے سمجھنے کی ان کی ساری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ کسی بھی ڈاکٹر یا حکیم سے کوئی بھی افاقہ نہیں ہو سکتا۔ اگر علاج کے ذریعہ ان کے دماغ کو چھیڑا گیا تو یہ پاگل پن میں اپنے کپڑے پھاڑنا شروع کر دیں گی۔ یہ اس طرح سکتے کے عالم میں پوری زندگی گزار دیں گی۔ ان کی قوت گویا بالکل ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ان کی سننے کی طاقت بحال ہے، یہ سب کی باتیں سن سکتی ہیں مگر اس کا جواب نہیں دے سکتیں۔ یا کسی برائی کے متعلق کچھ کر نہیں سکتی ہیں۔

صرف کھانے پینے، نہانے دھونے، ضروریات زندگی کے دیگر کام بخوبی انجام دے سکتی ہیں یہ میری ساری باتیں سن رہی ہیں جو کہ بالکل حقیقت پر مبنی ہیں۔

"تم اپنی زبان سے جو حکم دو گے یہ کریں گی مثلاً کھانے پینے، نہانے دھونے، رات میں سونے یا پھر کسی اور کام کے لئے تو یہ اس کام کو بجا لائیں گی، یہ صرف اور صرف تمہارا حکم مانیں گی کسی اور کا نہیں۔"

اوپر والے نے جب تک ان کی زندگی لکھ دی، اس وقت تک زندہ رہیں گی، میری ان باتوں کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا ورنہ لوگ اس سے بہت زیادہ نفرت کریں گے، اس وجہ سے میں نے اکیلے میں صرف تم سے یہ باتیں کی ہیں۔

گردھاری لال اگر پوچھیں تو ان سے کہہ دینا کہ میں ذرا جلدی میں تھا چلا گیا اور جو بیماری ہے اس کا میں نے بتا دیا۔ یا پھر یہ کہہ دینا کہ یہ سکتے کے زیر اثر ہیں اور اس سے جانبر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے۔

حکیم صاحب! کاش کہ یہ عورت یہ سب کچھ کرنے سے پہلے ہی مر جاتی تو میرے بھتیجے کی جان تو نہ

جاتی اور پھر میرے بھائی کو مارنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میرے دل میں اس کے لئے کتنی نفرت بیٹھ گئی ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد از جلد اٹھا لے، یہ موت سے ہمکنار ہوجائے تو زیادہ اچھا ہوگا۔ بہرحال احکام خداوندی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے بھگتنا ہے لیکن میں برابر دعا کرتا رہوں گا کہ یہ موت سے ہمکنار ہوجائے، اس نے اپنے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کی زندگی کو بھی جہنم بنادیا۔ اس کے صدمے نے اسے زندہ درگور کردیا۔ یہ خود اپنی نظر اور دوسروں کی نظر میں بھی عبرت کا نشان بن گئی۔ خیر شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس کا ساتھ دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، آپ بھی اس کے حق میں دعا کیجئے گا کہ یہ...... اور غم سے نڈھال ہو کر سلامت نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

اچھا سلامت میاں اب میں چلتا ہوں۔ اگر آئندہ میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ملوں گا۔" رولوکا نے کہا اور سلامت سے مصافحہ کر کے گھر سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

ادھر پنڈت کی حالت بہت غیر تھی، انتقام کی وجہ سے اس کے دل پر سانپ لوٹ رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ موت کی ہانڈی پر قبضہ کرنے والے کو کچا ہی چبا جائے۔

اس کے پاس اپنے جتنے بھی بیر تھے، وہ سب کو آزما چکا تھا، طاقتور سے طاقتور بیر سب کے سب مایوس لوٹے تھے کسی نے بھی موت کی ہانڈی کا پتہ نہیں لگایا تھا۔

بیروں کے سامنے پنڈت لمبی چوڑی ہانکتا ضرور تھا مگر اندر ہی اندر بہت زیادہ خوفزدہ تھا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ جب تک اس کی بھیجی ہوئی ہانڈی اس کے قبضے میں نہیں آجاتی، تو کسی وقت بھی وہ ہانڈی اس کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔

ایک دن اس نے تھک ہار کر تمام بیروں کے سردار سنگھا کو طلب کیا اور بولا۔ "سنگھا تو یہ تو نہیں پتہ کرسکا کہ ہانڈی کہاں ہے مگر اب تجھے یہ پتہ کرنا ہے کہ آخر وہ کون ہے جو ہانڈی لے اڑا ہے؟ اس کا اتہ پتہ کیا ہے؟ اور جس نے بھی اس ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کیا ہے، ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کئے بنا اسے ہم مار بھی نہیں سکتے۔ ہاں! یہ ہم کر سکتے ہیں کہ اس کو اتنا ہلکان اور پریشان کردیں، اس کا چین سکون برباد کردیں کہ وہ اپنی زندگی سے عاجز آجائے اور پھر تھک ہار کر ہمارے آگے جھک جائے اور موت کی ہانڈی سے دست بردار ہوجائے۔

سنگھا تجھے ہر حال میں یہ کام کرنا ہے، اس مورکھ کا پتہ لگانا ہے، ورنہ میرے ساتھ ساتھ تیرا بھی اس سنسار سے خاتمہ ہوجائے گا۔ اب تو ترنت جا اور اپنی ساری شکتی کے بل بوتے پر اس مورکھ کا پتہ کر کے آ۔ میں تیرا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گا۔ اگر تو اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتا ہے تو یہ کام جلدی سے کر کے آجا، ارے میرا کیا ہے اگر میرا خاتمہ ہوگیا تو میں چتا کے حوالے کردیا جاؤں گا مگر تیرا کیا بنے گا سنگھا، اب تو جا۔" پنڈت نے کہا۔

پنڈت سے کہیں زیادہ سنگھا بھی حیران و پریشان تھا کیونکہ ایک تو وہ تمام بیروں کا سردار تھا اور پھر دوسرا مسئلہ اس کا اپنا وجود بھی داؤ پر لگ چکا تھا۔ وہ پھرکی کی طرح ہر جگہ چکر کھاتا پھر رہا تھا۔

ہندوستان کا چپہ چپہ وہ چھان رہا تھا کہ اس کا گزر اچانک مطب وقار کے پاس سے ہوا تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

رولوکا سلامت اور کرامت کے کیس کا ذکر حکیم وقار سے کررہا تھا، اور پھر اس کیس میں جو ذکر موت کی ہانڈی کا ہوا تو سنگھا کو رکنا پڑا، اور پھر اس طرح وہ حقیقت اس پر آشکار ہوگئی کہ رولوکا نے ہی موت کی ہانڈی کو اپنے نادیدہ کارندوں کے ذریعہ کسی خفیہ مقام پر چھپادیا ہے۔

پوری تفصیل کے بعد سنگھا کو یقین ہوگیا تو وہ فوراً پنڈت کی طرف آناً فاناً بھاگا اور پنڈت کے سامنے آکر ساری تفصیل بتادی اور حکیم وقار کے مطب کا پتہ اور ساتھ ہی رولوکا کا نام بھی پنڈت کو بتادیا۔

سنگھا کی باتیں سن کر پنڈت بہت خوش ہوا اور

بولا۔ ''سنگھا تو واقعی قابل تعریف ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے تجھے تمام بیروں پر برتری دی ہے تجھے سب کا سردار بنا رکھا ہے۔

اب میں اس رولوکا کی ایسی کی تیسی کر دوں گا، اس مطلب کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا، رولوکا نامی یہ شخص کیا یاد کرے گا کہ کسی شکتی سالی اور گیانی سے پالا پڑا ہے۔

میں اس مورکھ رولوکا کا وجود سنسار سے مٹا کر رکھ دوں گا۔ میں اسے ماروں گا نہیں بلکہ کالی دنیا کی اذیت ناک سزا سے دوچار کر دوں گا۔

یہ مورکھ رولوکا اگر مرنا بھی چاہے گا تو مر نہیں سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ جو بھی اس سے تعلق رکھتا ہے اسے بھی میں نشٹ کر کے رکھ دوں گا۔ اب میں بہت جلد موت کی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر لوں گا۔

سنگھا اب تو اس مورکھ کو نشٹ کرنے کے لئے تیار ہو جا۔ اپنے ساتھ جتنے بھی بیروں کو رکھنا چاہتا ہے رکھ لے، اس معاملے میں تجھے آزادی ہے۔ اب تیری بہادری کا ثبوت سامنے آنا ہے، تجھ میں کتنی طاقت ہے یہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، ابھی تک تو تو صرف زبانی کلامی اپنی طاقت کا پرچار کرتا رہا ہے مگر اب تیری بہادری اور طاقت سامنے آئے گی کہ تو کتنے پانی میں ہے اور کتنا کٹھن کام کر سکتا ہے۔

اس مورکھ رولوکا نے میری بھیجی ہوئی ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کوئی عام آدمی نہیں ہے، وہ بھی شکتی رکھتا ہے۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرے منتروں کے آگے ٹھہر سکے گا۔ اس نے کالی شکتیوں کو للکارا ہے تو اسے اس کا مزہ چکھانا پڑے گا۔

سنگھا اپنی تیاری کو مکمل رکھ، اور صرف میرے اشارے کا انتظار کر لیکن سوچ سمجھ کر اندھے پن کا ثبوت نہیں دینا، اور ویسے بھی میں اپنے کچھ جاننے والوں سے پہلے مشورہ کر لوں۔'' پنڈت بولا۔

پنڈت کے پاس سے سنگھا غائب ہو گیا، اس کے بعد پنڈت کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

کافی غور و خوض کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ چند اپنے جاننے والوں سے مشورہ کرے۔ لہٰذا وہ اٹھا اور اپنے منتر جنتر کے ذریعہ کئی جگہ اپنا پیغام روانہ کر دیا۔

پنڈت کا پیغام ملنا تھا کہ ترنت بے شمار کالی دنیا کے مہان گیانی پنڈت کے پاس آ گئے۔ پنڈت نے سب کا پرتپاک استقبال کیا۔ سب سے پہلے تو پنڈت نے اپنے طریقہ پر ان تمام کی خاطر تواضع کی، جب اس سے وہ فارغ ہو گیا تو وہ اپنے مقصد کو بیان کرنے لگا۔

''سفلی اور کالے منتروں کے آپ سب مہان شکتی شالی ہیں، ایک مورکھ نے میری بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کو چھل کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ میری جہاں تک شکتی کام کرتی ہے لیکن میں نے سوچا کہ اس معاملے میں اپنے متروں سے بھی رابطہ کر کے ان سے مشورہ کر لوں تاکہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔''

''آپ لوگوں کا بہت بہت دھنے واد کہ آپ لوگ میرے پاس آئے، اب مجھے آپ سب کے مشورے درکار ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ سب مجھے اچھا مشورہ کے علاوہ اپنی مدد بھی میرے ساتھ رکھیں گے، تاکہ میرے پروگرام اور میرے منصوبے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ میری اچھا ہے کہ آپ لوگ میرا ساتھ دیں تاکہ میں اس مورکھ کو نشٹ کر سکوں، آپ لوگوں کی اچھا کیا ہے؟'' پنڈت بولا۔

''پنڈت کی باتیں سن کر سب کے سب چند سیکنڈ کے لئے بالکل خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

ان سب میں ایک شخص جو کہ بہت عمر رسیدہ تھا، وہ اٹھا اور بولا۔ آپ کی بات سن کر ہم نے اندازہ لگا لیا ہے کہ جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ بھی کوئی عام منش نہیں، وہ بھی بہت زیادہ شکتی شالی لگتا ہے، کیونکہ موت کی ہانڈی کی رفتار اور طاقت کو روکنا کوئی آسان کام نہیں، اگر کوئی کچا آدمی اس میں ہاتھ ڈالتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔''

''اور پھر سب سے زیادہ سوجھ بوجھ کی بات یہ ہے کہ موت کی ہانڈی کو قبضے میں کر کے نیچے اتارنا، اور پھر اسے کسی خفیہ جگہ چھپا دینا کہ بڑے سے بڑا ماہر بھی جلدی سے پتہ نہ کر سکے، یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ بغیر سوچے سمجھے انتہائی قدم اٹھانا عقلمندی نہیں بلکہ بیوقوفی ہوگی۔ سب سے پہلے اس کی طاقت کا اندازہ لگانا پڑے گا اور اگر دیکھا جائے تو اس کی طاقت کا اندازہ تو ہو چکا ہے، کیونکہ آپ کا سب سے بڑا ماہر سنگھا بھی موت کی ہانڈی کا پتہ نہیں لگا سکا ہے، لہٰذا میرا مشورہ سب کے لئے یہ ہے کہ تمام شکتی شالی لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ سب کے سب سوچ بچار کر لیں، پھر اس کے بعد کوئی اٹل قدم اٹھائیں، ورنہ اس معاملے میں اپنا ہی نقصان ہوگا۔'' یہ بول کر وہ عمر رسیدہ شخص بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد سب کے سب آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ان سب کے صلاح مشورے سے لگ رہا تھا کہ سارے لوگ اچانک کوئی قدم اٹھانے سے گریز کر رہے ہیں۔

بہر حال تھوڑی دیر میں میٹنگ برخواست ہوگئی، سب کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ ''ہم سب بہت سوچ بچار کے بعد آپ کی مدد کریں گے، مدد کرنے میں ہم کسی صورت پیچھے نہیں رہیں گے کیونکہ ایک عام سا پجاری دنیا سے ہٹ کر کالی دنیا کے کسی شکتی شالی کی جان کا دشمن بن گیا ہے اور اس طرح اس نے کسی ایک کے ساتھ ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ پوری کالی برادری کے لوگوں کے ساتھ اس نے ظلم کیا ہے۔'' اور یہ بول کر سب کے سب جہاں جہاں سے آئے تھے اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے۔

ان سب کے جانے کے بعد پنڈت کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود ہی خود بڑبڑانے لگا۔ ''ارے کسی کا کیا جائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کے سوچ بچار تک میری ہتھیا نہ ہو جائے۔''

اچانک پنڈت نے سنگھا کو آواز دی تو ترنت سنگھا مؤدبانہ انداز میں حاضر ہو گیا۔ ''گروجی! کیا حکم ہے؟''

''سنگھا میں نے بہت سوچ بچار کر لیا، تو اپنے ساتھ بیروں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر سب سے پہلے دلی میں حکیم وقار کے دواخانہ پر حملہ کر دے۔ حملہ اتنا زوردار ہونا چاہئے کہ دواخانہ بالکل تہس نہس ہو جائے، کوئی بھی چیز اپنی اصلی حالت میں نہ رہے، اس کے بعد میں دوسرا حکم دوں گا۔''

پنڈت کا حکم سن کر سنگھا نے خفیہ اشارہ سے تمام بیروں کو چوکس کر دیا۔ بیروں کی عجیب عجیب خوفناک شکلیں تھیں۔ اگر عام انسان انہیں دیکھ لے تو ویسے ہی دہل کر مر جائے۔ بڑے بڑے کان، بڑی بڑی دوانگارہ برساتی آنکھیں اس کے علاوہ ایک اور بھی بہت بڑی آنکھ ان کی پیشانی پر نظر آتی تھی۔ بہت موٹے اور بھدے ہونٹ اور ہونٹوں کے سائیڈ سے دو بڑے بڑے نظر آتے دانت، ان سب کا بھجنگ اور رنگ اور جب وہ منہ کھولتے تو منہ سے نکلتے ہوئے شعلے اور یہی نہیں بلکہ وہ اپنی سانس خارج کرتے تو ایسا لگتا کہ جیسے بہت زور کی آندھی چل پڑی ہو۔ سب کے ہاتھ میں عجیب وغریب طرح کے بے ڈھنگے ہتھیار بھی موجود تھے۔ وقفے وقفے سے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی تھیں۔

سنگھا کا آخری اشارہ ملتے ہی وہ سب اپنی جگہ سے اوپر کو اٹھنے لگے، ان کے اوپر اٹھتے ہی ایسی خطرناک آوازیں نکلنے لگیں، جیسے کہ جب کوئی زبردست طوفان آتا ہے تو اس طوفان میں خطرناک اور جان لیوا آوازیں آنے لگتی ہیں۔

اس وقت رولوکا حکیم وقار کے مطب میں بیٹھا تھا کہ اچانک چشم زدن میں اس کے ایک کارندہ نے ایک خفیہ اشارہ کیا تو رولوکا چونک پڑا اور اس نے فوراً اپنی شہادت کی انگلی اوپر کو اٹھا کر گول دائرے میں گھمانے لگا۔ اس کی انگلی سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکل کر فضا میں منتشر ہونے لگی تھیں۔ اور پھر پوری فضا میں ایک انجانی گونج پیدا ہوگئی۔

اچانک پورا علاقہ ایک زبردست طوفان کی زد میں آ گیا۔ طوفان کیا تھا بلکہ گرد وغبار کا جیسے سمندر امڈ آیا ہو، عام طوفان نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ

سائیکلون طوفان تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہوا مزید زور پکڑتی جارہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے کی تو کوئی گنتی نہیں، بڑے بڑے تناور درخت جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتے ہوئے اوپر کو اٹھنے لگے تھے، اردگرد کے تمام مکانات منہدم ہوکر زمین بوس ہونے لگے تھے۔

ہوا میں ایک عجیب طرح کی گونجدار آواز شامل تھی، کسی فرد میں اتنی طاقت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اپنی آنکھیں کھول کر اڑتی ہوئی چیزوں پر نظر جما سکے۔ ہوا میں چھوٹی بڑی چیزیں بلکہ انسان فٹ بال کی طرح ہوا میں معلق ہوکر اڑتے پھر رہے تھے۔

پورے مطب کی حالت دگرگوں اور خستہ تھی۔ ہر آدمی اپنے تئیں یہی سوچ رہا تھا کہ آج اس کی زندگی کی یہ آخری رات ہے، کل صبح کا سورج وہ نہیں دیکھ پائے گا۔

خوفناک اور بھیانک حالات کے پیش نظر ایک لمحہ کو تو رولوکا دہل کر رہ گیا۔ اسے فکر تھی تو صرف اس علاقے کے مکینوں کی اور مطب کی اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اس وقت حکیم وقار کس حال میں ہوں گے۔

اچانک رولوکا کے ذہن میں ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر چمکا اور پھر چشم زدن میں رولوکا اپنی جگہ سے غائب ہوچکا تھا۔

طوفانی ہوا میں اب بجلی کی کڑک شامل ہوگئی تھی، بجلی جب کوندتی تو ایک عجیب مہیب اور ڈراؤنا منظر نظر آنے لگا تھا اور پھر یہی نہیں طوفانی ہواؤں میں زبردست بارش شامل ہوگئی تھی۔ اس کے بعد تو بادلوں کی گھن گھرج آواز نے لوگوں کے رہے سہے اوسان خطا کرنے شروع کردیئے۔

لوگوں نے قیامت کے بارے میں سن رکھا تھا مگر آج اپنی آنکھ سے قیامت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ رولوکا اپنی جگہ اور مطب کے حدود سے باہر نکلا تو ایک بہت ہی دلخراش منظر دیکھا۔ کالی دنیا کی نادیدہ قوتوں کا ایک جم غفیر تھا۔ بے شمار بلکہ لاتعداد بیر اور بھٹکی ہوئی آتمائیں، مطب کے اردگرد اور قرب وجوار میں صف آرا تھیں اور ان کی وجہ سے ناقابل فراموش طوفانی منظر رونما ہوا تھا۔

جس وقت رولوکا مطب کے حدود سے باہر نکلا تھا، اس وقت ان طاقتوں نے کچھ عجیب سا محسوس کیا تھا، مگر ان کی تمام طاقت یہ جاننے سے قاصر تھی کہ کوئی انجانی قوت ان کے درمیان سے نکل رہی ہے۔

سب سے اچنبھے میں ان طاقتوں کا سرکردہ سربراہ سنگھا تھا، اس نے اپنی تمام قوتیں اس سمت مرکوز کردیں جس طرف سے وہ انجانی قوت باہر کو جارہی تھی، وہ بہت بے چین ہوگیا تھا۔ اور وہ جان گیا تھا کہ وہ انجانی قوت اس کی پہنچ سے بہت دور ہے، اس قوت کو زیر کرنا یا پھر اسے ایک محدود دائرے میں مقید رکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

اور وہ انجانی قوت یا طاقت رولوکا کی ذات تھی۔

رولوکا بڑے آرام وسکون سے ان کے دائرے سے باہر نکلا، وہ اطراف میں رکنے کے بجائے اوپر کو اٹھتا چلا گیا۔ کافی اوپر جاکر اس نے کالی طاقتوں کے اوپر ایک خفیہ دائرہ کھینچ دیا۔ رولوکا اپنے تمام کارندوں کو پہلے ہی چوکس کرچکا تھا، کارندوں کو چوکس رہنے کا حکم تھا انہیں کوئی قدم اٹھانے کا حکم نہیں تھا۔

رولوکا کے تمام خفیہ کارندے چاروں طرف میں پھیل گئے اور جب رولوکا مطمئن ہوگیا کہ کالی طاقتوں کے گرد ایک مضبوط حصار قائم ہو چکا ہے تو رولوکا نے اپنے کارندوں کو ایک خفیہ سگنل دیا اور پھر تمام کارندوں کے ذریعہ ایک عجیب وغریب پیلی روشنی چاروں طرف ایک دائرہ کی شکل میں پھیل گئی۔

روشنی کا، کالی طاقتوں کے گرد پھیلنا تھا کہ انہوں نے چیخ و پکار شروع کردی، بھاگ دوڑ اور اچھل کود کا کربناک منظر رونما ہو چکا تھا۔ تمام بیروں اور آتماؤں کا وجود ایک طلسمی آگ کی حدت سے جھلسنا شروع ہوگیا۔

ویسے رولوکا نے ایک طرف ہلکا دباؤ رکھا تھا کہ کچھ بیر اور آتمائیں خود کو بچا کر بھاگ سکیں، رولوکا نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ بچ بچا کر جانے والے بیر اور آتمائیں

پنڈت کو بتاسکیں کہ پنڈت تمہارا مقابلہ جس سے پڑا ہے وہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، اور اس طرح پنڈت انتقام کی آگ میں لوٹنا شروع کردے گا۔ اس کا چین و سکون غارت ہوکر رہ جائے گا۔

اور ہوا بھی یہی جب بھاگنے والے کچھ بیر اور آتمائیں پنڈت کے سامنے پہنچیں تو انہیں دیکھ کر پنڈت بدحواس ہوگیا، وہ سکتے میں آگیا، اس کی عقل دنگ رہ گئی، وہ ٹکر ٹکر اپنے کارندوں کو دیکھنے لگا اس کی زبان گنگ ہوکر رہ گئی تھی۔

سنگھا کی حالت بھی بہت غیر تھی کیونکہ اس نے اور دیگر بیروں کے ساتھ مل کر جس طرف رولوکا نے بہت کمزور حصار خود سے کیا تھا، اسے توڑ کر سنگھا اور اس کے ساتھی فرار ہونے تھے۔ سنگھا بہت زیادہ زخمی تھا اور پھر بھاگنے والے بیر اور آتمائیں بھی زخمی تھیں۔

پنڈت کو خاموش دیکھ کر سنگھا کربناک حالت میں بولا۔ ''گرو! آپ نے جسے تر نوالہ سمجھا تھا، وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے بھی کہیں زیادہ مضبوط نکلا۔ اس سے مقابلے کا نتیجہ اور ثبوت آپ کے سامنے ہے، آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ہماری طاقت کتنی ہے، آپ نے کس قدر طاقتور بیروں اور آتماؤں کو اکٹھا کرکے بھیجا تھا مقابلے کے لئے، شروع میں تو ہم نے بہت زبردست حملہ کیا تھا تاکہ اس جگہ کی ساری چیزیں نشٹ ہوجائیں، ہم نے اپنی پوری طاقت لگادی تھی۔

مگر ہم نے اپنے مدمقابل کی طاقت کا اندازہ نہیں کیا تھا، ہمیں معلوم نہ تھا اور نہ ہی آپ نے بتایا تھا کہ ہمارا مدمقابل کتنا طاقتور ہے، حالانکہ آپ کو ہمیں بتانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے قائم کردہ گھیرا اور حصار کو توڑ کر ہمارے درمیان سے باہر کو نکلتا چلا گیا، ہم اسے روک نہ سکے، کیونکہ آپ نے ہمیں جتنا طاقتور بنایا ہے ہم اسی شکتی کے مالک ہیں۔

''ہمارا دشمن ہم سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔'' سنگھا نے کہا۔

''سنگھا! بند کر اپنی بکواس! میرے سامنے میرے دشمن کی تعریف کررہا ہے۔ اگر آئندہ تو نے دشمن کی طاقت کا ذکر کیا تو میں تجھے نشٹ کرکے رکھ دوں گا۔ جا چلا جا میری نظروں کے سامنے سے! جو بھی تو ہے میرا غلام ہے، تیری ہمت کیسے ہوئی کہ میرے دشمن کا میرے سامنے گن گائے، اس وقت میری نظروں سے دور ہوجا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں.....'' اور پنڈت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیونکہ سنگھا پنڈت کے سامنے سے غائب ہوچکا تھا۔

پنڈت زخمی سانپ کی طرح پھنکارنے لگا تھا۔ اس کے پورے وجود میں انتقام کی آگ بھر گئی تھی۔ لا سے اپنے بیروں کی شکست کا زیادہ افسوس نہیں تھا بلکہ اسے تو اپنی جان جانے کا ڈر تھا کیونکہ اس کی بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی ابھی تک لاپتہ تھی۔ جسے رولوکا نے اپنے کارندوں اور جاگتے الو کی حفاظت میں دے رکھا تھا۔

اس معرکہ میں پنڈت کے بے شمار بیر مارے گئے تھے، کچھ طلسمی حصار سے ٹکرا کر جل مرے تھے اور کچھ اوپر سے برستی ہوئی آگ میں جھلس گئے تھے۔ جب رولوکا کو اطمینان ہوگیا کہ اب دشمن پسپا ہوکر بھاگ چکا ہے تو مطب کے قرب و جوار کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ قرب و جوار اور مطب کی ساری چیزیں بخیر و عافیت سے تھیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ نظروں کا دھوکا تھا۔

کیونکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ شرپسند اور کالی طاقتیں لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں، وہ لوگوں کو ڈرا کر خوفزدہ کردیتی ہیں، ایسا کرنے کا ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خوفزدہ ہوکر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور ان کے راستے سے ہٹ جائیں اور اس طرح وہ اپنی من مانی کرتی رہیں۔

تمام پیڑ پودے اور قرب و جوار کا علاقہ بلکہ مطب بھی محفوظ تھا۔ مطب میں رہنے والے اور حکیم وقار بھی آرام و سکون میں تھے۔ کسی کو یہ بھی پتہ نہ چلا تھا کہ رات میں اتنا زبردست خونی طوفان آیا تھا۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتے پھر رہے تھے۔

صبح کے وقت جب حکیم وقار کی رولوکا سے ملاقات ہوئی تو حکیم وقار نے رولوکا کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ رولوکا رات بھر سویا نہیں بلکہ پوری رات جاگتا رہا ہے۔ پہلے تو انہوں نے بڑے غور سے رولوکا کے چہرے پر اپنی آنکھیں مرکوز رکھیں پھر گویا ہوئے۔ ''کیوں بھئی! کیا رات بھر سوئے نہیں۔ چہرے کی رنگت بتا رہی ہے کہ رات بھر جاگتے رہے ہو! اور ابھی بھی دماغ پر وزن لگ رہا ہے، خیریت تو ہے؟ کیا کسی زبردست شے سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ کہیں پنڈت سے آمنا سامنا تو نہیں ہو گیا؟''

''جی حکیم صاحب! کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے، دراصل اس نے کچھ پیسوں کے لالچ میں ایک گھرانے کی تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہو گیا تھا۔ اس نے ان صاحب کے بڑے بیٹے کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ پھر وہ ان صاحب کی موت کے لئے موت کی ہانڈی بھیجی مگر اس کی بدقسمتی کہ میں درمیان میں آ گیا۔ میں نے اس کے خونی وار کو ضائع کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کی بھیجی ہوئی موت کی ہانڈی کو اپنے قبضے میں کر کے ایک خفیہ مقام پر منتقل کر دیا ہے، اس وجہ سے پنڈت آگ پر لوٹ رہا ہے، اس کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں، اگر وہ ہانڈی اسے نہ ملی تو پھر آخر کار اس کی موت یقینی ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے، وہ اپنی ہر طرح کی کارروائی مجھے گھیرنے کے لئے کر رہا ہے، رات میں بھی اس نے اپنے بیروں کے ذریعہ مصنوعی طوفان کا ریلہ بھیجا تھا، بس آپ یہ سمجھ لیں کہ سائیکلون سے بھی بڑھ کر وہ طوفان تھا، سارا کچھ مجھے بے بس کرنے کے لئے تھا۔

لیکن میں اس کے نرغے سے نکل گیا۔ اس کا وار خالی گیا۔ اب وہ آئندہ چین سے بیٹھے گا نہیں بلکہ نت نئے وار کرتا رہے گا اور اس وقت وہ ایسا کرے گا جب تک وہ موت کی ہانڈی اس کے ہاتھ نہیں لگ جاتی۔

میں ذرا اسی لئے فکر مند ہوں کہ کم بخت مطلب کے لئے کوئی کارروائی نہ کر بیٹھے، یہاں پر بہت سارے ملازم اور پھر آپ کی ذات بھی ہے، ویسے گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں نے مطلب اور قرب و جوار کے گرد ایک طلسمی حصار قائم کر دیا ہے اور یہ حصار ایسا ہے کہ اس کے بڑے سے بڑے کارندے بھی اس حصار کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔

بہرحال یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کے ہتھکنڈوں کے متعلق سوچتا ضرور ہے۔ وہ بہت فکر مند ہے کہ میری ذات کو کس طرح نشانہ بنائے۔

اس مسئلے کے لئے وہ بہت دور تک جا سکتا ہے وہ پوری کالی دنیا کو کھنگال ڈالے گا۔ وہ پیسے کا بہت لالچی ہے اور لالچی انسان کی سوچ مثبت نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ منفی سوچ کے ساتھ دوسروں کا نقصان کرتا رہتا ہے اور یہی حال اس پنڈت کا ہے۔

وہ بھی بہت بڑی طاقت کا مالک ہے، اس کی پہنچ بھی بہت دور تک ہے، اس کی شناسائی کالی دنیا میں بڑے بڑے گیانی لوگوں سے ہے، بلکہ یہی نہیں زیادہ طاقتور شکتی شالی آتماؤں سے بھی ہے، اس کی ایک آواز پر سینکڑوں بیر سر کے بل آ جاتے ہیں۔'' رولوکا بولا۔

''ارے بھئی! اگر یہ بات ہے تو ذرا بچ بچا کر قدم اٹھانا، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اور ویسے بھی جو حق پر ہوتا ہے تو اس کی مدد اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دینے والوں کی مدد کرتا ہے اور ناحق کے پرستاروں کی ہمیشہ پسپائی ہوتی ہے، وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتے ہیں، انہیں راہ فرار نہیں ملتا وہ اپنی موت آپ مر جاتے ہیں، لوگوں کا برا چاہنے والے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ برائی کے راستے پر چلنے والے شیطان مردود کے پیروکار ہوتے ہیں، ایسے لوگوں پر شیطان حاوی ہوتا ہے۔

بہرحال دشمن کو کسی بھی حال میں کمزور نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ دشمن ہمیشہ چھپ کر وار کرتا ہے، آپ ذرا بھی غفلت نہیں برتئے گا، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد ضرور کرے گا، آپ اپنے مقصد میں سرخرو ہوں گے۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''حکیم صاحب! دراصل میں پنڈت کو زیادہ ہلکان کرنا چاہتا ہوں اور کالی دنیا میں جو اس کے جاننے

والے ہیں انہیں سبق بھی دینا چاہتا ہوں کہ چند ٹکے کے چکر میں انسانی جان سے کھیلنا ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ کسی کی جان لینا آسان نہیں، اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور خونی لوگوں کا خاتمہ بھی کر دیتے ہیں۔

اگر میں چاہوں تو پنڈت کو چٹکی بجاتے موت سے ہمکنار کردوں کیونکہ اس نے کرتوت ہی ایسے کئے ہیں جو کہ معافی کے قابل نہیں۔ اس نے ناحق ایک اچھے بھلے بچے کو موت سے ہمکنار کیا۔ اگر اچانک میں رکاوٹ نہیں بنتا تو اس خاندان کے چھ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔'' ردلوکا بولا۔

''آپ کے ارادے نیک ہیں، آپ اس مسئلے کو جلد از جلد نمٹا دیں تاکہ آپ کو بھی سکون ملے، ورنہ آپ ٹینشن کا شکار رہیں گے۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''حکیم صاحب! ویسے ہوسکتا ہے کہ میں اس چکر میں چند روز مطب میں نظر نہ آؤں لیکن پل پل میری نظریں مطب پر اور آپ لوگوں پر رہیں گی۔ اگر کوئی اس درمیان آجائے اور میری ضرورت ہو تو، آپ اسے چند روز کے لئے ٹال دیجئے گا، ویسے مجھے امید ہے کہ بہت جلد پنڈت کا خاتمہ ہوجائے گا۔'' ردلوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہے! ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔'' حکیم وقار نے کہا۔

ادھر پنڈت کا دن کا چین اور رات کا سکون برباد ہوکر رہ گیا تھا۔ وہ جتنا ردلوکا کے متعلق سوچتا اس کی سوچ محدود ہوجاتی۔ آخر تنگ ہار کر اس نے اپنے گرو سے رابطہ کر ہی لیا۔

اس کے گرو نے اپنا جیون تیاگ کر ہمالیہ کے ایک گپھا میں اپنے آپ کو مقید کر دیا تھا۔ تپسیا کے چکر میں۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ پنڈت سجدے میں گرا، اپنی تپسیا کے زور پر گرو کو طلب کر رہا تھا۔ وہ تپسیا کرتے کرتے گڑگڑانے لگا۔ گرو میری سہائتا کرو، گرو میں کشٹ میں پڑ گیا ہوں، میرا دن کا چین اور رات کا سکون مجھ سے چھن گیا ہے، کسی نہ کسی وقت میری مرتیو ہوسکتی ہے۔ ایک مورکھ دشمن سے ٹکراؤ ہوگیا ہے وہ ہمارے دھرم کا نہیں بلکہ کسی غیر دھرم کو ماننے والا ہے۔ گرو! مجھے بچالو.....گرو مجھے بچالو.....'' اس قسم کی گردان پنڈت کرتا رہا۔

''شنکر میں آگیا ہوں! آخر تیری تپسیا نے مجھے ہمالیہ کی گپھا سے یہاں آنے پر مجبور کردیا۔ میں تیری سہائتا ضرور کروں گا، یہ تو ماننا پڑے گا کہ تیرا دشمن بھی طاقتور ہے۔ تجھے بچ بچا کر قدم اٹھانا پڑے گا۔ جلد بازی میں تو اپنے بے شمار بیروں کو مروا بیٹھا ہے۔ تیرا داہیاں بازو سنگھا بھی بہت زخمی ہوگیا ہے۔ پہلے سے وہ زیادہ کمزور ہوگیا ہے، اسے تو اب نہیں چھیڑنا، میں تجھے اپنا ایک زبردست بیر تیرے ساتھ کردوں گا، تو اس سے سوچ سمجھ کر کام لینا، مگر سب سے پہلے تو اسے سات بکروں کی بلی دے گا، تو پھر وہ تیرا کام کرے گا۔ بول راضی ہے۔'' گرو کی آتما نے پوچھا۔

''جی گرو! میں راضی ہوں، آپ کا بہت بہت دھنے واد۔'' آپ کا بہت بہت دھنے واد۔'' پنڈت نے سجدے میں رہتے ہوئے جواب دیا۔

''شنکر! اپنا سر اوپر اٹھا۔ کل دن میں جو سامنے جنگل ہے وہاں سات بکرے لے جانا، ان کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کرنا اور ساتوں بکروں کا خون کسی بڑے برتن میں جمع کر لینا۔ وہ خون سے بھرا برتن اور بکروں کے سارے دھڑ اس جگہ چھوڑ کر آجانا۔ بیر کا نام جگرام ہے، اس کے نام پر بکروں کی بلی دینا، اس طرح وہ تیرے حکم کا پابند ہوجائے گا۔

میں نے تجھے ایک منتر بتایا تھا۔ جس کے شبد ہیں۔'' گرجا گرجنا کالا کوا بھنا تارا تورے.....'' اس منتر کی تپسیا کر، تو اپنے مقصد میں سپھل ہوجائے گا۔ مگر بچ بچا کر قدم اٹھانا، جلد بازی میں تیرا خود کا نقصان ہوسکتا ہے، اچھا اب میں چلتا ہوں، سمے بیت رہا ہے۔ اپنا بہت بہت خیال رکھنا، ویسے تو غلطی تو کر ہی چکا ہے۔'' اور پھر پنڈت

کے گرو کی آتما غائب ہو گئی۔

صبح ہوتے ہی پنڈت نے سات بکرے اچھے داموں خرید لئے اور اپنے چار چیلوں کے ساتھ گاؤں کے کنارے جو جنگل تھا اس میں بکروں کو لے کر چلا۔

جنگل میں بکروں کو لے جا کر بہت بڑے چھرے سے ان کی گردن الگ کر کے سارا خون ایک بڑے مٹی کے برتن میں جمع کر لیا اور پھر بلند آواز سے بولا۔ ''جگرام! تیری خوراک یہاں موجود ہے، آ کر اس پر قبضہ کر لے، اب تو میرے حکم کا پابند ہوگا۔ تیرے لئے گرو کا حکم ہے۔''

اور پھر پنڈت اپنے چیلوں کو لے کر گھر آ گیا۔

اس کے چاروں چیلے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دن گزر گیا اور پھر رات آ گئی۔ رات بارہ بجے پنڈت نے آواز دی۔ ''جگرام۔ جگرام۔'' تین آواز پر ایک دیو ہیکل کالا بھجنگ عجیب شکل وصورت کا شخص حاضر ہو گیا اور بولا۔ ''پرنام..... مہاراج!'' گرو کی آ گیا پر میں حاضر ہوں، آج سے میں آپ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو میرے بس میں ہوگا، جو کام میرے بس سے باہر ہوگا، وہ میں نہیں کروں گا۔ گرو کا میرے لئے یہی حکم ہے۔ امید ہے آپ مجھے زیادہ پریشان نہیں کریں گے۔'' جگرام نے کہا۔

''جگرام! میرا ایک دشمن ہے، اس نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر کے رکھ دیا ہے، اس نے میرا چین سکون چھین لیا ہے، ایک منش کے پاس میں نے موت کی ہانڈی بھیجی تھی، میرے اس دشمن نے موت کی اس ہانڈی کو اپنے قبضہ میں کر کے جانے کہاں چھپا دیا ہے، اگر وہ ہانڈی میرے قبضہ میں نہیں آئی تو پھر میری مرتیو یقینی ہے۔

جگرام! تجھے اس ہانڈی کا پتہ لگانا ہے اور پھر اس منش کا خاتمہ بھی کرنا ہے، اس منش کا نام ''رولوکا'' ہے۔ وہ کچھ زیادہ ہی اپنے آپ کو شکتی شالی سمجھتا ہے، کئی مرتبہ چھل کر کے میرے وار سے بچ نکلا ہے۔

جگرام! تو نے ہر حال میں اس مورکھ ''رولوکا'' کو نشٹ کرنا ہے۔ سب سے پہلے تو نے اس ہانڈی کو ڈھونڈ کے لانا ہے، کیونکہ ہانڈی اگر نہیں ملی تو پھر میرا جیون ختم ہو جائے گا، ہانڈی ملنے کے بعد تو نے اس مورکھ رولوکا کو بھی ڈھونڈنا ہے کیونکہ وہ مورکھ بہت زیادہ چھل باز ہے۔ مورکھ ''رولوکا'' کو ہر حال میں تو نے ختم کرنا ہے۔ رولوکا کا کٹا ہوا سر مجھے چاہئے؟'' پنڈت نے کہا۔

☆☆☆

جگرام ایک کونے میں باادب کھڑا تھا۔ پنڈت کی آواز سن کر بولا۔ ''مہاراج! آپ فکر نہ کریں، میں آپ کی خواہش پوری کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ دشمن کا سر لے کر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا اور موت کی ہانڈی بھی آپ کو ضرور ملے گی۔''

''اچھا تو ٹھہر! میں سنگھا کو بھی بلاتا ہوں اور تیرے ساتھ کرتا ہوں کیوں کہ ایک سے دو بھلے، یعنی دگنی طاقت ہو جائے گی۔'' یہ بول کر پنڈت نے کوئی منتر پڑھا اور پھر آواز دی۔ ''سنگھا..... سنگھا'' کہ اچانک ایک کونے میں سنگھا حاضر ہو گیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر پنڈت بولا۔ ''سنگھا یہ جگرام ہے، اس کی طاقت تیرے مقابلے میں زیادہ ہے، یہ میرے گرو کا بہت شکتی شالی بیر ہے، تو نے اس کے سنگ مل کر'' اس مورکھ رولوکا کو ڈھونڈنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہانڈی کا بھی پتہ لگانا ہے۔ اب تم دونوں جاؤ۔''

پنڈت کی آواز جیسے ہی ختم ہوئی تو جگرام اور سنگھا اپنی اپنی جگہ سے غائب ہو گئے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد پنڈت ایک جگہ بیٹھ گیا، سامنے ہلکی آگ دہک رہی تھی۔ پنڈت نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ مٹی کے ایک کٹورے میں پڑا ہوا صندل اور لوبان کا سفوف تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس آگ میں ڈالتا رہا۔

آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ اچانک کمرے میں ہلکا دھواں سا اٹھا اور پھر اس جگہ دو ہیولے نظر آئے، پھر ان ہیولوں نے ٹھوس شکل اختیار کر لی، ایک جگرام اور دوسرا سنگھا تھا۔ دونوں کو دیکھ کر پنڈت کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک پیدا ہوئی وہ بولا۔ ''جگرام کیا خبر لایا ہے؟''

جگرام کی خرخراتی آواز سنائی دی اس کی آواز میں مایوسی صاف نمایاں تھی۔ ''مہاراج! ہم دونوں نے پورب پچھم اتر دکھن اور اتال پاتال کھنگال ڈالا مگر افسوس کہ نہ کہیں ہانڈی کا پتہ ہے اور نہ ہی رولوکا کا۔ میں نے اپنی تمام شکتی کے بل بوتے پر دونوں کو ڈھونڈا مگر سوائے مایوسی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

مگر میں نے اپنی شکتی سے یہ ضرور معلوم کرلیا ہے کہ آپ کا دشمن قریب میں ہی ہے کیونکہ مجھے یہاں سے تھوڑی دور ایک جگہ نظر آئی ہے اس جگہ دھند چھائی ہوئی ہے اس دھند میں جانے کے لئے سنگھا کے ساتھ میں نے بہت کوشش کی مگر میں اس دھند میں داخل نہ ہوسکا۔ دیکھنے کو تو وہ دھند ہے مگر اصل میں وہ مضبوط بلکہ مہان شکتی شالی کوئی کنڈل ہے، جس میں داخل ہونا محال ہے۔

آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ میں نے اپنے طور پر اس دھند میں داخل ہونے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ وہ دھند سنگلاخ پہاڑ کی چٹان سے بھی سخت تھی، اچنبھے کی بات ہے کہ آخر وہ دھند ہے کیا اور کیا اس میں کوئی چیز پوشیدہ ہے۔

یا پھر ایسا تو نہیں کہ اس دھند نما کنڈل میں رولوکا نے خود کو چھپالیا ہو، مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ اتنا مہان شکتی ہو؟'' جگرام بولا۔

''جگرام تیرے کہنے کے مطابق مورکھ رولوکا، چاروں سمت اور نہ ہی آتال پاتال میں تجھے ملا تو پھر آخر گیا کہاں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے اس دھند نما کنڈل میں خود کو چھپالیا ہو۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ضرور اسی دھند نما کنڈل میں وہ چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔

اب یہ تیرا کمال ہے اور تیری مہان شکتی کتنی طاقتور ہے، تجھے اگر مزید بیروں کی ضرورت ہے تو مجھے بتا، میں بیروں کی ایک فوج تیرے سنگ کردیتا ہوں اور اس کے لئے میں اپنے گرو سے رابطہ کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں گرو ضرور سہایتا کریں گے، یہی نہیں بلکہ میں ہندوستان میں موجود سارے گیانی لوگوں سے بھی رابطہ کرتا ہوں۔''

اور پھر پنڈت نے ہمالیہ کی ترائی میں موجود گھپا میں بیٹھے ہوئے اپنے گرو سے رابطہ کیا۔ مگر رابطہ ممکن نہ ہوا، اس نے دوبارہ اپنی شکتیوں کے ذریعہ رابطہ کیا مگر پھر بھی رابطہ نہیں ہوا تو اس نے جگرام سے بولا۔ ''جگرام تو جلدی سے گرو کے پاس میرا سندیسہ لے کر جا اور گرو سے کہنا کہ اس کا کوئی اپائے بتائیں اور یہ ضرور پوچھنا کہ اس دھند نما کنڈل کو کیسے توڑا جائے۔'' پنڈت کی بات سنتے ہی جگرام فوراً پنڈت کی نظروں سے غائب ہوگیا۔

جگرام فوراً گھپا میں موجود گرو کے پاس پہنچ گیا۔

گرو اپنے دھیان گیان میں مصروف تھے، جب جگرام نے انہیں مخاطب کیا تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر جگرام کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ وہ بہت جلال میں تھے، ان کا جلال دیکھنے کے قابل تھا۔ ان کی غیر ہوتی حالت کو دیکھ کر جگرام سہم کر رہ گیا۔ وہ بولے۔ ''مورکھ تو نے اس سمے آنے کی ہمت کیسے کی؟ تو نے یہ کیوں نہ معلوم کیا کہ میں گیان دھیان کی کتنی گہرائی میں پہنچا ہوا ہوں۔''

جگرام بولا۔ ''مہاراج! میں تو حکم کا غلام ہوں، آپ نے حکم دیا میں پنڈت شنکر کا غلام بن گیا، آپ کے حکم کے مطابق میں اب پنڈت شنکر کے وش میں ہوں، میں اس کا کوئی بھی حکم ٹال نہیں سکتا، اب آپ ہی بتائیں۔ میں نہیں آتا تو پھر میرے ساتھ کیا ہوتا۔''

''بول تو نے مجھے کشٹ کیوں دیا اور پنڈت کا حکم کیا ہے؟'' گرو نے پوچھا۔

''مہاراج! ان کا دشمن رولوکا کہیں چھپ گیا ہے، ہم نے اسے دنیا کے کونے کونے میں چھان مارا، مگر وہ کہیں بھی نہیں اور ایک جگہ ایک دھند نما کنڈل موجود ہے، اس کنڈل کو توڑنے کی میں نے ہر ممکن کوشش کرکے دیکھ لی مگر وہ کنڈل میری شکتی سے نہیں ٹوٹا۔ پنڈت شنکر کا خیال ہے کہ مورکھ رولوکا خود کو اسی کنڈل میں چھپا کر بیٹھ گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ

آپ کوئی اپائے بتائیں۔ پنڈت شنکر بہت زیادہ پریشان ہوگئے ہیں۔ جیسے جیسے پل بیت رہا ہے ان کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔'' جگرام بولا۔

''جگرام تو اس وقت چلا جا! میں اس وقت گھپا سے نہیں نکل سکتا، میں نے گیان دھیان کا امر جاپ شروع کررکھا ہے۔ شنکر نے اپنے لوبھی پنے میں اپنے لئے مرتیو کا سامان کرلیا ہے۔

خیر تو جا! اور شنکر سے بولنا کہ گرو نے بتایا ہے کہ اس دھند والے کنڈل کے اوپر اپنا ایک اور کنڈل قائم کردے۔ اوپر کنڈل قائم کرنے سے کسی صورت بھی وہ اوپر والا کنڈل نہیں توڑ سکتا، اور پھر اس کنڈل میں وہ موت کی ہانڈی سمیت گل سڑ جائے گا۔

اور جب وہ ہانڈی شنکر تک نہیں پہنچے گی تو شنکر ہر حال میں بچا رہے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور اپائے نہیں ہے۔ اگر میں فارغ ہوتا تو اس کنڈل کو خود دیکھتا۔ اب تو ترنت یہاں سے چلا جا، اور میری اجازت کے بغیر نہ تو اور نہ ہی شنکر کوئی رابطہ کرنا۔'' اور گرو نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

جگرام'' فوراً وہاں سے غائب ہوگیا اور پلک جھپکتے ہی پنڈت شنکر کے سامنے ظاہر ہوگیا۔

جگرام کو دیکھتے ہی پنڈت بولا۔'' جگرام تو آگیا اور گرو نے کیا حکم دیا ہے، جلدی سے بتا۔''

جگرام نے گرو کی بتائی ہوئی ساری بات بتادی۔ باتیں سن کر پنڈت سر ہلانے لگا اور چند ساعت کے بعد بولا۔'' جگرام میں تجھے ایک بہت مضبوط کنڈل دیتا ہوں، تو اسے اپنی مٹھی میں لے جا اور اس جگہ پہنچ کر جہاں دھند والا کنڈل ہے، اپنی مٹھی کھول دینا تو میرا کنڈل اس دھند نما کنڈل کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

اور پھر تو بھی اپنا کنڈل اس کنڈل پر قائم کردینا۔ گرو نے زبردست اپائے بتایا ہے، یہ بات تو میری بدھی میں بھی نہیں آئی تھی۔ اب مورکھ رد لوکا اس کنڈل میں گل سڑ جائے گا۔ تو جلدی سے یہ کام کردے، سنگھا بھی تیرے ساتھ جائے گا، اور پھر میں تیرے ساتھ پچاس بیروں کو بھی بھیج رہا ہوں، کنڈل پر کنڈل قائم کرنے کے بعد تو ان بیروں کی اس جگہ ڈیوٹی لگا دینا کہ ہر پل یہ اس جگہ ڈیوٹی دیتے رہیں اور پل پل کی خبر تجھے دیں، سنگھا بھی اس جگہ موجود رہے گا اور پھر تو ان سب کی خبر گیری کرنا۔''

اس کے بعد جگرام اپنے ساتھ سنگھا اور دیگر پچاس بیروں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں کہ اسے دھند نما کنڈل کا شک ہوا تھا۔ جگرام نے گرو اور پنڈت کے حکم کے مطابق اپنی مٹھی اس جگہ کھول دی تو اس کی مٹھی سے دھوئیں کا ایک مرغولہ نکلا اور اس جگہ گولائی میں چاروں طرف پھیل گیا۔

اس کے بعد جگرام نے اپنی شکتی سے بھی سرخ روشنی سے ایک کنڈل قائم کردیا اور پھر مطمئن ہوگیا۔ اس نے تمام بیروں کی ڈیوٹی اس جگہ لگادی اور سنگھا سے بولا۔

''ایک ایک پل کی خبر مجھے دیتے رہنا اور تو جانتا ہے کہ لاپرواہی اور غلطی کی سزا کیا ہوسکتی ہے۔ تیرے وجود کا صفایا۔'' یہ بول کر جگرام اس جگہ سے غائب ہوگیا۔

اور یہی حقیقت تھی کہ ردلوکا نے اس جگہ ایک مضبوط حصار قائم کردیا تھا۔ حصار کے اوپر دھند کی ایک چادر تن گئی تھی۔ وہ حصار اتنا مضبوط تھا کہ کالی طاقتیں اسے توڑنے میں ناکام ہوئی تھیں۔ ردلوکا نے ایسا یوں کیا تھا کہ پنڈت کی ساری شکتی اس جگہ سمٹ کر رہ جائے اور ہوا بھی یہی تھا کہ پنڈت نے اس حصار کو توڑنے کے لئے اپنی اور اپنے گرو کی ساری شکتیوں کو اس حصار کو توڑنے پر لگادیا تھا۔ ردلوکا کو پتہ تھا کہ اس دھند نما حصار کو دیکھ کر پنڈت کی ساری فوج اس جگہ آجائے گی، اور یہ بھی پتہ تھا کہ وہ حصار کے اوپر اپنا ایک اور حصار قائم کردیں گے۔

دراصل اس صورت میں ردلوکا پنڈت کو ہلکان کرنا چاہتا تھا، اتنا ہلکان کہ پنڈت کا پل پل کا چین ختم ہوجائے اور پھر پنڈت کا انجام تو ردلوکا جانتا ہی تھا۔

جہاں کہ ردلوکا حصار کے اندر مقید تھا۔ وہ جگہ حکیم وقار کے مطب سے کافی دور تھی۔ ردلوکا اس جگہ بیٹھا اور اپنے گرد حصار قائم کردیا۔ اس کے بعد اپنے منصوبہ کے

مطابق رولوکا زمین کی اوپری سطح سے نیچے پاتال میں اترتا چلا گیا۔

پاتال کے آخری حد میں پہنچ کر رولوکا نے ایک طرف کا رخ کیا اور پھر آناً فاناً وہ ایک انجان علاقے میں پہنچ گیا۔

اب وہ پاتال سے نکل کر اوپر کو پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک عجیب جگہ ہے۔ وہ غائب حالت میں تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک درخت ہے جس پر ہلکے سرخ رنگ کے بے شمار پھل لگے ہوئے ہیں۔ درخت کے نیچے پانچ عورتیں کھڑی ہیں۔ سب کی سب جوان اور برہنہ حالت میں تھیں۔ کمر کے گرد انہوں نے ایک فٹ چوڑا اور کافی لمبا پتا لپیٹ رکھا تھا۔ پتا ایسا تھا کہ جیسے کیلے کا پتا ہوتا ہے۔ کمر سے اوپر کا پورا جسم ننگا تھا۔

وہ عورتیں اتنی خوب صورت تھیں کہ رولوکا نے اس سے پہلے اتنی خوب صورت عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ ان کے حسن کو دیکھ کر رولوکا کے من میں فوراً آیا کہ۔

سو بار بنا کر مالک نے سو بار مٹایا ہوگا
تب جا کر یہ حسن مجسم اس رنگ پر آیا ہوگا

کسا کسا چمکتا ہوا جسم، نشیلی سبزی مائل شرابی آنکھیں، لمبے سیاہ بل کھاتی ہوئی ناگن زلفیں، صراحی دار گردن، ستواں ناک، اتنا گورا رنگ کہ ہاتھ لگاؤ تو میلا ہوجائے، عروج ماہ کے چاند کی گولائی لئے ہوئے خوب صورت گلاب کی پنکھڑی جیسے ہونٹ، موتیوں کی چمک لئے ہوئے دانت، تمام کی تمام عورتیں واقعی دل گرفتہ اور دل فریفتہ حسن کا مرقع تھیں۔

یک ٹک رولوکا انہیں دیکھے جا رہا تھا کہ پھر اچانک اسے جیسے ہوش سا آ گیا۔ کیونکہ ان عورتوں میں سے دو عورتیں اچھل اچھل کر درخت پر لگے پھل توڑنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ ان کے ہاتھ میں دو چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے جو کہ ان کے اچھلنے کے باوجود بھی پھل تک نہیں پہنچ پا رہے تھے ان کی حرکت کو دیکھ کر رولوکا مسکرانے لگا اور پھر وہ درخت کی اوٹ سے باہر نکلا اور ہوا میں تیرتا ہوا پھلوں کی طرف بڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار پھل توڑ کر زمین پر گرا دیئے۔

پھلوں کو نیچے گرتا دیکھ کر عورتیں خوشی سے جیسے ناچنے لگیں اور انہوں نے جلدی جلدی پھلوں کو اپنی چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں بھرنے لگیں۔

وہ رولوکا کی طرف سے بالکل بے خبر تھیں، کیونکہ انہیں اس وقت پھلوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ان میں سے جلدی سے ایک عورت کی ٹوکری پھلوں سے بھر گئی تو اچانک اس نے اوپر کو دیکھا تو ایک وجود ہوا میں تیرتا ہوا پھل توڑ توڑ کر نیچے گرا رہا تھا۔

وہ عورت چونک گئی اور اس کے منہ سے زور کی آواز نکلی۔ ''اوئی.....'' اور جب اوئی کی زوردار آواز رولوکا کے کانوں میں پڑی تو اچانک وہ مجسم زمین پر ان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

رولوکا کو دیکھ وہ پانچوں کی پانچوں چونک پڑیں اور اچنبھے کی حالت میں یک ٹک ہوکر رولوکا کو دیکھنے لگیں، اور پھر انہیں دیکھ کر رولوکا مسکرانے لگا۔ اس کے بعد وہ سب کسی انجانی زبان میں ایک دوسرے سے کچھ بولنے لگیں مگر ان کی نگاہیں رولوکا پر ہی ٹکی رہیں۔

ان کی زبان رولوکا کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ پھر رولوکا نے اپنی آنکھیں ایک ساعت کے لئے بند کرلیں اور کچھ تصور کیا تو ان کی باتیں سمجھنے لگا اور پھر رولوکا بھی ان کی زبان بولنے لگا۔

ان میں سے ایک بولی۔ ''یہ کون ہے اور یہاں آیا کیسے؟''

دوسری بولی۔ ''یہ عام آدمی نہیں لگ رہا۔''

تیسری بولی۔ ''یہ تو کوئی جادوگر لگتا ہے۔''

''اور یہ ہم میں سے بھی نہیں، کیونکہ اس کا رنگ ہم سے بالکل الگ ہے۔'' چوتھی بولی۔

پانچویں ساری باتیں سننے کے بعد بولی۔ ''اجنبی تم کون ہو، اور یہاں کس طرح آئے؟'' کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولی۔ ''پھل توڑنے والی تمہاری حرکت ثابت

کرتی ہے کہ تم عام انسان سے ہٹ کر ہو، تم جادوگر ہو یا پھر انہونی طاقتوں کے مالک ہو۔"

ایک اور بولی۔ "تمہارے جسم کو دیکھ کر لگتا ہے کہ تم واقعی کسی اندیکھی دنیا کے ہو، آج سے پہلے ہم نے تم جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم کس دنیا کے باسی ہو اور یہاں تک پہنچے کیسے؟"

"لیکن لگتا ہے کہ تم بہت ہمدرد اور رحم دل بھی ہو، تم نے پھل توڑنے میں ہماری مدد کی ہے۔" ان سب کی باتیں سن کر رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔ "یہ بات درست ہے کہ میں کسی اور دنیا کا رہنے والا ہوں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھ میں کچھ ماورائی قوتیں بھی ہیں جس کی وجہ سے میں تم لوگوں کی باتیں سمجھ رہا ہوں اور تمہاری زبان میں بات بھی کر رہا ہوں۔ میرا انجانے میں اس طرف سے گزر ہو رہا تھا کہ میں نے تم لوگوں کو دیکھا کہ تم سب پھل توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن تم سے پھل نہیں ٹوٹ رہا تھا کیونکہ پھل زیادہ اونچائی پر ہے۔

اور اوپر والے مالک جس نے سب کو پیدا کیا، دنیا بنائی، کتنے جہاں پیدا کیے، یہ تو صرف وہی جانتا ہے، اس کا فرمان ہے کہ ذی شعور ہونے کے ناطے ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے اور اس جذبے کے تحت میرے قدم اس جگہ رک گئے اور میں نے تم لوگوں کی مدد کی۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے اور تم سب کی حقیقت کیا ہے؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس جگہ ایک آدمی آ گیا۔ اس آدمی کا حلیہ بھی عورتوں جیسا ہی تھا کمر کے گرد پتا لپٹا ہوا اور اوپری دھڑ کپڑوں سے بے نیاز۔

رولوکا کو دیکھ کر وہ آدمی زبردست طریقے سے چونکا۔ اس کے ہاتھ میں پتھر کا بنا ہوا ایک بھالا جیسا ہتھیار تھا۔ اچانک اس نے وہ ہتھیار رولوکا پر اٹھالیا۔ لیکن وہ حملہ کرتا اس سے پہلے ان عورتوں نے اپنی زبان میں کہا۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو، یہ کسی انجان دنیا کا رہنے والا ہے۔ یہ کہیں اور جا رہا تھا غائبانہ طور پر کہ ہماری مدد کے لئے اس جگہ رک گیا۔ دیکھو اس نے کتنے سارے پھل توڑ کر ہمیں دیئے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بہت بڑا جادوگر بھی ہے۔ زمین سے یہ اوپر کو اٹھا اور ہوا میں تیرتا ہوا اس نے یہ پھل توڑ دیئے یہ آدمی ہمارے اور کام بھی آ سکتا ہے، یہ رحم دل بھی ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ اسے ہم اپنے سردار کے پاس لے چلتے ہیں، سردار خود ہی اس سے نمٹ لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری مصیبت دور بھی کر دے، جس مصیبت سے ہم دوچار ہیں۔" عورتوں کی باتیں سن کر وہ آدمی نرم پڑ گیا۔

"اجنبی میں اپنی زیادتی پر تم سے معافی مانگتا ہوں، میں جذبات میں آ گیا تھا اس لئے کہ کہیں تمہاری ذات سے ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے، کیا تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو ہماری بستی میں، ہمارا سردار بھی بہت اچھا اور رحم دل آدمی ہے، یقیناً وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگا اور خاص طور سے جادوگروں سے مل کر وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، چلو ہمارے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے میں تم لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری ذات سے تم لوگوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں پہنچے گی۔" رولوکا بولا۔

"اجنبی تم ہمارے سردار سے زیادہ بحث مباحثہ نہیں کرنا کیونکہ ہمارا سردار چند روز سے بہت زیادہ پریشان اور افسردہ ہے۔"

خیر رولوکا ان کے سات چلنے لگا۔ وہ مختلف پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے اپنی بستی میں داخل ہوئے تو انہیں دیکھتے ہی دیکھتے سیکڑوں لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، وہ سب رولوکا کو دیکھ کر اچنبھے میں تھے کیونکہ وہ مکمل کپڑوں میں ملبوس تھا اور پھر یہ بھی کہ رولوکا کا رنگ ان لوگوں سے بہت دبتا ہوا تھا یعنی رولوکا سانولے رنگ کا تھا۔

بستی کے تمام مرد و زن کپڑوں سے بے نیاز تھے۔ کمر کے گرد صرف پتا لپٹا ہوا تھا۔ سب کی زبان پر تھا "انجان دنیا کا باسی۔"

تھوڑی دیر میں وہ سب ایک بہت بڑے جھونپڑے کے پاس پہنچ گئے۔ جھونپڑے کے باہر پتھروں

کا مختلف طرز کے ہتھیار لئے کئی لوگ موجود تھے، اور بے شار لوگ رولوکا کے پیچھے تھے۔

چند منٹ بعد جھونپڑے کے اندر سے ایک لمبا تڑنگا آدمی نکلا اور رولوکا کو دیکھ کر چونک گیا۔ رولوکا کے ساتھ آئے ہوئے آدمی اور عورتوں نے رولوکا کے متعلق کچھ باتیں بتائیں تو سردار مسکرانے لگا اور آگے بڑھ کر اس نے گلے لگالیا۔ اور پھر ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو کہا کہ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، اب یہ اجنبی میرا مہمان ہے۔ میں تفصیل سے باتیں کروں گا اور اس کی دنیا کے حالات پوچھوں گا۔

رولوکا نے محسوس کیا کہ سردار کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔ مگر چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اندرونی طور پر بہت زیادہ رنجیدہ ہے۔

رولوکا کو لے کر وہ اندر جھونپڑے کے ایک کمرے میں پہنچا۔ کمرے میں لکڑی کا ایک تخت بچھا تھا، اور اس تخت پر شیر کی کھال بچھی ہوئی تھی۔

رولوکا کے سامنے وہ بھی تخت پر بیٹھ گیا اور تالی بجائی تو ایک جوان لڑکی فوراً حاضر ہوئی اس نے کہا۔ ''اجنبی مہمان کے لئے ٹھنڈا شربت لاؤ، شربت خاص والا ہو۔''

وہ لڑکی بھی حسن کے اعتبار سے لاکھوں میں ایک تھی۔

چند منٹ میں ہی وہ لڑکی دو گلاس شربت لے آئی۔ ایک گلاس اس نے رولوکا کو پکڑایا۔ دوسرا گلاس سردار کو تھما دیا۔ ہاتھ میں شربت کا گلاس لے کر سردار بولا۔ ''اجنبی مہمان آپ اسے پئیں، اس کے پینے سے آپ کو سکون ملے گا۔''

اور سردار نے اپنا گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ رولوکا بھی شربت پینے لگا۔ شربت نے حلق سے اترتے ہی واقعی اپنا اثر دکھایا۔ رولوکا نے ایک عجیب طرح کا سرور محسوس کیا۔

کچھ توقف کے بعد رولوکا بولا۔ ''سردار! شربت واقعی بہت مزیدار ہے، اور اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسے پی کر میں اپنے اندر بہت فرحت محسوس کر رہا ہوں۔

اگر آپ برا نہ منائیں تو کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔''

سردار بولا۔ ''اجنبی آپ بصد شوق سوال کر سکتے ہیں، ہم مہمان کی بہت عزت کرتے ہیں اور مہمان کی خوشی میں ہم خوش ہوتے ہیں۔''

رولوکا بولا۔ ''سردار! میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ اندرونی طور پر بہت زیادہ افسردہ اور رنجیدہ ہیں۔ آپ کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی ہوئی ہیں۔''

رولوکا کی بات سنتے ہی سردار کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اور پھر چند منٹ کے بعد اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا اور بولا۔ ''اجنبی آپ نے صحیح فرمایا۔ بات یہ ہے کہ پرسوں پونم کی رات ہے۔ اور ہماری بستی میں ہر پونم کی رات میں ایک نوجوان لڑکی جو کہ پہلی مرتبہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے، وہ بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ بستی کے کنارے ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ میں ایک غار ہے اس غار کے سامنے جو میدان ہے اس میدان میں ہر پونم کی رات بستی کے سارے لوگ جمع ہوتے ہیں، اس لڑکی کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے۔ اور پھر اس لڑکی کو غار کے سامنے بنے چبوترے پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے غار کے اندر سے سانپ دیوتا اپنا درشن کراتے ہیں اور پھر وہ چبوترے کے قریب پہنچ کر لڑکی کو گھورنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی آنکھوں سے سرخ شعاعیں نکلتی ہیں اور وہ شعاعیں لڑکی کا احاطہ کر لیتی ہیں وہ لڑکی بے سدھ ہو جاتی ہے اس کے بعد سانپ دیوتا اس لڑکی کو اپنی دم میں جکڑ کر غار میں لے جاتے ہیں اور پھر پتہ نہیں چلتا کہ اس لڑکی کا حشر کیا ہوا۔

اجنبی پرسوں جو پونم کی رات آئے گی اس رات میری اپنی لڑکی سانپ دیوتا کو پیش کی جائے گی۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے۔ اس

کرب نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو ایسا ہونے سے پہلے میں خود کو ختم کر لیتا مگر میں بستی کا سردار ہوں۔" یہ بول کر سردار پھر افسردہ ہو گیا۔

رولوکا نے سردار سے کہا۔ "سردار! آپ حوصلہ رکھیں، گھبرائیں نہیں۔ میں جس دنیا کا باسی ہوں، وہاں کے لوگ حقیقت کو پرکھنا جانتے ہیں، اور ماورائی قوتوں سے نمٹنا بھی جانتے ہیں، آنکھ بند کر کے ماورائی قوتوں کے آگے گردن جھکا نہیں دیتے بلکہ ان قوتوں کو شکست بھی دیتے ہیں۔ اوپر والے مالک نے انسان کو افضل بنایا ہے اور انسان ہی سب سے برتر ہے، آپ ہمت سے کام لیں اور مجھ پر یقین رکھیں میں اس معاملے پر غور کرتا ہوں اور جہاں تک ہو سکا میں اس کے سدباب کے لئے کوشش کروں گا۔ اور ایسا حل تلاش کروں گا کہ آئندہ بھی بستی کی کسی لڑکی کی بھینٹ نہ دی جائے۔" رولوکا اٹھا اور سردار کے کندھے کو تھپتھپایا۔

باتوں ہی باتوں میں شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کمرے میں کسی جانور کی چربی کا چراغ جل رہا تھا۔ "مہمان آپ ہاتھ منہ دھو لیں، اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے، میں کھانا منگاتا ہوں، میں بھی آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔"

تھوڑی دیر میں کھانا لگ گیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کھانے میں ہرن کا بھنا ہوا گوشت اور دیگر چیزیں بھی تھیں۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ رولوکا نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ایک عجیب طرح کا گرم سوپ آیا جو کہ بہت مزیدار تھا۔

کھانے کے بعد دو لڑکیاں آئیں اور برتن اٹھا کر لے گئیں۔ اس کے بعد سردار نے تالی بجائی تو ایک نوجوان لازوال حسن کی مالک لڑکی کمرے میں حاضر ہو گئی۔ سردار بولا۔ "مہمان ہماری مہمان نوازی میں یہ بھی شامل ہے کہ یہ لڑکی رات بھر آپ کے پاس رہے گی، رات بھر یہ آپ کی سیوا کرے گی۔ آپ کا دل بہلائے گی، آپ اس سے من مانی کر سکتے ہیں۔ اب آپ آرام کریں، باقی ضروریات کی تمام چیزیں یہ لڑکی آپ کی خدمت میں پیش کر دے گی۔ اب میں چلتا ہوں۔ کل صبح ہماری ملاقات ہو گی۔ میری دعا ہے کہ ہماری زندگیوں کا مالک دیوتا آپ پر رحم کرے۔"

رولوکا بولا۔ "سردار ایک منٹ! ہماری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا، اور نہ ہی ہم ایسا پسند کرتے ہیں، یہ لڑکی رات میں میرے پاس نہیں رہے گی، ہم اپنی دنیا میں غیر عورتوں کی بہت عزت کرتے ہیں، اور پھر میں جس لائن کا آدمی ہوں اس لائن میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے لئے پاکیزگی بہت اہم ہے، میری خوشی کی خاطر آپ لڑکی کو یہاں سے لے جائیں، رات میں خاص کر اپنی اندیکھی قوتوں سے مصروف گفتگو رہتا ہوں، آپ کی مہربانی۔" سردار مسکرایا اور اشارہ کیا تو لڑکی سر جھکا کر چلی گئی۔

رات میں رولوکا نے اپنی مخفی قوتوں سے معلوم کر لیا کہ غار میں ایک زبردست خونی بلا رہتی ہے جو کہ ہر پونم کی رات سانپ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دلہن بنی لڑکی کو اٹھا کر غار میں لے جاتی ہے اور پھر اس لڑکی کو مجسم ہڑپ کر جاتی ہے اور ساتھ ہی رولوکا نے اس بلا کی طاقت کا اندازہ بھی لگا لیا کہ بلا کتنے پانی میں ہے۔

صبح کے وقت سردار حاضر ہوا اور جھک کر رولوکا کو سلام کیا۔ رولوکا منہ ہاتھ دھو کر پہلے ہی بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر میں ناشتہ آ گیا تو دونوں نے مل کر ناشتہ کیا۔

ویسے سارا کام حسین لڑکیاں ہی کرتی تھیں۔ رولوکا نے سردار کو مطمئن کر دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ کی بچی کو میں بچا لوں گا، اور پھر ایسا کر دوں گا کہ سانپ دیوتا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس بات کا تذکرہ آپ بستی کے کسی فرد سے بھی نہیں کیجئے گا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بس آپ دیکھتے رہیں کہ کیا ہوتا ہے۔

سارا کام جوں کا توں ہو گا جیسے کہ ہوتا آیا ہے۔ لڑکی دلہن بنے گی اور اس چبوترے پر بیٹھائی جائے گی اس کے بعد میں جانوں اور میرا کام۔"

رولوکا کی بات سن کر سردار نے رولوکا کا ہاتھ چوم لیا

اور جھٹ رولوکا کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ لیکن رولوکا نے فوراً سردار کا کندھا پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ”سردار! سجدہ کسی انسان کو نہیں بلکہ اوپر والے مالک کے لئے جائز ہے۔“

پونم کی رات آئی۔ میدان میں مجمع لگ گیا۔ پورے میدان میں روشنی کردی گئی۔ ایک کونے میں پندرہ بیس کے قریب مرد عورتیں ڈھول کی تھاپ پر گانے میں مصروف ہوگئیں۔ مقررہ وقت پر سردار کی لڑکی کو دلہن بنا کر لایا گیا اور چبوترے پر بیٹھا دیا گیا۔

رات ٹھیک ساڑھے بارہ بجے غار کے دہانے پر ایک زبردست پھنکار سنائی دی۔ جسے سن کر لوگوں کے دل دہل گئے۔ ایک اژدھا نما سانپ غار سے نمودار ہوا۔

”اف خدا کی پناہ!“

ایسا ہیبت ناک اژدہا! شاید دنیا میں کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ وقفے وقفے سے اس کی پھنکار میدان میں موجود لوگوں کے دلوں کو دہلا رہی تھی۔ اس نے پورے مجمع پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور پھر وہ جھومتے ہوئے چبوترے کے قریب آیا۔ چبوترے کے قریب پہنچ کر اس نے لڑکی پر اپنی آنکھیں مرکوز کردیں، چند ساعت یک ٹک لڑکی کو دیکھنے کے بعد اس کے منہ سے سرخ شعاعیں نکلیں جو کہ لڑکی کی طرف بڑھنے کے بجائے ان شعاعوں نے اس سانپ کا احاطہ کرلیا۔ کہ اچانک وہ سانپ کئی فٹ اوپر کو اچھلا۔ وہ آدھے دھڑ کے بل کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھیں انگارہ بن گئیں۔ پھر وہ سرخ شعاعیں سانپ کے پورے وجود کے گرد لپٹ گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست شعلہ لپکا اور سانپ کا وجود دھڑا دھڑ آگ کے شعلوں میں گھر گیا۔ اور پھر ایک ہولناک منظر دیکھنے کو ملا۔ غار والا پہاڑ دھماکے سے ریزہ ریزہ ہوکر زمین بوس ہوگیا۔

میدان میں موجود سارے لوگ دم بخود تھے، ان کی نگاہیں جیسے پتھرا گئی تھیں، ان پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ ایک آواز پر سب لوگ جیسے ہوش میں آگئے، وہ آواز رولوکا کی تھی۔

چبوترے پر دلہن کے کپڑوں میں ملبوس سردار کی لڑکی نہیں تھی بلکہ وہ رولوکا تھا۔ وہ چبوترے پر کھڑا ہوا۔ ”بستی والو! آج اس بستی سے اس عفریت کا خاتمہ ہوگیا، یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، اب رہتی دنیا تک کے لئے اس عفریت کا نام ونشان مٹ گیا۔ آپ لوگ چین کی زندگی گزاریں۔ یہ کوئی سانپ دیوتا نہیں بلکہ یہ خونی بلا تھی جو کہ لڑکی کو غار میں لے جا کر ہڑپ کر جاتی تھی۔

سردار کی لڑکی نزاریہ اپنے گھر میں بستر پر غنودگی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔“ یہ سننا تھا کہ سردار دوڑتا ہوا گیا اور رولوکا کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو زار وقطار جاری تھے۔

پھر سردار چبوترے پر چڑھا اور رولوکا کو گلے سے لگالیا۔ لوگوں کو مخاطب کیا۔ ”بستی والو! ہم سب پر اجنبی مہمان کا احسان ہے۔ ہماری آنے والی نسلیں بھی اجنبی کے حق میں دعائیں کرتی رہیں گی۔ ہم لوگ مہمان کا جتنا بھی شکر گزار ہوں گے کم ہے۔

یہ خونی بلا سیکڑوں سال سے ہم پر مسلط تھی اور ہماری بچیوں کو اپنی خوراک بنا رہی تھی۔ اچھا ہوا کہ اس کا خاتمہ ہوگیا۔ کل اسی خوشی میں پوری بستی میں جشن منایا جائے گا۔ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، مہمان میرے ساتھ جارہا ہے، کل آپ لوگ مہمان سے مل سکتے ہیں۔“

تھوڑی دیر میں مجمع ختم ہوگیا۔ رولوکا سردار کے ساتھ اس کے گھر میں آیا اور سیدھے اس کمرے میں گیا جہاں سردار کی لڑکی نزاریہ غنودگی کی حالت میں پڑی تھی۔

رولوکا نے ایک کٹورے میں تھوڑا سا پانی منگایا اور پھر اس پانی پر کچھ پڑھ کر پھونکا پھر پانی کو اپنے چلو میں لے کر لڑکی کے چہرے پر چھڑکا تو فوراً لڑکی نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور اچنبھے کی حالت میں سب کو دیکھنے لگی۔ اور پھر اٹھ کر اپنے باپ کے گلے لگ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

سردار نے پوری تفصیل بتائی تو وہ فوراً رولوکا کے قدموں پر جھک گئی۔ رولوکا نے اس کے کندھے پکڑ کر اوپر

اٹھایا اور بولا۔ ''نئی زندگی تمہیں مبارک ہو۔'' لڑکی کی آنکھوں سے ابھی بھی آنسو رواں تھے۔

دوسرے دن رولوکا سے ملنے کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ خیرات ہوئی۔ زبردست جشن منایا گیا۔ بستی کی تمام خوبصورت لڑکیاں اوپری دھڑ سے برہنہ حالت میں رقص کرتی رہیں، کافی رات گئے جشن اختتام پذیر ہوا۔

اور پھر اسی رات رولوکا سردار سے اجازت لے کر رات کی تاریکی میں غائبانہ طور سے پلک جھپکتے ہی حکیم وقار کے مطب میں موجود تھا۔

ادھر پنڈت شنکر اپنے بڑے ہال کمرے میں بیٹھا کسی منتر کے جاپ میں مصروف تھا۔ اس کے بیروں کی فوج دھند نما حصار کے گرد منڈلا رہی تھی۔ پنڈت کو یقین ہوگیا تھا کہ ''مورکھ رولوکا'' اب تک کنڈل میں سڑ گل گیا ہوگا اور اس طرح اس سے جان چھوٹ گئی۔ پنڈت من ہی من میں بہت خوش تھا۔

پنڈت کا معمول تھا کہ دن میں آرام کرتا تھا اور اگر کوئی ضرورت مند آجاتا تو اس سے مل لیتا اور رات بھر جنتر منتر کا جاپ کرتا رہتا تھا۔

رات کے ٹھیک پانچ بجے پنڈت کو رولوکا کی آواز سنائی۔ ''پنڈت! دیکھ لیا تو نے کہ تو کتنا عقلمند ہے، اور ساتھ ہی تو کتنا شکتی شالی ہے۔ تیرے بڑے بڑے بیر مجھے پورب پچھم اتر دکھن اور آتال پاتال میں بھی ڈھونڈ آئے اور میرا پتہ نہ کر سکے مگر دیکھ میں تیرے قریب ہوں۔''

رولوکا کی آواز سن کر پنڈت بپھر گیا۔ ''مورکھ اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آکر دیکھ، میں تجھے بتلاؤں گا کہ میں کتنا شکتی شالی ہوں، ارے کیوں چوہے کی طرح چھپ گیا ہے۔ آکر دیکھ لے میری شکتیوں کو، سامنے تو آ۔''

''پنڈت چند ٹکوں کی خاطر تو کتنے لوگوں کی جان لے چکا ہے، موت کی ہانڈی بھیج کر، آج وہی موت کی ہانڈی تیری موت کا کارن بنے گی، اگر تجھ میں ہمت ہے تو بچ جا۔ دیکھ اپنی بھیجی ہوئی ہانڈی کو جو تیرے سامنے آرہی ہے۔''

اور پھر ایک ہانڈی کمرے میں نمودار ہوئی، وہ ہانڈی ہوا میں معلق تھی۔ پنڈت پر سکتہ طاری ہو چکا تھا، اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ وہ دھپ سے کمرے کے فرش پر ڈھے گیا۔

موت کی ہانڈی دھڑام سے نیچے فرش پر گری اور چکنا چور ہوگئی۔

ہانڈی کا فرش پر گرنا تھا کہ پنڈت کے منہ سے بھل بھل خون نکلنے لگا۔ اور پھر چند ساعت میں پنڈت ٹھنڈا ہوگیا۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''خس کم جہاں پاک۔'' بدبخت کو میرا سر چاہئے تھا۔''

پنڈت کی موت کے بعد اس کے سارے بیر آزادی پاکر دم دبا کر اس علاقے سے کسی غیر علاقہ کی طرف فوراً کوچ کر گئے۔

رولوکا نے حکیم وقار کے مطب کا تصور کیا اور پھر پلک جھپکتے ہی اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ہاتھ منہ دھوئے اور اپنے بستر پر لیٹ کر بے خبر سو گیا۔

☆......☆......☆

صبح ہوئی اور حسب معمول رولوکا حکیم وقار کے سامنے آیا۔ جسے دیکھ کر حکیم وقار مسکرانے لگے اور بولے۔ ''شکر ہے کہ کئی دن بعد آپ کی صورت نظر آئی۔ میں تو بہت پریشان تھا کہ آپ کی کوئی خیر خبر نہیں مل رہی تھی۔ اور سنایئے رولوکا کو پنڈت شنکر کا کیا بنا؟''

حکیم صاحب! پنڈت نے بہت ہلکان کر دیا تھا۔ خیر وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا، خاتمہ ہوگیا اس کا، اور آپ کے ہاتھ میں یہ کون سی کتاب ہے؟ لگتا ہے کوئی اچھی کتاب ہے موضوع کے لحاظ سے اس وجہ سے آپ کی زیر نظر ہے۔'' رولوکا بولا۔

''ہاں مجھے اچھی لگی تو اسے پڑھنے لگا۔ اس کا نام ہے ''روشنی کا سفیر'' حکیم وقار نے کہا۔

''نام سے تو لگتا ہے واقعی اچھی ہے۔ چلئے آج

میں بھی اسے سنتا ہوں، آج ویسے بھی مطب میں مریضوں کی چھٹی ہے۔'' رولوکا بولا۔

''آپ تشریف رکھیں، میں کتاب شروع کرتا ہوں۔'' اور حکیم وقار نے ''روشنی کا سفیر'' پڑھنا شروع کیا۔

کچے اور نیچی چھت کے ڈربے نما چھوٹے چھوٹے گھونسلے نما گھر، ان گھروں میں نہ باورچی خانہ ہوتا ہے نہ ضروریات زندگی کا دوسرا سامان، ان میں دروازہ کھڑکی بھی نہیں ہوتی۔ کسی بھی طرف سے کوئی بھی ہر وقت آسکتا ہے۔ ان جھونپڑوں کے سامنے ننگے اور گندے بچے گندی نالیوں کے کنارے کھیل رہے ہیں، کچھ وہیں پر کھا بھی رہے، ان کی مائیں جن کے تن پر پورے کپڑے نہیں ہیں ان بچوں کو ڈانٹ رہی ہیں مگر بچے اپنی مگن میں مست ہیں۔ بنگلور شہر کی اس بستی کا نام کسی ستم ظریف نے رام کی بستی رکھ دیا ہے اس مفلوک الحال بستی کو رام کا نام دیا گیا۔

اس بستی کے بارے میں کسی نے کبھی نہیں سوچا کہ حکومت وقت کے لوگ ان کے پاس آتے ہیں مگر صرف ووٹ لینے کے وقت، سرکاری نل لگانے کے وعدے کرتے ہیں، اسکول بنانے کی بات کرتے ہیں اور ایسے اچھے خواب دکھاتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ ان کے سحر میں جکڑ کر ان کو ووٹ دے دیتے ہیں۔ یہ بستی اچھوتوں کی بستی ہے ان کو نفرت سے چمار کہا جاتا ہے ان کی نہ کوئی عزت ہے نہ کسی گنتی شمار میں یہ لوگ ہیں۔ ہزاروں سال سے ان کے ساتھ ایک سا سلوک ہو رہا ہے کسی دور میں ان کو عزت نہیں ملی۔ ان کی عزت کو عزت نہیں سمجھا گیا۔ ان کے جوان لڑکوں کو محنت کے کنویں میں ڈالا گیا اور جوان لڑکیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا گیا، ان کو دنیا کی ہر نعمت سے دور رکھا گیا، ان کو اپنے مندروں سے دور رکھا گیا۔

انہیں پانی کے کنوؤں اور نلکوں سے دور رکھا گیا۔

اسکول اور درس گاہوں کے قریب نہیں ہونے دیا، ان کے لئے ایسی سخت سزائیں معمولی معمولی بات پر رکھی گئیں کہ ان کے ذہن کے کسی گوشے میں ان کو اپنی حالت کے بدلنے کا خیال تک نہیں، ہندو معاشرے میں ان کا کوئی حق نہیں تھا۔

کوئی اچھی چیز ان کی نہیں تھی ان کے لئے بڑی ذات کی غلامی اور ذلت تھی۔

ان کو پیدا کرنے والا کون تھا۔ کیا ان کو کسی کم عقل بھگوان نے پیدا کیا تھا، کیا ان کو پیدا کرنے والا وہ بھگوان نہیں تھا جو برہمن کو پیدا کرتا ہے۔

چار طبقوں میں تقسیم کس نے کی ہے اور کس کے کہنے سے کی ہے۔ اگر ایشور کے کہنے سے کی ہے تو کیا اچھوت اس کی مخلوق نہیں ہیں۔ اور اگر برہمن نے خود کی ہے تو پھر برہمن خود اتنا با اختیار ہے کہ اتنا بڑا کام کر سکے اور برہمن خود اتنا با کردار ہے کہ وہ یہ تقسیم کرے، برہمن نے ایسا نظام رائج کر دیا ہے کہ سارا نفع خود اس کے پیٹ میں جائے، کمائے کوئی محنت کرے کوئی اور کھائے برہمن، یہ کون سا انصاف ہے یہ کام کوئی دنیا کا آدمی ہی کر سکتا ہے۔ دنیا بنانے والا تو نہیں کرے گا اس کے لئے تو سب برابر ہیں۔

خالق کائنات سے یہ امید کہ وہ ایک کو ذلیل اور کمتر بنائے دوسرے کو دنیا کی ہر نعمت دے، اس کو عزت دے اس کو ہر گناہ کی معافی دے اس کو محنت بھی نہ کرنا پڑے، سب کا مال اس کا ہو کوئی ذرا سی عقل بھی رکھنے والا یہ کہے کہ یہ کام ضرور کسی شیطانی ٹولے نے کیا ہے۔ ہزاروں سال سے یہ ہو رہا ہے۔ کسی بڑے ذات کے ہندو کے ذہن میں یہ اتنی موٹی حقیقت نہیں آئی سب ایک لگی بندھی لکیر پر چل رہے ہیں اور اچھوت کو آج بھی ذلیل کیا جا رہا ہے۔

رام کی بستی میں ایک خاندانی اچھوت آباد تھا اس کے گھر میں آج تک بجلی کی روشنی نہیں تھی۔ باس دیو بہت غریب محنت کش تھا مگر اس کے اندر ایک خواہش تھی ایک لگن تھی وہ آگے جانا چاہتا تھا ملک تقسیم ہو چکا تھا بنگلور کی اس بستی کی حالت میں پھر بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ سرکاری اسکولوں میں یہ ضرور ہوا کہ اچھوتوں کو داخلہ ملنے لگا اور وہ پڑھنے بھی لگے۔ کچھ قوانین میں تبدیلی ہوئی

چمار کی عزت میں ذرا اضافہ ہوا اس کو چمار نہیں شرما کہا جانے لگا اور بھنگی کو جاٹوٹ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہ سرکاری طور پر ہوا مگر بڑی ذات کے ہندو کے ذہن میں جو نفرت ان کے لئے ہے اس کو نکالنے کو حکومت کیا کرے۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ اچھوتوں کے بچے اسکول جانے لگے مگر ان میں احساس کمتری تو رہا۔ بڑی ذات والوں کو جہاں موقع ملا وہ ان کو ذلیل کرنے سے باز نہیں آتا۔

اچھوتوں کے ذہن میں بھی یہ بات ہے کہ ہماری حالت سدھرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم تعلیمی میدان میں آگے آئیں اور بڑی ذات سے مقابلہ کریں۔ برہمن خود کو عقل کل اور سمجھدار سمجھتا ہے۔ اس سے ہر میدان میں مقابلہ کریں۔ بڑی ذات کے ہندو نے ہر ممکن کوشش کی کہ اچھوت تعلیمی طور پر ان سے آگے نہ آئیں مگر وہ پڑھتے رہے، باس دیو کے دو لڑکے تھے۔ بڑے لڑکے کا نام گوپال اور چھوٹے کا نام ہردیال تھا۔ دونوں کے ذہن میں باپ نے یہ بات بیٹھادی تھی کہ "بیٹا میں نے اور میرے پرکھوں نے غلامی کی ہے۔ ہم کو ذلیل کیا گیا ہے کبھی انسان نہیں سمجھا گیا۔ آزادی ملی ہے تو تم اس کا فائدہ اٹھاؤ اور دل لگا کر محنت سے پڑھو۔ میں خود مٹ جاؤں گا مگر تم کو پڑھاؤں گا۔" دونوں نے باپ کا سیکڑوں سال کا دکھ سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے غلامی کی ہتھکڑی کو توڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ باس دیو کی محنت ان کی نظر میں تھی اس ہستی کی عزت ان کو پتہ تھی دونوں باپ کے مرکز نگاہ تھے باپ کی امیدوں کے محور دونوں تھے، ان دونوں نے باپ کو مایوس نہیں کیا، گوپال نے پورے شہر میں ٹاپ کیا۔ میٹرک کے بعد اخراجات بڑھ جاتے ہیں مگر گوپال کو سرکار نے وظیفہ دے دیا اور وہ کالج میں آگیا۔ یہاں پر اس کو نیا ماحول ملا لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ تھے ہر طرح کی آزادی ملی مگر اس کی نگاہیں اس گول پوسٹ پر تھیں جہاں پر اس کو گیند ڈالنی تھی۔ اس کی عادت واطوار میں ذرا فرق نہیں آیا اس نے خود کو الگ رکھا بہت سی لڑکیوں نے اس سے دوستی کرنا چاہی اس کو اپنی طرف راغب کرنا چاہا مگر اس کے سامنے ہمیشہ گول پوسٹ ہی رہی۔ اس نے کسی لڑکے لڑکی سے دوستی نہیں بڑھائی۔ اس کی پوزیشن تعلیمی میدان میں ہمیشہ اونچی رہی، کالج کے استاد اس کی عزت کرتے تھے، اس کی تعریف کرتے تھے اس کی نظر میں اس کا خاندانی پس منظر ہمیشہ رہا، اس کے سامنے اس کا باپ ہمیشہ رہا، باپ کی تمنائیں اور باپ کی سیکڑوں سال کی غلامی ہمیشہ رہی، اس نے کسی طرف نہیں دیکھا اس کو ہر سال وظیفہ ملتا رہا اور وہ میدان پر میدان مارتا رہا، وہ اپنی تاریخ بدلنا چاہتا تھا وہ اپنے ساتھ چھوٹے بھائی سے بھی محنت کرواتا جو اس کے من میں تھا وہ اس کو بھی بتلاتا وہ پڑھائی میں سب سے آگے تھا۔

یہ بات سب جانتے تھے اور اس سے مدد بھی لیا کرتے تھے مگر اس کے علاوہ وہ کالج کے کسی پروگرام میں شامل نہیں ہوتا تھا وہ کہتا تھا کھیل تماشے کرنے کو پوری زندگی پڑی ہے۔ یہاں پر پڑھنے آتے ہیں تو صرف پڑھیں گے، اس طرح تعلیمی میدان میں وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر مقابلے کے امتحان میں شریک ہوا اور نہایت آسانی سے بہت اچھی پوزیشن لے کر کامیاب ہوگیا۔

بہت سے بڑی ذات کے لڑکے فیل ہوئے۔ گوپال بہت بڑا گورنمنٹ آفیسر بن گیا۔ چھوٹے بھائی نے میڈیکل لیا اور ڈاکٹر بن گیا۔

باس دیو کا خواب پورا ہوا۔ اس نے سیکڑوں سال کی غلامی کی زنجیر کو اتار دیا۔ اور اس نے وہ پس ماندہ بستی چھوڑ دی۔ باس دیو اب باس دیو شرما ہوگیا۔ بنگلے میں رہنے والا اور کار میں سفر کرنے والا، ایک بڑے آفیسر کا باپ، بڑی ذات کے ہندو بھی اس سے جھک کر ملنے لگے۔ پرانے جاننے والے جو اندر سے عزت نہیں کرتے تھے مگر سامنے آتے تو جھک کر ہی ملتے ڈاکٹر ہردیال شہر کے بڑے اسپتال میں سرجن تھا۔

باس دیو کی آخری تمنا کے پورے ہونے کا وقت آرہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دونوں کی شادی ہو جائے۔ دونوں

تعلیم یافتہ تھے، ان سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ ایک دن آخر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

"اب تم دونوں اپنے پیروں پر کھڑے ہو، تم دونوں نے میری عزت بڑھادی ہے، میں باسو سے باس دیوشرما بن گیا ہوں، میری خواہش ہے کہ تم دونوں کی اولاد کو گود کھلاؤں، بولو تم کیا کہتے ہو؟" گوپال نے باپ کا سوال سنا اور بولا۔

"باپو! میں نے اور ہردیال نے اپنے پرکھوں کی تاریخ بدل ہے بڑی ذات والوں کے لئے میں اور ہردیال ایک مثال ہیں عام حالات میں یہ خواہش نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کی بہو کوئی برہمن یا ٹھاکر ہو مگر اس وقت آپ اس مقام پر ہیں کہ برہمن اور ٹھاکر آپ کو سمدھی بنانے میں شرمائیں گے نہیں بلکہ فخر کریں گے، میری اور ہردیال کی یہی بھاؤنا ہے کہ آپ میرے لئے اور ہردیال کے لئے ایسی بہو تلاش کریں کہ آپ کا جھکا ہوا سر ہمیشہ کے لئے اٹھ جائے۔" گوپال نے من کی بات بتائی۔

ہردیال بولا۔ "واہ بھیا! آپ نے میرے من کی بات کردی۔ میں آگے کچھ بولوں بھیا، آپ ناراض تو نہیں ہوں گے!" ہردیال نے پوچھا۔

"بول ڈاکٹر! آگے بھی بول۔" گوپال نے کہا۔

"تو کمشنر صاحب بات یہ ہے کہ میرے ساتھ ایک ڈاکٹر ہے میری اسسٹنٹ ہے خاندانی کھری ٹھاکر ہے۔ اس کے انداز اور برتاؤ سے اندازہ کیا ہے کہ وہ مجھ سے متاثر ہے حالانکہ کسی قسم کے ڈائیلاگ کا تبادلہ ابھی ہم میں نہیں ہوا ہے۔ ہم صرف پیشہ ورانہ گفتگو کرتے ہیں۔"

"تو پھر تم اس پیشہ ورانہ گفتگو سے ہٹ کر بھی بات کرلو اور پھر بتاؤ، پتا جی اس کو اور آگے بڑھادیں گے اور تمہارا مسئلہ حل ہوجائے گا۔" گوپال نے ہنس کر کہا۔

"کیوں باپو آپ کا کیا خیال ہے؟" ہردیال نے پوچھا۔

"ارے میں کیا تم دونوں جانو مجھے تو جہاں کہو گے تمہاری خاطر دوڑ جاؤں گا۔" باس دیو نے کہا۔

"اچھا ڈاکٹر تو یہ طے ہے تم اپنا کام کرو۔" گوپال نے کہا۔

"یہ تو میں کرلوں گا کمشنر صاحب آپ بھی تو کچھ بتائیں۔" ہردیال بولا۔

"ارے یار تو کرلے میرا وقت آئے گا تو میں بھی کرلوں گا۔" گوپال بولا۔

"نہیں بھیا! تم نے مجھ سے پہلے میٹرک کیا، مجھ سے پہلے ہر امتحان پاس کیا، شادی بھی مجھ سے پہلے ہو۔ اور اگر ساتھ ساتھ ہوں تو بھی میں پنڈت سے کہہ دوں کہ پہلے پھیرے آپ کے ہوں گے۔ میں ہرگز ہرگز آپ سے پہلے شادی نہیں کروں گا۔" ہردیال بولا۔

"ارے بھائی کیا بچوں جیسی بات کرتے ہو کچھ کی بات کروآگے پیچھے سے کیا ہوتا ہے۔ کیوں باپو آپ کچھ اس ڈاکٹر کو سمجھائیں۔" گوپال نے باپ کو کہا۔

"تو قانونی ڈاکٹر اور یہ جسمانی ڈاکٹر تم سے زیادہ میں کیا جانو تم دونوں ہی فیصلہ کرو اور اگر من کی پوچھتے ہو میں ہردیال کے ساتھ ہوں۔" باس دیو نے ہنس کر کہا۔

"واہ باپو، آپ نے اور چڑھادیا اور اس ڈاکٹر اب تو یہ میری جان کھا جائے گا۔" گوپال بولا۔

"بات تو اس کی درست ہے تو بڑا ہے تیرا حق بنتا ہے۔" باس دیو نے کہا۔

"اچھا باپو! میں بھی ہاتھ پیر چلاتا ہوں، اچھا اب جاؤں دفتر کا وقت ہو رہا ہے۔"

"کمشنر صاحب آپ کی گاڑی ڈرائیور گیراج کر گیا ہے شام کو دفتر لے کر آجائے گا۔ میری کھٹارا میں بیٹھنا پسند کریں گے تو آپ کو دفتر ڈراپ کرسکتا ہوں" ہردیال بولا۔

"ڈرائیور نے مجھے نہیں بتایا۔" گوپال بولا۔

"آیا تھا بتانے، مجھے بتا کر چلا گیا۔" ہردیال بولا

"اچھا اب چل لوگ انتظار کررہے ہوں گے" گوپال بولا۔

ہردیال کے ساتھ جو ڈاکٹر کام کرتی تھی اس کا

پوجا اگروال تھا۔ وہ دھرم سنگھ اگروال کی بیٹی تھی خاندانی ٹھاکر تھے بڑا نام تھا اور بنگلور میں اچھا کاروبار تھا۔ پوجا نے اپنے شوق سے ڈاکٹری پڑھی تھی اور ہاؤس جاب کے بعد اس اسپتال میں کام کر رہی تھی، ہردیال سے وہ پہلے دن سے متاثر تھی، ہردیال اپنے کام میں پرخلوص تھا، وہ نہایت سنجیدگی سے ہر کیس کو لیتا تھا اور نہایت ایمانداری سے اس پر محنت کرتا تھا اس کی نظروں کے سامنے بڑے بھائی کا آئیڈیل چہرہ رہتا تھا اور اپنے باپ کا صدیوں سے جھکا سر، اس کی محنت ہی اس کے سر کو اٹھا سکتی تھی۔ دوسرے حالات پر وہ زیادہ دھیان نہیں دیتا تھا۔ پوجا بہت حسین تھی اور اس کے قریب بھی تھی مگر ہردیال نے اس کو کبھی حسین ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف کام کی بات کرتا تھا۔

مگر پوجا کے دل کا حال یہ تھا کہ وہ ہردیال کے لئے ڈیوٹی پر آتی تھی جس روز وہ چھٹی پر ہوتی اس روز بھی ہردیال اس کی نظروں میں رہتا تھا ہردیال اتنا سنجیدہ اور کام کو ڈوب کر کرتا تھا کہ کسی اور بات کے کرنے کی گنجائش بچتی ہی نہ تھی اور وقت ختم ہو جاتا تھا اس کے دل کی حسرت دل میں رہ جاتی تھی۔

ہردیال بے حس نہیں تھا اس کو پوجا کی دلی کیفیت کا کچھ کچھ اندازہ تھا ضرور مگر وہ اس کو موقعہ نہیں دیتا تھا۔

ڈیوٹی کا وقت ختم ہو گیا تھا وہ اسپتال کے گیٹ پر کھڑا تھا اور پوجا کا انتظار کر رہا تھا پوجا باہر آئی تو وہ بولا۔ "جلدی میں تو نہیں ہو۔"

پوجا کے لئے یہ نئی بات تھی وہ حیرت سے بولی۔ "نہیں تو۔"

"تو پھر آؤ چائے کا موڈ ہے کہیں پر پیتے ہیں۔" ہردیال نے جواب دیا۔

پوجا نے سوچا۔ "آخر میری تپسیا نے اثر دکھا دیا، میں جونک لگ گئی۔"

"تم اپنی گاڑی یہیں پر چھوڑ دو۔" ہردیال بولا۔

اور دونوں ہردیال کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی روڈ پر آئی تو ہردیال بولا۔

"تم حیران ہو گی کہ آج میں نے تم کو اچانک چائے کی دعوت کیوں دے ڈالی؟"

"ہاں کچھ نئی بات لگی ہے۔" پوجا بولی۔

"دراصل چائے تو بہانہ ہے مجھے تم سے ایک بات کرنا تھی۔ تم ناراض تو نہیں ہو میری اس حرکت پر۔"

"نہیں ناراض کیوں ہوں گی۔" پوجا بولی۔

"بات یہ ہے کہ میرے بڑے بھائی گوپال اور باپو کا خیال ہے کہ مجھے شادی کر لینی چاہئے۔ باپو کو میرے بچے کھلانے کا بڑا شوق ہے جیسا کہ بوڑھوں کو ہوا کرتا ہے۔" اور وہ زور سے ہنس پڑا۔

"تو تم ان کی خواہش پوری کرو۔" پوجا بولی۔

"ہاں میں نے ان کی خواہش پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے مگر اس کے لئے کسی لڑکی کا ہونا ضروری ہے اور میرے قریب میں تم سے بہتر لڑکی کوئی نہیں ہے۔"

پوجا اچانک یہ سن کر شرما گئی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کے دونوں ہاتھ منہ پر آ گئے۔

چند منٹ خاموش رہی پھر ہردیال بولا۔ "اگر تم کو اچھا نہیں لگا تو میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا ہوں اصل بات یہ ہے کہ میں تم کو پسند کرتا ہوں دونوں ہم پیشہ ہیں میں نے سوچا سب سے پہلے تم سے ہی ٹرائی کروں اگر تمہارا جواب میری پسند کے خلاف ہوا تو کہیں اور ٹرائی کروں گا باپو کا حکم تو ماننا ہے۔"

پوجا پھر بھی خاموش تھی ہردیال بولا۔ "میں تمہاری خاموشی کو رضامندی سمجھ لوں۔"

"میری رضامندی تم لے لی مگر میرے بھی بڑے زندہ ہیں تم اپنے بڑے بھائی اور باپو کو ان کے پاس لے کر آؤ میرا ووٹ تمہارے لئے ہے۔" وہ بولی۔

"زندہ باد! میں آدھا تو کامیاب ہو گیا باقی رہی آدھی کامیابی تو وہ بھی ہو ہی جائے گی۔" ہردیال نے کہا۔

"میں تمہارے حق میں پرارتھنا کروں گی۔" پوجا نے جواب دیا۔

''پرارتھنا اچھی چیز ہے مگر اس کی ضرورت تو مصیبت کے وقت پڑتی ہے۔'' ہردیال نے پوچھا۔

''ہردیال مجھے نوکری کی ضرورت نہیں ہے میں نوکری صرف تمہاری خاطر کرتی ہوں تاکہ روزانہ تمہارے پاس رہوں تم نے کبھی مجھے رغبت سے نہیں دیکھا تم ایک فرض شناس ڈاکٹر ہو تم کو اپنے پیشے سے اتنی محبت ہے کہ ڈیوٹی کے اوقات میں تم کسی اور طرف دھیان دیتے ہی نہیں اور چیزوں میں میں بھی ہوں مگر آج تم نے مجھے حیران کردیا ہے میں کتنی خوش ہوں اس کا اندازہ تم نہیں کرسکتے کوئی نہیں کرسکتا مگر میں جانتی ہوں تمہارا اور میرا ملاپ اتنا آسان نہ ہوگا اس ملاپ کے درمیان بہت بڑی بڑی رکاوٹیں آئیں گی مگر میں تمہاری ہوں یہ فیصلہ میں نے آج اور ابھی نہیں کیا ہے بلکہ یہ فیصلہ میں نے اس ملازمت پر آتے ہی کرلیا تھا میں اپنا دل تم پر نثار کرچکی ہوں، ہر قربانی کے لئے خود کو تیار کرچکی ہوں تم اگر کچھ عرصہ نہ کچھ کہتے تو میں تم سے خود بات کرتی مگر تم نے بات کرکے میرے اندر کی خواہش کو باہر نکال لیا ہے۔'' پوجا نے کہا۔

ہردیال نے گاڑی ایک ہوٹل کے باہر کھڑی کردی اور غور سے پوجا کو دیکھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔'' پوجا بولی۔

''میں نے تم کو روز دیکھا تھا سفید گون میں ایک ڈاکٹر کو دیکھا تھا آج ایک حسین لڑکی کو دیکھ رہا ہوں، تم کو میں نے آج تک اس نظر سے نہیں دیکھا تھا آج پہلی بار بیوی بنانے کی نظر سے دیکھ رہا ہوں، تم نے رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہر رکاوٹ کو پار کرجاؤں گا تم میری ہو، تم نے میرا ساتھ دیا تو ہمارا ملاپ ضرور ہوگا۔'' ہردیال بولا۔

''میں آگ کے دریا سے گزرنے کی طاقت رکھتی ہوں تم میری محبت ہو میں صرف تمہاری ہوں۔'' پوجا نے جواب دیا۔

''تو پھر ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔'' ہردیال نے جواب دیا۔

''دیکھو ہردیال زندگی اتنی آسان اور سیدھی لکیر نہیں ہے اس میں بعض اوقات ایسے ایسے موڑ آتے ہیں کہ سامنے کچھ نظر نہیں آتا۔ میں ٹھاکر خاندان کی لڑکی ہوں تم شرما ہو، ٹھاکر بڑا ضدی ہوتا ہے۔ میرا خاندان تو کھرا ٹھاکر خاندان ہے، اس کی سوچ تمہاری راہ میں روڑے اٹکا سکتی ہے۔ شاید ایسا نہ ہو مگر میں امکانی بات کرتی ہوں۔ اس امکانی بات کو سامنے رکھو اور پھر آنے والے وقت کے لئے پروگرام بناؤ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' پوجا نے کہا۔

''تمہاری سوچ مجھ سے آگے ہے تم نے جو اندازے لگائے ہیں وہ درست ہوسکتے ہیں۔ آنے والے سیلاب کے لئے پہلے سے بند بنانا ضروری ہے۔'' ہردیال نے جواب دیا۔

''دوسرے ہی روز ہردیال نے ناشتہ پر باپ اور بھائی کو کہا۔

''باپو! میں نے بہو تلاش کرلی ہے۔'' گوپال اور باس دیو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ گوپال بولا۔

''اتنی جلدی تلاش کرلی ہے تو نے پہلے ہی کچھ چکر چلا رکھا ہوگا۔''

''نہیں بھیا! چکر کچھ نہیں تھا وہ میرے ساتھ ہی کام کرتی ہے اور ڈاکٹر ہے مگر میں نے اس کو صرف ڈاکٹر کی نظر سے ہی دیکھا تھا کل پہلی دفعہ میں نے اس کو لڑکی سمجھ کر دیکھا تھا تو پتہ چلا کہ اس میں بیوی بننے کی تمام خوبیاں موجود ہیں میں نے اس سے بے دھڑک اس سلسلے میں بات کی تو اور بھید کھلا کہ وہ ملازمت صرف مجھ سے قریب رہنے کے لئے کرتی ہے اور میری رائے یعنی شادی کے لئے تیار ہے۔'' ہردیال نے تفصیل بتائی۔

''تو یوں کہو کہ دونوں طرف آگ لگ گئی تھی۔'' باس دیو نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں باپو، میں نے تو کل پہلی دفعہ پوری طرح دیکھا ہے۔'' ہردیال بولا۔

"تو پھر اب باقی کیا رہا کرو تیاری شادی کی۔"
گوپال بولا۔

"ایسے کیسے تیاری کرو! پہلی بات تو یہ ہے کہ میری شرط ہے پہلے بھیا پھر میں۔" ہر دیال بولا۔

"کیا بچوں کی طرح ضد کر رہا ہے، کرے گا گوپال بھی ضرور کرے گا کوئی لڑکی تو نظر آئے۔" باس دیو بولے۔

"تو آپ تلاش کریں، میں لگن منڈپ پر بھیا سے پہلے نہیں بیٹھوں گا۔" ہر دیال بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" گوپال بولا۔ "تو بتا کون ات کی ہے؟"

"ہاں میں ضروری بات بتانا بھول گیا۔ اس کا وٹ میرا ہے ہر جگہ وہ میرا ساتھ دے گی۔ مگر وہ ٹھاکر خاندان کی لڑکی ہے اس کا کہنا ہے کہ اس کے خاندان میں برسوں سے کوئی لڑکی یا لڑکے نے ٹھاکروں سے باہر شادی نہیں کی ہے، یہ بڑا گھمبیر مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔"

"یہ ٹھاکر اتنی آسانی سے مانیں گے نہیں۔" ہر دیال بولا۔

"ان کے باپ کو بھی ماننا ہوگا سیکڑوں سال سے ہم ان کی مانتے آئے ہیں۔ آج ان کو ہماری ماننا ہوگی تم بس گائے کو باندھ کر رکھنا جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام کرنا ہے، میں بھی ذرا اس پر سوچ بچار کر لوں۔" گوپال بولا۔

"قانونی طور پر ہماری پوزیشن اچھی ہے اب ہندوستان سیکولر اسٹیٹ ہے ہم آزاد ہیں، جہاں اور جس سے شادی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔"

"تیری بات درست ہے مگر قانون بنانا اور اس پر عمل کرانا دو الگ الگ باتیں ہیں کہنے کو ہندوستان سیکولر اسٹیٹ ہے قانون سازوں نے قانون بنا دیا۔ مگر بڑی ذات کے ہندوؤں کی ذہنیت تو نہیں بدلی برہمن آج بھی برہمن ہے انسان نہیں بنا، ٹھاکروں میں حکومت کا نشہ آج بھی ہے۔ وہ آج بھی خود کو سب سے اوپر خیال کرتا ہے کیا آزادی کے بعد شودروں کے گاؤں کے گاؤں ان ٹھاکروں نے نہیں جلا دیے کیا ہزاروں مسلمان ان کی کمینگی کا نشانہ نہیں بن گئے۔ کیا کسی برہمن نے کسی شودر کی لڑکی کو بہو بنایا۔ وہ تو ترشول لے کر ان کے سر پر سوار ہے۔ جب اور جہاں موقع ملتا ہے اس کا ترشول کام کر جاتا ہے۔

میں قانون پر عمل درآمد کرانے والا آدمی ہوں مگر ہر جگہ یہ بڑی ذات کے لوگ میرے کام میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں میرے منہ پر نہیں مگر پیٹھ کے پیچھے مجھے کم ذات کہتے ہیں اور سامنے آتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل ہمارے لئے آج بھی صاف نہیں ہیں ان کا بس چلے تو وہ ہمارا وجود اس دھرتی پر سے مٹا دیں۔ مگر وقت بہت آگے آ گیا ہے۔ اب ان کا نہیں ہمارا وقت ہے ہم کو وہ کرنا ہے جو ہمارے پرکھوں نے نہیں کیا۔ اس گھر میں ٹھاکروں کی لڑکی آئے گی اور وہ ٹھاکر دیکھیں گے میں ان کو مجبور کر دوں گا کہ وہ میرے گھر خود چل کر آئیں۔ تیرے پاس اور میرے پاس وہ ہے جو ان کے پاس نہیں ہے۔"

"مگر بیٹا! یہ کام ٹھنڈے مزاج سے کرنے کا ہے ٹھنڈا لوہا گرم لوہے کو کاٹتا ہے۔" باس دیو نے اپنی رائے دی۔

"باپو! نے درست کہا ہے بھیا! جذبات میں فیصلے اکثر غلط ہو جایا کرتے ہیں۔" ہر دیال نے کہا۔

"میں نے جذبات میں کچھ نہیں کہا۔ میرے اندر جو صدیوں کی آگ بھری ہے اس نے مجھے ضرور کچھ جذباتی بنا دیا ہے مگر میں جو کروں گا جذبات سے نہیں کروں گا تم کو صبر کرنا ہوگا اور وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ مجھے تم اس خاندان کی معلومات فراہم کرو مگر اتنی خاموشی سے کہ کسی کو پتہ نہ چلے پھر میں اس خاندان کی کمزوریوں کو پکڑوں گا اور بات آگے چلے گی۔ راز داری پہلی شرط ہے تم اس کی ہوا پوجا کو بھی نہیں لگنے دو گے۔" گوپال نے تفصیل بتائی۔

''اور آپ اس کام میں لگ گئے تو اپنے بارے میں کب سوچیں گے۔'' ہردیال بولا۔

''ارے یار! یہ کوئی چوبیس گھنٹے کا کام نہیں ہے سب کچھ ساتھ ساتھ ہوتا جائے گا۔'' گوپال بولا۔

دھرم سنگھ اگروال پوجا کا باپ بنگلور کا نہیں تھا۔ اس کا خاندان ناگ پور سے یہاں پر آ کر آباد ہوا تھا دھرم سنگھ اور اس کے تین بھائی ناگ پور کے جانے مانے لوگ تھے مگر بھائیوں میں آپس میں جھگڑے ہونے لگے تو دھرم سنگھ بنگلور آ گیا۔ دھرم سنگھ کے دو لڑکے تھے دونوں پوجا سے بڑے دونوں کی باپ کے ساتھ نہیں بنی اور دونوں بنگلور سے اپنا حصہ لے کر چلے گئے اب سارے کاروبار کو دھرم سنگھ ہی دیکھتا تھا اور پوجا ہی اس کے بعد مالک تھی۔

دھرم سنگھ پرانی قدروں کا آدمی تھا اس کو بڑا غرور تھا کہ وہ کھرا ٹھاکر ہے۔ وہ بڑے غرور سے اس بات کا اعلان کرتا تھا۔ کسی کم ذات سے وہ تعلقات استوار نہیں کرتا تھا کاروبار میں بھی وہ متعصب تھا تعصب اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ گوپال نے یہ معلومات اپنے طریقہ پر حاصل کیں اور اس کی گواہی پوجا نے بھی دی۔

اب دوسرے مرحلے میں گوپال نے اس کے کاروبار کے بارے میں خفیہ طریقہ پر معلومات جمع کرنا شروع کر دیں۔ دھرم سنگھ کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا اس میں ہر قسم کی مشینری لگی تھی، ڈھلائی کے بعد لیتھ پر پرزے بنائے جاتے تھے۔ یہ پرزے ہر قسم کے ہوتے تھے کاروں کے بھی اور ٹیکسٹائل کے بھی بڑی بڑی اور بھاری مشینیں اس کے پاس تھیں ہر قسم کے آرڈر وہ لیتا تھا۔ انجینئر اور کاریگر اس کے پاس تھے کچھ سرکاری پرزے بھی اس کے پاس بنتے تھے۔

گوپال کے آدمی اندر تھے وہ روز گوپال کو آ کر رپورٹ دیا کرتے تھے۔ اس کارخانے میں بعض ڈپارٹمنٹ ایسے تھے جہاں پر صرف کام کرنے والے جاتے تھے گوپال کا آدمی بھی ایک دن اندر چلا گیا اس نے دیکھا کہ اس ڈپارٹمنٹ میں جو پرزے بن رہے تھے ان پر کسی نہ کسی بڑی فرم کی نشانی اور مہر تھی اور ان کو اسی انداز میں پیک کیا جا رہا تھا گویا یہ دو نمبر کا مال تھا اور اصل کی مانند پیک کر کے اصل کے ساتھ فروخت ہو رہا تھا۔ گوپال کو اس کے جاسوس نے پوری خبر دے دی۔

دوسرے مرحلے میں اس جاسوس نے بڑی رقم خرچ کر کے وہاں کے ایک ذمہ دار آدمی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور بننے سے لے کر پیکنگ تک کی تصویریں بنا لیں اس کام میں دو ماہ لگ گئے اور رقم بھی خرچ ہوئی۔ اب دوسرے شعبے گوپال کی نظر میں آئے۔ اس نے پروڈکشن خرچ اور آمدنی سب پر نظریں دوڑائیں تو پتہ چلا کہ لاکھوں روپے کے انکم ٹیکس میں گھپلے ہیں اور اس کے ساتھ مقامی انکم ٹیکس آفیسر بھی ملا ہوا ہے رات کو ٹرک مال لے کر نکلتے ہیں ان کا اندراج نہیں ہوتا اخراجات زیادہ بتائے جاتے ہیں اور پروڈکشن کم دکھائی جاتی ہے۔ گوپال کے کئی آدمی کام کر رہے تھے یہ سرکاری آدمی تھے اور رپورٹ گوپال کو کرتے تھے۔ ایک سال میں گوپال نے مکمل ثبوت دھرم سنگھ اگروال کے خلاف جمع کر لئے۔ اور حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

رات کو جو ٹرک مال لے کر نکلتے تھے سب سے پہلے ان پر چھاپہ پڑا۔ اور بمعہ ٹرک کے مال پکڑا گیا اس پر اگروال کی نشانیاں موجود تھیں مگر ان پر نہ کسٹم ڈیوٹی لگی تھی نا ان کا اندراج پروڈکشن میں تھا یہ لاکھوں روپے کا مال تھا جو دوسرے صوبے کو جا رہا تھا۔ دوسرا چھاپہ اس ڈپارٹمنٹ پر پڑا جس میں دو نمبر کا مال بنایا اور پیک ہوتا تھا اس کو سیل کر دیا گیا۔

دھرم سنگھ اگروال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ اس سارے کیس میں گوپال اب تک سامنے نہیں آیا تھا جن کا کام تھا وہی کر رہے تھے مگر وہ ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ گوپال ان کے سر پر موجود تھا۔ اگروال نے جوڑ توڑ کرنے کی کوشش کی مگر کسی نے اس کو لفٹ نہیں کرائی۔ آخر اگروال کو صرف یہ پتہ چلا کہ کمشنر گوپال کے حکم پر یہ سب ہوا ہے اور اتنا مکمل

ثبوت کے ساتھ ہوا ہے کہ اگر وال کے بچنے کی ذرا گنجائش نہیں تھی۔

گوپال نے ہر طرف سے ایسی کھینچا تانی شروع کردی تھی کہ کسٹم سے لے کر انکم ٹیکس کے حسابات چیک ہو رہے تھے اور اگروال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیا آفت آ گئی ہے۔

اس کے کسی ہمدرد نے راہ دکھائی کہ وہ گوپال سے ملاقات کرے شاید کچھ بات بن جائے۔ اور وہ ایک رات گوپال کے بنگلے پر آ گیا۔

''میرا نام دھرم سنگھ اگروال ہے۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''اچھا تو آپ ہیں سیٹھ اگروال۔'' گوپال نے کہا۔ ''فرمایئے کیسے زحمت کی آنے کی؟''

''زحمت کیا! ضرورت سے آیا ہوں۔'' اگروال بولا۔

''فرمایئے کیا ضرورت پڑ گئی۔'' گوپال بولا۔

''میری فیکٹری پر کئی چھاپے پڑے ہیں سنا ہے وہ آپ کے حکم پر پڑے ہیں۔''

''یہ کہیے کہ کئی چھاپے کامیاب پڑے ہیں۔ وہ سب متعلقہ ڈپارٹمنٹ نے چھاپے مارے ہیں۔'' گوپال بولا۔

''مگر یہ سب آپ کے اشارے پر ہوا ہے اس لئے آپ کے در پر سوالی بن کر آیا ہوں۔'' وہ بولا۔

''ارے ٹھاکر ہو کر شرما کے پاس سوالی! چھی چھی آپ کے منہ سے یہ بات شوبھا نہیں دیتی۔'' گوپال بولا۔

''آپ میرا جتنا مذاق اڑا سکتے ہیں اڑا لیں میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' اگروال بولا۔

''ٹھاکر صاحب غلط کام ہمیشہ تو فائدہ نہیں دیتا ایک نہ ایک دن پکڑا جاتا ہے آپ نے ان لوگوں کو کتنا نقصان پہنچایا ہے جن کا دو نمبر مال آپ بازار میں پھینک رہے تھے۔

آپ ہر روز بغیر ڈیوٹی ادا کئے رات کو ٹرک نکالتے تھے سرکار کو کتنا نقصان آپ نے دیا اور ابھی تو انکم ٹیکس کے کھاتے چیک ہو رہے ہیں آپ نے پتہ نہیں کیا کیا گھپلا کیا ہوا ہے۔ میرے پاس کیا امید لے کر آئے ہیں میں آپ کی بے ایمانی میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں سرکاری ملازم ہوں آپ کا غلام نہیں ہوں آپ ٹھاکر ہوں یا برہمن ہوں آپ نے غلط کام کیا ہے تو اس کی سزا بھی آپ کو ملے گی آپ جا سکتے ہیں۔''

اب یہ کیس اخبارات میں آ رہا تھا۔ اگروال کی عزت داؤ پر لگ گئی تھی۔ اکڑی گردن جھک چکی تھی اس کی بچت کہیں نہیں تھی۔ سارے ثبوت گوپال کے پاس تھے اور اگروال کا کارخانہ بند کر دیا گیا اور اگروال کو سزا بھی ہو گئی۔

''بھیا آپ نے تو دھرم سنگھ کا تختہ کر دیا۔'' ہردیال نے کہا۔

''ہردیال اب تم آزاد ہو جب چاہو پوجا سے شادی کر لو۔'' گوپال نے کہا۔

''واہ بھیا! واہ میں انتظار کروں گا۔ آپ اپنا پروگرام بتائیں۔''

''کیسا پروگرام؟'' گوپال نے پوچھا۔

''بھابی لانے کا پہلے لگن منڈپ پر آپ کے پھیرے ہوں گے، اس کے بعد میرا نمبر ہے۔''

''تو ضد پر اب تک قائم ہے۔'' گوپال بولا۔

''ضد نہیں میری خواہش ہے۔'' ہردیال نے جواب دیا۔

''اچھا بھئی تیری بات تو رکھنا ہو گی کرتے ہیں کچھ۔'' گوپال ہنس کر بولا۔

''ہاں اب ہوئی ناں بات۔'' ہردیال خوش ہو گیا۔

''اچھا سرجن صاحب بچوں کی طرح زیادہ خوش نہ ہوں کچھ سنجیدگی بردباری پیدا کریں خود میں۔'' گوپال بولا۔

''اچھا کمشنر صاحب آپ کے مشورے کا شکریہ مگر ذرا جلدی کریں ہاں ورنہ زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔''

گوپال نے ہردیال سے وعدہ تو کر لیا مگر اس نے اب تک اپنے لئے ذرا کوشش نہیں کی تھی، پنڈت سکھ رام

اس کے پاس روز آتے تھے ان کا کام صرف یہ تھا کہ وہ شہر کی حالت اس میں سیاسی حالت لا اینڈ آرڈر کی حالت سب کچھ تھا کمشنر کو آگاہ کریں۔ پنڈت برہمن تھے اور ان کو پتہ تھا کہ گوپال اس سے کم ذات ہے مگر رتبہ میں اس سے بہت بڑا ہے اس کا احترام تو وہ کرتے تھے مگر اندر اندر وہ گوپال سے خوش نہیں تھے۔

گوپال کو اندازہ تو تھا کہ پنڈت کے دل میں اس کے لئے عزت نہیں ہے مگر وہ اس کو ہی رکھنا بھی چاہتا تھا۔ اس کے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ وہ ان کو ہٹا کر کسی اور کو اس کی جگہ لگا دے پنڈت کو رکھنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ روز آئے سلام کرے اور جھک کر احکامات سنے اور کڑھتا ہوا واپس جائے۔ پنڈت کے ساتھ اس نے ایک نوجوان سالار احمد کو لگایا ہوا تھا۔ سالار احمد پنڈت کے بعد آتا تھا اور پنڈت کے بارے میں بتاتا تھا اگر پنڈت غلط اطلاع دے گیا ہے تو دوسرے روز گوپال اس سے جواب طلب کر لیتا تھا اور خوب ذلیل کرتا تھا پنڈت سمجھ گیا تھا میرے سر پر بھی کوئی ہے میں کمشنر کو بھٹکا نہیں سکتا۔ یہ گوپال کا طریقہ کار تھا کوئی غلط اطلاع اس کے پاس نہیں آتی تھی اس کے ہر جاسوس کو اندازہ تھا کہ غلط اطلاع پکڑی جائے گی۔ گوپال کا انتظام مکمل تھا۔

پنڈت سکھ رام نے ہر طرح گوپال کو بھٹکانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ سالار احمد ناگ پور سے آیا تھا بہت کم لوگ اس کو جانتے تھے اس کا لباس نہایت سادہ اور زبان نہایت ملائم تھی۔ وہ کسی مجرم کے ساتھ بھی پولیس کی زبانی نہیں بولتا تھا اس پر گوپال کو پورا بھروسہ تھا۔ ایک دن سالار نے بتایا کہ "پنڈت دلی آ گیا ہے کسی بڑے آفیسر سے ملاقات کرنے وہ اس کا دور کا عزیز ہے۔"

"تم کو یہ کیسے پتہ چلا؟" گوپال نے پوچھا۔

"سر میں خفیہ پولیس کا آدمی ہوں مجھے تو پتہ ہونا چاہئے۔" سالار احمد بولا۔

"تو پھر یہ بھی بتاؤ وہ کس سلسلے میں ملاقات کرنے گیا ہے۔" گوپال بولا۔

"سر پنڈت آپ سے بڑا تنگ ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ آپ کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہے۔"

"میرے خلاف کیا کرے گا میں ایمانداری سے کام کرتا ہوں کسی سے نہیں ڈرتا۔" گوپال بولا۔

"سر آپ کی بات درست ہے مگر اس ملک میں وہی لوگ پریشان ہیں جو ایماندار ہیں کثرت تو بے ایمانوں کی ہے رشوت خوروں کی ہے یہ کب کسی ایماندار آدمی کو برداشت کرتے ہیں۔

آپ کے لئے نئے احکامات آ سکتے ہیں، ٹرانسفر آرڈر آ سکتا ہے یہی ہوتا آ رہا ہے ہم کچھ کریں اچھا کریں برا کریں اوپر والے صرف اپنا فائدہ سوچتے ہیں اگر وال کیس میں آپ کروڑوں کما سکتے تھے مگر آپ نے کچھ نہیں لیا اور مجرم کو سزا دلوائی آپ کی جگہ پنڈت سکھ رام جیسے لوگ ہوتے تو اگروال موج کر رہا ہوتا۔"

"سالار احمد تم ایک ایماندار آفیسر ہو، کسی کی نظر میں تمہاری عزت ہو نا ہو میری نظر میں بہت ہے۔ دنیا کے ڈر سے ہم اپنی ایمانداری کو نہیں چھوڑ سکتے اچھے برے حالات زندگی میں آتے ہیں۔ ہم کو ان کا مقابلہ کرنا ہوگا لڑنا ہوگا، تم مسلمان ہو تم نے بھی بڑے ستم برداشت کئے ہوں گے اور میرے باپ دادا نے بھی صدیوں کی غلامی کی ہے اب ہم کو کھڑا ہونا ہے مقابلہ کرنا ہے تم میرے ساتھ رہو گے اگر ٹرانسفر آرڈر آتے ہیں تو آنے دو ہم جہاں جائیں گے اپنا کام کریں گے۔"

پنڈت سکھ رام آ گیا گوپال نے پوچھا۔ "تم دلی کیوں گئے تھے؟"

پنڈت کے چہرے پر مکرانہ مسکراہٹ آئی اور بولا۔ "سر ہم بھی بے آسرا نہیں ہیں۔ ہمارے بھی ہاتھ پیر ہیں آپ نے تو ہمارے سر پر پہرے لگا رکھے ہیں نہ خود کچھ کرتے ہیں اور نہ ہی ہم کو کرنے دیتے ہیں۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو۔" گوپال نے پوچھا۔

"ارے اس سرکاری نوکری کا کیا ہے کرسی ہمیشہ کسی کے پاس رہی ہے اسی دور میں آدمی اپنی آنے والی

پیڑی کے لئے کچھ بناتا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''رشوت لیتا ہے ناجائز کام کرواتا ہے عوام کو تنگ کرتا ہے اور دولت جمع کرتا ہے اور پھر جب مرتا ہے تو اس کی چتا جلا دی جاتی ہے سب کچھ یہاں پر رہ جاتا ہے وہ نرک کماتا ہے اور موج وہ کرتے ہیں جو اس کمائی کے حق دار بھی نہیں ہوتے، پنڈت تم ان چیزوں سے پریم کر رہے ہو جو کہ تمہارے ساتھ نہیں جائیں گی، جو تمہارے ساتھ جائے ان سے پریم کرو تو قابل تعریف بھی ہے۔''

''سر یہ تو اپنی اپنی سوچ ہے۔'' پنڈت بولا۔

''میری اور تمہاری سوچ میں فرق تو ہے مگر میرا فرض ہے کہ تم کو سیدھا راستہ ضرور بتاؤں تم نہ مانو یہ تمہاری مرضی ہے زندہ وہ بھی ہے جو صرف حلال کی کمائی میں گزارہ کرتا ہے مگر اس کے جو اس کا ضمیر ہے وہ خوش ہے تم جو راستہ اپنانے جا رہے ہو، وہ ٹھیک نہیں ہے ایک وقت آئے گا کہ تم کو میری باتیں یاد آئیں گی مگر اس وقت دیر ہو چکی ہوگی۔'' گوپال نے کہا۔

''سر ایک بات آپ کو بتاؤں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔'' پنڈت بولا۔

''بولو ضرور بتاؤ میری معلومات کا ذریعہ تم ہی لوگ ہو۔'' گوپال بولا۔

''آپ جس سیٹ پر ہیں اگر میں ہوتا تو بنگلور میں میری کوئی نہ کوئی فیکٹری کھڑی ہوتی مگر میں جانتا ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا صرف واہ واہ کمائی ہے آپ نے اپنے پاور کو استعمال ہی نہیں کیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کمشنر صاحب واہ واہ کسی کام نہیں آئے گی میں آپ کے فائدے کی بات کرتا ہوں آپ کا فائدہ ہوا تو کچھ ہماری دال روٹی بھی چلتی رہے گی یہ پولیس ڈپارٹمنٹ ہے یہ کسی کا نہیں ہوتا سب اپنی اپنی کر رہے ہیں۔'' پنڈت بولا۔

''گوپال نے اس کی بات غور سے سنی اور اس کے ذہن میں ایک پلان ترتیب پا گیا وہ بولا۔

''دیکھو پنڈت میں تو وہ نہیں کر سکتا جو تم کہتے ہو شاید آگے چل کر کچھ موڈ بن بھی جائے۔ میں تم کو نہیں روکوں گا جو کرنا اپنا اچھا برا سوچ کر کرنا۔''

پنڈت نے حیرت سے گوپال کو دیکھا اور دل میں سوچا۔ ''ڈر گیا سالا آیا ہے لائن پر۔''●

اس کے جانے کے بعد سالار آ گیا اور بولا۔

''پنڈت آپ کے اور میرے لئے ہی دلی گیا تھا مگر سیکریٹری نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ لیکن اس کا جو کزن ہے وہ برابر اس کے لئے کام کر رہا ہے کزن ہوم سیکریٹری کا قریبی آدمی ہے آپ کے ریکارڈ کو دیکھ کر اس نے آپ کے خلاف کچھ نہیں کیا ہے مگر آئندہ کیا کرے اس کا اندازہ نہیں ہے۔ پنڈت کا دورہ انڈسٹریل ایریا میں بڑھ گیا ہے یونین کے بدنام لیڈروں سے اس کا میل ملاپ ہو رہا ہے آئندہ کیا ہونے والا ہے آپ خود اندازہ کر لیں۔'' سالار نے رپورٹ دی۔

''دیکھو سالار! میں نے ذرا اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی ہے۔ میں نے پنڈت کو فری ہینڈ دے دیا وہ اب کھل کر کمانے کی کوشش کرے گا تم کو وہ جانتا ہے مگر تم کسی ایسے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ رکھو جن کو یہ جانتا نہ ہو بلکہ ایک دو تو اس کے ساتھی بن جائیں۔

ایک آدھ ان بدنام لیڈروں کے ساتھ بھی لگا دو۔ یہ لوگ ان کے ساتھی ہوں۔ پنڈت کے خلاف رشوت کے ثبوت حاصل کرنا ہیں۔ نیا بھکاری بھیک کی جلدی کرتا ہے یہ بھی جلد از جلد بنگلہ بنانے کی کوشش کرے گا۔ ثبوت مکمل ہوں۔''

چند روز میں ہی انڈسٹری میں بے چینی کی فضا پیدا ہو گئی۔ لیڈر مزدوروں کو سبز باغ دکھانے لگے ان پر کئے ظلم ان کو بتانے لگے۔ پولانی گروپ کی ٹیکسٹائل ملز بہت بڑی تھی ہزاروں مزدور کام کرتے تھے یہ مل اوروں کی نسبت مزدوروں کو بہتر سہولتیں دیا کرتا تھا اس کی کینٹین میں کھانا بھی بہتر تھا اور وقت پر بونس بھی ادا کرتا تھا۔

مگر اس کے گیٹ کے باہر ہی لیڈر لوگوں نے اڈا بنا لیا۔ ہر شفٹ کے بعد جلسہ ہونے لگا۔ انتظامیہ کے سامنے جو مطالبات رکھے گئے وہ اس قدر زیادہ تھے کہ مل

مالک پریشان ہو گیا۔ لیڈروں نے پولانی مل کو سومناتھ کا مندر قرار دے دیا کہ اس کو فتح کر لیا تو سب انڈسٹری والے جھک جائیں گے پروڈکشن گرنے لگی اخراجات بڑھنے لگے۔

حالات روز بروز خراب ہونے لگے۔ یونین کے لوگ فیکٹری میں مالکوں کی مانند پھرنے لگے کسی آفیسر کی عزت محفوظ نہ رہی ڈائریکٹر نے مل میں آنا بند کر دیا۔ پورے مل میں ان لوگوں کا راج ہو گیا جو کبھی وہاں دیکھے بھی نہیں گئے۔ مالکان نے پولیس کی مدد مانگی تو پنڈت سامنے آیا۔ یہ بھی گوپال کے اشارے پر ہوا۔ مگر گوپال نے ڈائریکٹرز سے خفیہ تعلق بھی پیدا کر لیا۔

''پنڈت نے ڈائریکٹر سے صاف سودا کیا۔''

ٹھیک ہے سیٹھ ہڑتال نہیں ہوگی۔

سب ضرور کام کریں گے میں سب لیڈروں کو ٹھیک کر لوں گا سب کو اندر تو نہیں کر سکتا کچھ کے منہ بند کرتا ہوں گے آپ کتنا خرچ کر سکتے ہو۔''

ڈائریکٹر نے کہا۔'' آپ ان لیڈروں کو مل سے باہر کریں میں جو کہو گے خرچ کر دوں گا۔ تو پھر پہلی قسط ادا کر دیں۔ میں کام شروع کرتا ہوں۔''

''کتنی رقم درکار ہوگی؟'' پولانی نے پوچھا۔

''دس لاکھ دے دیں ہو سکتا ہے یہ رقم کم پڑ جائے کیونکہ ان حرام زادوں کے منہ بہت بڑے ہیں۔''

''دفتر میں اتنے روپے نہیں ہوتے آپ کل دوپہر آ جائیں۔'' پولانی بولا۔

''پنڈت خوش خوش چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پولانی نے فون ملایا اور بولا۔

''پہلی قسط دس لاکھ طلب کرتا ہے۔''

''کب آئے گا۔'' گوپال نے پوچھا۔

''کل آئے گا بارہ کے بعد۔'' پولانی بولا۔

''تم اس کو رقم اپنے کمرے میں ادا کرو گے میرا آدمی تمہارے پاس آ رہا ہے وہ کمرے میں کچھ خفیہ کیمرے اور ریکارڈنگ کا بندوبست کرے گا۔''

سالار نے رات بھر میں کئی کیمرے اس طرح فٹ کر دیئے کہ کمرے میں تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔

دوسرے دن پنڈت حسب وعدہ آ گیا اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا مزے کی بات یہ کہ وہ بھی سالار کا آدمی تھا ان کی خاطر چائے وغیرہ سے کی گئی۔ پولانی بولا۔

''پنڈت جی یہ بتائیں ہم آپ کی خدمت کر رہے ہیں اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ روز روز کی گیٹ میٹنگ نعرے بازی گالم گلوچ ختم ہو جائے گی۔''

''ہو جائے گی۔'' پنڈت بولا۔''لیڈروں کو تر نوالہ ملنے لگا تو وہ آہستہ آہستہ ٹھنڈے پڑتے جائیں گے۔ اب تم جانو اس کام میں خرچ تو ہوتا ہی ہے آپ کا روز نقصان ہو رہا ہے کیا وہ کم ہے۔ مگر اس نقصان سے بچا جا سکتا ہے آپ فکر نہ کریں میں نے انتظام کر لیا ہے اب آپ جلدی کریں مجھے بہت کام ہیں۔'' پولانی نے دراز کھولی اور نوٹوں کی دس گڈیاں پنڈت کے سامنے ڈال دیں پنڈت نے ان کو اپنے بیگ میں رکھا اور کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''اب میں چلتا ہوں آج شاید گیٹ میٹنگ نہ ہو میں ابھی اس کتے کو ہڈی دے دیتا ہوں۔'' اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک بات ریکارڈ ہو رہی تھی۔

اس کے جاتے ہی سالار اور اس کے آدمی آ گئے ریکارڈ شدہ مواد وہ لے گئے۔ گوپال نے فون پر پوچھا۔

''کتا ہڈی لے گیا۔'' پولانی ہنس پڑا اور بولا۔

''لے گیا۔''

''ابھی اور بھی ہڈیاں مانگے اس کو جلدی ہے سرمایہ دار بننے کی۔'' گوپال بولا۔

''کمشنر صاحب میرا کام بہت سفر ہو رہا ہے پروڈکشن ختم ہو رہی ہے انتظامیہ مفلوج پڑی ہے۔ اس کا کچھ کریں۔'' پولانی نے کہا۔

''پولانی سیٹھ آپ کو پھانسنے کی پنڈت نے ایک گیم کھیلا اس نے مزدور لیڈروں کو خرید کر اکسایا۔ اور آپ کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ یہ صرف ایک کھیل تھا۔ بکاؤ لیڈر ہر یونین میں ہوتے ہیں اس نے

ان سے فائدہ اٹھایا۔

میں نے اس پر محنت کی جو اس نے آپ کے خلاف کیا وہی میں نے اس کے خلاف کیا وہ آپ سے جتنا طلب کرے منع نہ کریں مگر ادا اسی کمرے میں کریں اور اس سے دس منٹ بات چیت ضرور کریں ان لیڈروں کے نام لے کر بات کریں جو پہلے دے چکے ہیں اس کا حوالہ دیں اور اس سے قبول کروائیں کہ اس نے لیا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ وہ جس ڈپارٹمنٹ کا آدمی ہے وہ بھولے لوگ نہیں ہوتے مگر میں اس کے سر پر ہوں۔ آپ کا دیا ہوا روپیہ کس بینک میں جمع ہوگا اور وہ کس کو کتنا ادا کرے گا مجھے وہ بھی پتہ ہوگا۔ جن کو وہ ادا کرے گا ان کی گردن میرے ہاتھ میں ہوگی پورا نہیں تو کچھ کم آپ کو واپس مل جائے گا۔ پنڈت تو مجھے پتہ ہے بینک میں جمع کرے گا۔

''آپ ایک کام یہ کریں کہ اپنی ایسوسی ایشن کی میٹنگ بلائیں انڈسٹری کو جو نقصان ہو رہا ہے ان کا ذکر کریں اور اس کی ذمہ داری حکومت پر ڈالیں پریس کانفرنس کریں اور اس بات کو عوام کے سامنے لائیں اس کے بعد میرے ایکشن کا وقت ہوگا آپ یقین کریں یہ برساتی لیڈر جو گیٹ پر شور کرتے ہیں خود بخود غائب ہو جائیں گے اور ان کا ماسٹر مائنڈ تو میری مٹھی میں اب بھی ہے مگر میں کھیل تو اس وقت ختم کروں جب آپ کی رقم محفوظ ہوگی۔''

اس ساری ہنگامہ آرائی میں جو کچھ ہوا اس میں مزدور مارا گیا اس غریب کی حالت اور خراب ہوگئی۔ پنڈت بہت خوش تھا اس کے خیال میں گوپال نہایت ہی بے وقوف آدمی تھا اس نے ایک کھیل میں ہی کروڑ روپیہ بینک میں جمع کر دیا چالاک تھا اپنے نام سے نہیں اپنی لڑکی کے نام سے جمع کر رہا تھا۔ مگر بے وقوف گوپال نے یہ بھی پتہ کر لیا کہ روپیہ کس بینک میں اور کس کے نام کس اکاؤنٹ نمبر پر جمع ہو رہا ہے مزدور کام پر آنے لگے۔

اور پنڈت کو رشوت کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔

اس کے خلاف پورے ثبوت تھے۔ اس کے ساتھ روز آنے والے ساتھی کی گواہی بھی اس کے خلاف تھی اور ساری ریکارڈنگ موجود تھی روپیہ لڑکی کے اکاؤنٹ میں موجود تھا اور وہ ان ہی تاریخوں میں جمع تھا جن میں پنڈت نے وصول کیا تھا۔ پنڈت کا کھیل ختم ہوا۔ مل اونر کی طاقت نے اس کو دس سال کے لئے جیل بھیج دیا۔ اور گوپال اس ڈرامے سے دور ہی رہا۔ سالار کی ترقی ہوگئی۔ وہ بہت خوش تھا۔

''سر اس کھیل میں اس لڑکی کی بے عزتی بلاوجہ ہوئی جس کے نام پر پنڈت نے رقم جمع کی تھی۔ میں جانتا ہوں وہ نہایت نیک لڑکی ہے ایک کالج میں پڑھتی ہے اس کی ساکھ بھی باپ کی وجہ سے خراب ہوگئی ہے۔'' ایک دن گوپال سے سالار نے کہا۔

''تو تم اس سے معذرت کر لیتے۔'' گوپال بولا۔

''نہیں سر! یہ تو آپ کو کرنا چاہئے کیونکہ کچھ کہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ پورا کھیل آپ نے ڈائریکٹ کیا ہے پہلے پنڈت کو فری ہینڈ دیا اور پھر اس کو اس کے جال میں ہی پھانس دیا۔ آپ معذرت کریں گے تو بات وزن دار ہوگی۔'' سالار نے کہا۔

''اچھا تمہاری فرمائش ہے تو اس کو کسی روز میرے دفتر میں لے آؤ میرا اس کے پاس جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' گوپال نے اجازت دے دی۔

دو دن کے بعد سالار کے ساتھ ایک لڑکی آئی۔ سالار نے بتایا کہ یہ پنڈت کی لڑکی ہے۔ گوپال نے عزت سے اس کو بٹھایا اور کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ پنڈت نے اپنے ساتھ تم کو بھی بدنام کر دیا۔''

''جو بدنامی ہونا تھی وہ تو ہوگئی مگر میں نے اور ماتا جی نے کبھی ان سے ناجائز دولت جمع کرنے کو نہیں کہا تھا۔ وہ آپ کا ذکر کرتے تھے میں صاف بتاؤں ان کی نظر میں آپ نہایت بے وقوف آدمی تھے وہ کہتے تھے کہ آخر یہ شخص کم ذات ہے اس کی سوچ گھٹیا ہے اپنی پوزیشن اور پاور کا استعمال نہیں جانتا میں اس کی جگہ پر ہوتا تو سونے

کے گھر بنالیتا اور آخر سونے کے گھر بناتے بناتے وہ اس گھر میں چلے گئے جہاں ان کو دس سال رہنا ہے میں ان کے خیالات سے متفق نہیں تھی۔ ماتا جی ان سے اسی وجہ سے نالاں تھیں مگر ہم کیا کر سکتے تھے انہوں نے جو کیا اس کی سزا تو ان کو ہی ملے گی میں ایک دفعہ بھی ان سے ملاقات کرنے جیل نہیں گئی اور جاؤں گی بھی نہیں کیوں کہ انہوں نے میرا سر سماج میں جھکایا ہے مجھے شرمندہ کر دیا ہے جبکہ میری کوئی خطا بھی نہیں ہے۔'' وہ گردن جھکا کر ہچکی لے کر رونے لگی۔

وہ روتی رہی گوپال نے ایک لفظ نہیں کہا سالار بھی چپ رہا۔ بادل میں پانی ختم ہوتا ہے تو وہ پھٹ جاتے ہیں اور روشنی آسمان سے خود بخود آنے لگتی ہے۔ گوپال اس کے جذبات کو بہہ جانے دے رہا تھا۔

''میں نے اب تک آپ کا نام نہیں پوچھا۔'' گوپال بولا۔

''میرا نام اجالا ہے۔'' وہ بولی۔

''واہ کتنا حسین نام ہے اجالا۔'' گوپال نے کہا۔

سالار نے گرہ لگائی۔ ''شخصیت پر نام کا اثر ہوتا ہے۔''

اجالا ایک خوبصورت لڑکی تھی عمر کا اندازہ بائیس سے پچیس سال تھا۔ اس کی شخصیت کسی بھی مرد کو متاثر کرنے والی تھی۔ لباس سادہ اور چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا۔

''دیکھو اجالا انسان ہر حالت میں زندہ رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ کسی بھی حالت میں مرنا نہیں چاہتا۔ زندگی بہت قیمتی شے ہوتی ہے مگر انسان خود اپنے لئے حالات خراب کرتا ہے اور پھر قسمت کو کوستا ہے میں فی زمانہ بے وقوف آدمی ہوں اس لئے کہ میں نے اپنی سیٹ سے فائدہ نہیں اٹھایا میں نے کسی ضرورت مند کی ضرورت کو خریدا نہیں۔ کسی کی مجبوری کو کیش نہیں کیا۔

میں یہ کر کے پچھتا نہیں رہا ہوں اس لئے کہ میرے اندر ایک میرا محاسب موجود ہے وہ میری راہنمائی کرتا ہے میں اس سے سوال کرتا ہوں اور وہ مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ باقی سب میں حالات پر چھوڑ دیتا ہوں، میرے اندر اگر سچائی کی روشنی ہے تو چراغ بھی جلے گا، وہی چراغ کی روشنی میری ایمانداری ہے، وہی روشنی میری دیش بھگتی ہے، وہی روشنی انسانیت کے لئے محبت ہے، ہوسکتا ہے میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئیں، تم بھی مجھے سرپھرا خیال کرو مگر میرے وچار اور میرا محاسب میرے ساتھ ہیں۔'' گوپال نے کہا۔

''سر ایک بات پوچھوں آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔'' سالار بولا۔

''تم پوچھو لو میں تم کو اختیار دیتا ہوں۔''

''سر میں مسلمان ہوں میرے ساتھ جو ناانصافیاں صرف اس جرم کی وجہ سے ہوئی ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر سینکڑوں سال حکومت کی تھی ہندو کہتا ہے کہ مسلمانوں نے ان کو بہت دبایا تھا ان کے مندروں کو توڑا تھا وہاں پر مسجد بنادیں تھیں مگر سر ہندوستان میں آج بھی 80 فیصد ہندو ہیں اور صرف 20 فیصد مسلمان رہتے ہیں اگر ان کی بات درست ہے تو پھر اکثریت آبادی ہندو کی کیوں ہے سیکڑوں سال میں تو مسلمان ان کو ختم کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کے باوجود ان کے دل میں مسلمانوں کے لئے تعصب بھرا ہوا ہے جہاں موقع ملتا ہے یہ نقصان پہنچا دیتے ہیں۔

ہمارے ساتھ ساتھ شودروں کی حالت بھی خراب ہے بڑی ذات کا ہندو ان کو اب تک غلام ہی سمجھتا ہے قانونی مجبوریوں نے اور آپ کی قابلیت نے آپ کو اس سیٹ پر رکھا ہوا ہے۔

میرے دل میں بھی بڑی ذات کے ہندو کے لئے پھانس چبھی ہوئی ہے اور آپ کے دل میں بھی ضرور کوئی پھانس موجود ہے۔'' سالار نے کہا۔

''سالار! تم نے جو کچھ کہا وہ درست ہے مگر میں تمہارے سوال کا جواب ابھی نہیں دے سکوں گا۔ تمہارا سوال ادھار رہا پھر کبھی ادا کر دوں گا۔''

اجالا بولی۔ ''کمشنر صاحب آپ نے مجھ سے

زیادہ پڑھا ہے اور تجربہ بھی زیادہ ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ میں برہمن کے گھر پیدا ہوئی میرے دماغ میں یہ بیٹھایا گیا کہ میں سب سے اونچی ذات کی ہوں مگر میری تعلیم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ ہندو مذہب کی اساس کیا ہے اصلیت کیا ہے یہ کس نے اور کب بنایا، چار ذاتوں کا بنانا کیوں ضروری تھا۔"

گوپال نے جواب دیا۔ "تمہاری جگہ کوئی غیر تعلیم یافتہ لڑکی ہوتی تو میرا جواب دوسرا ہوتا۔ مگر تم چوں کہ پروفیسر ہو تم نے بڑی سوچ کے ساتھ یہ سوال کیا ہوگا اس لئے میں یہ کہوں گا ہندو دھرم کی اصل تو ویدانیت ہے اور آج کا ہندو، دھرم کی ویدانیت سے بہت دور ہے میں اگر آج ویدانیت اختیار کرلوں تو ہندوؤں کی ہزار فرقوں میں ایک کا اور اضافہ ہوجائے گا، آج کے بھارت میں فرقے فصلی بٹیروں کی طرح نمودار ہورہے ہیں۔ ہندومت ہے کیا اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں، ہر شخص نے اپنی مرضی کا دیوتا بنا رکھا ہے کسی پر پابندی نہیں ہے وہ چاہے جیسا بت خرید کر گھر میں سجالیتا ہے۔

اب زمانہ بدل رہا ہے ایک عیسائی لڑکی، ایک مسلمان اور ایک شدر ہندو ایک ہی جگہ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے ہیں نئے ہندوستان میں یہ بات عام ہورہی ہے۔

دھرم صرف آڑ ہے، نہ برہمن اس پر قائم ہے نہ مسلمان ہوسکتا ہے، تمہارے سوال کا جواب میری وضاحت میں نہ ہو، میں اس سے زیادہ کیا کہوں، میں دھرم کا ٹھیکیدار کبھی نہیں تھا اور شاید زندگی میں کبھی کسی مندر میں نہیں گیا۔" گوپال نے بات ختم کی تو اجالا بولی۔

"آپ کو سن کر شاید یقین نہ آئے کہ میں نے خود کو کبھی کسی ذات کا پابند نہیں کیا۔

میری اسٹوڈنٹ ہر ذات کی ہیں اور میرا سلوک سب کے ساتھ ایک جیسا ہے میں نے کبھی کسی کی ذات نہیں پوچھی میرے گھر ہر ذات کی لڑکیاں لڑکے پڑھنے آتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے وہ رسوئی میں فرج کھول کر پانی نکالتے ہیں اور پی لیتے ہیں۔

باپو کے زمانے میں میں ذرا ان کی ناراضگی کی وجہ سے احتیاط کرتی تھی ماتا جی کو میں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے باپو کے بعد اب میں ہر طرح آزاد ہوں۔ اس سے آپ یہ اندازہ نہ لگائیں کہ میں ناستک ہوگئی ہوں۔ میں دھرم کے بارے میں سوچتی تو ہوں مگر جاؤں کدھر، یہ فیصلہ نہیں کرپاتی، کہیں پر میری تعلیم روک لیتی ہے، کہیں خاندانی پرم پرا کھڑی ہوجاتی ہے، کہیں پر ہندو سماج آڑے آجاتا ہے۔" اجالا بولی۔

"اچھا اجالا بہت سی باتیں ہیں جو حل طلب ہیں۔ تم میرے پاس آتی رہنا۔ شاید میں تمہاری الجھن دور کرسکوں۔" گوپال نے کہا۔

☆......☆......☆

"بھیا آپ کی گاڑی بہت لیٹ ہورہی ہے۔" ہردیال نے ایک دن بھائی کو کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس کا؟" گوپال نے انجان بن کر کہا۔

"بھیا آپ کم از کم میرا تو خیال کریں۔" ہردیال نے پھر کہا۔

"ابے صاف صاف بات کر، نہیں تو دوں گا ایک۔" گوپال بولا۔

"میں بتاتا ہوں اس کو کیا ڈانٹتا ہے۔" باس دیو بولے۔

"اچھا چلئے آپ ہی بتادیں۔" گوپال نے پوچھا۔

"تو نے اب تک کوئی خوش خبری نہیں سنائی۔" باس دیو نے کہا۔

"اچھا اچھا سب سمجھ گیا فکر مت کرا یک نظر میں آئی ہے عنقریب کچھ بات آگے بڑھے گی۔" گوپال بولا۔

"کون ہے بھیا وہ بتاؤ تو؟" ہردیال جلدی سے بولا۔

"ایک برہمن زادی۔ بے ابھی بس اتنا ہی کافی ہے آگے سوال مت کرنا۔"

"ارے واہ بھیا دل خوش کر دیا۔ باپو کی دلی تمنا پوری ہوگئی۔" ہردیال بولا۔

"میری ایک بہو پنڈتائن اور ایک ٹھکرائن دل خوش کر دیا۔ بہت دن سے میرے پرکھے اس انتظار میں تھے ان کی آتماؤں کو کتنی شانتی ملے گی واہ بیٹا تو نے کیا بھگو کر جوتا مارا ہے کہ دل باغ باغ ہوگیا۔" باس دیو خوشی سے جھوم کر بولا۔

"باپو یہ ہماری کامیابی نہیں ہے یہ وقت کی کامیابی ہے دیش آزاد ہوا اس نے ہم کو بہت کچھ دیا ہے آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔" گوپال نے کہا۔

ہردیال بولا۔ "مگر اس سیکڑوں سال کے بعد آزادی کی بھی ہمارے لیڈر قدر نہیں کر رہے ہیں۔ سیٹ کی خاطر ایک دوسرے کو لڑا رہے ہیں ہر جگہ پر رشوت خور منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ کوئی کام وہ نہیں کرتے جیب گرم کر دو تو ناجائز بھی کر دیتے ہیں۔"

"بیٹا یہ خرابیاں تو پیدا ہوں گی مگر گوپال جیسے آفیسر بھی تو موجود ہیں۔" یہ انقلاب زمانہ ہے۔ اس انقلاب میں بہت کچھ بہہ جائے گا وقت ضرور لگے گا مگر جو بچے گا وہی اصل ہوگا تمہاری اولادیں وہ زمانہ دیکھیں گی ہم تو نہیں ہوں گے۔" باس دیو بولے۔

"اس زمانے کے آتے آتے یہ معاشرتی جہالت بھی تو بہت زیادہ پھیل جائے گی اور عوام الناس کی زندگی اجیرن ہو چکی ہوگی احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی ضرورت ہے یہ کام کون کرے گا لیڈروں کا حال ہمارے سامنے ہے وہ اپنی کرسی کی خاطر کسی کی بھی بلی دے دیتے ہیں پڑوسی ملکوں سے لڑ جاتے ہیں۔ صرف عوام کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کو ان کے کالے کرتوت عوام نہ دیکھ پائیں۔ غریب اور غریب ہو رہا ہے۔ لیڈروں کے ٹھاٹ دیکھو پتہ چلتا ہے کہ ہم کسی غریب ملک کے باشندے نہیں ہیں۔

ان کے گھر پر شکوہ انداز میں آراستہ موٹے موٹے قالین فرش پر چرمی صوفے ایسی آرائش زیبائش کے غریب ملک کے لیڈر اور یہ انداز گھر سے باہر آئیں گے تو ہاتھ جوڑتے۔ جھک جھک کر ملتے ہوئے۔ مگر ان کے نازک مزاج پر ذرا سی ضرب پڑی اور انہوں نے مخالف دھڑن تختہ کروادیا کتنے لوگ ہماری نظروں سے غائب ہوگئے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ لوگ کہاں گئے۔ آخر یہ سب کیا ہے کیوں ہے؟ آخر خون کیوں بہتا ہے، کیوں مانگیں اجڑتی ہیں، کیوں انسانیت کا دامن تار تار ہوتا ہے؟ یہ کھیل آزادی کے فوراً بعد شروع ہوگیا تھا، یہ کب تک جاری رہے گا آخر اس کا اختتام ہے کہ نہیں اس کی کوئی انتہا ہے کہ نہیں؟ ہر روز فسادات ہر روز ہنگامے ہوتے ہیں انسان مارے جاتے ہیں۔ بچے یتیم ہوتے ہیں وہ ہندو تھے مسلمان تھے شودر تھے مگر انسان تو تھے اپنی لیڈری کو چمکانے کو تہذیب کا دامن خون سے سرخ کرنے والے لیڈر کیا گوپال شرما کو برداشت کریں گے نہیں، باپو وقت کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا۔" ہردیال نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"واہ ہردیال میں تو تم کو صرف ایک سرجن ہی سمجھتا تھا۔ مگر تم تو دور تک دیکھ لیتے ہو۔" گوپال بولا۔

"آخر وہ تمہارا بھائی ہے تم نے جیسا بنایا ہے بن گیا ہے۔" باس دیو نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو ہردیال میں انتظامیہ کا آدمی ہوں میرا کام لا اینڈ آرڈر قائم رکھنا ہے کوئی لیڈر کیا کرتا ہے میں اس کے کام میں مداخلت نہیں کرتا اپنا ریکارڈ پورا رکھتا اور ان کے آرڈر پر عمل کرتا ہوں مگر ثبوت کے ساتھ کہ میرے کسی آدمی پر الزام نہ آئے میرے ہاتھ بھی صاف رہیں۔" گوپال نے کہا۔

"اس لئے کہتا ہوں کہ ایسے اصول پرست افسران کو بہت سے لیڈر جو ٹھیک سے دستخط بھی نہیں کر سکتے پسند نہیں کرتے ایسے جاہل لیڈروں سے سخت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ بہت جلد گھٹیا حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔" ہردیال بولا۔

"موسم کے پھل جس طرح آتے ہیں یہ لیڈر بھی آتے ہیں، موسم ختم ہوا یہ بھی ختم، ہم سرکاری آفیسر ہیں زیادہ سے زیادہ ٹرانسفر کرادیں گے اور کیا کریں گے۔" گوپال بولا۔

"نہیں بھیا یہ لوگ بڑے گھٹیا ہیں ان سے کچھ بھی ممکن ہے۔" ہردیال بولا۔

"اچھا بھئی میں ہوشیار رہوں گا، تو کاہے چنتا کرتا ہے۔" گوپال نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

اجالا تین دن کے بعد اکیلی گوپال کے دفتر میں آ گئی۔ گوپال نے عزت سے اس کو کرسی پیش کی اور کہا۔

"فرمایئے کیسے زحمت کی۔"

اجالا ہنس پڑی اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح نظر آنے لگے۔ گوپال نے حیران ہو کر کہا۔ "آپ کی ہنسی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آپ بنگلور کے ہیں اور باتیں یوپی والوں کے انداز میں کرتے ہیں اس بات پر ہنسی آ گئی تھی۔" وہ بولی۔

"اچھا مجھے تو پتہ ہی نہ چلا کہ مجھ میں یہ خوبی بھی ہے۔" گوپال بولا۔

"آپ کے گھر میں آپ کے علاوہ اور کون کون ہے؟" اجالا نے سوال کر دیا۔

"میرے باپو ہیں اور ایک چھوٹا بھائی ہے، ناناوتی اسپتال میں سرجن ہے۔" گوپال نے جواب دیا۔

"دونوں بھائی کنوارے ہیں۔" وہ بولی۔

"اس کی وجہ میں ہوں، باپو اور ہردیال میرا بھائی میرا انتظار کر رہے ہیں، اس بے وقوف کی ایک ضد ہے کہ میرے پھیرے اس سے پہلے ہوں اس کی تیاری پوری ہے، میں ہی اپنے لئے لڑکی تلاش نہیں کر سکا ہوں اور وہ پہلے شادی کے لئے تیار نہیں ہے۔" گوپال بولا۔

"تعجب ہے آپ جیسے آدمی کو لڑکیوں کی کمی؟" اجالا بولی۔

"ہے کمی، میں جس کی طرف جاتا ہوں وہ پہلے ہی بک ہوتی ہے، جو میری طرف آتی ہے وہ میرے معیار پر پوری نہیں اترتی بس یہ چکر چل رہا ہے۔" گوپال بولا۔

"آپ کے ہاں ذات برادری کا بھی چکر ہوگا۔" وہ بولی۔

"میں کسی ذات برادری پر یقین نہیں کرتا۔" گوپال بولا۔

"میں بھی آپ کی طرح ہوں۔" اجالا بولی۔

"تو بتاؤ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں۔" گوپال بولا۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔" اجالا بولی۔

"میرے اور آپ کے خیالات نظریات اور سوچنے کا انداز تقریباً ایک سا ہے تو پھر ہردیال کو اور انتظار کیوں کرایا جائے وہ بے چارا میرے انتظار میں بیٹھا ہے کہ پہلے بھیا کے پھیرے ہوں گے اس کے بعد وہ پھیرے لے گا میرا مطلب سمجھ رہی ہیں آپ۔" گوپال بولا۔

اجالا نے شرما کر نظریں جھکا دیں۔

"یہ ہماری تہذیب ہے عورت لاکھ تعلیم یافتہ ہو ہر چیز کو جاننے سمجھنے والی ہو لیکن کسی نہ کسی موقع پر اس کی زبان اقرار نہیں کرتی آنکھیں اقرار کرتی ہیں، میں آپ کی خاموشی کا کیا مطلب لوں۔" گوپال نے کہا۔

"آپ میرے گھر آ جائیں باپو کو لے کر ان سے بات کر لیں بزرگوں کا مشورہ بھی ضروری ہوتا ہے، ماتا جی منع نہیں کریں گی، پتاجی ہوتے تو شاید اپنی اونچی برادری کا ڈھول ضرور بجاتے۔" اجالا بولی۔

"ہاں یہ بات ہوئی ناں، کب آ جاؤں۔" گوپال بولا۔

"آج ہی آ جائیں۔ دیر کرنے کی ضرورت کیا ہے رات کا کھانا ساتھ کھائیں۔" اجالا بولی۔

"یہ ٹھیک ہے پتہ بھی چل جائے گا کہ آپ کو کھانا بنانا آتا ہے کہ نہیں۔" گوپال ہنس کر بولا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں شام کو میں انتظار کروں گی۔"

اس کے جاتے ہی ہر دیال کو اس نے فون کیا۔
''کیا کر رہا ہے؟'' وہ بولا۔
''ایک آپریشن کی تیاری ہے۔'' ہر دیال بولا۔
''شام کو جلدی گھر آ جانا ایک جگہ جانا ہے۔'' گوپال بولا۔
''کہاں جانا ہے یہ تو بتلا دیں بھیا؟'' ہر دیال بولا۔
''ابے تجھے تیری بھابی دکھانے لے جا رہا ہوں ایک سے دو کی رائے اچھی ہوتی ہے۔'' گوپال بولا۔
''ٹھیک ہے میں چھ بجے تک گھر آ جاؤں گا۔'' ہر دیال بولا۔
''باپو کو فون کر کے بتا دے۔'' گوپال بولا۔
سات بجے گوپال گھر پہنچا تو ہر دیال موجود تھا۔ گوپال کو دیکھ کر اس نے آواز لگائی۔
''باپو دولہا بھیا آ گئے ہیں۔'' باس دیو ہنستے ہوئے کمرے سے باہر آیا اور بولا۔
''تو نے ابھی سے دولہا بنا دیا سوت نہ کپاس ذرا بات تو پکی کر لینے دے پھر کہنا دولہا بھیا۔''
''ارے باپو! کیا بات کرتے ہو میرے بھیا کو کون پسند نہیں کرے گا ہزاروں میں ایک ہے۔'' ہر دیال بولا۔
''اپنی چیز سب کو پیاری لگتی ہے دوسرے اپنے نقطہ نظر سے پرکھتے ہیں۔'' باس دیو نے جواب دیا۔
''بھیا تم بھی تو کچھ کہو میں ہی بولے جا رہا ہوں۔'' ہر دیال نے گوپال کو کہا۔
''آج تیرے بولنے کا دن ہے خوب بول میں صرف سنوں گا۔'' گوپال بولا۔
''کتنے بجے کا وقت دیا ہے تم نے گوپال۔'' باس دیو نے پوچھا۔
''رات کے کھانے پر پہنچنا ہے۔'' گوپال بولا۔
''ڈرائیور کو روک لینا شاید ضرورت پڑ جائے۔'' باس دیو نے کہا۔
''رات نو بجے تینوں اجالا کے گھر پہنچ گئے ان کا استقبال اجالا نے اور اس کی ماں نے کیا۔ ان کے ساتھ ایک صاحب اور تھے اجالا نے بتایا یہ اس کے ماما جی ہیں اور خاص طور سے آپ سے ملنے آئے ہیں ان کا نام پنڈت رام مورتی ہے۔''
زیادہ بڑا گھر تو نہ تھا مگر بڑے قرینے سے اس کو ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پنڈت سکھ رام کی ایک فوٹو لگی تھی۔ وہ کسی بھگوان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے گوپال نے سرسری نظر سے اس فوٹو کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ انسان کے کتنے روپ ہوتے ہیں کتنے چہرے ہوتے ہیں ہر جگہ کے لئے الگ چہرہ اس کے پاس ہوتا ہے دنیا میں بہت کم ہیں وہ لوگ جن کے پاس صرف ایک چہرہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہی صاحب کردار ہوتے ہیں آج بناوٹی دور میں بھی وہ کہیں نہ کہیں موجود ہیں اور اپنا فرض ادا کر رہے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ لوگ ان صاحب کردار لوگوں کی قدر نہیں کر رہے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ ان کو احمق اور بے وقوف سمجھا جا رہا ہے۔
بات باس دیو نے یوں شروع کی۔ ''آپ پنڈت سکھ رام کی پتنی ہیں۔''
''ہاں جی! میں بدنصیبی سے ان کی پتنی ہوں میرا نام رادھا ہے۔ ان کی بدنامی سے مجھ پر اور اجالا پر بھی اثر پڑا ہے۔ مگر بھگوان جانتا ہے کہ ہم نے کبھی ان پر زور نہیں دیا کہ وہ دولت جمع کریں غلط کام کریں۔ میں پڑھاتی تھی اب اجالا بھی پروفیسر ہے بھگوان عزت کی روٹی دیتا ہے ہماری ضرورت سے زیادہ مل رہا ہے مگر شرمندگی تو ہے۔''
باس دیو نے کہا۔ ''رادھا بہن یہ میرا بڑا بیٹا گوپال شرما آپ کے سامنے ہے، میں نے اپنی حیثیت کے حساب سے اس کو پڑھایا تھا مگر یہ اتنا ہوشیار نکلا کہ ساری تعلیم اس نے وظیفہ پر کی اور پھر آج یہ آپ کے سامنے ہے ان بچوں کی اپنی پسند ہے اپنی رائے ہے زندگی ان کو ساتھ گزارنی ہے ہمارا دور ختم ہوا یہ ان کا دور ہے، میں چاہتا ہوں اجالا اب میرے گھر میں اجالا کرے۔''
''بھائی صاحب! اجالا کی پسند میری پسند ہے میں

شروع سے سیکولر مائنڈ رکھتی ہوں اجالا بھی میری طرح ہے ہاں اگر پنڈت میری جگہ ہوتے تو شاید وہ نہ مانتے مگر پھر بھی میں ان کو بتاؤں گی ضرور کچھ بھی ہو وہ اجالا کے پتا ہیں اور میرے پتی ہیں میری طرف سے تو ہاں ہے آپ فکر نہ کریں، ہوگا وہی جو میں نے کہہ دیا ہے مگر پنڈت جی کو بتانا میں اپنا فرض خیال کرتی ہوں۔"

باس دیو نے جواب دیا۔"آپ کے خیالات سن کر بہت خوشی ہوئی۔ تو کب تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"زیادہ نہیں دو تین روز ہی میں آپ کو سندیسہ بھیج دوں گی۔" رادھا نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد سب واپس آگئے۔ گھر آ کر گوپال نے ہردیال سے پوچھا۔"تو نے اپنی رائے نہیں بتائی۔"

"آپ نے بھیا دیر کی ضرور مگر مجھے آپ کی پسند اور معیار کا اندازہ بھی بھابی کو دیکھ کر ہوا۔" ہردیال بولا۔

"تیری وجہ سے جلدی کرنا پڑی۔" گوپال ہنس کر بولا۔

"اچھا تو یہ کام جلدی میں ہوا فرصت میں ہوتا تو واہ بھیا۔" ہردیال زور سے ہنس پڑا۔

"گوپال اور ہردیال کی ہنسی کی آواز سن کر باس دیو بھی کمرے سے باہر آگئے بولے۔

"تم دونوں کس بات پر ہنس رہے ہو کیا مجھ سے کوئی حماقت ہوگئی ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو ہم نہ ہنستے بھیا نے کام بڑھیا کیا ہے پہلے پنڈت کو اندر کر دیا رکاوٹ وہی تھا۔" ہردیال بولا۔

"ابے گھامڑ، اس وقت تو میں نے اجالا کو دیکھا بھی نہیں تھا مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ اس کی کوئی بیٹی ہے۔ پھر پنڈت کو رکاوٹ کیسے اور کیوں سمجھتا۔" گوپال بولا۔

"آپ کا جواب درست ہے اس سوال کے پورے نمبر آپ کو ملیں گے۔ مگر یہی سوال میرے علاوہ کسی اور کے ذہن میں بھی آسکتا ہے، وہ آپ کو پورے نمبر نہیں دے گا اگر آپ کی وضاحت اس کی سمجھ میں آ بھی گئی تو بھی ڈنڈی مار دے گا۔ یہی دنیا میں ہو رہا ہے ہر سچے آدمی کے ساتھ ہو رہا ہے کیوں باپو میں نے ٹھیک کہا ہے۔" ہردیال بولا۔

"تو نے درست کہا ہے اگر کہیں بھی خود کو تولوں تو پورا پورا سچا آدمی خود کو نہیں پاؤں گا۔ میرے اندر بھی بڑی ذات کے لئے کدورت ملے گی، میں بھی ان کو نیچے لانے کی بھاؤنا رکھتا ہوں، یہ انتقامی جذبہ ہوتا ہے، یہ جذبہ میرے اندر اس لئے پیدا ہوا کہ مجھے دبایا گیا مجھے گھٹیا کہا گیا اور مسلسل ایسا ہوا، قدرتی طور پر میرے اندر اس جذبے کی پرورش ہوتی گئی۔ آج میں خوش ہوں کیونکہ میں نے تم دونوں کی مدد سے وہ مقام حاصل کر لیا کہ مجھے کسی نے نہیں پوچھا کہ تو کون ہے کس ذات کا ہے؟ آج ایک برہمن پریوار میرا میزبان تھا کیونکہ ان کے سامنے شہر کا ایک کمشنر اور ایک بڑا سرجن موجود تھا، انتقام لینے کا مقصد کسی کو مار ڈالنا نہیں ہوتا۔

انتقام لینے کا مقصد کسی کو جھکا لینا ہوتا ہے۔ آج میں نے یہ کام کر لیا ہے میں بھی تمہارے ساتھ ہنستا ہوں۔" اور تینوں باپ بیٹے خوب ہنسے۔" مگر اس اسکولر بھارت میں یہ ریت عام ہو جائے کہ کوئی کسی کی ذات برادری نہ پوچھے اصل کامیابی اس دن ہوگی۔" باس دیو نے بات ختم کی۔

میرے ڈپارٹمنٹ میں ایک آفیسر ہے وہ مسلمان ہے وہ بتاتا ہے کہ" ان کے مذہب میں کسی ذات برادری کا بھید بھاؤ نہیں ہے، سب ایک ساتھ کھاتے بھی ہیں اور نماز بھی ایک ساتھ پڑھتے ہیں نماز کا وقت ہوا کسی بھی مسجد میں نماز پڑھ لی۔ کوئی رکاوٹ نہیں کتنی پیاری بات ہے۔" گوپال بولا۔

"بیٹا اچھی باتیں تو ہر مذہب بتاتا ہے۔" باس دیو نے جواب دیا۔

"مگر باپو ہندو دھرم کی اچھی باتیں تو سب بڑی ذات والوں کے فائدے کی ہیں اس بات کا احساس سب کو ہے، حکومت کو بھی اور بڑی ذات کے لوگوں کو بھی

اگر ایسا نہ ہوتا تو انڈیا سرکار شودروں کے لئے الگ سے قانون نہ بناتی ان کے لئے تعلیم کے دروازے نہ کھولتی ان کو وظیفے اور مراعات نہ دیتی۔ مگر سیکڑوں سال سے برہمن اور راجپوت جو ظلم وستم کرتے آئے ہیں ان کو اس کی عادت پڑ گئی ہے اس عادت کو چھڑانے کے لئے سرکار تو کچھ نہیں کر سکتی اس کے لئے تو ہمیں ہی کردار ادا کرنا ہے اس کا جو حل آپ کے ذہن میں آیا تھا وہی بہترین ہے اس کے نتائج بھی آرہے ہیں۔ راجپوتوں کی لڑکیاں مسلمان لڑکوں اور شودروں کے ساتھ شادی کر رہی ہیں اور ان کو راجپوت روک نہیں سکتے قانونی طریقہ پر بھی اور سماجی طریقہ پر بھی۔" گوپال نے کہا۔

"آپ نے درست کہا بھیا مگر میرا خیال ہے ہندوستان کے اس نئے معاشرے میں اگر کسی کا نقصان ہو رہا ہے تو وہ مسلمان ہے، ان کو مذہب سے دور کیا جا رہا ہے، ان کی تاریخ کو بدلا جا رہا ہے، تاریخ کے ان کرداروں کو جو کبھی فتح یاب نہیں ہوئے ان کو ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، مسلمانوں کے انصاف پسند شاہوں کو ظالم اور بدکردار لکھا جا رہا ہے۔" ہردیال بولا۔

"تیری یہ بات بھی درست ہے مگر نیا جوان ہوشیار ہے، وہ بہت کچھ سمجھ جاتا ہے جیسے تم نے سمجھا ہے۔ تیری طرح اور بھی جوان ہوں گے۔" باس دیو نے کہا۔

☆☆☆

"ہم مسلمانوں کے قریب ہمیشہ سے اس لئے رہے ہیں کہ انہوں نے ہم کو انسان تو سمجھا ہے، انہوں نے وہ ستم تو نہیں کئے جو بڑی ذات کے لوگوں نے ہم پر کئے ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو تو یہ بڑی ذات کے لوگ، ملیچھ یعنی گندے لوگ قرار دیتے ہیں۔" ہردیال نے کہا۔

"پنڈت جو ایک لوٹا پانی سے غسل کرتا ہے اس کی دھوتی تک گیلی نہیں ہوتی جسم بھی گیلا نہیں ہوتا اس کا اشنان ہو جاتا ہے جو گوبر سے رسوئی لیپتا ہے اور کہتا ہے پوتر ہو گئی۔ وہ مسلمانوں کو گندہ کہتا ہے جبکہ مسلمانوں کا نہانے کا ایک مذہبی طریقہ ہے۔ ایک بال بھی سوکھا رہا تو غسل نہیں ہوا اس پر بھی وہ ملیچھ ہے۔"

گوپال نے رائے دی۔ "بھیا میں نے کچھ مسلمانوں کے بارے میں پڑھا ہے ان کے مقابلے میں ہندو دھرم اپنی موجودہ شکل میں بھی اور ماضی میں بھی وہ متفرق اعمال کا مجموعہ رہا ہے بلند ترین سے پست ترین تک ایک دوسرے سے متصادم و متضاد مگر آج کے ہندو کی سوچ بدل رہی ہے اس کو ہم قطعی متصادم و متضاد نہیں کہہ سکتے۔

مسلمان سیکڑوں سال سے ہندوستان میں آباد ہیں۔ مگر ان کے بنیادی احکامات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی اس بات کی ہندو کو جھنجھلاہٹ تو ہے ملک سیکولر ہو گیا ہے قانون ہیں، بڑی بڑی تبدیلیاں بھی نظر آتی ہیں مگر آج بھی برہمن کا ترشول مسلمانوں کے سروں پر ہے۔" ہردیال نے بتایا۔

"بہر حال اب تو ہم سب کو اسی معاشرے میں رہنا ہے مقابلہ کرنا ہے۔"

تین روز میں ہی اجالا کی ماں کی طرف سے منظوری آ گئی۔ اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہردیال کے سسرال والے بھی تعلیم یافتہ تھے اور گوپال کے بھی، اس لئے ساری فضول رسموں کو چھوڑ دیا گیا۔ ایک کمیونٹی ہال میں دونوں دولہا اور دلہنیں چلی گئیں۔ شہر کے سب ہی نامی گرامی سرکاری لوگ اور عزیز و اقارب کو دعوت دی گئی۔

پہلے گوپال کے پھیرے ہوئے اس کے بعد ہردیال نے پھیرے کئے۔

باس دیو بڑی سی پیلی پگڑی باندھے مہمانوں سے ملتے رہے ان کا شکریہ ادا کرتے رہے کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی اس کی ذات کے بارے میں کوئی سوال کرتا وہ کمشنر بنگلور کا باپ تھا۔ سب ہی احترام سے جھک کر اس سے مل رہے تھے۔ وہ باس دیو سے نہیں کمشنر کے باپ سے مل رہے تھے مبارک بادیں دے رہے تھے بڑا شاندار پرتکلف کھانا پیش کیا گیا۔ اس کا انتظام بھی گوپال نے کیا

تھا۔ مگر یہ صرف چند لوگ جانتے تھے۔ اس کے بعد ناچ گانے کا پروگرام تھا۔

دونوں دلہنیں گھر آ گئیں، ڈاکٹر ہردیال اور کمشنر گوپال دونوں ایک ہفتہ کی چھٹیوں پر تھے سرکاری کوٹھی کو بھی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ یہ ایک یادگار شادی تھی۔ سادہ بھی اور رنگا رنگ بھی سادہ اس لئے کہ ہندوؤں کی بہت رسمیں اس میں نہیں ہوئیں۔ رنگا رنگ اس لئے کہ لوگوں نے صاحب کو خوش کرنے کے لئے بہت پروگرام خود کر دیئے۔ ایک ہفتہ کے بعد گوپال دفتر گیا تو اس کو خوش خبری ملی اس کا پروموشن ہو گیا ہے اور سینٹرل میں اس کو بلایا گیا ہے۔ سیکریٹری پلاننگ اس کو بنایا گیا ہے۔

اور ایک ہفتہ میں رپورٹ دینا ہے۔ یہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ اس کے بے داغ ریکارڈ اور اس کی کارکردگی کو سراہا گیا اور صوبے سے سینٹرل گورنمنٹ میں طلب کیا گیا تھا۔ اس نے فون پر ہردیال کو کہا اور یہ خوش خبری سنائی تو وہ بولا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے آپ پہلے شادی کر لیتے تو پہلے ہی سیکریٹری ہو جاتے۔" ہردیال ہنس کر بولا۔

"تیری ہر بات نرالی ہے، من میں گھر جا رہا ہوں میری جگہ پر آدمی کل آئے گا اب مجھے اس کو چارج دینا ہے کام بہت ہیں اور وقت کم ہے۔"

گوپال شرما اجالا کے ساتھ دلی روانہ ہو گیا۔

پنڈت رام مورتی گوپال شرما کے سامنے جب بھی آتا بڑی مسکین صورت کے ساتھ آتا تھا۔

شادی کے وقت بھی اس نے خود کو باندھ کر رکھا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بڑا سیدھا سادہ آدمی تھا۔ یہ شخص نہایت گھنا اور کینہ رکھنے والا آدمی تھا۔ بول وہ اس لئے نہیں سکا کہ گوپال کی پوزیشن بنگلور میں بہت اونچی تھی دوسرے اس کی بہن اور اجالا خود گوپال کی طرف تھیں، اور قانونی طور پر بھی وہ کمزور تھا۔ مگر اس کے دل میں گوپال کے لئے بڑی نفرت تھی۔

"لے گیا برہمنوں کی عزت لے گیا سیکڑوں سال کی کمائی ہوئی دولت اس لڑکی نے برباد کر دی۔"

"ارے تو تم کیوں مرے جا رہے ہو۔ اجالا تمہاری لڑکی تو نہیں تھی۔" اس کی بیوی جانکی نے کہا۔

"ارے تجھے کیا پتہ پنڈت لکھہ رام کو اس نے پہلے جیل بھجوایا اور پھر اجالا کو اپنے جال میں پھانس لیا اور برہمنوں کو نیچے ڈال دیا، یہ سارا کام اس نے پلان بنا کر کیا ہے۔ ارے اس چمار کا میں کیا کروں، میرے دل میں آگ جل رہی ہے۔" پنڈت رام مورتی نے بے چینی سے کہا۔

"میری تو سمجھ میں تمہاری بے چینی نہیں آ رہی ارے اجالا ایک پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی تھی اس کو وہ پسند آیا تو اس نے شادی کی ہے تم نے دیکھا نہیں کہ دونوں کتنے خوش تھے۔" جانکی دیوی نے جواب دیا۔

"تو نے یہ کہاوت تو سنی ہوگی گھوڑے کی اینٹ چوبارے پر اچھی نہیں لگتی۔" پنڈت بولا۔

"اب اس کہاوت کو بھول جاؤ بڑے نامی گرامی پنڈتوں کی لڑکیاں مسلمان لڑکوں کے ساتھ پھر رہی ہیں۔ ٹھاکروں کی لڑکیاں شودروں کے گھروں میں کھا رہی ہیں۔" جانکی نے کہا۔

"ارے سب تو ایسا نہیں کر رہے۔" پنڈت جھنجھلا کر بولا۔

"کر تو رہے ہیں وہ بھی برہمن ہیں ٹھاکر ہیں، اب تم بھی بھول جاؤ پچھلی کتھا اور جو نئی کہانی شروع ہوئی ہے اس پر عمل کرو اگر ایسا نہیں کرو گے تو اکیلے رہ جاؤ گے تم اجالا کے ماما ہو باپ نہیں ہو، گوپال کے سامنے اجالا کا باپ بھی ہوتا تو وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔" جانکی نے کہا۔

"تو چاہے کچھ بھی کہہ جانکی میں کیسے بھول جاؤں کہ ایک چمار میری بھانجی کو لے گیا ہے۔"

"تو پھر جلتے رہو، مجھے پتہ ہے تم کچھ نہیں کر سکو گے، تم اپنی طرف دیکھو، تمہاری بھی دو دو بیٹیاں کنواری بیٹھی ہیں۔ ان کی طرف دیکھو، کرو تلاش کوئی کھرا برہمن۔" جانکی نے کہا۔

ہردیال بنگلور کے ناناوتی اسپتال میں سرجن تھا،

باس دیو گوپال کے ساتھ نہیں گیا تھا۔
ڈاکٹر پوجا کا پاؤں بھاری تھا اور باس دیو کا پاؤں مارے خوشی کے زمین پر نہیں تھا وہ روز ناشتہ پر ہردیال کو کہتا۔ ''تو کیا آدمی ہے ہردیال، بہو کے آرام کے دن ہیں اور تو اس کو کام میں جوتے ہوئے ہے۔''
ہردیال ہنس پڑتا۔ ''باپو ابھی کام کرنا آگے فائدہ مند ہوگا آپ کیوں چنتا کرتے ہو، میں تو اس کے پاس ہر وقت رہتا ہوں۔''
دلی میں اجالا کا بھی یہی حال تھا اس نے باس دیو کو نہیں بتایا تھا گوپال جانتا تھا کہ باپو سن کر دیوانہ وار دوڑیں گے جب کچھ ہو جائے گا تو ضرور خبر کر دوں گا۔
اجالا کا وزن بہت بڑھ گیا تھا ڈاکٹرز کا خیال ٹھیک ثابت ہوا اور اجالا کو دو لڑکے پیدا ہوئے۔ دونوں ٹھیک تھے۔ گوپال نے فون پر یہ خوشخبری ہردیال کو سنائی اور اس نے باپو کو بتایا تو باس دیو خوشی سے ناچنے لگا، میرا دل کرتا ہے فوراً دلی چلا جاؤں۔'' وہ بولا۔
''چلے جاؤ مگر یہاں پر پوجا ہے اس کو کیسے چھوڑیں اکیلی۔'' ہردیال بولا۔
''ہاں رے میں تو خوشی میں بھول ہی گیا تھا۔'' باس دیو بولا۔
اس کے تین دن کے بعد پوجا کے دو جڑواں لڑکیاں پیدا ہو گئیں۔ باس دیو نے بڑی خوشی کے عالم میں بھی حیرت سے کہا۔ ''ارے تم دونوں نے پہلے سے طے کر رکھا تھا کیا۔''
''یہ بھگوان کی مرضی ہے باپو۔'' ہردیال بولا۔
''ٹھیک ہے بھگوان کی مرضی ہے جو دے اچھا ہے ہمیں تو شکر ادا کرنا ہے۔''
یہ خوش خبری گوپال تک بھی پہنچی گوپال اس وقت اجالا کے پاس اسپتال میں تھا۔
''واہ ہردیال مجھ سے کم نہیں رہا تو۔'' گوپال ہنس کر بولا۔
''ہاں یہ تو تعجب کی بات ہے دونوں بھائیوں کے گھر جڑواں بچے پیدا ہو گئے۔'' اجالا بولی۔
''تمہارے بارے میں مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔'' گوپال بولا۔
''مجھے خود ایسا ہی لگ رہا تھا۔'' اجالا بولی۔
''اور وہ دونوں تو ڈاکٹر ہیں ان کو تو پوری طرح پتہ چل گیا ہوگا۔''
''تم کب تک اسپتال میں رہوگی۔'' گوپال نے پوچھا۔
''ڈاکٹر تو کہہ رہی تھی سب ٹھیک ہے آپ جا سکتی ہیں۔'' اجالا نے بتایا۔
''تو میں رات سات آٹھ بجے دفتر سے اٹھوں گا اور سیدھا تمہارے پاس آؤں گا اور تم کو گھر لے جاؤں گا تم چاہو تو کسی نرس کو اپنے پاس رکھ لو، میں کل سویرے بنگلور جاؤں گا اور شام کی پرواز سے واپس آ جاؤں گا، ہردیال اور پوجا خوش ہو جائیں گی۔'' گوپال بولا۔
''ہاں ہو آؤ تم بڑے ہو تمہارا فرض بنتا ہے۔''
گوپال کو اچانک دیکھ کر ہردیال خوشی سے پھٹ گیا۔ باس دیو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔
''پہلے یہ بتاؤ بھیا کہ بھابی کیسی ہے اور بچے ٹھیک ہیں۔'' ہردیال نے پوچھا۔
''ہاں گوپال پہلے یہ بتا۔'' باس دیو نے بھی پوچھا۔
''میں تیری بھابی کو گھر پہنچا کر آیا ہوں دونوں بچے بھی ٹھیک ہیں سب کچھ نارمل ہوا ہے۔'' گوپال بولا۔
''اور بھیا یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ میں نے بھیا کو آگے اسی کارن رکھا تھا بھگوان نے میرا پروگرام پورا کر دیا پہلے تم باپ بنے اس کے بعد میں۔''
''ارے یہ سب اوپر والے کی مہربانی ہے تم روزانہ، نہ جانے کتنوں کی دعائیں لیتے ہو۔'' گوپال بولا۔
''بھیا میں نے آج تک کسی مریض سے نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے کس ذات کا ہے کس دھرم کا ہے؟ میں ڈاکٹر ہوں میرا کام انسانوں کی زندگی بچانا ہے میری نیت صاف ہوتی ہے اور بھگوان میری مدد کرتا ہے۔ لوگ میری

تعریف کرتے ہیں مگر مجھے اصل خوشی مریض کے ٹھیک ہونے پر ہوتی ہے۔'' ہردیال بولا۔

''تو نے جو لائن پکڑی ہے وہی درست ہے، دولت اور شہرت دونوں انسان کے دماغ میں فطور پیدا کرتی ہیں، تیری دولت وہ دعائیں ہیں جو تجھے ملتی ہیں دولت دنیا میں بڑی اہمیت رکھتی ہے ہر آدمی اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کیا وہ اس دنیاوی دولت کو ساتھ لے جائے گا، جو چیز ساتھ نہیں جائے گی اس سے پریم بڑھانا کہاں کی عقل مندی ہے۔ انسان کی ضرورت کیا ہے اس کو وہ مل رہا ہے تو پھر دھن دولت کے پھیر میں کیوں پڑے۔ تم جانتے ہو میری پوسٹ آج بھی ایسی ہے کہ میں دھن کے ڈھیر لگا سکتا ہوں۔ مگر باپو کی خواہش دولت جمع کرنے کی نہیں تھی، جو خواہش تھی اس کو میں نے اور تم نے پورا کر دیا ہے اب اپنے کردار سے ثابت کرنا ہے کہ بڑی ذات کے لوگ ہی اس دیش کے بھگت نہیں ہیں ہم بھی ہیں، ہم نے خود کو ان کی بھیڑ میں نمایاں رکھنا ہے۔ لوگ دور سے دیکھ کر ہمارے بارے میں رائے قائم کریں اور وہ رائے ایسی ہو کہ بڑی ذات والے شرمندہ ہو جائیں۔'' گوپال نے کہا۔

''آپ نے درست کہا بھیا، میں نے محسوس کیا ہے اور آپ نے بھی کیا ہوگا کہ کچھ لوگ ہمارے نزدیک آتے ہیں اور بڑے احترام سے پیش آتے ہیں مگر ان کا احترام ہماری کرسی کے لئے ہوتا ہے ہماری ذات کے لئے نہیں ہوتا، کچھ برابر کے لوگ کبھی کبھی کوئی نہ کوئی لفظ ایسا ضرور کہہ جاتے ہیں جو طنزیہ ہوتا ہے۔ ان کے دل میں جو کینہ بھرا ہے وہ ختم نہیں ہوا۔ اس کا کوئی علاج ہے۔ پنڈت کو ہرگز یہ بات ہضم نہیں ہوگی کہ وہ مجھے سلام کرے، ٹھاکر ہرگز جھک کر بات کرنا نہیں چاہے گا۔ یہ بہت پرانا غرور ہے اتنی جلدی کیسے نکل جائے گا ہماری دوسری اور تیسری نسل جب آئے گی تو شاید وہ ان کو جھکا دے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم برابر آگے بڑھتے رہیں۔'' گوپال نے کہا۔

''آپ کا گھر تو سرکاری ہوگا۔'' ہردیال بولا۔

''سارا ہی کچھ سرکاری ہے، گاڑی بنگلہ سیکورٹی اور ملازمین۔'' گوپال بولا۔

''دو چار دن کو بھابھی کو لے کر آ جاؤ۔ میں بھی چھٹی کر لوں گا۔'' ہردیال بولا۔

''مجھے شام کی فلائٹ سے واپس جانا ہے بس اتنی فرصت میں نے تمہارے لئے نکالی ہے۔'' گوپال بولا۔

گوپال کی ایمانداری اس کو آگے بڑھاتی رہی اور وہ سیکریٹری انڈسٹری ہو گیا۔ اس کی شخصیت اتنی بھاری بھر کم تھی کہ بڑے بڑے حکومت کے وزیر بھی جھک کر ملتے تھے اس کی مثال دی جاتی تھی پرائم منسٹر اور صدر بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ اس کی بات کو غور سے سنتے تھے وہ سرکاری آفیسروں میں ایک رول ماڈل تھا۔ اس کے کردار اور اصولوں کو جو ناپسند کرتے تھے ان کی تعداد بہت تھی مگر اس کو ان کی پرواہ نہیں تھی وہ اپنا کام کرتا تھا۔ اس پر ہر قسم کے حملے ہوئے الزامات لگائے گئے۔ مگر وہ اپنے اصولوں سے ذرا نہیں ہٹا۔ وقت گزرتا رہا بچے بڑے ہوتے گئے۔

ہردیال بنگلور سے بمبئی چلا گیا ایک بہت بڑے اسپتال کا وہ انچارج تھا۔ اس کی لڑکیاں بھی کالج کی سطح تک آ گئی تھیں۔ دونوں بھائی الگ الگ شہروں میں تھے مگر ان کی ملاقات ہوتی رہتی تھی گوپال کے بچے بمبئی آ جاتے تھے اور ہفتوں رہتے تھے۔ باس دیو سور گباشی ہو چکے تھے دونوں بھائیوں اور ان کی بیویوں میں بڑی محبت تھی۔

گوپال کے لڑکوں نے فرسٹ ایئر پاس کیا تو اجالا نے ایک بڑی پارٹی کا بندوبست کیا۔ بمبئی تو وہ پہلے ہی خبر کر چکی تھی۔ ہردیال کے ساتھ پوجا اور دونوں لڑکیاں آ چکی تھیں اجالا کے میکے میں ماما پنڈت رام مورتی تھے ان کی لڑکیوں کی شادی ہو چکی تھی رام مورتی بنگلور سے آ گئے۔ ان کے من کی کالک دور نہیں ہوئی تھی وہ بولے۔

''آج پنڈت لکھ رام زندہ ہوتے تو کیا وہ خوش ہوتے۔ وہ ایک کھرے برہمن تھے۔ شاید ان کی خوشی نہ

ہوتی مگر میں کیا کروں وقت وقت کی بات ہے۔''

''ماما یہ پرانی باتیں ہیں۔ اب بھول جاؤ، میں گوپال کی پتنی ہوں گوپال ایک اچھا پتی ہے اس نے مجھے کوئی دکھ نہیں دیا میری اولاد کو دکھ نہیں دیا اب یہ ذات پات کے جھگڑے بےکار ہیں۔''

''ارے بیٹا! کچھ کہو مگر ہاتھ کی لکیر کو مٹایا نہیں جاسکتا، ہمارے سینے پر تو داغ ہے وہ تو مرتے دم تک رہے گا، ارتھی جل جائے گی تو بھی شاید وہ داغ نہ جائے۔ برہمنوں کی پرم پرا عزت اور نام سب ملیا میٹ ہوگیا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''دیکھو ماما تم نے میرے سامنے تو یہ باتیں کرلیں مگر اب کسی اور کے سامنے ہرگز نہ کرنا۔ کرو گے تو یاد رکھنا میں اپنے پتی کا ساتھ دوں گی۔'' اجالا نے لہجہ بدل کر کہا۔

پنڈت بولے۔ ''ارے لے میں کوئی پاگل ہوں تم کو اپنا سمجھ کر بات کرلی ہے۔''

پنڈت دل میں دونوں کو گالیاں دینے لگا۔ مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔

بڑی شاندار پارٹی ہوئی بڑے بڑے وزیر اور سرکاری افسران اور ان کی بیگمات نے شرکت کی ماما کو اب اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت بڑا آدمی بن گیا ہے شری گوپال شرما ہر کوئی اس کی عزت کررہا ہے۔ سینٹرل گورنمنٹ کے سب ہی لوگ دعوت میں موجود تھے، ماما کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ رات گئے پارٹی ختم ہوئی اور ایک ایک کر کے مہمان رخصت ہوگئے۔ کوٹھی کا لان خالی ہوگیا۔ ملازمین اس کی صفائی وغیرہ میں لگ گئے اور گھر کے لوگ اندر آ گئے۔ گوپال کے بڑے لڑکے کا نام راجیش تھا دوسرا دنیش تھا۔ دونوں برابر تھے۔ مگر گوپال نے راجیش کو بڑا قرار دے دیا تھا۔

ہردیال نے دنیش سے پوچھا۔ ''بول بھئی پارٹی کیسی رہی۔''

''چاچا بہت اچھی تھی، پاپا نے بہت خرچ کردیا۔ پارٹی پر۔''

''ارے فکر کیوں کرتا ہے تیری شادی پر میں اس سے بھی بڑی پارٹی دوں گا۔'' ہردیال نے کہا۔

''اور میری شادی پر نہیں دو گے۔'' راجیش بولا۔

''تم دونوں کی شادی ایک ہی دن ہوگی اور پارٹی بھی دونوں کی ساتھ ہوگی۔'' ہردیال نے جواب دیا۔

''ارے بھئی کیوں فکر کرتے ہو تمہارا چاچا تاج محل میں پارٹی کرے گا۔'' گوپال بولا۔

''بھابی اب آپ کچھ دنوں کو بمبئی آ جاؤ سیر سپاٹے کرو گھومو پھرو بچے بھی چھٹی پر ہیں۔'' ہردیال نے کہا۔

''بچوں کو تم لے جاؤ میرا آنا تو ذرا دشوار ہے تم کو پتہ ہے یہ سرکاری آدمی ہیں ان کو نہ دن میں چین ہے نہ رات میں کسی وقت بھی ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور یہ چلے جاتے ہیں ان کے کھانے پینے کا بھی وقت نہیں ہے، میں ان کے پروگراموں کو دفتر کی سیکریٹری سے لے کر ان کے لباس اور کھانے کا انتظام کرتی ہوں، کہاں پر کیا پہن کر جانا وغیرہ وغیرہ، میں نہ ہوئی تو سب کام یہ کریں گے مگر کھانا نہیں کھائیں گے۔ یہ تو اب میرے سامنے بھی اکثر کھانا بھول جاتے ہیں۔'' اجالا نے کہا۔

''کیوں بھیا! بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں؟'' ہردیال بولا۔

''ارے یار یہ جو پتی ورتا عورتیں ہوتی ہیں وہ اپنے مردوں کو اتنا کھلاتی ہیں کہ گول گپا بنا ڈالتی ہیں، تم کہاں اپنی بھابی کی باتوں پر جارہے ہو۔'' گوپال بولا۔

''اچھا آپ بتایئے آپ نے آج پارٹی میں کھانا کھایا ہے۔'' اجالا بولی۔

''ارے بھئی یہ پارٹی لوگوں کو کھلانے کو تھی کہ خود کھانے کو۔'' گوپال بولا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا بھیا کہ آپ نے کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔'' ہردیال بولا۔

''یار بات یہ ہے کہ چلتے پھرتے پلیٹ ہاتھ میں پکڑ کر کھانا کھانا میرے بس کا کام نہیں ہے۔ میں سکون

سے بیٹھ کر کھاتا ہوں تو کچھ کھا لیتا ہوں۔'' گوپال نے کہا۔
''سن لیا ہردیال اس لئے میں ان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی، میں ان کو بہت دور تک جانتی ہوں۔'' اجالا بولی۔
''بھابی کھانے کے معاملے میں تو تمہارے دیور بھی چور ہیں۔'' پوجا نے کہا۔
''لو میری بھی شکایت شروع ہوگئی۔'' ہردیال بولا۔
''اول تو کسی پارٹی میں جاتے نہیں اور جاتے ہیں تو کھانے سے پہلے کہتے ہیں، چلو ایک کیس پر کام کرنا ہے اور بغیر کھائے واپس آجاتے ہیں۔'' پوجا نے کہا۔
''تو پھر میں اس کو ڈانٹ دوں مگر مجھے خود پہلے کھانے کی عادت ڈالنا ہوگی۔'' گوپال بولا۔
''تمہاری لڑکیوں کا رجحان کس طرف ہے میرا مطلب تعلیم کے معاملے میں۔'' اجالا نے پوچھا۔
''دونوں باپ پر ہیں ڈاکٹر بنا چاہتی ہیں۔'' پوجا نے جواب دیا۔
''میرا بڑا بیٹا راجیش وکالت کرنا چاہتا ہے باپ کی طرح اور چھوٹا انفارمیشن میں کچھ کرنا چاہتا ہے۔''
''بھابی بچے جو خوشی سے کریں گے وہی اچھا ہے ان پر اپنی مرضی ٹھونسنا مناسب نہیں۔'' ہردیال بولا۔
''ہاں تو میں نے اور تمہارے بھیا نے کب منع کیا ہے۔''
ماما اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔ ''اچھا بھئی مجھے نیند آرہی ہے۔''
''ہردیال تم بھی آرام کرو۔'' گوپال نے کہا۔
''ٹھیک ہے اور بھابی بھیا کو کھانا ضرور کھلا دینا ورنہ بھوکے سو جائیں گے۔'' ہردیال بولا۔
ان کے جانے کے بعد گوپال بولا۔ ''تم نے تو بدنام کر دیا۔''
اجالا زور سے ہنس پڑی بولی۔ ''باپو ہوتے تو ان سے شکایت کرتی آپ اپنے بارے میں لاپرواہ ہوتے جا رہے ہیں آپ اتنی بڑی کرسی پر بیٹھے ہیں آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اپنی غذا کا خیال رکھنا ضروری ہے میں جانتی ہوں آپ کو بہت بڑے بڑے فیصلے کرنا ہوتے ہیں آپ کے فیصلے پر لوگوں کے کروڑوں روپے لگے ہوتے ہیں پورے بھارت کی انڈسٹری آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ سینٹرل کے سیکریٹری ہیں، میں اس لئے آپ کو یاد دلاتی رہتی ہوں۔'' اجالا بولی۔
''تم میرا ایک بازو ہو، ہر عورت اپنے پتی کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہے اور اپنے قریب رکھنا چاہتی ہے، میں بھی تمہارا عادی ہو گیا ہوں تم قریب نہ ہو تو دماغ میں کچھ نہیں آتا۔'' گوپال بولا۔
''اچھا رات بہت ہوگئی ہے کچھ کھا لو۔''
ہردیال دونوں لڑکوں کو لے کر بمبئی چلا گیا۔ بنگلہ جو بھرا ہوا تھا۔ سب کے چلے جانے کے بعد سونا ہو گیا۔ سب سے آخر میں ماما گئے۔ ماما کے جانے کے تین دن کے بعد اچانک گوپال کی طبیعت خراب ہوگئی، دن کا وقت تھا دفتر سے اس کو اسپتال پہنچایا گیا اور اس کے پیٹ کی صفائی کر دی درد کچھ کم ہوا مگر ختم نہیں ہوا۔ علاج جاری رہا۔ مگر مکمل آرام نہ آیا۔ ہردیال کو پتہ چلا تو وہ دوڑا چلا آیا اس نے پوری رپورٹوں کو چیک کیا۔ دواؤں کو چیک کیا اور بولا۔
''علاج تو ٹھیک ہے پھر درد کیوں ختم نہیں ہوتا؟''
گوپال کی غذا بند ہوگئی اور کمزوری بڑھنے لگی۔
چند دن میں ہی وہ سالوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ اخبار میں اس کی بیماری کی خبریں چھپیں اور اس کی بیماری کو پراسرار بیماری کہا گیا۔ سالار نے بھی یہ خبر پڑھی اور وہ دلی آگیا۔ دلی آتے ہی وہ اسپتال چلا گیا اور گوپال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''اتنی جلدی ان کی یہ حالت؟''
سالار کے چہرے پر بڑی نورانی داڑھی تھی گوپال نے پہلی نظر میں اس کو نہیں پہچانا۔ سالار نے پوری کیفیت پوچھی تو وہ بولا۔
''بھابی ان کا علاج دواؤں سے نہیں ہے میں ان کے گلے میں ایک چیز ڈالتا ہوں انشاء اللہ فائدہ ہوگا اور کل میں کچھ اور کروں گا اس وقت نہیں ہو سکتا کسی نے بڑا سخت

حملہ کیا ہے۔"

سالار نے ایک تعویذ اپنے گلے سے اتار کر گوپال کے گلے میں ڈال دیا۔ اور بولا۔ "اس کو اتارنا نہیں میں کل کسی وقت پھر آؤں گا۔" اور وہ چلا گیا۔

اس تعویذ کے گلے میں آتے ہی گوپال کو کچھ سکون ملا اور اس نے کچھ سوپ وغیرہ پیا اور سو گیا۔

صبح تک وہ سکون سے سویا۔ ہردیال نے صبح خود معائنہ کیا اور بولا۔

"آج بہتر ہے آپ نے کون سی دوائیں رات کو لی تھیں۔"

اجالا بولی۔ "رات کو یہ سوپ پی کر جو سوئے تو پھر صبح ہی آنکھ کھولی ہے۔ دوا تو میں دے ہی نہیں سکی تھی۔"

"تعجب ہے آج ان کے جسم کی حالت وہ نہیں جو کل تھی پورا بدن پرسکون ہے۔"

گوپال بات کاٹ کر بولا۔ "اب پرسکون ہے اسی لئے تو بھوک لگ رہی ہے۔"

ہردیال نے کہا۔ "بھابھی ان کو نرم غذا دیں اور سوپ وغیرہ ضرور دیں۔"

"وہ آیا تھا سالار وہ کہاں گیا" گوپال نے پوچھا۔

اجالا بولی۔ "آنے والا ہے کہتا تھا صبح آؤں گا۔"

اجالا ناشتے کے لئے اشارہ کر چکی تھی ایک نرس ناشتے کی ٹرے لے کر آ گئی اور گوپال ناشتہ کرنے لگا ابھی ناشتہ جاری تھا کہ سالار آ گیا آتے ہی بولا۔

"اب آپ ٹھیک ہیں اس کو گھر تک پہنچا آیا ہوں۔"

ہردیال حیرت سے بولا۔ "کس کو گھر تک پہنچا آئے ہیں سالار بھائی۔"

"اپنے صاحب کی بیماری کو اور کس کو....."

سالار بولا۔

"ارے بھئی کچھ ایسی زبان میں بات کرو کہ میری سمجھ میں بھی آئے۔" گوپال بولا۔

"بات اتنی مشکل نہیں ہے سر! آپ بیمار نہیں تھے آپ پر حملہ کیا گیا تھا۔ یہ حملہ ایک سفلی کے گندے بیر نے کیا تھا اور آپ کو اس نے بیمار کر دیا تھا آپ پر کوئی دوا اثر نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ گندہ بیر آپ کے پیٹ میں موجود تھا۔ میں نے اخبار میں پڑھا کہ آپ اچانک بیمار ہوئے ہیں اور ایک اخبار نے آپ کی بیماری کو پراسرار بیماری کہا تو میں دوڑا دلی کی طرف۔ میرے پاس میرے مرشد کا دیا ہوا تعویذ ہر وقت ہوتا ہے فوری طور پر میری سمجھ میں یہی آیا کہ اگر یہ بیماری شیطان کی طرف سے ہے تو تعویذ کام کرے گا اور میں نے وہ آپ کے گلے میں ڈال دیا اور میں نظام الدین اولیا کے مزار پر چلا گیا اور آپ کی صحت کے لئے ان سے کہا اور رات بھر وہیں رہا ہوں۔ فجر کی نماز سے ذرا پہلے میں سو گیا تھا اور مجھے کہا گیا کہ جا شیطان بھاگ گیا اب نہیں آئے گا اور میں آپ کے پاس آ گیا اب آپ بتائیں کیسے ہیں؟" سالار نے پوری روداد سنادی۔

"حیرت انگیز ہے تمہارا یہ تعویذ، گلے میں آتے ہی مجھے لگا۔ جیسے میرے اوپر پڑا وزن اٹھا لیا گیا، اندر جو بے چینی اور گھبراہٹ تھی خود بخود ختم ہو گئی، پیٹ خالی خالی محسوس ہونے لگا اور بھوک بھی لگی میں نے سوپ پیا اور سکون سے سو گیا۔"

"سالار بھائی آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے ہم تو میڈیکل کے نقطہ نظر سے علاج کرتے رہتے۔" ہردیال بولا۔

سالار نے کہا۔ "ہم اور آپ ہندوستان کی سرزمین پر رہتے ہیں یہاں پر بڑے پراسرار علوم موجود ہیں۔ جن کے بارے میں سائنسی توجیہہ کچھ نہیں ہے سفلی ایک گندہ علم ہے اس کو گندے لوگ ہی کرتے ہیں۔

مگر میں حیران ہوں کہ آپ پر یہ حملہ کس نے اور کیوں کیا ہے؟ میں چونکہ بنیادی طور پر سی آئی ڈی والا ہوں اسی لئے اس کام کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتا۔" سالار نے کہا۔

"واقعی یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کام کس کا ہے؟" ہردیال بولا۔

"میں تمام آئے مہمانوں کی لسٹ چیک کرتا

چاہوں گا اس کے بعد مشکوک افراد کو الگ کروں گا اور پھر ہر ایک کے بارے میں پتہ کروں گا کہ آپ کی اس سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔

ہر ایک کے بارے میں پتہ کرنا ہوگا۔ میں اس کو ہر حالت میں پکڑوں گا اگر نہ پکڑا گیا تو وہ پھر وار کرے گا۔" سالار نے کہا۔

"بات تو تمہاری درست ہے۔" گوپال نے کہا۔

"آپ گھر جائیں ابھی تعویذ کو خود سے جدا نہ کریں جب ضرورت نہیں ہوگی میں لے لوں گا۔" سالار بولا۔

"سالار بھائی آپ کہاں جارہے ہیں؟" اجالا نے پوچھا۔

"بھابی میں اسی شیطان کی تلاش میں جارہا ہوں گھر پر آؤں گا شام تک، بہت ممکن ہے مہمانوں کی لسٹ پر کام نہ کرنا پڑے اور اس کا پتہ چل جائے۔" سالار نے جواب دیا۔

سالار کے جانے کے بعد گوپال نے کہا۔ "بہت وفادار آدمی ہے، میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا مگر یہ بنگلور سے بھاگا چلا آیا اگر نہ آتا تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔"

"اللہ والا آدمی نظر آتا ہے۔" ہردیال بولا۔

"پہلے یہ ایسا نہیں تھا، تھوڑے دنوں میں ہی اس کی کایا پلٹ ہوئی ہے مگر پکا مسلمان ہے نہ رشوت لیتا ہے نہ غیر قانونی کام کرتا ہے مجرم اس کے ہاتھ سے نہیں نکل سکتا، ایسا مضبوط کیس تیار کرتا ہے کہ بڑے سے بڑا وکیل مجرم کو بچا نہیں سکتا کچھ لوگ اور اس قسم کے اس ڈپارٹمنٹ میں آجائیں تو یہ ایک بہترین ڈپارٹمنٹ بن جائے۔" گوپال نے کہا۔

"اب تو آپ کا تعلق اس ڈپارٹمنٹ سے رہا ہی نہیں۔" ہردیال بولا۔

"ہاں اب میں سینٹرل کا آدمی ہوں وہ جو ذمہ داری دیں گے وہی کرنا ہوگا۔" گوپال نے کہا۔

شام کو سالار ایک آدمی کے ساتھ گھر آگیا۔ اس آدمی کا حلیہ بہت خراب تھا کپڑے پھٹے ہوئے تھے منہ سوجا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی کسی نے اچھی طرح پٹائی کی ہے۔ اس آدمی کو مین گیٹ پر بیٹھا کر سالار اندر آگیا۔ گوپال ڈرائنگ روم میں تھا، وہیں پر اجالا اور ہردیال بھی تھے۔ سالار نے آتے ہی کہا۔ "آپ کا مجرم پکڑ لیا ہے سر۔"

"کون سا مجرم؟" گوپال نے پوچھا۔

"ارے وہی سفلی کرنے والا گندہ بدمعاش۔" سالار بولا۔

"کہاں ہے وہ؟" ہردیال نے پوچھا۔ تو سالار بولا گیٹ پر بیٹھا ہے۔ "آپ لوگ آیئے دکھاتا ہوں۔"

سب اٹھ کھڑے ہوئے اور گیٹ پر آگئے وہ شخص گیٹ پر بیٹھا تھا گوپال کو دیکھا تو پیروں میں گر گیا اور بولا۔ "معاف کردو سرکار بڑی بھول ہوگئی مجھے پتہ ہوتا تو ہرگز نہ کرتا معاف کردو۔"

سالار نے ایک زور کا ہاتھ اس کی پیٹھ پر مارا اور بولا۔ "ابے یہ تو بتا، تو نے کس کے کہنے پر یہ کیا تھا۔"

"ایک پنڈت کے کہنے پر میں نے کیا تھا جی۔" وہ بولا۔

"اس پنڈت کا حلیہ بتا اس کو بھی پکڑ کر لے آتا ہوں؟" سالار بولا۔

"وہ دلی کے نہیں تھے وہ بنگلور سے آئے تھے اور واپس چلے گئے ہیں۔" وہ بولا۔

"اچھا اس کا حلیہ بتا۔" اب جو اس نے حلیہ بتایا تو وہ ہوبہو پنڈت رام مورتی جیسا تھا جو کہ اجالا کے ماما تھے۔ سب سن کر حیران رہ گئے۔ سالار بولا۔ "سر میں بنگلور میں ہوں آپ فکر نہ کریں اس شخص کا وہ حشر کروں گا کہ آئندہ بھی زندگی میں پھر نہیں کرے گا۔"

پھر اس شخص سے بولا۔ "کھڑا ہوجا تو نے سفلی کیا تھا اور تو کچھ نہیں کرسکا میں چیلنج کرتا ہوں، تجھے دن میں تارے نظر آئیں گے۔" اس شخص نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں زیادہ دیر کھڑا نہ ہوسکا اور دھپ سے۔ مین پر بیٹھ گیا۔

سالار نے کہا۔ ''سر! کم از کم تین مہینے کے لئے تو اس کو ضرور اندر کر دو۔''

وہ پھر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ''معاف کر دو سرکار اب ایسا کام نہیں کروں گا۔''

گوپال نے کہا۔ ''اس کو تھانے لے جاؤ اس کا پتہ وغیرہ نوٹ کرواؤ اور اس کو جانے دو اگر اس قسم کی کوئی واردات اور کبھی ہوگی تو یہی پکڑا جائے گا۔''

سالار نے کہا۔ ''کھڑا ہو جا تیرے نصیب اچھے ہیں کہ تجھے رحم دل آدمی ملے ہیں ورنہ تیرے جیسے آدمی کو تو سولی پر لٹکا دینا چاہئے۔ مگر یاد رکھنا اب کے اگر تو پکڑا گیا تو پھر تیرا حشر بہت برا کروں گا۔''

اور سالار اس کو لے کر تھانے چلا گیا۔

گوپال اور ہردیال کا چہرہ سنجیدہ تھا سب ہی خاموش تھے اندر آ کر اجالا بولی۔

''ماما کے دل میں تمہارے لئے ہمیشہ پھانس رہی ہے یہ حملہ وران کے کہنے پر ہی ہوا ہے مگر اب وہ اس گھر میں زندگی بھر نہیں آئیں گے اور نہ میں کبھی ان سے ملوں گی ان کو ذرا خیال نہیں آیا، کیسا زمانہ آ گیا ہے۔''

گوپال بولا۔ ''میں خود حیران ہوں میں نے ماما کی ہمیشہ عزت کی اور ان کے دل میں میرے لئے ایسا کینہ کہ میری جان تک لینے پر تیار ہو گئے ایسی مجھ سے کیا دشمنی تھی۔''

''ہاں بھیا حیرت کی بات ہے کتنی گھٹیا حرکت انہوں نے کی ہے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا۔'' ہردیال نے کہا۔

''یہ نفرت جو سینکڑوں سال سے ان کے سینے میں پرورش پا رہی ہے۔ کس کا کارنامہ ہے۔'' گوپال نے کہا۔

''اور پتہ نہیں اس نفرت کے ختم ہونے میں کتنا وقت اور لگے گا۔'' ہردیال بولا۔

اجالا نے کہا۔ میرے خیال میں یہ نفرت جانے والی نہیں ہے۔'

اس کے مقابلے میں ایک کردار یہ سالار کا بھی ہے اس شخص نے میری ہمیشہ بھلائی کی ہے پنڈت مکھ رام کے کیس سے لے کر آج تک یہ میری مدد کرتا آیا ہے حالانکہ میں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا وہ کہتا ہے آپ کے اصول اور ایمانداری کو میں پسند کرتا ہوں مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔''

''بھیا آپ کو ایسے لوگ اور ملیں گے اس لئے کہ آپ خود ایسے ہیں۔ آپ کے پاس غیبی امداد آتی رہے گی آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' ہردیال بولا۔

''نیکی کی طاقت بہت ہوتی ہے نیکی نظر نہیں آتی مگر محسوس تو ہوتی ہے نیک کام کرنے کے بعد انسان کو جو قلبی سکون ملتا ہے اس کا بدل کچھ نہیں ہوتا۔'' گوپال بولا۔

گوپال اور ہردیال اپنی ایمانداری اور فرض شناسی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کی اولادیں بھی ان کے نقش قدم پر گامزن تھیں ان کے سامنے جو لوگ تھے وہ مثالی تھے۔ گوپال اور ہردیال ہندوستان کے بگڑے معاشرے کے لئے نمونہ تھے ان کو برا کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود برے تھے۔ سالار ایک ایسا کردار تھا جو گوپال کے لئے بھی ایک رول ماڈل کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی بگڑے ڈپارٹمنٹ کا آدمی تھا اور اقلیت کے فرقے سے تعلق رکھتا تھا مگر اس کی فرض شناسی اور ایمانداری اس محکمے کی عزت بنائے ہوئی تھی اس کے بھی بہت دشمن تھے دوستی کی آڑ میں اس پر بہت وار ہوئے مگر سالار کا کچھ نہیں ہوا۔ وہ سینہ تان کر چلتا تھا اس کا اعتماد اور بھروسہ اللہ کی ذات پر تھا۔ وہ اس کا اظہار برملا کرتا تھا۔

دلی میں گوپال اس کا قدر دان تھا۔ بمبئی میں ہردیال اس کا سچا ہمدرد تھا۔ دنیا میں اور بھی اس قسم کے لوگ ضرور ہیں، سالار ان سب کا قدر دان تھا۔ بڑے سے بڑے معاملے پر کسی نہ کسی طرف سے اس کی مدد ہوتی تھی۔ وہ مدد کرنے والے سب اس کے دوست نہیں ہوتے تھے۔

ہر برائی کے ساتھ اچھائی لگی ہے۔ برائی کو اکیلا نہیں چھوڑا گیا۔ وہ اچھائی برائی کو ختم کرتی رہتی ہے۔ اگر

ایسا نہ ہو تو دنیا میں برائی ہی برائی ہو جائے۔ مگر ہزاروں سال سے برائی ہار رہی ہے۔

راجیش اور دنیش تعلیمی منزلیں طے کرتے رہے۔

ہر دیال کی لڑکیاں روشنی اور چاندنی بھی تعلیمی میدان میں آگے بڑھتی رہیں۔

سالار کے دو لڑکے تھے دونوں بنگلور میں زیر تعلیم تھے۔ بڑے کا نام نور احمد اور چھوٹے کا انوار احمد تھا دونوں باپ کے نقش قدم پر تھے اور جانتے تھے کہ ہم اقلیت کے ہیں ہماری قابلیت اور تعلیم ہی ہم کو کوئی مقام دلا سکتی ہے اس لئے ان کی محنت دیگر طلبا سے زیادہ ہونی چاہئے سالار نے بھی ان کو باور کرا دیا تھا کہ ''ہمارا مقام ہم کو خود بنانا ہے ہماری مدد کوئی نہیں کرے گا ہمارے ساتھ تعصب ہمیشہ سے رہا ہے اور آگے بھی رہے گا۔''

سالار کے لڑکے مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلے گئے۔ سالار کے پاس تو اتنا نہیں تھا کہ ان کو مزید پڑھنے کو امریکہ بھیج سکتا مگر لڑکوں نے اتنی محنت کی کہ وزارت تعلیم نے ان کو وظیفہ دیا اور وہ مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلے گئے۔ وہاں پر بھی انہوں نے کمپیوٹر مینوفیکچرنگ میں اعلیٰ ڈگری لی اور وہیں پر ایک فیکٹری میں ملازمت ان کو مل گئی۔ دونوں لڑکے نہایت سادہ مزاج کے تھے ان کو پڑھنے کا شوق تھا۔ زمانہ بدل رہا تھا نئی نئی ایجادات آ رہی تھیں کمپیوٹر نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا اس کے انجینئر کی بہت مانگ تھی۔ بنگلور اس ٹیکنالوجی کا ہندوستان میں گڑھ تھا۔ یہاں پر سرمایہ دار بڑی بڑی فیکٹریاں قائم کر رہے تھے نور احمد کو ایک فیکٹری کی آفر ہوئی اور وہ بنگلور آ گیا۔

انوار احمد امریکہ میں ہی تھا۔ نور احمد ایک بڑے عہدے پر آیا تھا۔ سالار کے ریٹائرمنٹ کے دن قریب آ رہے تھے دونوں لڑکے اپنے پیروں پر کھڑے تھے اور سالار احمد کی محنت اس کے کام آ رہی تھی۔

چاندنی کی لائن بھی الیکٹرونک تھی اور وہ بھی کمپیوٹر میں اور مینوفیکچرنگ میں انجینئرنگ کرنا چاہتی تھی۔ انوار اور اس کی ملاقات بوسٹن امریکہ میں ہوئی۔ دونوں کے خیالات ایک جیسے تھے۔ دونوں کے دل میں کچھ کرنے کی امنگ تھی اور دونوں شوق سے پڑھنے آئے تھے۔ انوار احمد اپنی فیکٹری میں نئے نئے تجربات کر رہا تھا اس کی پوزیشن بہت نمایاں تھیں۔ چاندنی اس سے بہت متاثر ہوئی۔

''آپ انڈیا میں کس شہر کے ہیں؟'' چاندنی نے پوچھا۔

''میرا تعلق بنگلور سے ہے میرے والد پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔'' انوار نے بتایا۔

''تعلق تو میرا بھی بنگلور سے ہے مگر میرے فادر ملازمت کے سلسلے میں بمبئی آ گئے ہیں۔ وہ بہت بڑے سرجن ہیں۔'' چاندنی نے بتایا۔

اور دونوں کی دوستی ہو گئی۔ دونوں روز ملاقاتیں کرنے لگے اور آخر یہ دوستی محبت میں بدل گئی مگر انوار احمد سالار کا بیٹا تھا اس کے سامنے باپ کا کردار ہمیشہ رہا تھا امریکہ میں بھی اس نے اپنے کردار میں ذرا سا جھول نہیں آنے دیا تھا۔

اسی طرح چاندنی بھی نیک باپ کی بیٹی تھی دونوں آزاد ماحول میں رہتے ہوئے بھی خود کو آزاد خیال نہیں کرتے تھے ان پر ان کی تربیت اور بڑوں کے کردار کی بندش تھی۔

انوار نے ایک دن چاندنی کو کہا۔ ''ہماری دوستی امریکہ تک رہے گی اس لئے کہ ہندوستانی معاشرہ اور مذہبی رکاوٹ ہمارے درمیان ہوگی۔ یہاں پر ہم آزاد ہیں مگر میں اپنی مرضی سے اور تم اپنی مرضی سے کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے کیونکہ آخر ہم دونوں کو واپس جانا ہے۔ میں نے اس پر بہت سوچا ہے مگر بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''تمہارے خدشات درست ہیں ہم دونوں ندی کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں ملتے۔ مگر محبت صرف پانے کا نام نہیں ہے محبت چاہے جانے کا نام بھی ہے۔ تم مجھے نہ ملو مگر تم کو چاہنے سے مجھے کون روک سکتا ہے۔ میں امریکہ میں رہوں یا ہندوستان میں میرے لئے کوئی فرق نہیں

پڑتا۔ میرے دل میں جو آئیڈیل کسی مرد کا تھا اس کی تم مکمل تصویر ہو، اب دوسری کوئی تصویر میرے دل میں نہیں آ سکتی۔ میں تم کو مجبور بھی نہیں کرتی کہ تم مجھے چاہو۔" چاندنی نے جواب دیا۔

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں مگر سب لوگ میری طرح نہیں ہیں تم پر بہت دباؤ آئے گا۔ ہندو معاشرہ اور تمہارے والدین تم کو مجبور کر سکتے ہیں میں اپنی پوزیشن جانتا ہوں۔ ہندوستان میں مسلمان دوسرے درجے کے باشندے ہیں ہندو ذہن مسلمانوں کو قبول نہیں کرتا۔ سینکڑوں سال کا بھائی چارہ پارٹیشن کے وقت ختم ہو گیا ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے الگ ملک کا مطالبہ کر دیا تھا اصولی طور پر اس کو ہندو قیادت نے قبول تو کر لیا مگر اس کا بدلہ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر کے لیا۔ پٹنہ اور ہندو ریاستوں میں مسلمانوں پر جو ستم ہوا اس کی تاریخ گواہ ہے۔ اس کے چشم دید گواہ زندہ ہیں ان حالات میں، میں اور تم ہندوستان میں ایک ہو سکیں یہ ناممکن ہے؟" انوار نے کہا۔

"ہم نے جو کہا وہ ایک حقیقت ہے میں جانتی ہوں۔" چاندنی نے جواب دیا۔

"میرا باپ ایک سرکاری آفیسر ہے اور کٹر مسلمان ہے اس نے زندگی بھر رشوت نہیں کھائی کوئی غلط کام نہیں کیا اس کے کردار کی لوگ قسمیں کھاتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ان کے اجلے کپڑوں پر ذرا سا بھی داغ لگے۔ میں اپنی محبت قربان کر سکتا ہوں اپنی خوشی قربان کر سکتا ہوں مگر اپنے باپ کی نیک نامی پر دھبہ نہیں لگا سکتا۔" انوار نے کہا۔

"میری اور تمہاری حالت میں ذرا فرق نہیں ہے۔" چاندنی نے کہا۔

"تم ڈاکٹر ہردیال کی لڑکی ہو، میں سالار احمد کا لڑکا ہوں ہم دونوں میں بنیادی فرق تو یہی ہے۔

ڈاکٹر ہردیال فراخ دل کے مالک ہوں ذات پات پر بھی یقین نہ کرتے ہوں مگر ہیں تو ہندو وہ کیا چاہیں گے کہ تم ایک مسلمان کا گھر آباد کرو؟" انوار نے کہا۔

"تو پھر ایک ہی راستہ ہمارے پاس رہ جاتا ہے کہ ہم انڈیا نہ جائیں اور امریکہ میں ہی اپنا گھر بنالیں۔ یہ ہے تو بہت مشکل کام مگر اس کے سوا مجھے تو راستہ نظر نہیں آتا۔" چاندنی بولی۔

"مگر یہ کتنی بڑی خود غرضی ہوگی ہماری ضرورت ہمارے ملک کو ہے جو ٹیکنالوجی ہم نے اتنی محنت کے بعد حاصل کی ہے اس کا فائدہ ہمارا ملک نہ اٹھائے ہم صرف ذاتی فائدے کی خاطر اپنے پیاروں سے منہ موڑ لیں کتنی آنکھیں ہماری طرف لگی ہیں کتنے لوگ ہماری راہ تک رہے ہیں۔ ہمارے متعلق ان کے کتنے پروگرام ہوں گے کتنے ارمان ہوں گے تم نے اس پر غور نہیں کیا۔" انوار بولا۔

"دیکھو انوار میرا باپ شودر ہے اس کا باپ بھی شودر تھا اور پہلے بھی ایسا ہی تھا۔ ہزاروں سال سے میرے پرکھوں نے بڑی ذات کے ہندو کے ظلم ستم برداشت کئے ہیں پھر ملک آزاد ہوا تو میرے دادا کو سانس لینے کی مہلت ملی انہوں نے اپنے بچوں کو پڑھایا اور معاشرے میں ایک مقام حاصل کیا۔ اور پھر میرے تایا نے برہمن لڑکی سے شادی کر کے دادا کو خوش کیا اور میرے باپ نے ٹھاکروں کی لڑکی سے شادی کر لی، تم سمجھ سکتے ہو ایسا کرنے سے انہوں نے بڑی ذات کے لوگوں کو ذلیل کیا، انہوں نے ایک طرح سے یہ انتقام بڑی ذات والوں سے لیا۔ وقت اتنا آگے چلا گیا ہے کہ اب مجھے کوئی میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتا، میں سرجن ہردیال کی بیٹی ہوں ذات برادری پیچھے رہ گئی ہے۔" چاندنی بولی۔

"شاید ایسا نہیں ہے برہمن اور ٹھاکر کے من میں آج تک کھٹک ہے تمہارے سامنے منہ پر وہ کچھ نہیں کہتا مگر آپس میں اب بھی تمہارے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ میرے والد کے ایک آفیسر تھے ان پر کسی مسی رسے والے نے حملہ کر دیا تھا مگر میرے ... نے اس کی کاٹ کردی اور اس سفلی کرنے والے کو ... اس سے بتایا کہ

اس پر اس کی بیوی کے ماموں نے حملہ کر دیا جو کہ دل میں ان سے صرف اس لئے نفرت کرتا تھا کہ وہ شودر تھے اب بتاؤ۔'' انوار بولا۔......

''تم کمشنر گوپال کی بات کر رہے ہو۔'' چاندنی نے پوچھا۔

''تم ان کو کس طرح جانتی ہو۔'' انوار نے پوچھا۔

''وہ میرے تایا ہیں، ان کے چھوٹے بھائی ہردیال کی میں لڑکی ہوں۔'' چاندنی بولی۔

''اور میں کمشنر گوپال کے خاص اسسٹنٹ سالار احمد کا لڑکا ہوں۔'' انوار بولا۔

''میں نے انکل سالار کا نام سنا ہے، تایا ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔'' چاندنی بولی۔

''واہ یہ بھی خوب رہی اتنے دنوں سے ہم ساتھ ہیں اور آج پتہ چلا کہ ہم پہلے سے ہی قریب ہیں مگر اس سے ہماری ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے مجھے اب انکل ہردیال اور گوپال کی عزت کی طرف بھی دیکھنا ہے تم کو بھی یہی کرنا پڑے گا۔'' انوار بولا۔

''سب کی طرف دیکھنا ضروری تو ہے مگر ہماری طرف کون دیکھے گا۔'' چاندنی بولی۔

''ہماری طرف ہمارے جذبے ہیں ہماری پاک محبت ہے اور اگر خدا کو منظور ہوا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر میں تمہارے اور اپنے بزرگوں کو کسی امتحان میں ڈالنا نہیں چاہوں گا۔'' انوار بولا۔

''گاڑی بہت بری طرح پھنس گئی ہے میں تم کو بتا رہی تھی کہ میں اور میرے بڑے کسی مندر نہیں گئے۔ کسی بت کی پوجا نہیں کرتے تھے ہندو دھرم کے بارے میں کچھ نہیں جانتی بھی جاننے کی کو . ی نہ ک ں کی وجہ یہ تھی کہ ہندو دھرم نے سیر : ول کو سواے ہ اور غلامی کے دیا گیا۔

میرا دادا سخت خلاف تھا ے کیونکہ اس نے اپنی آنکھ سے ہندوؤں کے ظلم دیکھے تھے۔ اس کے بعد میرے تایا اور باپ کے خیالات ب کی طرح تھے، میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ ہم لوگ نام کے ہندو ہیں ہماری قدیم پوتھیوں میں کیا لکھا ہے مجھے نہیں پتہ، اب تم مجھے کچھ بھی کہو، اب تک میرا تعلق کسی مذہب سے نہیں ہے۔'' چاندنی بولی۔

''زندگی بڑی الجھی ڈور کے مانند ہوتی ہے اس میں انسان کو ان گنت اور پیچیدہ راستے نظر آتے ہیں انسان کو کسی ایک راستہ کو تلاش کرنا ہوتا ہے جو سچائی کا راستہ ہو، اگر آدمی راستہ بھول جائے تو پھر انسان بھٹک جاتا ہے وہ زندگی بھر راستہ تلاش کرتا ہے مگر نہیں ملتا۔

مذہب ایک راستہ دکھاتا ہے خدا کی طرف جانے کا دنیا کا ہر مذہب کہتا ہے کہ خدا ایک ہے صرف اس کی عبادت کرنی ہے مگر انسان کو بھٹکا دیا گیا ہے۔ وہ ہزاروں خداؤں کی پوجا کرتا ہے اور بھٹکتا رہتا ہے میں ایک مسلمان ہوں میرا باپ پکا اور کٹر مسلمان ہے۔ اس نے جو سبق بچپن میں پڑھا ہے وہ مجھے آج تک یاد ہے۔ تم کو دھرم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ مسلمان ہوں، مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اچھا انسان ہو جو اچھا انسان نہیں وہ مسلمان نہیں ہو سکتا، میرا باپ اچھا انسان ہے تو مسلمان ہے۔ میں اچھا انسان ہوں تو مسلمان ہوں۔''

''تمہاری بات تسلیم، انسان کتنا ہی خود سے بے نیاز ہو، اپنے بارے میں کچھ نہ خیال کرے اگر وہ انسان ہے تو زندگی کی ضروریات سے الگ نہیں ہو سکتا اس کے اندر کی طلب تو باقی رہتی ہے اور انسانی صفات تو موجود رہتی ہیں ان ہی میں حسن و دلکشی اور پسندیدگی شامل ہیں یہ تو قدرتی جذبے ہیں ان سے انسان الگ نہیں ہو سکتا۔'' چاندنی بولی۔

''میں نے اس سے کب انکار کیا ہے میں تم کو پسند کرتا ہوں اس کا اظہار میں ر ملا ' نے کو تیار ہوں۔ مگر ایک انسان ہونے کے ناطے کوئی ایسی حرکت ایسی بھی نہیں کروں جس سے تمہاری یا میری ۔ و وقار میں فرق ے تمہارے خاندان یا میرے خا ا ف آئے۔

مجھے تمہاری عزت عزیز ہے اپنی عزت کی طرح یہی انسانیت ہے یہی مسلمانیت ہے۔'' انوار بولا۔

انوار کے خیالات اور چاندنی کے خیالات ایک جیسے ہی تھے۔ صرف مذہب کے بابت چاندنی کمزور تھی وہ کسی مذہب کے قریب نہیں تھی۔ مگر انوار احمد پکا مسلمان تھا وہ ہر جمعہ کو نماز پڑھنے بھی جایا کرتا تھا سالار احمد نے جو تربیت کی تھی اس کے اثرات امریکہ میں بھی تھے، وقت کے ساتھ ساتھ چاندنی کی محبت بڑھتی جا رہی تھی انوار احمد نے یہ محسوس کر لیا تھا۔

انوار نے ایک دن چاندنی سے کہا۔'' دیکھو چاندنی تصوراتی اور حقیقی زندگی میں بڑا فرق ہے انسان کو سارے فیصلے خود کرنا ہوتے ہیں۔ دوسروں پر صرف اس وقت خود کو چھوڑا جاتا ہے جب وہ فیصلے کرنے کی عمر کے نہیں ہوتے۔ بزرگ کہتے ہیں طلب صادق ہو تو تکمیل کے مراحل تک پہنچتی ہے۔ میں تمہاری طلب کو شک کی نظر سے نہیں دیکھتا مگر دوسری طرف عقل کی ترازو پر رکھتا ہوں تو فیصلہ میرے خلاف ہوتا ہے تم نے بھی اس پر غور کیا ہے۔''

''ہاں بہت غور کیا ہے بہت سوچا ہے اپنے دھرم کے بارے میں بھی اور تمہارے بارے میں بھی، میں نے دونوں کو ترازو کے دو پلڑوں میں رکھ کر وزن کیا ہے تمہارا وزن ہمیشہ زیادہ رہا ہے، میرے خیال میں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں نے اپنے دھرم کے بارے میں کچھ جاننا ہی نہیں چاہا میرے بزرگ اس مذہب سے ستائے ہوئے لوگ تھے، ہمارے بزرگوں پر جو ظلم ہوئے وہ مذہب کے نام پر ہی ہوئے تھے پھر ہم اس کی طرف کیوں جاتے۔

دوسری یہ کہ میں نے تمہارے بارے میں مذہب سے زیادہ سوچا ہے تمہارے کردار اور اصول میرے لئے نئے ضرور ہیں مگر ان میں کسی کی دل شکنی کی بات نہیں ہے ہر آدمی آزاد ہے ہر عورت آزاد ہے ایک مقام پر ہر مسلمان عبادت کر لیتا ہے کسی کو کسی پر اعتراض نہیں ہوتا۔ میں زیادہ نہیں جانتی مگر جاننا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرو گے؟'' چاندنی نے پوچھا۔

''میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ انسان کو کسی مقام پر اپنی طلب سے نفرت نہیں ہوتی۔ علم و آگہی تو بہت بڑی چیز ہے ہم جس قدر جانتے جاتے ہیں ہمیں اسی قدر اپنی جہالت کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ مذہب کے بارے میں میری معلومات زیادہ نہیں ہیں بنیادی باتیں جانتا ہوں۔ مگر یہ کوئی برائی نہیں ہے اس کا انتظام ہو سکتا ہے اسلامی سینٹر یہاں پر ہیں مگر میرا ایک مشورہ ہے کہو تو بتاؤں۔'' انوار نے کہا۔

چاندنی نے کہا۔'' تم ہی مشورہ دے سکتے ہو میرا اور کون ہے یہاں پر۔''

''تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو عمر کے لحاظ سے بھی بالغ ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ جو ذہین ہوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں وہ غلطیاں نہ کرتے ہوں۔ اپنے فیصلے پر پھر غور کرو اور اگر نہ سمجھ میں آئے تو ایک چکر بمبئی کا لگا کر آ جاؤ، ڈاکٹر صاحب اور گوپال صاحب بہت سمجھدار اور دور تک دیکھنے والے لوگ ہیں۔ صرف میری خاطر کوئی ایسا فیصلہ نہ کرو جو تم کو شرمندہ کر دے۔ دوسری بات یہ کہ اسلام میں سختی نہیں ہے اگر کسی کو اسلام کی تعلیمات متاثر کرتی ہیں اور وہ دوسرے مذہبوں سے اس کو افضل سمجھتا ہے تو بھی اس کو اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ کسی لالچ یا فائدے کے لئے اسلام قبول نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کی روح کو سمجھنا ضروری ہے۔'' انوار نے کہا۔

''تمہاری بات میں بہت وزن ہے میں نے جس طرف قدم بڑھایا ہے وہ کوئی غلط راہ نہیں ہے۔ میں بمبئی جاؤں گی ڈیڈی سے مشورہ کروں گی، تاؤ سے بھی بات کروں گی اس معاملے میں کسی سے ڈرنا کیسا اور چھپانا کیسا تم نے ٹھیک مشورہ دیا ہے۔''

اور چاندنی بمبئی روانہ ہوگئی اچانک بغیر اطلاع کے اس کو دیکھ کر سب حیران ہو گئے۔

ہردیال نے کہا۔'' تمہارا اچانک آنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔''

''ڈیڈی آپ کی یاد آئی اور میں چلی آئی تعلیم تو میری ختم ہو چکی تھی صرف تجربے کی خاطر رکی تھی آپ حیران کیوں ہیں؟''

ہردیال مسکرائے اور بولے۔ ''بیٹا میں نے تم سے زیادہ وقت دنیا میں گزارہ ہے۔ زیادہ تجربہ لیا ہے آدمی کتنا بھی ایماندار ہو مگر پورا ایماندار نہیں ہوتا۔ انسان کی ٹریجڈی ہے تم بتاؤ گی کہ تم اچانک کیوں آئی ہو مگر اس وقت معاملہ فہمی کی بات کر رہی ہو۔''

''چاندنی گردن جھکائے کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ ''انوار نے ٹھیک کہا تھا، آپ بہت دور تک دیکھتے ہیں۔ انوار کے نام پر ہردیال کی آنکھوں میں تجسس کے سائے لہرائے وہ بولا۔ ''یہ انوار کون ہے؟''

''یہ مجھ سے سینئر ہے ہم دونوں کی لائن ایک ہی ہے اس نے کمپیوٹر کی صنعت میں بڑے کامیاب تجربے کئے ہیں اور میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا بھی ہے یہ بنگلور کا رہنے والا ہے اور تاؤ کے خاص آدمی سالار احمد کا لڑکا ہے آپ تو جانتے ہیں مجھے پتہ نہیں تھا اچانک ایک دن باتوں باتوں میں مجھے پتہ چلا تھا بہت مضبوط کردار کا لڑکا ہے۔'' چاندنی نے بتایا۔

''اس کا باپ بھی ایسا ہی ہے تم اس سے متاثر ہو شاید۔'' ہردیال نے پوچھا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گی، وہ اس قابل ہے کہ اس سے متاثر ہوا جائے۔'' چاندنی بولی۔

''تم جانتی ہو کہ خیال کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ قربت کے باوجود فاصلے رکھے جائیں۔'' ہردیال بولا۔

''ہاں ڈیڈی مجھے پتہ ہے میں آپ کی بیٹی ہوں آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔'' چاندنی بولی۔

''تم نے ان دشواریوں پر غور نہیں کیا جو موجود ہیں۔'' ہردیال بولا۔

''خوب غور کیا ہے اسی کارن میں آئی ہوں میری سمجھ کی حد یہاں تک تھی، میں نے غور کیا مگر میں نہ سمجھ سکی اور آپ سے مشورہ کرنے چلی آئی۔'' چاندنی بولی۔

''سالار کا بیٹا ضرور مثالی ہوگا مگر تم اور وہ چاہنے کی حد تک رہ سکتے ہو اس کے آگے راستہ بند ہے۔ ساری گڑبڑ دھرم کی ہے۔ مسلمان کیسا بھی ہو دھرم کا پکا ہوتا ہے۔'' ہردیال نے کہا۔

''معاف کرنا ڈیڈی میں آپ سے پوچھتی ہوں آپ کس دھرم کو مانتے ہیں۔'' چاندنی بولی۔

''تم نے بڑا نازک سوال کر دیا۔ میرے باپ کو کسی مندر میں جانے کی اجازت نہ تھی اور دادا کو بھی نہیں تھی ہمارے ساتھ جو سلوک ہندوستان میں ہوتا آیا تھا وہ بدترین تھا۔ ہماری نہ کوئی خوشی تھی نہ ہم کسی کی خوشی میں شریک تھے، ہم غلام تھے ہم تو مندر کے اشلوک تک نہیں سن سکتے تھے اس کنوئیں سے پانی نہیں بھر سکتے تھے جو بڑی ذات کے لئے تھا، ہم کیا اور ہمارا دھرم کیا۔ دیش آزاد ہوا تو ہماری قسمت پلٹی اور کچھ عزت لوگوں کی نظر میں بن گئی، نام سے ہندو تو ہیں مگر دھرم کا پتہ نہیں یہ ہے کیا؟ برہمن نے ہم کو دھرم کی کتابوں سے دور رکھا کتنے وید ہیں۔ بھگوت گیتا میں کیا لکھا ہے؟ مہا بھارت کیا کہتی ہے؟ پنڈت جو کہتا ہے سب مان لیتے ہیں۔ بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو نے بھی اپنی مذہبی کتابیں نہیں پڑھی ہیں۔ سب لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ پنڈت نے ان کتابوں میں جو لکھا ہے بتایا نہیں اپنے فائدے کی باتیں وہ بتاتا ہے۔ کسی ہندو سے پوچھو کوئی ایک بھگوان نہیں بتائے گا، کوئی تین بتائے گا کوئی تین سو اور کوئی ہزاروں میں بتائے گا۔'' ہردیال نے کہا۔

اور گھروں میں جو مورتیاں الگ الگ رکھی ہیں وہ کیا ہیں۔'' چاندنی نے پوچھا۔

''میرے نزدیک تو ایشور کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک ہے اس کو کسی بھی نام سے پکارو فرق نہیں پڑتا پوجنا ہے تو صرف اس کو پوجو۔'' ہردیال بولا۔

''اس سلسلے میں مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اللہ کی

ذات میں کسی کو شریک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ شرک اللہ معاف نہیں کرتا، انوار نے مجھے ایک روز یہ بتایا تھا۔"

"میری معلومات بھی زیادہ نہیں ہیں میں کیا بتاؤں۔" ہردیال نے کہا۔

"ڈیڈی میں اسلام کے بارے میں پڑھنا چاہتی ہوں سمجھنا چاہتی ہوں۔" چاندنی بولی۔

"میں منع نہیں کرتا، اس لئے کہ انسان کو ایک کنارہ تو پکڑنا ہوتا ہے، میں درمیان میں ہوں، تم کنارے پر پہنچو گی میں تم کو منع نہیں کروں گا۔"

چاندنی خوش ہوگئی۔ "ڈیڈی آپ گریٹ ہیں۔" خوش ہوکر بولی۔

"اب میں دلی جاؤں گی تاؤ سے بھی مشورہ کروں گی۔" چاندنی بولی۔

"میرا اور بھیا کا مشورہ ایک ہی ہوگا چاہو تو آزمالو۔" ہردیال بولا۔

چاندنی دلی روانہ ہوگئی گوپال اچانک اس کو سامنے دیکھ کر حیران ہوا اور خوش بھی ہوا بولا۔

"تم امریکہ سے کب آئیں؟"

چاندنی نے جواب دیا۔ "ابھی ایک ہفتہ ہوا ہے۔"

"تمہاری تعلیمی کیفیت کیا ہے؟" گوپال بولا۔

"تعلیم تو ختم ہوگئی میں کچھ تجربے کرنے اور پریکٹیکل کے لئے رکی تھی۔" چاندنی بولی۔

"تو اب نہیں جاؤ گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا۔" گوپال بولا۔

"میں آپ سے ایک مشورہ کرنے آئی تھی۔" چاندنی بولی۔

"تم انفارمیشن ٹیکنیکل لائن میں ہو اور میں قانونی آدمی تم کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔" گوپال بولا۔

"مشورہ پروفیشن کا نہیں ہے ذاتی نوعیت کا ہے۔"

"اچھا پوچھو کیا بات ہے؟" گوپال بولا۔

"پوچھنا یہ ہے کہ ہم لوگ ہندو ہیں اور یہ دھرم ذات پات کا دھرم ہے ہم خود کو کس جگہ رکھتے ہیں کوئی مقام ہمارے لئے ہے اس دھرم میں۔"

گوپال نے سوال سنا اور گردن جھکا کر بیٹھا رہا کچھ دیر کے بعد وہ بولا۔

"یہ سوال تم نے کیا ہے کسی اور کو یہ سوال کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی اس لئے کہ میری میز پر دو ترنگے لہراتے ہیں مگر تم کو جواب دینا بھی ضروری ہے تو سنو بیٹا! مزہب کوئی ہو انسانوں سے محبت کا درس دیتا ہے مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ محبت کا سلوک کبھی نہیں ہوا، ہمارے سینوں میں بڑی ذات کے ہندو کے خلاف ہمیشہ نفرت رہی مگر ہمارے بزرگ کچھ نہ کر سکے اس لئے کہ دھرم کے ٹھیکیداروں نے ہمارے ہاتھ پیر اس طرح باندھ دیئے تھے کہ ہم صرف غلامی کر سکتے تھے اور یہی سینکڑوں سال سے ہورہا تھا۔ مگر دیش آزاد ہوا کچھ ہمارے ہمدردوں نے ہمارے لئے راستہ بنایا اور اس پر چل کر ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ مگر قوانین کی موجودگی میں بڑی ذات کے لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں منہ پر پرنام کرتے ہیں اور بعد میں گالیاں دیتے ہیں انسان کا ذہن ابھی نہیں بدلا اس کے بدلنے میں نہ جانے کتنا وقت اور لگے گا۔" گوپال نے کہا۔

"آپ کے ایک دوست اور اسسٹنٹ سالار انکل ہوا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟" چاندنی بولی۔

"وہ دلی میں ہے، میرے پاس دن میں یا رات کو ضرور آتا ہے تم کو ان سے کام ہے۔"

"بہت ضروری کام ہے مگر ان کو ہی بتاؤں گی آپ بھی موجود ہوں گے۔" چاندنی بولی۔

رات کو سالار آگیا سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ راجیش بھی موجود تھا۔ گوپال کی بیوی اجالا بھی موجود تھی سالار ایک گھر کے فرد جیسا تھا۔

"تم ہردیال کی لڑکی چاندنی ہو۔" سالار نے پہچان کر کہا۔

"ہاں انکل! میں وہی ہوں امریکہ سے ایک ہفتہ پہلے ہی آئی ہوں۔ آپ کا بیٹا انوار بھی تو وہیں پر

ہے۔" چاندنی بولی۔
سالار نے پوچھا۔"اس کو جانتی ہو؟"
"ہم دونوں نے ساتھ پڑھا ہے، وہ مجھ سے سینئر تیں، میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔" چاندنی بولی۔
"اب تو نہیں جاؤ گی۔" سالار بولے۔
چاندنی نے جواب دیا۔" کچھ کہہ نہیں سکتی۔"
راجیش بولا۔"ارے اب کون جائے گا۔"
چاندنی نے مسکرا کر راجیش کی بات سنی اور بات آگے بڑھائی؟
"انکل آپ مذہب کے بارے میں کچھ بتائیں۔"
سالار بولا۔" تم کس مذہب کے بارے میں جاننا چاہتی ہو پہلے یہ بتاؤ۔"
"پہلے تو ہندو مذہب کے بارے میں بتائیں یہ کیا ہے؟"
"تم یہ سوال ایک مسلمان سے کر رہی ہو میں تم سب کو عزیز رکھتا ہوں کسی کی بھی دل شکنی ہو میں نہیں چاہوں گا اس لئے یہ سوال واپس لے لو کچھ اور پوچھ لو۔"
"انکل یہ ضروری ہے، میں ذہنی طور پر خلفشار میں مبتلا ہوں۔"
گوپال نے کہا۔" سالار تم جو کہنا چاہتے ہو کہو یہاں پر کوئی پورا ہندو نہیں ہے۔"
"سر بات یہ ہے کہ زبان پر ایک بات آتی ہے تو اس کو پورا کرنا پڑتا ہے بہت نازک سوال ہے اس کا جواب تلخ بھی ہو سکتا ہے۔" سالار نے کہا۔
"ہر دوا میٹھی نہیں ہوتی دوا کی تلخی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔" گوپال بولا۔
سالار نے کہنا شروع کیا۔"ہر دور میں اور ہر قوم میں ریفارمر آتے رہے ہیں۔ کسی نے کچھ نام دیا کسی نے کچھ مگر آپ ان کے پیغام پر غور کریں سب کا پیغام خدائے لاشریک کے بارے میں وہ بتاتے رہے۔ حضرت آدم سے چلیں اور آج کے دور میں آجائیں کسی نے بتوں کی پوجا کا نہیں کہا۔ بدھا (گوتم بدھ) نے بھی اپنے آخری پیغام میں یہی کہا کہ تم لوگ میرے بت بنا کر نہ پوجنا۔ ہندو دھرم کی ہر کتاب کو پڑھ لیں کسی میں بت پرستی کا نہیں کہا گیا ہے۔ پھر یہ بتوں کی پوجا کہاں سے شروع ہوگئی۔ اس کی کوئی تاریخ کسی کے پاس ہے؟ کس نے یہ شروعات کی؟ کس نے پہلا بت کس کا بنایا؟
پھر سوال ہوتا ہے ایشور کون ہے دیوی دیوتاؤں کی حیثیت کیا ہے؟ یہ خود سے طاقت ور ہیں یا ان کو کسی نے طاقت دی ہے، جس نے ان کو طاقت دی ہے وہ کون ہے پھر اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو طاقت دیتا ہے اس کو پس پشت ڈال کر ان کو کیوں پوجا جا رہا ہے۔
آگے بڑا اہم سوال ہے انسانوں کی چار طبقوں میں تقسیم کی ہے اور کس کے حکم پر ہوئی ہے اگر ایشور کے کہنے سے کی گئی ہے تو کیا اچھوت اس کی مخلوق نہیں ہیں۔ اور اگر کسی خاص طبقے کے انسان نے کی ہے تو پھر یہ انسان اتنا بااختیار ہے کہ اتنا بڑا کام کر سکے اور کیا وہ اتنا باکردار ہے کہ وہ یہ تقسیم کرے۔
دنیا بنانے والا انسان پر ایسا ظلم ہرگز نہیں کرے گا۔ میں اس کو خدا کہتا ہوں تم ایشور کہتے ہو، دنیا کی ہر مذہبی آسمانی کتاب میں صرف ایک خدا کا حوالہ ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت کا کہا گیا ہے، اسلام میں تو شرک بدترین گناہ ہے اس کی تو معافی ہی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ میں تم کو کیا بتاؤں۔" سالار نے بات ختم کی۔
"انکل اس کا مطلب ہوا کہ چار طبقوں کی تقسیم ہی غلط ہوئی تھی۔" چاندنی بولی۔
"میں کسی کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا یا اس کو برا کہنے کا قائل نہیں ہوں اس لئے کہ جواب میں مجھے بھی کچھ سننا پڑے گا تم نے پوچھا تھا اور یہاں پر سب اپنے تھے اس لئے میں نے تم کو بتایا ہے اگر کسی کی دل شکنی ہوئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔" سالار بولا۔
گوپال نے جواب دیا۔"تمہاری باتیں میرے لئے نئی نہیں ہیں کیونکہ میرے بزرگوں کے ذہنوں میں یہ سوالات تھے اور ان کے علاوہ ہزاروں لوگوں کے ذہنوں

میں برہمنوں کی ناانصافیاں تھیں اس لئے ہندو سرکار نے ان قوانین پر پابندی لگائی اگر پہلے والا قانون جو ہزاروں سال سے تھا اگر ٹھیک تھا تو پھر اتنی آسانی سے ختم کس طرح ہوا، کسی نے نئے قانون کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی اس کی وجہ یہ تھی کہ سب جانتے تھے کہ جو ہو رہا ہے غلط ہے کچھ لوگ اکثریت پر ظلم کر رہے ہیں اس کو ختم ہونا چاہئے دھرم سے ہماری دوری کی وجہ بھی یہی ہے کہ دھرم کو تو چند لوگوں نے مندروں میں قید کر کے رکھا تھا، اپنے مطلب کی باتیں سامنے لاتے تھے۔

راجیش بھی بولا۔ ''ڈیڈی ہم تو نام کے ہندو ہیں، مندر ہم جاتے نہیں، ہندو دھرم کے بارے میں جانتے نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی دھرم ہی نہیں۔''

اجالا گوپال کی بیوی نے بیٹے کو کہا۔ ''تم پڑھ لکھ کر ناستک ہو گئے ہو اور دھرم کو بھولتے جا رہے ہو میں نے تم کو جو تعلیم بچپن میں دی تھی اس کو بھول گئے ہو۔''

''ممی بہت سی باتیں تو میری سمجھ میں اب تک نہیں آئی ہیں۔ جس مذہب میں اتنی بہت ذاتیں ہوں اور اتنے بہت دیویاں اور دیوتا ہوں تو بتائیں کس کی طرف آدمی جائے۔ کس کو مانے کس کو نہ مانے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

گوپال بولا۔ ''اچھا تم ایک نئی بحث شروع کر دو تمہاری ممی برہمن ہیں تم ان کو قائل نہیں کر سکو گے۔''

پھر گوپال حیران ہو کر بولا۔ ''سالار تم نے تو ہم سے بھی کہیں زیادہ ہندو مذہب کو پڑھا ہے۔''

''سر بات یہ ہے کہ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ شوق ہوتا ہے مجھے تاریخ پڑھنے کا شوق رہا ہے میں نے ہر مذہب کے بارے میں پڑھا ہے جب بھی وقت ملا جو کتب میرے ہاتھ آئیں میں پڑھتا رہا۔'' سالار بولا۔

''واقعی انکل آپ کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔'' چاندنی بولی۔

''بات ادھوری رہ گئی ہے پوری بات سن لیں۔'' سالار نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

دھرم کے ویدوں کا ذکر آئے گا تو ہندو دھرم میں چار وید ہیں یہ سب مختلف منتروں کا مجموعہ ہیں ہندوؤں کی مستند ترین لغت کی کتاب جس کا نام نرکت ہے اس میں لکھا ہے کہ جس مقصد کو جس دیوتا کے ذریعہ رشی نے پورا ہوتا ہوا جان کر تعریف کی ہے وہی دیوتا کا منتر ہے اس طرح گوناگوں مقاصد سے رشیوں نے منتر لکھ ڈالے ہیں۔

جیسے پہلی کتاب کا نام رگ وید ہے اس کے دس ہزار منتر ہیں اور دس منڈیوں میں تقسیم ہے۔ سارا وید نظم میں ہے اس میں خداؤں کی تعریف اور بزرگوں کے گیت ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کو مخاطب کر کے ان سے دعائیں کی گئی ہیں۔ رگ وید کو سب ویدوں سے پرانا وید خیال کیا جاتا ہے۔ اگر ویدوں کی کہانی شروع ہو گئی تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔'' سالار نے کہا۔

گوپال نے کہا۔ ''میں نے چار ویدوں کے بارے میں تھوڑا بہت پڑھا ہے تمہاری بھابی کو سب کے نام پتہ ہیں۔''

''دوسرا وید، یجروید، سام وید، اتھروید۔ یہ ہیں چار وید۔'' اجالا بولی۔

''بھابی آپ کی معلومات زیادہ ہیں۔'' سالار بولا۔

''گوپال کے گھر آ کر میں بھی پوجا پاٹ سے دور ہو گئی ہوں۔'' اجالا بولی۔

''انکل مجھے ان ویدوں یا کسی اور کتاب میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، مجھے اسلام ایک سیدھا اور سچا مذہب لگا ہے اس میں ذات پات چھوت چھات، چھوٹے بڑے کے بھید بھاؤ نہیں ہیں، آپ کچھ بتائیں۔''

''کتنے حیرت کی بات ہے ایک ہندو گھرانے میں بیٹھا ہوں اور تم میرے مذہب کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ میں اس سے اس گھرانے کی فراخ دلی اور وسعت نظری کا اندازہ کر سکتا ہوں۔'' سالار بولا۔

اس کے علاوہ اس خاندان کا پس منظر بھی ہے اگر

"صبح تو اب ہوئی ہے میرے لڑکوں کے خیالات مجھ سے الگ نہیں راجیش تو اسلامی کتابیں پڑھتا رہا ہے۔ یا اللہ مجھے میرے ارادوں میں کامیابی دے۔" گوپال نے کہا۔

چاندنی بولی۔ "انشاء اللہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے کیونکہ آپ کے ارادے نیک ہیں۔"

وقت کتنی تیزی سے گزر گیا اندازہ نہ ہو سکا۔ چاندنی کے ہاں پہلی خوشی ہوئی اور سالار احمد بنگلور سے بھاگے چلے آئے۔

"مبارک ہو سالار احمد تم دادا بن گئے۔" گوپال نے کہا۔

"آپ کو بھی مبارک ہو آپ نانا بن گئے۔" سالار احمد ہنس کر بولے۔

"اب روشنی کے بارے میں سوچنا ہے اس کی تعلیم بھی ختم ہوگئی ہے کوئی مناسب لڑکا ملا تو اس کی بھی شادی کردوں۔" گوپال نے کہا۔

"سر لڑکا تو ہے اب آپ اور میں رشتہ دار بھی ہیں اور دکھ سکھ کے ساتھی بھی میرا لڑکا نور احمد بنگلور میں ایک فیکٹری میں انجینئر ہے آپ نے اس کو نہیں دیکھا اس نے پوری تعلیم انڈیا میں لی ہے مگر اس کے لئے سرجن صاحب کی رائے بھی ضروری ہے۔" سالار نے کہا۔

"درست کہا تم نے ہردیال آخر باپ ہے اور دوسری بے چیدگی بھی موجودگی ہے میری بیوی تو اتنی سمجھدار تھی کہ میرے رجحان کو دیکھ کر اس نے خود کو بھی چیک کیا اور اسلامی کتابیں پڑھنا شروع کردی نماز بھی سیکھ لی اور مسلمان ہوگئی میں نہیں کہہ سکتا کہ ہردیال کا کیا ماحول ہے اور روشنی کے خیالات بھی پتہ نہیں ہیں یہ کام چاندنی کرے گی۔ میں ہردیال سے بات کرتا ہوں میری طرف سے تو ہاں ہے نور احمد تمہارا بیٹا ہے تو ظاہر ہے اچھا ہی ہوگا۔" گوپال بولا۔

"یہ معاملات بہت سخت نظر آتے تھے الجھے نظر آتے تھے۔ مگر انسان نیکی کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو قدرت اس کے لئے آسانیاں پیدا کردیتی ہے۔"

ہردیال نے کہا۔ "میں آرہا ہوں۔ چاندنی نے بتایا روشنی تو نماز پڑھتی ہے پوری مسلمان ہے۔"

ایک ہفتہ کے بعد ہردیال اور اس کی بیوی آگئے اور آتے ہی اسلامی سینٹر جا کر دونوں باقاعدہ مسلمان ہوگئے پورا گھرانہ خوش تھا راجیش اور دنیش بھی آچکے تھے۔ روشنی پھیل رہی تھی آخر وہ کیوں نہ اس روشنی سے فائدہ اٹھاتے۔

"آج میری زندگی کا حسین دن ہے۔" گوپال نے کہا۔

"ہاں بھائی جان! ہردیال جو کہ اب یونس احمد تھا بولا۔ "آج کتنا اچھا دن ہے۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے دماغ کے تاریک گوشے بتدریج روشن ہو رہے ہیں۔ بھولا ہوا سبق یاد آرہا ہے، پردے ہٹ رہے ہیں، تاریکی دور ہو رہی ہے، روشنی ابھر رہی ہے، میرے ذہن کی موٹی دیوار میں شگاف ہو رہے ہیں اور ذہن کے اندھیرے گوشے روشنی میں نہا رہے ہیں سورج نکل رہا ہے اور میں اس کی روشنی میں ڈوبا ہوا ہوں، مجھے دور تک نظر آرہا ہے شاید میں اپنی ذہنی اور قلبی کیفیت کو پوری طرح بیان نہیں کرسکتا۔"

سالار احمد بولے۔ "آپ نے درست فرمایا۔ سیکڑوں سال کی گرد صاف ہوئی ہے، اندھیرا دور ہوا ہے، آپ کو ایسا ہی لگ رہا ہوگا۔ میرا یقین کامل ہے کہ خدا سے عظیم تر کوئی مالک اور سلطان نہیں وہی ہر شے کا خالق ہے وہی سب کا مالک ہے اسی سے سب کی ابتدا ہے اور رسائی تک سب کی انتہا، وہی سلطان السلاطین ہے سب کچھ اس کی منشاء اور مرضی سے ہوتا ہے آپ کے خاندان کو نیک راہ پر لایا گیا ہے صرف اس لئے کہ آپ دونوں بھائی اس لائق سمجھے گئے، آپ نے اچھا انسان بن کر دکھایا، مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو اچھا انسان ہو۔ آپ دونوں کا رتبہ میرے نزدیک بہت بلند ہے، میں آپ دونوں کو سلام کرتا ہوں۔"

سالار احمد نے کہا۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملانے لگے تھے۔ گوپال نے فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر سالار احمد کو گلے لگالیا۔ ہردیال نے بھی سالار کو گلے لگایا۔ پورا گھرانہ خوشیوں سے جھوم رہا تھا۔

صوفے پر بیٹھنے کے بعد ہردیال بولا۔ ''میں نے بہت غور کیا ہے اور یہ بات حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں اسلام ہی پکا سچا اور تمام اونچ نیچ سے مبرا مذہب ہے۔ عبادت میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا، کسی بھی بڑے کے لئے کوئی مخصوص جگہ نہیں ہوتی ہر آدمی اپنے عمل کے لحاظ سے بڑا چھوٹا ہے، عبادت کے لئے جس کو جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتا ہے۔ سب مل کر صرف ایک ہستی کو سجدہ کرتے ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ۔

☆☆☆

اسلام سے زیادہ منظم اور مستحکم کوئی اور مذہب نہیں، اس مذہب کے سارے اصول اپنی جگہ اٹل ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں۔

میں نے یہ بھی تجزیہ کیا ہے کہ اس میں کسی فرد کی شخصیت امیری کے لحاظ سے بڑی نہیں، کوئی بھی دولت اور شہرت کے بل بوتے پر اپنی بڑائی نہیں کر سکتا۔ دنیا کا یہ واحد مذہب ہے جس میں صرف اور صرف فعل کے لحاظ سے بڑائی ہوتی ہے۔

مساجد میں کسی امیر اور دولت مند آدمی کے لئے کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہوتی۔ وقت کے حساب سے جو پہلے آتا ہے وہ آگے بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کے بعد جیسے جیسے لوگ آتے جاتے ہیں اور جہاں بھی جگہ ملتی ہے وہیں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں مگر اور مذاہب میں یہ بات نہیں، بڑوں کے لئے خاص جگہ ہوتی ہے، جیسے مندر میں بڑوں کو خاص طور پر سب سے آگے جگہ دی جاتی ہے۔

میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ خدا ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ قلب کو دیکھتا ہے، ظاہری رکھ رکھاؤ خدا کو بالکل بھی پسند نہیں۔ اسلام میں خاص طور سے تاکید کی گئی ہے کہ ضرورت مندوں کے کام آؤ، پڑوسی پر پڑوسی کا بہت زیادہ حق ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی امیر آدمی کا پڑوسی پریشانی اور دکھ میں ہے تو اس پڑوسی پر فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کے کام آئے، اگر کسی کا پڑوسی بھوکا سو گیا تو امیر پڑوسی کا کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور پھر سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اگر کسی کی مدد کرو تو شور شرابہ اور دکھاوا کر کے نہ کرو بلکہ اس طرح کرو کہ ایک ہاتھ سے کرو تو دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔

مرنے کے بعد ہر آدمی اپنے فعل کے حساب سے انعام کا حقدار ہوگا۔ یعنی جس کا جیسا فعل ہوگا اسی کے حساب سے اسے اجر ملے گا۔

اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان کے لئے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، اگر کوئی اچھے من سے توبہ کر لیتا ہے، اپنی کوتاہیوں کو چھوڑ دیتا ہے، غلط کاموں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور احکام خدا پر چلنے لگتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور پھر ایسا شخص یعنی توبہ کرنے والا شخص خدا کی نظر میں نیک بن جاتا ہے۔

میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اس شخص کی توبہ جلدی قبول ہوتی ہے جو طاقتور و توانا ہو اپنے قول و فعل پر عبور رکھتا ہو، اپنے عمل کو آگے بڑھا سکتا ہو، اس صورت میں خدا اسے موقع دیتا ہے کہ چل توبہ کے بعد اب تو کیا کرتا ہے اور پھر جب ایسا شخص خدا کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے لگتا ہے تو خدا اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

خدا جو کہ بہت بڑا رحیم و کریم ہے، ہر شے پر قادر ہے، وہ جب چاہے کسی کو معاف کر سکتا ہے، اب آپ لوگ بتائیں کہ کیا اس سے اچھا کوئی اور مذہب ہو سکتا ہے۔'' ہردیال نے کہا۔

ہردیال کی باتیں سن کر سالار احمد نے کہا۔

''ہردیال تمہاری معلومات تو بہت وسیع ہیں۔ تم نے جتنی بھی باتیں کی ہیں بالکل حقیقت ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام بہت ہی اچھا دین ہے، اس مذہب میں بہت آسانیاں ہیں، بہت وسعت ہے، توبہ کا دروازہ ہر وقت

کھلا رہتا ہے۔ خدا انسان کو بار بار موقع دیتا ہے کہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے اور توبہ کے بعد تمام غلط کاموں سے کنارہ کشی حاصل کرے۔

خدا ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ قادر مطلق ہے، ہر شے پر قادر ہے، وہ بہت ہی رحمٰن و رحیم ہے اسلام کے بنیادی پانچ ارکان ہیں اور ان پانچوں ارکان پر صدق دل سے یقین کرنا ضروری ہے اور انہی پانچ ارکان پر یقین رکھنے والا سچا مسلمان ہوتا ہے۔''

''سالار احمد، وہ پانچ ارکان کیا ہیں بتاؤ تو۔''

گوپال جو خاموشی سے ساری باتیں سن رہا تھا بولا۔

''سر وہ پانچ ارکان ہیں۔ نمبر ایک کلمہ توحید پر یقین کرنا، نمبر دو نماز، نمبر تین روزہ، نمبر چار زکوٰۃ اور نمبر پانچ حج۔

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں۔ اگر کوئی پاگل ہے، دماغی توازن ٹھیک نہیں ایسی صورت میں اس پر نماز معاف ہے، مگر ذی شعور، عاقل و بالغ پر ہر صورت میں نماز فرض ہے، اور جو جان بوجھ کر نماز سے غافل ہے وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

کلمہ پر بھی اپنا ایمان کامل رکھنا چاہئے، یعنی اللہ ایک ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی طرح ہر بالغ پر روزہ فرض ہے۔ بغیر کسی عذر یعنی بیماری کے روزہ ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ جان بوجھ کر ایک صحت مند انسان اگر روزہ نہیں رکھتا تو ایک روزہ کے بدلے اس پر ساٹھ روزے جرمانے کے عائد ہوتے ہیں، زکوٰۃ بھی صاحب حیثیت پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال و متاع پر احکام خداوندی کے حساب سے زکوٰۃ نکال کر مستحق لوگوں کو دے اور پھر حج بھی صاحب حیثیت پر فرض ہے، یعنی حلال کمائی سے انسان حج کرے، کسی کا گلا دبا کر پیسہ جمع کر کے حج کرنا میری نظر میں ٹھیک نہیں، اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن کو دیکھتا ہے اس سے کوئی شے کوئی بھید اور کوئی ارادہ چھپا ہوا نہیں، بلکہ انسان کو ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اسے ''اللہ دیکھ رہا ہے۔''

''سالار احمد ہمارے حق میں تم دعا کرتے رہنا کہ ہم خدا کے احکام پر مضبوطی سے کار بند رہیں اور ہماری اولاد بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔'' گوپال نے کہا تو سالار احمد نے ''آمین'' کہا۔

اور کتاب روشنی کے سفیر اپنے اختتام کو پہنچی۔

رولوکا بولا۔ ''مصنف نے کتاب لکھنے میں کمال کر دیا ہے، تمام باتیں حقیقی ہیں۔ اس میں بیان کردہ ہر ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے، جو حقیقت ہے مصنف نے بہت ہی سیاق و سباق کے ساتھ پیش کیا ہے۔''

رولوکا کی بات سن کر حکیم وقار بولے۔ ''آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے، واقعی مصنف نے کمال کر دیا ہے۔ ہندو مذہب اور اسلام کی تمام حقیقی باتیں اس کتاب میں درج ہیں۔ کوئی باشعور آدمی بھی اس پر تنقید نہیں کر سکتا۔

''جناب'' مجھے تو یہ کتاب بہت اچھی لگی تمام باتیں پر اثر ہیں۔ اس طرح کئی اور بھی کتابیں آپ کی نظر میں ہوں تو مجھے سنائیے گا۔ رولوکا نے کہا۔

''چلئے میں کوشش کروں گا کہ کوئی اور اچھی کتاب پڑھ کر آپ کو سناؤں۔'' حکیم وقار نے کہا۔ حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا مسکرایا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

کئی دن سے رولوکا کسی مسئلے کے تحت حکیم وقار کے مطب میں حاضر نہیں تھا۔ حکیم وقار اپنے مطب میں بیٹھے تھے، صبح کا وقت تھا، حکیم وقار کا یہ روز کا معمول تھا کہ مریضوں کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے آ کر مطب میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ دواؤں کی فہرست کا مطالعہ کرتے یا پھر بڑے بڑے استادوں کے دواؤں کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھے کہ رولوکا ان کے کمرے میں داخل ہوا، رولوکا کو دیکھ کر حکیم وقار مسکرائے اور مصافحہ کے لئے اپنا دایاں ہاتھ آگے کو بڑھا دیا۔

رولوکا نے بھی مسکراتے ہوئے حکیم وقار سے

مصافحہ کیا اور کرسی کھینچ کر حکیم وقار کے سامنے بیٹھ گیا تو حکیم وقار بولے۔ ''اور سنایئے چند دن آپ زیادہ مصروف رہے یقیناً کسی الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھانے میں مصروف ہوں گے۔ میں نے کئی مرتبہ ملازم سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کا کمرہ بند پڑا ہے تو میں سمجھ گیا کہ آپ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔''

''جی! میں واقعی ایک بہت پیچیدہ مسئلے میں تھا، اسے سلجھانے میں کئی دن لگ گئے، آپ کو تو معلوم ہے کہ کبھی کبھار کسی ضدی اور ہٹ دھرم ماورائی مخلوق سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ ضد کرنے والے اپنی ضد پر اڑ جاتے ہیں اور کسی صورت صلح صفائی پر راضی نہیں ہوتے تو بحالت مجبوری ان کے ساتھ سختی کرنی پڑتی ہے۔ ان پر سختی کرنے کی میری اپنی مرضی قطعی نہیں ہوتی مگر مریض کی جان عزیز ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں انجام تک پہنچانا پڑتا ہے۔

حکیم صاحب! کسی کی مدد کرکے مجھے بہت قلبی سکون محسوس ہوتا ہے اور اپنے اندر میں ایک انجانی خوشی پاتا ہوں اور اکثر مجھے اپنے استاد کی باتیں یاد آتی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ ''بیٹا! کسی کو دکھ تکلیف اور اذیت میں دیکھ کر اس کی طرف سے آنکھیں نہیں پھیرنا، بلکہ اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنا اور یہ احساس کرنا کہ اگر اس وقت تم خود اس پریشانی سے دوچار ہوتو کیا محسوس کرتے۔

یہ اوپر والے مالک کی کرم نوازی اور مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں ایسی طاقت سے نوازا ہے اگر وہ نہیں چاہتا تو تم اتنی صلاحیت کے مالک کبھی بھی نہ بنتے۔ دوسروں کے کام آنا بھی اصل میں انسانیت ہے۔ خود غرضی کی زندگی تو جانور بھی نہیں گزارتے۔ جنگل میں جانور بھی مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔ جب ایک درندہ شکار کرتا ہے تو سارے مل جل کر کھاتے ہیں۔ انسان کو جانوروں سے سبق سیکھنا چاہئے۔ تم کبھی بھی کسی کی مدد کرتے وقت یا مدد کرنے سے پہلے خود پر بار محسوس نہیں کرنا۔ جو سچے دل سے کسی مصیبت زدہ کی مدد کرتا ہے تو اوپر والا، مددگار کی مدد کرتا ہے اور جب کسی کی مصیبت اور پریشانی دور ہوجاتی ہے تو اس کے دل سے حقیقی دعا ہی نکلتی ہے۔ اور جو دعا دل سے نکلے وہی انسان کے کام آتی ہے۔''

حکیم صاحب انہی باتوں کو میں اکثر اپنے دماغ میں رکھتا ہوں۔ میری نظر میں استاد کا رتبہ باپ سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ باپ اولاد کو دنیا میں لانے کا ذریعہ ہوتا ہے اور استاد شاگرد کو دین و دنیا دونوں سے روشناس کراتا ہے، علم دیتا ہے، سبق دیتا ہے، ظاہر و باطنی باتیں بتاتا ہے، زندگی میں کامیابی اور مرنے کے بعد بھی کامیابی کے لئے راستے بتاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرے دل میں اپنے استاد کے لئے بہت عزت ہے اور مرتے دم تک میں استاد کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتا رہوں گا۔'' رولو کا نے کہا۔

حکیم وقار بولے۔ ''میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں اکثر نماز میں آپ کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ بہت دے تاکہ آپ ضرورت مندوں اور پریشان حال لوگوں کی مدد کرکے انہیں مصیبت و پریشانی سے نجات دلائیں۔

میری نظر میں یہی انسانیت اور عبادت ہے کہ دوسروں کے کام آنا۔ جب کسی کی مدد اور کوشش سے کسی کی پریشانی دور ہوجاتی ہے تو اس کے دل سے دعا نکلتی ہے۔''

''ارے ہاں! مجھے یاد آیا۔ کل ایک صاحب آئے تھے، بے چارے بہت زیادہ پریشان تھے، باتیں کرتے کرتے ان کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔ دیکھنے میں بہت زیادہ سرخ و سپید اور لحیم شحیم تھے مگر میں نے اندازہ لگایا کہ اندرونی طور پر وہ بہت زیادہ کھوکھلے ہوچکے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اب تو صرف اور صرف مرنے کی خواہش ہے مگر ایشور، اس معاملے میں میری پرارتھنا نہیں سن رہا ہے۔ میں جس اذیت سے گزر رہا ہوں، شاید ہی ایسا کوئی اور ہو۔''

بقول ان کے اس وقت ان کی عمر اسی سال ہے لیکن دیکھنے میں وہ بہ مشکل ساٹھ کے لگتے ہیں۔

پہلے تو میں نے سمجھا کہ کوئی جسمانی بیماری ہے مگر انہوں نے بتایا کہ وہ ایک طویل عرصہ سے کسی ہوائی مخلوق کے چنگل میں پھنسے پڑے ہیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی اس ہوائی مخلوق سے جان چھوٹ کے نہیں دے رہی ہے، اور اب اس شے کا دائرہ کار دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر میری ذات تک اس شے کی اذیت محدود ہوتی تو میں سہتا رہتا، اس کی اذیت ایک طویل عرصہ سے برداشت کر رہا ہوں مگر اب اس کا نشانہ میرے پیارے دل کے ٹکڑے بن رہے ہیں۔"

آپ سے ملنے کا انہیں بہت اشتیاق تھا مگر آپ حاضر نہیں تھے۔ یہ ایک بہت خود نوشت کتاب دی ہے اور یہ ایک لفافہ بھی ہے، کتاب بلکہ ڈائری کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس میں ان کی داستان زندگی ہے اور لفافے میں دیگر باتیں۔ اب آپ اسے سنبھالیں، اسے پڑھ کر آپ کوئی بھی حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ان کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ ان کی پریشانی کے باعث میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جتنی بھی جلدی ہو سکے ان کی مدد کر دیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو دے گا۔" حکیم وقار نے کہا۔

رولوکا بولا۔ "حکیم صاحب! آپ فکر نہ کریں، میں اس ڈائری کو تفصیل سے پڑھنے کے بعد، ان کی مدد ضرور کروں گا، دکھی لوگوں کے کام آنا ہی انسانیت ہے۔ میری نظر میں مصیبت زدوں کے کام آنا سب سے بڑھ کر عبادت ہے۔ ڈائری پڑھتے ہی ان کی مدد کے لئے قدم اٹھاؤں گا۔"

"اور ہاں! یاد آیا، وہ کہہ رہے تھے کہ اس لفافے میں ان کے گھر اور گاؤں کا پتہ درج ہے۔" حکیم وقار نے کہا۔ اور پھر حکیم وقار نے گھنٹی بجائی تو ایک ملازم حاضر ہوا تو حکیم وقار بولے۔ "ارے بھئی، فوراً دو کپ چائے لے آؤ۔"

یہ سنتے ہی ملازم چلا گیا اور چند منٹ میں دو کپ چائے لے آیا۔ رولوکا اور حکیم وقار چائے پینے لگے اور پھر چائے کے دوران گپ شپ بھی کرتے رہے۔ چائے پیتے پیتے مریضوں کے دیکھنے کا وقت ہو گیا تو رولوکا اٹھا اور حکیم وقار سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حکیم وقار کے کمرے کے برابر میں رولوکا کا بھی ایک کمرہ تھا جس میں اکثر اوقات رولوکا مطب کے وقت تک بیٹھا کرتا تھا۔ رولوکا کمرے میں پہنچ کر کرسی پر بیٹھا اور سب سے پہلے لفافے کو کھولا۔ لفافے میں چند کاغذ الگ سے تھے۔ رولوکا نے بغور ان کاغذوں کو دیکھا اور پھر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"حکیم صاحب! میرا نام پرتاب سنگھ ہے۔ میرا تعلق ایک ٹھاکر خاندان سے ہے، پرکھوں کی جائیدادیں اتنی ہیں کہ کوئی معاشی فکر نہیں۔ میرے گاؤں کا نام شانتی نگر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میرا گاؤں واقعی شانتی کا گہوارہ ہے۔ میرے پرکھوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اپنے کھیتوں میں کام کرنے والوں کا ہر طرح کا خیال رکھا جائے، ان کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے تو کام کرنے والے دل سے کام کرتے ہیں اور اگر کوئی دل سے کام کرے تو کام پر اس کا اچھا اثر پڑتا ہے اور یہی کچھ سوچ کر میرے پرکھوں نے کامیابی کے اس اصول کو اپنایا تو ہمارے کھیت زیادہ سے زیادہ اناج دینے لگے۔

میں چھوٹا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا، اور پھر جوانی کی دہلیز پر پہنچ گیا۔ میری اپنی خواہش اور پتا کی خواہش کے پیش نظر مدرسہ، اسکول اور پھر کالج میں جانا شروع کیا۔ جوں جوں میں آگے بڑھتا رہا۔ بڑے بوڑھوں اور پرکھوں کے فرسودہ خیالات سے دور ہوتا رہا۔ قدیم خیالات کو یکسر دماغ سے نکال پھینکا اور جدید خیالات کا حامی ہوتا گیا۔

میں بڑوں کی باتیں سنتا ضرور تھا مگر اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ پوجا پاٹ اور دھرم سے بھی میں دور رہتا تھا۔ ماتا پتا اور گھر والے مندر جاتے مگر میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے مندر جانے سے بچ جاتا۔ پتا نے میرے خیالات کو اچھی طرح پڑھ لیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ

لڑکا جدید خیالات کا حامی ہو گیا ہے، لہٰذا وہ مذہبی رسم و رواج کی پابندی کے لئے مجھ پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالتے تھے، مگر مجھے مذہبی رسم و رواج کے معاملے میں سمجھاتے ضرور تھے، ان کا یہ بھی خیال تھا کہ وقت کے ساتھ اس کے مزاج میں ٹھہراؤ آتا جائے گا۔

میں نے ذہنی طور پر کبھی بھی مذہبی رسم و رواج سے بغاوت نہیں کی۔ میں یہ بھی اکثر سوچا کرتا کہ ان رسم و رواج میں کوئی نہ کوئی حقیقت تو ضرور ہے، اسی وجہ سے ہمارے گھر والے اور گاؤں کے دیگر لوگ ان رسموں کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ میں اکثر یہ بھی سوچا کرتا تھا کہ ہر آدمی اپنی مرضی میں آزاد ہے اچھائی کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی زندگی بخوشی گزارنے کا حق رکھتا ہے۔ کسی پر ظلم و زیادتی کے میں ہمیشہ خلاف رہا۔ میں اکثر اپنے پتا سے کہا کرتا۔ ''پتا جی! کام کاج کے معاملے پر آپ کسی پر ظلم و زیادتی مت کیا کریں، اگر کوئی غلطی کر بیٹھے تو اسے درگزر کر دیا کریں، کیونکہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ''ایشور کی نظر میں وہ اچھا منش ہے جو دوسروں پر ظلم نہ کرے، کسی کا گلا نہ کاٹے، اپنی خوشی کے لئے دوسروں کی خوشیاں نشٹ نہ کرے، دوسروں کا خون نچوڑ کر اپنی تجوری نہ بھرے، پوری زندگی میں ایسا کام کرے کہ مرتیو کے بعد جانے والے کو لوگ اچھے نام سے یاد کریں، ظلم کرنے والوں کو لوگ پاپی اور دشٹ کے نام سے یاد کرتے ہیں، پیٹھ پیچھے ایسے لوگوں کو لوگ شراپ دیتے ہیں، ظالم کی بربادی کے لئے ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں۔''

اس طرح کی میری باتیں سن کر میرے پتا مسکرانے لگتے اور بولتے۔ ''ارے او پرتاپ کی ماں، اپنے پرتاپ کو دیکھ کتنی اچھی باتیں کر رہا ہے، اس نے میرا من خوش کر دیا۔ پڑھ لکھ کر بیٹے تو یہ فائدہ ہوا کہ اپنے پتا کو سمجھا سکے۔ میں نے تو اسکول کا منہ نہیں دیکھا، کاش! کہ میں بھی پڑھا لکھا ہوتا۔

مگر میرا من خوش ہے کہ میرا پتر پڑھا لکھا اور سمجھ دار ہے۔ اپنے پتا کو زمانے اور زندگی کی اونچ نیچ سے بے خبر نہ رہنے دے۔

پتر کیا تم نے کبھی یہ دیکھا کہ میں نے اپنے کمیوں پر ظلم کیا ہو، کسی کا حق مارا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، گاؤں کی کسی غیر ناری پر بری نظر ڈالی ہو، یہ مجھے پتہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز وقت کے ساتھ ساتھ پرانی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی پرانا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یعنی انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔

پتر جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے، ہر بچے کو لوگ اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں، اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، خوشی خوشی اس کی سیوا کرتے ہیں۔

پتر تم نے کبھی سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے یعنی بچہ کی سیوا لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ اس بچے کا بیج چڑھتا ہوا ہوتا ہے، ایک نہ ایک دن اس بچے نے ایک تناور درخت بننا ہے۔ اور اس کا الٹ ایک بوڑھا ہوتا ہے۔ یعنی جب منش بوڑھا ہوتا ہے تو اس کا بیج گرتا ہوا ہوتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ یہ بوڑھا اب وقت کے ساتھ دن بدن کمزور ہوتا جائے گا اور بہت جلد پرلوک سدھار جائے گا۔ لہٰذا کمزور، مفلوج، بیمار، جو دوسروں کے سہارے کا محتاج ہے اور بہت جلد سب کا ساتھ چھوڑ جائے گا، اس کی سیوا کرنے سے کیا فائدہ۔ سیوا تو لوگ کرتے ہیں مگر ایک بڑھتا ہوا بچہ اور ایک بوڑھے کی سیوا میں من کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

پتر تم بھی اپنی زندگی کو خوش و خرم رکھنا، دوسروں کی خوشی میں خوش رہنے والوں کو بہت زیادہ من کی شانتی ملتی ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے مذہب کے رسم و رواج کے ساتھ ساتھ چلے، مذہب سے بغاوت ٹھیک نہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اچھا کام کرنے کے لئے کہتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ انیائے سے روکتا ہے۔ منش کو ایسا کام کرنا چاہئے کہ پرلوک سدھارنے کے بعد لوگ اسے اچھے نام سے یاد کریں۔''

میں اکثر ماتا پتا کی باتوں کو سر جھکائے سنتا رہتا تھا۔ ماتا پتا ہی کیا بلکہ میں گاؤں کے ہر بڑے کی بات کو شانتی سے سنتا تھا مگر ہمیشہ کرتا اپنی تھا۔

ویسے تو اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ میں گاؤں میں زیادہ سے گزاروں کیونکہ میں کالج کے ہوسٹل میں رہتا تھا۔ کالج کے ہوسٹل میں بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ ہر ذات پات اور مذہب کے لڑکے ہوتے تھے۔ ہر لڑکے کے اپنے اپنے خیالات ہوتے تھے مگر مجموعی طور پر سب آزادانہ خیالات کے مالک ہوتے تھے۔ کالج کی بہ نسبت گاؤں میں وقت کٹتا نہیں تھا کیونکہ گاؤں میں دوست یار نہیں تھے، ایک تو گاؤں میں یہ پابندی کہ ہم ٹھاکر لوگ ہیں، اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ زیادہ راہ و رسم میل جول نہیں رکھتے، خاندان میں زیادہ نوجوان نہیں تھے جن کے ساتھ رہ کر میرا وقت کٹے۔ میرے دو چچیرے بھائی تھے انہی کے ساتھ تھوڑا بہت وقت کٹ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم تینوں جنگل کی طرف شکار کے لئے نکل پڑتے تھے۔ ہمارے گھر کئی گھوڑے تھے لہٰذا ہم تینوں الگ الگ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و تفریح اور چھوٹے موٹے شکار کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہم تینوں دوپہر کے بعد شکار کے لئے نکل پڑے۔ ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے رہے مگر اس دن کوئی بھی شکار نظر نہیں آ کے دے رہا تھا۔ شکار ڈھونڈتے ڈھونڈتے شام کے سے ہونے لگا۔ لیکن ہمارے دماغ میں ایک بات تھی کہ آج اگر ہم بغیر شکار کے گھر گئے تو لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح ایک آدھ شکار مل جائے۔ اس تگ و دو میں شام کا ہلکا اندھیرا چاروں اور چھانے لگا۔

اندھیرے کو زیادہ گہرا ہوتے دیکھ کر ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ آج بغیر شکار کے ہی واپس ہونا پڑے گا اور ہم نے واپسی کے لئے اپنے گھوڑے موڑ لئے۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا پرندہ میرے سر پر جھپٹا اور میرے سر کے بال اس کے پنجوں میں آ کر جھٹکا کھا گئے اور یہی نہیں اس پرندے نے اس قدر زوردار کریہہ چیخ ماری کہ پورا جنگل دہل گیا اور میرا تو حال نہ پوچھو۔ میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے، سارے جسم میں جھرجھری سی آ گئی اور پھر میرا پورا وجود کپکپانے لگا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

میرے دونوں بھائی جو مجھ سے آگے تھے فوراً پلٹ کر میرے قریب آ گئے، ایک بولا۔ ”پرتاب کیا ہوا، تو سہما ہوا کیوں ہے۔“ اس سے مجھ میں اتنی شکتی نہیں تھی کہ اسے اپنی کیفیت بتاتا۔ ایک بھائی بولا۔ ”ارے تو ڈر کیوں رہا ہے، یہ الو تھا۔ جو کہ تجھ پر جھپٹا۔“

دوسرا بولا۔ ”بھائی سنا ہے کہ یہ الو بہت منحوس ہوتے ہیں اور مصیبت و پریشانی کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ پرتاب اس میں ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔ چلو اب جلدی سے گھر چلتے ہیں۔“ اس نے یہ بات کی تو ہم نے اپنے اپنے گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ لیکن میرا خوف ابھی بھی مجھ پر حاوی تھا۔

ابھی ہم چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ اچانک ایک ہرن ہمیں نظر آ گیا۔ ہرن کو دیکھ کر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم دونوں سے جو بڑا بھائی تھا اس نے فوراً بندوق تانی اور ہرن کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گولی ہرن کے پاؤں میں لگی اور ہرن زمین پر گر پڑا۔ ہرن کو زمین پر گرتا دیکھ کر وہ فوراً اپنے گھوڑے سے نیچے کود پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ہم دونوں بھی اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے کود پڑے تھے مگر بھائی نے ہرن کی طرف دوڑ لگا دی۔

بھائی ہرن کے قریب پہنچتا اور ہرن کو دبوچ لیتا کہ ہرن لنگڑاتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا۔ ہرن کو بھاگتا دیکھ کر بھائی نے اپنے دوڑنے کی رفتار تیز کر دی۔ اور ہرن کے پیچھے درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ ہم دونوں اسے آوازیں دینے لگے۔ اور آوازیں دیتے ہوئے اسی سمت ہم نے بھی دوڑ لگا دی۔ جس طرف ہرن اور بھائی گئے تھے۔

ہماری آوازیں جنگل میں گونجنے لگیں۔ اندھیرا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ صرف ہماری آوازیں تھیں بھائی کی کوئی بھی آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی، حالانکہ زیادہ جھاڑیاں نہیں تھیں۔ ابھی بھی سارا علاقہ واضح طور پر ہمیں نظر آ رہا تھا۔

بس یوں سمجھ لیں کہ ہم دونوں بھائی گلا پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ ''سنیل بھیا، سنیل بھیا۔'' مگر بھیا کی آواز ندارت، ہم اس شش و پنج میں سہمے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے رہے، ہم نے تینوں گھوڑوں کو ایک درخت سے باندھ دیا تھا۔

جب ہم دونوں اور آگے بڑھے تو وہاں کا خوفناک منظر دیکھ کر ہم پر جیسے کپکپی طاری ہو گئی۔ چھوٹا بھائی امیت فوراً زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اندرونی طور پر تو میں بھی کپکپا رہا تھا مگر مجھ میں ابھی ہمت باقی تھی۔ ویسے بھی میں شروع ہی سے بہت ہمت والا ہوں۔ نڈر، بے خوف و خطر، رات کے سے کھیتوں میں نکل جاتا تھا۔ گھنٹوں آموں کے باغ میں بیٹھا بانسری بجاتا رہتا تھا۔ مجموعی طور پر میں بہت نڈر ہوں۔

سنیل بھائی بے ہوش چاروں شانے چت پڑے تھے اور ان کے قریب ہی ایک کٹا ہوا سر موجود تھا جس سے تازہ تازہ خون نکل کر زمین میں جذب ہو رہا تھا۔ دھڑ کا کوئی پتہ نہ تھا۔ وہ سر ایک عجیب الخلقت انسان نما بلا کا تھا۔ بڑے بڑے دانت جو کہ ہونٹوں سے باہر کو نکلے پڑے تھے۔ تقریباً دو انچ چوڑائی کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں کا رنگ جیسے وہ آنکھیں نہ ہوں بلکہ ان میں کسی نے گاڑھا گاڑھا خون انڈیل دیا ہو، سر کے بال بالکل اکڑے ہوئے جیسے کہ لمبے لمبے تنکے ہوں اس کے علاوہ اس کے چہرے پر بھی لمبے لمبے بال نمایاں تھے۔

بہرحال میں نے بڑی مشکل سے امیت کو جھنجھوڑنے لگا تو اچانک جیسے وہ چونک پڑا اور آنکھیں پٹپٹانے لگا۔ ''امیت ہوش کرو۔ جلدی اٹھو، سے ضائع نہ کرو، چلو جلدی سے سنیل بھائی کو اٹھاتے ہیں اور اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں۔''

یہ بول کر میں نے ایک مرتبہ پھر امیت کو جھنجھوڑ دیا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اس کے بعد ہم دونوں نے سنیل بھیا کو اٹھا کر اس جگہ لانے جہاں کہ ہمارے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ہم نے سنیل بھیا کو اپنے گھوڑے پر اوندھا کر کے لٹا دیا، اس کے بعد میں گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ پھر امیت سے بولا۔ ''امیت اب تم اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر دوسرے گھوڑے کی لگام تھام لو، اور فوراً گھر کی طرف بڑھو۔''

سنیل بھیا کو اس طرح گھوڑے پر لاد کر ہم گھر لائے۔ گھر پہنچتے پہنچتے کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ مگر پہنچتے ہی سنیل بھیا کو دیکھ کر ایک کہرام مچ گیا۔ گھر میں عورتوں کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ کئی نے تو اپنا کلیجہ پکڑ لیا۔ ''ارے جلدی سے بتاؤ تو سہی، سنیل کو ہوا کیا؟'' ہر منہ میں یہی سوال تھا۔ خیر انہیں گھوڑے پر سے اتار کر کمرے میں بستر پر لٹا دیا گیا۔

ہم دونوں بھائیوں کی حالت ناگفتہ تھی۔ خیر پانی پینے کے بعد میں نے شروع سے لے کر آخر تک پتا جی کو ساری کتھا سنا دی۔ باتیں سن کر پتا جی کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

پتاجی! ایک ملازم سے بولے۔ ''ارے فوراً جا اور پنڈت جی کو بلا لا۔ میرا نام لینا کہ پنڈت جی آپ کو ترنت بلایا ہے۔''

وہ ملازم دوڑتا ہوا گیا اور فوراً ہی مندر کے پنڈت جی کو بلا لایا۔ پنڈت جی کو دیکھتے ہی پتا جی بولے۔ ''پنڈت جی! لگتا ہے یہ کسی ہوائی چیز کے چکر میں آ گیا ہے۔ آپ ترنت اسے دیکھیں۔''

پنڈت جی نے کٹورے میں تھوڑا سا پانی منگایا۔ جب پانی آ گیا تو کٹورا ہاتھ میں لے کر منہ ہی منہ میں کوئی منتر یا پھر کوئی اشلوک پڑھنا شروع کیا۔ وہ بار بار پانی پر پھونک مارتے، تین بار پانی پر پھونک مارنے کے بعد انہوں نے تھوڑا سا پانی اپنے چلو میں لیا اور بھیا کے منہ پر زور سے چھینٹا مارا ایک بار، دو بار، اور پھر جب پنڈت جی

نے تیسرا چھینٹا مارا تو بھیا نے آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ! بھگوان۔ ایسا لگتا تھا کہ بھیا کی اپنی آنکھیں نہ تھیں بلکہ آنکھوں کی جگہ دو خون کے ڈھیلے ہوں، انہوں نے گھور کر پنڈت جی کو دیکھا اور پھر بہت واضح طور پر مسکرانے لگے۔ پھر ان کے منہ سے بہت بھاری آواز نکلی۔ ''پنڈت میری بات سن۔'' اور پھر اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر ترنت پنڈت جی کی گردن پکڑ لی۔ پنڈت جی جھکتے چلے گئے، جب پنڈت جی کافی جھک گئے تو پھر دوبارہ بھیا کے منہ سے آواز نکلی۔ ''پنڈت اپنی خیر چاہتا ہے تو ترنت بھاگ جا، یہ تو نے کیا الا پ شلاپ کرنا شروع کر دیا۔ پتہ نہیں میں تجھے کیوں چھوڑ رہا ہوں، ورنہ ابھی تک تیرا پران نکل چکا ہوتا۔

پنڈت تجھے میری شکتی کا پتہ نہیں تو سن، میرا نام ماندرا ہے، تو اس نام سے ضرور جانکاری رکھتا ہوگا۔ اب تو سمجھ گیا ناں۔''

پنڈت جی فوراً بولے۔ ''جی ماندرا مہاراج، میں سمجھ گیا''، ''ماندرا خونی آتما''۔

پھر آواز سنائی دی۔ پنڈت تو بھی یہ جانتا ہوگا کہ میں کسی پر انیائے نہیں کرتا، میں بلاوجہ اور بغیر ظلم و زیادتی کے کسی کو چھیڑتا نہیں۔ میں اچھوں کا اچھا ساتھی ہوں اور ظالموں کے لئے غضب، جب تک کوئی مجھ پر ظلم نہ کرے، اور ایسا انیائے جو میرے برداشت سے باہر ہو تو پھر میں اس منش کو اپنے خونی شکنجے میں جکڑ لیتا ہوں اور جب کوئی اس طرح میرے خونی پنجوں میں آ جاتا ہے تو اس کا انجام.....؟'' اور پھر آواز بند ہو گئی۔

پنڈت جی کی گردن آزاد ہو گئی، پنڈت جی اپنی گردن سہلانے لگے اور پتا جی کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''ٹھاکر صاحب۔ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں جاتا ہوں۔'' اور یہ بول کر پنڈت جی فوراً سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

''پنڈت جی کے جاتے ہی پتا جی! ہاتھ جوڑ کر بھیا کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بولے۔

''ماندرا جی! میں مانتا ہوں کہ ضرور سنیل نے کوئی بہت بڑی غلطی کی ہوگی جس سے کہ آپ کو کشٹ پہنچا۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کو کشٹ کیسے پہنچا۔''

''اس مورکھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس نے ترنت مجھ پر گولی چلا دی، میں اس سمے ایک ہرن کے روپ میں تھا جبکہ اس سے پہلے کہ اندھیرا زیادہ ہو جائے۔ میں نے اپنے ایک بیر کو حکم دیا کہ تو الو کے بھیس میں ان کو ڈرا دھمکا کر اس سمے اس جنگل سے نکال دے۔ اس نے ایسا کیا بھی، اس نے ایک پر جھپٹا مارا اور ایسی آواز نکالی کہ پورا جنگل دہل گیا۔

لیکن یہ جوانی کے جوش میں شکار تلاش کرتے رہے۔ انہیں شکار چاہئے تھا جبکہ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ ٹھاکر خاندان والے کسی جاندار کا گوشت نہیں کھاتے لیکن نئی نسل ایسا کر رہی ہے۔

نتیجہ اب یہ اپنی جان سے جائے گا۔ اس کی گولی نے مجھے زخمی کر دیا تھا، میں زمین پر گر پڑا، اس کے بعد میں اٹھا اور ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا، مگر اس نے مجھے نہیں چھوڑا، میرے پیچھے بھاگا اور کچھ دور جا کر مجھے دبوچ کر زمین پر گرا دیا، اور میری گردن پر چھری پھیر نے والا تھا کہ پھر مجھے اپنی شکتی دکھلانی پڑی۔''

یہ سننا تھا کہ میری ماتا، چاچی اور گھر کی دیگر عورتیں روتی پیٹتی اس جگہ آ گئیں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی، زار و قطار رونے لگیں، چاچی اور ماتا بولیں۔ ''ماندرا جی! ہمارے بچے سے بھول ہو گئی، اسے کیا پتہ تھا کہ ہرن کے روپ میں آپ ہیں، اس کی طرف سے ہم سارے پریوار آپ کے آگے چرنوں میں جھکے پڑے ہیں، آپ ہمارے بچے کا جیون دان کر دیں۔

ماندرا جی! آپ کو ایشور کا واسطہ، تمام دیوی دیوتاؤں کا واسطہ، آپ کو دنیا میں جو بھی عزیز ہے اس کا واسطہ آپ کی اچھا کے مطابق ہم اس بھول پر آپ جتنے بھی چاہیں بکروں کی بھینٹ دینے پر تیار ہیں، آپ حکم کریں۔ ہمارے بڑھاپے پر رحم کھائیں۔'' میری ماتا نے

اپنے سر سے آنچل اتار دیا اور بولیں۔ "مہاراج جی! ایک ایسی ماتا کی بنتی ہے جس کے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں، آپ میرے سفید بالوں پر ترس کھائیں۔"

آپ کو کالی ماتا، لکشمی ماتا، شیر والی ماتا کا واسطہ، آپ کو آپ کی ماتا کا واسطہ، ہم پر رحم کھائیں۔" اور پھر عورتیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

پھر بھیا نے ترنت بہت لمبا سانس کھینچا اور ان کے منہ سے آواز نکلی۔ "دیوی تو نے دیوی ماتاؤں اور پھر میری ماتا کا واسطہ دے کر میرا کلیجہ موم کر دیا۔ تو بھی ایک ماتا ہے، تیرے واسطوں کی خاطر میں اس بالک کا جیون دان کرتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔"

"آپ حکم کریں مہاراج!" ماتا جی نے کہا۔

"ترنت بیس بکروں کی بھینٹ چاہئے۔ جلدی سے بکروں کا انتظام کرا دے اور ان بکروں کو لا کر سامنے والے کمرے میں چھوڑ کر بتی بجھا دینا اور ساتھ ہی دروازہ بھی باہر سے بند کر دینا۔ چل جلدی کر۔"

یہ سننا تھا کہ پتا جی! ترنت باہر نکلے اور پھر چند منٹ میں ہی پورے گاؤں سے بیس بکرے لائے گئے اور جیسا کہا گیا تھا ویسا ہی کیا گیا۔ بکروں کو کمرے میں چھوڑ کر باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دی گئی۔ بھیا اپنے بستر پر خاموش بیٹھے تھے۔

ماتا بولیں۔ "مہاراج آپ کے حکم کے مطابق سارے بکرے کمرے میں موجود ہیں۔" یہ سن کر بھیا کے منہ سے آواز نکلی۔ "ٹھیک ہے، اور جب کمرے کا دروازہ خود بخود کھل جائے تو اندر جا کر کمرے کی صفائی کر دینا اور بکروں کو کسی ویران جگہ پر لے جا کر ڈال دینا اور اپنے پتر کو بول دینا کہ آئندہ وہ دیکھ بھال کر قدم اٹھانا اور خاص طور پر دن کے بارہ بجے اور شام اندھیرا پھیلتے ہی ویران جگہ اور جنگلوں، باغوں اور پھول پھلواریوں میں احتیاط برتا کرے صرف اسے ہی نہیں تمام منش کو ان سے احتیاط کرنی چاہئے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔" اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ بھیا بستر پر خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک کمرے سے بکروں کے ڈکرانے کی آوازیں آنے لگیں ایسا لگتا تھا کہ جیسے ان کی گردن پر چھری چلائی جا رہی ہو، پھر چند سیکنڈ بعد ہی بکروں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں اور پھر کنڈی لگا بند دروازہ دھڑام سے کھل گیا۔

دروازہ کے کھلتے ہی بھیا بھی اپنی جگہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور اچنبھے کی حالت میں سب کو دیکھنے لگے اور پھر بولے۔ "کیا ہوا؟"

دروازہ کے کھلنے کے بعد جب ہم لوگ کمرے میں گئے تو یہ دیکھ کر دنگ اور حیران رہ گئے کہ سارے بکرے زمین پر ڈھیر تھے۔ ان کی گردنیں کٹی ہوئی تھیں۔ جیسے کہ کسی نے تیز دھار چھری سے سب کی گردنیں کاٹ ڈالی ہوں اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ کسی بھی بکرے کی گردن سے ایک بوند بھی خون کمرے کے فرش پر ٹپکا نہیں تھا۔ سارے بکروں کا خون بوند بوند غائب ہو چکا تھا۔

بہر حال ہم نے جلدی سے بیل گاڑی منگوا کر اس پر سارے بکرے لادے اور دو گاڑیوں کے ساتھ ہمارے چار ملازم بکروں کو لے کر چلے گئے تاکہ رات کے اندھیرے میں ان بکروں کو کسی ویران جگہ پر ڈال دیں۔ سارے بکرے ویران جگہ پر ڈال دیئے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سنیل بھیا بالکل بھلے چنگے ہو گئے۔

صبح ہوئی تو سارے گھر والوں نے سکھ کا سانس لیا اور پھر گھر والے بھیا کو لے کر مندر گئے۔ اس دن میں بھی گھر والوں کے ساتھ مندر گیا، جوان ہونے کے بعد وہ دن میرا پہلا دن تھا جب میں نے مندر میں قدم رکھا اور پھر گھر والوں کے دیکھا دیکھی میں نے بھی وہی کچھ کیا جس طرح میرے پتا اور دیگر گھر والوں نے جو کچھ بھی کیا۔"

"حکیم صاحب میں جھوٹ کا قائل نہیں۔ میں جھوٹ کو بہت برا سمجھتا ہوں، اس دن سے پہلے میں ماورائی اور ان دیکھی مخلوق پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ جب میں

سنتا تھا کہ کسی پر بھوت، چڑیل یا پھر کسی بھٹکی ہوئی آتما نے بسیرا کرلیا ہے تو میں اسے مذاق اور من گھڑت سمجھتا تھا مگر میں نے جب سنیل بھیا کے ساتھ ہونے والے واقعے کو دیکھا تو میرا ذہن بالکل پکا ہوگیا کہ بھگوان نے ہم انسان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کررکھی ہیں جو کہ ہمیں نظر نہیں آتی ہیں اور ان اندیکھی مخلوق میں جو شکتیاں ہیں وہ شکتی بھگوان کی دی ہوئی ہیں۔''

اس واقعہ کے چند دن بعد میں دوبارہ گاؤں سے شہر کالج کے ہوسٹل میں چلا گیا اور بیتے ہوئے حالات اور واقعات کو فراموش کر بیٹھا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ کہ میری ہنستی بستی زندگی اذیت کا شکار ہوجائے گی۔ میں دکھوں اور مصیبت کا ڈھیر بن جاؤں گا۔ اب تو میں اس مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھے اپنا جیون بوجھ لگنے لگا ہے۔ کاش! کہ میں اب سے چالیس سال پہلے مرجاتا تو میری آتما کو بھی شانتی ملتی۔

حکیم صاحب میں پل پل جیتا ہوں اور پل پل مرتا ہوں۔''

رولوکا نے پرتاب سنگھ کے لکھے ہوئے حالات یہیں تک پڑھے تھے۔

☆......☆......☆

''حکیم صاحب! آپ کو حکیم وقار یاد کررہے ہیں۔'' ایک ملازم رولوکا کے کمرے میں آیا اور بولا۔

ملازم کی بات سن کر رولوکا فوراً کرسی سے کھڑا ہوگیا۔ اور فوراً حکیم وقار کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک باریش صاحب حکیم وقار کے سامنے بیٹھے ہیں اور برابر میں ایک خاتون نقاب میں بیٹھی ہیں۔

رولوکا کو دیکھ کر حکیم وقار بولے۔ ''محترم یہ حکیم کامل ہیں اور یہی روحانی علاج کرتے ہیں، میں جسمانی علاج کرتا ہوں۔''

باریش بزرگ نے مصافحہ کے لئے رولوکا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رولوکا نے خندہ پیشانی سے ان بزرگ سے مصافحہ کیا۔

''حکیم کامل یہ محترم بہت دور سے آئے ہیں، اپنے علاقے کے یہ بہت امیر وکبیر اور رئیس ہیں۔ پریشانی انہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔ یہ ان کی صاحبزادی ہیں جن کے ساتھ کچھ پیچیدہ مسائل درپیش ہیں، اگر آپ بہتر سمجھیں تو اپنے کمرے میں لے جاکر ان سے باتیں کرلیں۔

''میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو پریشان کیا۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں، اور معذرت کی کوئی ضرورت نہیں، اس مطب میں آپ اور ہم صرف پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے ہی بیٹھے ہیں۔ اگر ہماری کوشش سے کسی کی پریشانی ختم ہوجاتی ہے تو اس سے بڑھ کر ہمیں اور کیا خوشی مل سکتی ہے۔

محترم بزرگ آپ برائے مہربانی میرے کمرے میں تشریف لے چلیں، وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

بیٹی آپ بھی چلیں کیونکہ چند سوالات میں آپ ہی سے کروں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''دونوں باپ بیٹی اپنی کرسی سے اٹھے اور رولوکا کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئے، رولوکا نے انہیں آرام سے بٹھادیا اور پھر ملازم کو آواز دے کر ٹھنڈا پانی منگایا اور انہیں پلایا۔

رولوکا بولا۔ ''محترم میں آپ کی صاحبزادی سے چند سوالات کروں گا، یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ چاہیں تو یہیں بیٹھے رہیں یا پھر باہر جاکر بیٹھ سکتے ہیں۔''

رولوکا کی باتیں سن کر ان بزرگ کی صاحبزادی فوراً بولی۔ ''محترم حکیم صاحب، ابا حضور کو ساری باتوں کا علم ہے اور ان سے کوئی چھپی ہوئی بات نہیں۔ آپ جو بھی سوال کریں گے میں اس کا مفصل جواب دوں گی، اس لئے کہ اب میں بھی اپنی اذیت ناک زندگی اور اپنے گھر والوں کی عزت وخوشی کے لئے سب کچھ کرنے بلکہ مرنے تک کے لئے راضی ہوں، ایسی زندگی سے کیا فائدہ جس میں میں اپنی خوشیوں کا خون ہوتا دیکھوں، اور ایسی میری

خوشی کس کام کی جس سے میرے اپنے خاموش پتھر کے بت بن کر رہ جائیں۔ میں یہ کہنے میں بالکل بھی عار نہیں محسوس کرتی۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ طویل عرصہ سے ایک جن نے مجھے پریشان کر رکھا ہے اب آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ میں کس قدر اذیت ناک زندگی گزار رہی ہوں، اور میرے گھر والے کس کرب سے دوچار ہیں۔

ہر جمعہ کے دن میں اس جن کی مرضی اور منشاء سے آزاد ہوتی ہوں، اور یہی وجہ ہے کہ آج میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ جمعہ کے علاوہ روز بلاناغہ وہ رات بارہ بجے کے قریب چھت پر بنے ہوئے میرے کمرے میں آتا ہے۔ اور اپنا وقت گزارتا ہے۔

ہم تمام گھر والوں کو اس نے خوف کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے، شروع سے اس کا کہنا ہے کہ اگر کسی عامل کے پاس گئے تو تمام گھر والوں کو ہلاک کر کے رکھ دوں گا۔ اب آپ خود بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ مجھ سے مزید میری تین بہنیں ہیں۔ میری ذات کی وجہ سے ان کا مستقبل تاریک ہے، ان کی عمریں بھی بڑھ رہی ہیں، ان کا کوئی رشتہ نہیں آتا، اور اگر جو بھی آتا ہے میری خوبصورتی کی بنا پر اس کی نظر مجھ پر ٹک جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہ بات لوگوں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے گھر پر کسی جن کا قبضہ ہے اور اگر کسی نے اس گھر میں کسی سے شادی کی تو اس کی خیر نہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ لڑکی سسک پڑی اور پھر اس کی آواز ہچکیوں میں دب گئی۔

رولوکا نے اسے ایک گلاس پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد وہ کچھ نارمل ہوئی تو رولوکا بولا۔ ''بیٹی گھبرائیں نہیں، اوپر والے نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، انسان بھی اشرف ہے، انسان تمام مخلوقات پر قابض ہو جاتا ہے، اوپر والا کسی ظالم کو ایک حد تک چھوٹ دیتا ہے، اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ ظالم شکنجے میں کس دیا جاتا ہے۔

اوپر والے پر مجھے قوی امید ہے کہ وہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچے گا کہ تم بتا سکتی ہو کہ یہ سلسلہ شروع کیسے ہوا؟''

''حکیم صاحب! جب میں جوانی کی دہلیز پر پہنچی تو ایک دن اچانک بلی کا ایک بچہ نظر آیا۔ وہ بہت خوب صورت تھا، اس کی سفید رنگت نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ نہ جانے وہ کہاں سے اور کیسے میرے کمرے میں گھس آیا تھا۔ میاؤں...... میاؤں...... کی اس کی آواز جب سنائی دی تو میں نے بغور اسے دیکھا اور پھر اس کی خوبصورتی اور کشش نے مجھے اسے اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

میں نے اسے اٹھا کر اپنے بستر پر بٹھا لیا اور اس پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ مزے سے میرے پاس بیٹھا رہا اور میں جیسے اس کی خوب صورتی میں کھو گئی۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک مجھے کوئی اور ہوش نہ رہا۔ یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی اور وہ میرے پہلو میں دبکا بیٹھا رہا۔

اچانک میری آنکھ اس کے آواز دینے پر کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے۔ پھر میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگی اور بولی۔ ''اچھا اب تم آرام سے بیٹھو، میں تمہارے لئے دودھ لے کر آتی ہوں، تمہیں بھوک لگی ہوگی۔''

میں نیچے آئی اور ایک کٹورے میں تھوڑا سا دودھ لے کر دوبارہ اوپر آ گئی۔ دودھ اس کے سامنے رکھا تو رغبت سے اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جب میں دودھ لے کر اوپر آئی تو امی نے پوچھا تھا کہ ''دودھ کس کے لئے لے جا رہی ہو؟''

میں نے جواب دیا بلی کا ایک بچہ نہ جانے کہاں سے آ گیا ہے، اور اتنا خوب صورت ہے کہ میں نے آج تک اتنا خوب صورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ میں اسے گھر میں رکھ لوں۔''

میری بات سن کر امی بولیں۔ ''بیٹا یہ نہ کرنا، اگر اسے زیادہ لاڈ دکھاؤ گی تو یہاں سے ہلے گا نہیں اور پھر ایسے جانوروں سے مزید پریشانیاں بھی آتی ہیں، چلو اگر تم چاہتی ہو تو دودھ پلا کر اسے چلتا کر دینا، اسے زیادہ منہ نہیں لگانا۔''

"امی آپ پریشان نہ ہوں، اسے آپ دیکھیں گی تو آپ کا دل بھی اس پر آ جائے گا، خیر میں دودھ پلا کر ابھی آئی۔"

جب اس نے دودھ پی لیا تو میں نے اس کے جسم پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولی۔ "اچھا اب تم جاؤ، تم نے دودھ پی لیا۔" میرا یہ بولنا تھا کہ جیسے وہ میری بات سمجھ گیا تھا، خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ میں اسے بغور دیکھتی رہ گئی۔

کمرے سے نکلتے ہی جیسے مجھے ہوش آ گیا، میں فوراً باہر کو لپکی کہ دیکھوں تو وہ گیا کہاں؟ مگر جب میں کمرے سے باہر نکلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ پلک جھپکتے ہی وہ غائب تھا۔ پوری چھت خالی پڑی تھی، اور پھر سیڑھیوں سے وہ نیچے بھی نہیں گیا تھا۔ میں اچنبھے میں پڑ گئی کہ اتنی جلدی، آخر وہ کہاں جا سکتا ہے۔

میں دوبارہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی اور اس کے متعلق سوچنے لگی۔ کافی سوچنے کے بعد بھی میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ بچہ گیا تو کہاں گیا کہ اتنے میں امی نے آواز دی تو میں جھٹ بستر سے اٹھی اور نیچے امی کے پاس پہنچ گئی۔ مجھے دیکھ کر امی بولیں۔ "تم نے اس بچے کو دودھ پلا دیا۔"

"جی امی، اسے دودھ پلا دیا۔" میں نے جواب دیا۔

امی مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ "خوشبو! تم اسے زیادہ اپنے سے نہ ہلا لینا، نہیں تو وہ تمہاری جان نہیں چھوڑے گا۔ بلیوں کو زیادہ منہ لگانے سے یہ عذاب زندگی بن جاتی ہیں، اور پھر گند الگ کرتی ہیں۔ میں نے بڑے بوڑھوں سے سن رکھا ہے کہ بلی پالنے سے اچھا ہے کہ آدمی کتا پال لے، کیونکہ کتا اپنے مالک کی زیادہ رکھوالی کرتا ہے اور میں نے یہ بھی سن رکھا ہے کہ بلی کے بال مضر صحت ہوتے ہیں، اگر ان کے بال کسی کھانے میں مل کر پیٹ میں پہنچ جائیں تو اس سے دمہ کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا، اب تم احتیاط کرنا۔"

میں نے جواب دیا۔ "امی آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں، میرا اندازہ ہے کہ وہ زیادہ ہمارے پاس نہیں آئے گا، وہ مجھے عام بلیوں سے بالکل الگ لگا ہے اور میں نے یہ بھی اندازہ کیا ہے کہ وہ نیچے کے کمروں میں نہیں آئے گا۔"

"ارے بیٹا! ابھی ایک دن تو وہ آیا ہے، اگر اس طرح متواتر آتا رہا تو آہستہ آہستہ اس گھر اور گھر والوں سے مانوس ہو جائے گا تو پھر اس سے جان چھڑانی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہو جائے گا۔"

"امی آپ فکر نہ کریں اگر دوبارہ آیا تو میں دیکھ لوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

حکیم صاحب! دراصل میں شروع ہی سے چھت پر کمرے میں سونے کی عادی تھی، وجہ یہ تھی کہ میں نے چھت پر پھولوں کے پودے لگا رکھے تھے اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو مجھے بہت پسند ہے، امی اور بہنیں رات میں کافی وقت تک میرے کمرے میں یا چھت پر موجود رہتی تھیں اور پھر جب انہیں یا پھر مجھے نیند ستانے لگتی تو وہ چھت سے نیچے چلی جاتی تھیں۔

دو دن کے بعد اچانک رات کے وقت وہ نہ جانے کس طرح کمرے میں آ گیا جبکہ میں نے دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ میں اس وقت سوئی نہیں تھی بلکہ بستر پر لیٹی آنکھیں بند کر کے آنے والے وقت کے لئے سوچوں میں معروف تھی۔ میاؤں...... میاؤں...... کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور دیکھا تو وہ فرش پر بیٹھا ہوا ایک ٹک مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

"ارے اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے کیسے اور کہاں سے آ گئے، دروازہ تو بند ہے، کہیں ایسا نہیں کہ پہلے سے تم کمرے میں آ گئے تھے۔" اچانک اچھلا اور بستر پر آ کر میرے قریب بیٹھ گیا۔

"بھئی! امی کی نظر اگر تم پر پڑ گئی تو میری شامت آ جائے گی، آواز بالکل نہ نکالنا، اگر تمہاری آواز اگر سن لی تو ابھی آ کر تم پر برس پڑیں گی اور پھر میرے

جو ہوگا وہ تو ہوگا ہی۔'' میں نے کہا۔

''اور اس وقت تو دودھ بھی نہیں مل سکتا، کہیں تمہیں بھوک تو نہیں لگتی۔''

اس وقت اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے میری ساری باتیں وہ سمجھ رہا ہو، وہ تقریباً دس پندرہ منٹ بیٹھا صرف مجھے ہی گھورتا رہا، پھر وہ چھلانگ مار کر بستر سے نیچے فرش پر کود گیا اور دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہہ رہا ہو کہ ''دروازہ کھول دو تا کہ میں کمرے سے باہر چلا جاؤں۔''

اس کا انداز صاف اور واضح تھا کہ اب دروازہ کھول دو، میں فوراً بستر سے نیچے اتری اور دروازے کے پاس جا کر اس پر ہاتھ پھیرنے لگی، اس کا رخ دروازے کی طرف ہی تھا، میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اس نے مجھ پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور خاموشی کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور چھت کے ایک کونے کی طرف چلا گیا۔

اس کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور مسکراتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی۔ ''عجیب بچہ ہے، یہ اندر آیا تو کیسے آیا؟ اور پھر میری باتیں سن کر سمجھ گیا کہ اگر امی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا، اور پھر اسی وجہ سے فوراً چلا گیا۔ اس طرح کی باتیں سوچتے سوچتے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں نیند کی وادی میں پہنچ گئی۔

دو دن پھر وہ نہیں آیا۔ تیسری رات آئی، میں کچی پکی نیند میں تھی کہ اچانک میاؤں...... میاؤں کی آواز سنائی دی اور پھر میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، وہ فرش پر بیٹھا میری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور میری نظر دروازے پر پڑی تو میں چونک گئی کیونکہ ہلکا سا دروازہ کھلا پڑا تھا۔

''میں نے دروازے کی کنڈی لگا دی تھی اور اب کھل کیسے گیا؟'' میں یہ سوچنے لگی۔ پھر میرے دماغ میں آیا کہ ہو سکتا ہے میں کنڈی لگانا بھول گئی ہوں گی۔ میں یہ سوچنے لگی تھی کہ وہ چھلانگ لگا کر بستر پر چڑھ گیا اور میرے سامنے بیٹھ کر ٹکر ٹکر مجھے دیکھنے لگا۔

''اس وقت رات کے بارہ بجنے والے ہیں، تم آئے کیسے؟ لگتا ہے تم مجھے پاگل کر دو گے، بھئی یہ سونے کا وقت ہے، خیر تھوڑی دیر تم سے باتیں کر لیتی ہوں، پھر تم چلے جانا۔'' میں نے کہا۔

وہ کوئی پندرہ منٹ تک بیٹھا یک ٹک گھورتا رہا۔ پھر وہ بستر سے نیچے کود گیا اور خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کا انداز دیکھ کر میں حیران ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ ''عجیب بچہ ہے، یہ تو انسان سے بھی زیادہ سمجھدار ہے، میری باتیں غور سے سنتا ہے اور چند منٹ گزار کر بغیر چوں چرا اس کئے چلا جاتا ہے۔''

اس طرح کوئی پندرہ دن گزر گئے۔ پھر دوسرے اور تیسرے دن وہ رات بارہ کے قریب آتا، پندرہ منٹ مجھے یک ٹک دیکھتا رہتا اور پھر خاموشی سے چلا جاتا۔ اب میں اس کی وجہ سے دروازے کی کنڈی نہیں لگاتی تھی۔

سولہویں دن میں نے امی سے کہا۔ ''امی میں چاہتی ہوں کہ میں رات میں ایک گلاس دودھ پی لیا کروں۔''

''ارے بیٹا!'' میں تو ایک طویل عرصہ سے بول رہی ہوں کہ رات میں ایک گلاس دودھ پی لیا کرو، مگر تم ہو کہ میری بات پر کوئی دھیان ہی نہیں دیتی تھی، خیر یہ اللہ کا شکر ہے کہ میری بات تمہار ے [illegible] گئی۔ آج سے تم دودھ پینا شروع کر..

''امی میر ے [illegible] پ کٹورے میں ڈال دینا، میں اپنے کمرے میں لے جا کر پی لیا کروں گی۔''

''چلو ایسا ہی ہوگا۔'' امی نے کہا۔

''اس رات کٹورے میں دودھ ڈال کر میں کمرے میں لے گئی، کہ آج رات وہ آئے گا تو اسے دودھ ضرور پلاؤں گی، بے چارہ آتا ہے اور چلا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اسے بھوک لگی ہو۔

ٹھیک رات کے پونے بارہ بجے وہ کمرے میں آ گیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ ''میں تمہارے لئے آج دودھ لائی ہوں، یہ سارا دودھ تم پی لو اور دیکھو اب روزانہ آیا کرو، کیونکہ اب میں روزانہ تمہارے لئے دودھ رکھوں

گی۔ دیکھو ناغہ نہ کرنا، ورنہ امی کی ڈانٹ مجھ پر پڑے گی کہ میں نے دودھ کیوں نہیں پیا اور مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے میں نے کہا اور دودھ والا کٹورا اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور کٹورے میں اپنا منہ ڈال دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا دودھ پی گیا۔

اسے دیکھ کر ایک بات مجھے عجیب لگی۔ میں نے دیکھا تھا کہ بلیاں دودھ یا پانی پیتے وقت اپنی زبان استعمال کرتی ہیں، مگر وہ تو الگ طریقے سے دودھ پی رہا تھا۔ وہ زبان کے بجائے اپنا منہ دودھ میں ڈال کر دودھ پی گیا۔ پھر اچانک ایک خیال میرے دماغ میں آیا۔

''ہوسکتا ہے کچھ بلیاں اس طرح بھی دودھ پیتی ہوں۔''

اور میں نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔

دودھ پینے کے بعد پہلے کی طرح چھلانگ لگا کر بستر پر چڑھ آیا اور میرے سامنے بیٹھ کر مجھے بغور دیکھنے لگا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سے اور قریب کرلیا اور اس کی پیٹھ اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ میں اس سے ہلکی آواز میں عجیب طرح کی باتیں بھی کرتی رہی، جیسے کہ وہ انسان ہو اور میری ساری باتیں سمجھ رہا ہو۔

خوشبو یہ باتیں کر رہی تھی کہ اس کے ابا حضور بولے۔ ''حکیم وقار صاحب معاف کرنا، میں ذرا سامنے کی دکان سے سگریٹ لے کر آتا ہوں، آپ خوشبو بیٹی سے باتیں کریں۔'' وہ پھر اپنی کرسی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

خوشبو پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ ''اس رات بھی وہ پندرہ منٹ تک رہا اور پھر چھلانگ لگا کر بستر سے نیچے اترا اور خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد میں اس کے متعلق سوچتی ہوئی، بستر پر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر بعد میں سوگئی۔

اسی رات میں نے ایک خواب دیکھا۔ وہی بچہ میرے کمرے میں آیا، میرے بستر پر چڑھ کر بیٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچانک ایک بہت ہی خوب صورت نوجوان میں تبدیل ہوگیا، وہ اس قدر خوب صورت وجیہہ تھا کہ میں اس کی وجاہت میں کھوگئی، مجھے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ رہا، مجھے اس حالت میں دیکھ کر مسکرانے لگا اور پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت ہی شیریں آواز میں گویا ہوا، خوشبو میں تم سے پیار کر بیٹھا ہوں، میرا ایک ایک پل تمہاری یادوں میں گزرنے لگا ہے، ایک نہ ایک دن میں تمہیں اپنی دنیا میں ضرور لے جاؤں گا۔ تمہاری خوبصورتی اور تمہارے حسن نے مجھے دیوانہ کر کے رکھ دیا ہے اور ہاں ایک بات اب میں روزانہ نہیں آؤں گا بلکہ ہر دوسری رات میں آؤں گا کیونکہ میری اپنی کچھ مجبوریاں ہیں، ویسے میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں ایک پل ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے دور نہ جاؤں اور میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ جو بھی ہم دونوں کے ملاپ میں رکاوٹ بنے گا، میں اسے عبرت کا نشان بنا کے رکھ دوں گا، چاہے تمہارا کوئی قلبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ میں تمہاری چاہت میں قربان ہوسکتا ہوں تو کسی دوسرے کی جان بھی لے سکتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے مجھے بھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا کہ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں بدحواسی کے عالم میں اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت میں پسینہ پسینہ ہورہی تھی۔'' یا اللہ خیر کرنا، میں نے کیسا خواب دیکھا ہے۔ میرا گلا خشک ہورہا تھا۔ میں اٹھی اور فوراً پانی سے بھرا جگ منہ سے لگالیا، میں اس قدر سہمی ہوئی اور گھبراہٹ میں تھی کہ مجھے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر پیوں۔

میں لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ میری حالت بڑی غیر تھی۔ میں خاصی دیر تک گھبراہٹ کے عالم میں بستر پر بیٹھی رہی اور پھر دوبارہ لیٹ گئی۔ لیکن میرے دل و دماغ پر اس نوجوان کی خوبصورتی چھا چکی تھی۔ میں نے سوچا۔ ''کیا کوئی اتنا خوبصورت بھی ہوسکتا ہے۔''

صبح کے وقت میں بیدار ہوئی تو میری حالت اندرونی طور پر ٹھیک نہیں تھی۔ میں رات میں دیکھے ہوئے خواب میں الجھی رہی۔ بار بار میرے دماغ میں یہی بات گھومتی رہی کہ ''میں تم پر قربان ہوسکتا ہوں تو کسی اور نے رکاوٹ ڈالی تو اس کی جان بھی لے سکتا ہوں۔''

رات آئی میں دودھ لے کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر اس بچے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ کافی انتظار کے باوجود بھی نہیں آیا۔ میں سوچوں میں ڈوبنے لگی اور خواب والی باتیں یاد آنے لگیں، ایک تو اس بچے کا انسان بننا اور پھر یہ کہنا کہ "میں روزانہ نہیں آ سکتا۔ میری کچھ مجبوریاں ہیں۔" اس رات مجھے نیند نہیں آ کے دے رہی تھی، خواب کی تمام باتیں دماغ پر ہتھوڑے برساتی رہیں، اور پھر نہ جانے میں کب نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

صبح کے وقت امی نے مجھے دروازہ کھٹکھٹا کر اٹھایا میں نے دروازہ کھولا تو میری شکل دیکھ کر امی فوراً بولیں۔ "خوشبو خیریت تو ہے؟ آج تم اس وقت تک سوتی رہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، اور یہ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا، یہ تو بہت سرخ ہو رہی ہیں۔ اور کٹورے میں یہ دودھ پڑا ہوا ہے۔ تمہیں دودھ پینا بھی یاد نہ رہا۔"

"امی، میرے سر میں بہت درد ہو رہا تھا، اسی وجہ سے کافی دیر تک نیند نہیں آئی، ابھی نہا لوں گی۔ تو طبیعت فریش ہو جائے گی، اسی وجہ سے مجھے دودھ پینا بھی یاد نہ رہا۔"

میں امی کے ساتھ نیچے آ گئی اور غسل خانے میں گھس گئی، ٹھنڈے پانی نے بہت اچھا اثر ڈالا، میں کافی دیر تک نہاتی رہی۔ جب میں غسل خانے سے نکلی تو میری طبیعت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ میں نے ناشتہ کیا اور گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

رات ہوئی تو میں نے کٹورے میں دودھ لیا اور کمرے میں آ گئی۔ ٹھیک رات کے بارہ بجے وہ بلی کا بچہ اچانک کمرے میں آیا۔ میاؤں...... میاؤں...... بولا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور فوراً...... دودھ کا کٹورا اس کے سامنے کر دیا۔ جلدی سے اس نے دودھ پی لیا اور میں اسے بغور دیکھ ہی رہی تھی کہ چھلانگ لگا کر بستر پر چڑھ گیا۔

اور پھر تقریباً دو ہفتے تک اس کا اس طرح ایک رات آنا اور دوسری رات نہ آنا رہا...... مجھے خواب کی بات یاد آئی کہ "میں روزانہ نہیں آ سکتا۔"

جس رات اس کے نہ آنے کا ہوتا، اس رات میں دودھ نیچے ہی پی لیا کرتی تھی، کئی دفعہ امی نے ٹوکا بھی کہ "خوشبو یہ تم نے کیا بنا رکھا ہے، ایک رات دودھ اوپر لے جاتی اور پھر ایک رات نیچے ہی پی لیتی ہو۔"

"ارے امی! ایسی کوئی خاص بات نہیں، بس یاد آ جاتا ہے تو پی لیتی ہوں، اور جب زیادہ دیر سے پینے کا دل کرتا ہے تو اوپر لے کر چلی جاتی ہوں۔"

ایک رات میری طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ وہ رات اس کے آنے والی نہیں تھی۔ درد کی وجہ سے میرا سر پھٹتا جا رہا تھا، میں بستر پر لیٹی کروٹیں بدلتی رہی، کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ میں غنودگی کی حالت میں تھی۔ لیکن میرے منہ سے نکلا۔ "اوہ! یہ درد تو میری جان لے کر رہے گا۔" اتنے میں، میں نے محسوس کیا کہ ایک ہاتھ میرے ماتھے پر آ کر ٹک گیا۔ اس ہاتھ کا لمس اتنا سکون بخش تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ہولے ہولے اور آہستہ آہستہ میرا سر دبایا جائے گا۔ اس سے مجھے بہت سکون ملے گا۔ لیکن میری آنکھیں بدستور بند ہی رہیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی میں اپنی آنکھیں نہ کھول سکی۔ سر دبانے والا کب تک میرا سر دباتا رہا۔ مجھے یاد نہیں، مجھے اتنا سکون ملا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں آرام و سکون سے سو گئی۔

میں گہری نیند میں تھی میں نے خواب دیکھا کہ وہی نوجوان میرا سر دبا رہا ہے، سر دباتے دباتے گویا ہوا۔ "خوشبو تمہارے سر میں درد ہے اور میری حالت ایسی ہو رہی ہے کہ جیسے پانی کے بغیر مچھلی۔ میرا اب تم سے جدا رہنا ممکن نہیں۔"

میرے منہ سے نکلا۔ "آپ ہیں کون، میں نے تو کبھی آپ کو دیکھا نہیں، اور اچانک مجھ سے یہ اپنائیت کیا معنی رکھتی ہے، اگر آپ مجھے اتنا چاہتے ہیں تو ہمارے گھر اپنے گھر والوں کو بھیج دیں۔"

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے اداسی چھا گئی پھر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے

بولا۔ ''خوشبو تمہارے گھر والے ہماری بات کسی صورت نہیں مانیں گے۔ خیر میں کوشش ضرور کروں گا اور ہاں یاد آیا۔ کل تم سارے گھر والے اپنے ماموں کے گھر جارہے ہو اور تین دن تک وہیں رہو گے لہٰذا میں تین دن نہیں آؤں گا۔ تمہاری جدائی مجھے بے چین رکھے گی، خیر برداشت تو کرنی ہے۔ اب تمہارے سر کا درد ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب تم آرام سے سوتی رہو، میں چلتا ہوں، اب میرا وقت باہر رہنے کا نہیں رہا۔'' یہ بول کر وہ اٹھا اور پھر اچانک نہ جانے کیسے غائب ہو گیا۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے میری آنکھ کھلی امی کی آواز پر، میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو ہڑبڑا کر نیچے کی جانب بھاگی۔ امی کی مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ بولیں۔

''خوشبو میں آج کل تمہیں بغور دیکھ رہی ہوں کہ تم وقت کی پابندی سے جی چرا رہی ہو، اور یہ کیوں ہو رہا ہے میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ صبح کے وقت تم نے وقت پر اٹھنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ آئے دن تمہارے سر کو کیا ہو گیا ہے کہ جب دیکھو سر میں درد لئے بیٹھی ہو، کیا تم نے سوچوں کے ساتھ سمجھوتا کر لیا ہے، جب آدمی کچھ زیادہ سوچنے لگتا ہے تو سر درد اس کے پاس منڈلانے لگتا ہے۔ میں حکیم صاحب کو بلا لیتی ہوں۔ تم ان سے مشورہ کرو۔

خیر یہ تو ہو گا واپسی پر۔ تمہارے ماموں کا فون آیا تھا۔ گاڑی بھیج رہے ہیں، تم اپنی تیاری کر لو، ماموں کے گھر جانا ہے اور تین دن کے لئے کپڑے بھی ساتھ لے لینا۔ تین دن وہیں رہنا ہے، بول رہے تھے کہ باجی کئی ماہ ہو گئے آپ آئیں نہیں۔ میں گاڑی بھیج رہا ہوں، آج ہر صورت آپ نے بچوں سمیت آنا ہے اور دولہا بھائی کو ضرور لے آیئے گا، تمہارے ابا راضی ہو گئے ہیں، یہ بھی اللہ کا شکر ہے، تم منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرو اور پھر تیاری۔''

امی نے یہ کہا اور میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے غسل خانے میں جا گھسی۔

میں حیران تھی کہ ماموں کے گھر جانے کی خبر تو مجھے خواب میں نظر آ گئی تھی۔ اور وہ ہے کون جس نے خواب میں مجھے اس بات کی خبر دی۔ میں نے اس بات پر بہت سوچا۔ خیر اپنے سر کو جھٹکا اور خود سے بولی۔

''جو ہو گا دیکھا جائے گا۔''

ہم سارے گھر والے ماموں کے گھر پہنچ گئے، ماموں اور ان کے بچے ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ممانی نے پہلے ہی سے پلاؤ کا اہتمام کر رکھا تھا۔ دوپہر کا کھانا ہم نے کھایا۔ گپ شپ کرتے کرتے رات ہوئی، رات کا کھانا کھایا اور سب اپنے اپنے بستروں پر جا کر لیٹ گئے۔

بستر پر لیٹتے ہی مجھے بلی کے بچے کا خیال آیا۔ ''اگر وہ آئے گا تو......'' پھر مجھے اچانک اس نوجوان جو کہ اکثر میرے خواب میں آتا تھا بلی کے بچے سے اچانک آدمی بن جانا، اور پھر اس کی باتیں، مجھے ہلاک کرنے لگیں...... خیر کروٹیں بدلتے بدلتے مجھے نیند آ ہی گئی۔

ہم تین دن ماموں کے گھر رہے اور چوتھے روز ہم اپنے گھر آ گئے، ان تین راتوں میں بھی وہ متواتر میرے خواب میں آتا رہا، چوتھے دن ہمیں گھر آ کر سکون ملا کیونکہ جو آرام سکون اپنے گھر میں ملتا ہے، وہ کسی اور غیر جگہ نہیں۔

اس رات بھی وہ خواب میں آیا۔ وہ میرے بہت قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا بولا۔ ''خوشبو، میں تمہیں ہر حال میں اپنی دنیا میں لے جاؤں گا، چاہے مجھے آگ کے دریا سے گزرنا ہی کیوں نہ پڑے۔'' کافی دیر تک وہ بیٹھا اسی قسم کی باتیں کرتا رہا۔

اب میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر خواب میں اس سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے لگی تھی کہ کاش وہ مجسم میرے قریب آ جائے اور مجھ سے دل لگی کی باتیں کرے۔ اس سلسلے کو چلتے ہوئے تقریباً چھ ماہ ہو چکے تھے۔ وہ متواتر ہر روز بلاناغہ خواب میں آتا۔ وہ اتنا بے تکلف ہو چکا تھا کہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگا تھا۔

میں دن بھر اس کے خیالوں میں مگن رہنے لگی تھی اس کی خوب صورتی، مردانہ وجاہت نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ کبھی کبھی تو میں ان خیالات کو جھٹکنے کی کوشش

کرتی مگر میں کہیں اس سے زیادہ ان خیالات میں جکڑتی چلی گئی۔

پھر ایک وقت آیا کہ میں اس کی قربت کے لئے بے چین رہنے لگی۔ دن بڑی بے چینی میں کٹتا اور رات ہوتے ہی میں کوشش کرنے لگتی کہ مجھے جلدی سے نیند آ جائے تا کہ وہ مجھے خواب میں نظر آئے۔ میں جیسے اس کی جدائی میں حال سے بے حال رہنے لگی۔ ہر وقت دل چاہتا کہ کاش! وہ حقیقت میں میرے سامنے آ جائے۔ کافی دنوں سے اب وہ بلی کا بچہ بھی غائب تھا۔

ایک دن میں صبح ہی سے بے چین تھی، مجھے کسی پل چین نہیں مل رہا تھا، تمام باتوں کو سوچتے سوچتے میرے سر میں شدید درد ہونے لگا، اسی حالت میں رات ہو گئی، کھانا کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا مگر پھر امی کی باتوں سے بچنے کے لئے دو چار لقمے زبردستی کھانا پڑا۔ میں خود کو بہلانے کے لئے نیچے امی اور بہنوں کے پاس گپ شپ میں لگی رہی اور اس طرح رات کے ساڑھے دس بج گئے۔ تو میں نے امی سے کہا۔ ''اچھا اب میں سونے کے لئے جا رہی ہوں۔'' میں نے شب بخیر کہا اور سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گئی۔

کمرے میں آ کر میں بستر پر لیٹ گئی، لیکن چین کہاں تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر اس طرح اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے رات کے بارہ بج گئے۔ بستر پر بیٹھی میں اپنی سوچوں میں جیسے مدہوش تھی کہ اچانک آواز سنی ''خوشبو۔''

بستر کے سامنے جو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی نوجوان مجسم کھڑا تھا۔ میں اس قدر بدحواس تھی کہ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ بستر سے اٹھی اور آناً فاناً اس کے گلے سے لگ گئی، میں بالکل دیوانی ہو رہی تھی، میں جیسے اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس نے بھی مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

چند منٹ تک میں اسی طرح اس کے گلے سے لگی رہی کہ پھر جیسے اچانک مجھے ہوش آ گیا اور میں جھٹ سے اس سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

میری آنکھیں پھیلتی چلی گئیں، میرے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، بدحواسی کے عالم میں، میں اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی، میرے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے، میں سہمی ہوئی تھی اور مجھ پر کپکپی طاری ہو چکی تھی، میری زبان گنگ تھی اور کوشش کے باوجود بھی میرے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی، میری اندرونی اور بیرونی کیفیت کو بھانپتے ہوئے اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو میں جیسے چونک گئی اور لرزتے قدموں سے پیچھے کی جانب ہٹنے لگی اور پھر دھڑام سے بستر پر جیسے گر گئی۔

وہ آگے بڑھا اور پھر سے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا تو میں نے جھٹ سے اس کا ہاتھ جھڑک دیا اور میں جیسے ہوش میں آ گئی۔ ''آپ! کون ہیں، اور میرے کمرے میں کیسے آئے؟''

''خوشبو! گھبراؤ نہیں، میری بات سنو! میں وہ ہوں جسے تم خواب میں دیکھتی رہی ہو۔''

''آپ آئے کیسے، اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی اور یہ دروازہ بھی تو بند ہے، پھر آپ......؟''

''ارے میری بات تو سنو! میں بتا تو رہا ہوں۔ دراصل میں ایک عمل پڑھتا ہوں تو، غائب ہو کر جہاں چاہوں جا سکتا ہوں بلا روک ٹوک اور مجھ پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی۔ لیکن میں صرف اسے ہی نظر آ سکتا ہوں جو میرے دل دماغ میں ہو، اس کے علاوہ کوئی دوسرا مجھے بالکل بھی نہیں دیکھ سکتا۔ تم گھبراؤ نہیں، تمہارے علاوہ میں کسی.....''

اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ میں درمیان میں بول پڑی۔

''لیکن یہ تو سراسر غلط ہے کہ میں کسی نامحرم کے ساتھ وقت گزاری کروں۔ کوئی تنہائی میں مجھ سے باتیں کرے، میں تو اسے اچھا نہیں سمجھتی، آپ برائے مہربانی چلے جائیں۔ میری خوشی اور میری عزت کی خاطر۔''

میری باتیں سن کر وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا کہ پھر

اچانک اس کی آنکھوں سے کچھ شعاعیں نکلیں اور میری آنکھوں کے ذریعے میرے دماغ میں سماتی چلی گئیں۔ اس کے بعد میرا دماغ میرے قابو میں نہ رہا۔ میرا تمام ڈرو خوف بالکل ختم ہوگیا، اور میں اس کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتی رہی۔ میں کب سوئی یہ بھی مجھے یاد نہ رہا۔

صبح کے وقت میں نو بجے سو کر اٹھی تو امی کا پارہ بہت چڑھا ہوا تھا۔ ان کی زبان نہ جانے کیا کیا اگلتی رہی لیکن میں نے ان کی سنی ان سنی کر دی۔ ابا حضور درمیان میں آگئے اور بولے۔ ''بیگم تم خواہ مخواہ اسے ڈانٹ رہی ہو، مجھے لگتا ہے اس کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں، یہ میں کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں، میں حکیم صاحب کو بلوا لیتا ہوں، حکیم صاحب دوا دیں گے، یہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' ابا حضور کی باتیں سن کر امی خاموش ہو گئیں۔

کچھ سوچتی رہی پھر بولیں۔ ''خوشبو! پھر بھی میرا یہ کہنا ہے کہ تم اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو! لگتا ہے کہ آج کل تم رات میں مسلسل جاگتی رہتی ہو، بہر حال حکیم صاحب آجائیں تو ان سے اپنی تکلیف بیان کرنا، اب جاؤ اور جا کر منہ ہاتھ دھولو اور ناشتہ کرو۔''

خیر دو گھنٹے بعد حکیم صاحب آگئے۔ انہوں نے حال احوال پوچھا، تو میں نے انہیں بتایا کہ ''آج کل مجھے رات میں نیند بہت کم آرہی ہے۔''

حکیم صاحب نے آرام سکون کی دوا دی اور چلے گئے۔ ابا حضور سے کہا کہ ''ویسے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چند دن میں ٹھیک ہو جائیں گی، میں نے دوا دے دی ہے۔''

اس کے بعد یہ معمول بن گیا ہے کہ وہ روزانہ بلا ناغہ رات میں آنے لگا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ ہم دونوں بے تکلف ہوتے چلے گئے۔ اس کی چھیڑ چھاڑ بڑھتی ہی رہی۔

میرا دن کا وقت اسی کی جدائی میں پہاڑ معلوم ہونے لگا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ ایک پل کے لئے بھی وہ میری نظروں سے اوجھل ہو۔

اسی طرح مزید تین ماہ گزر گئے اور پھر ایک رات اس نے اپنی حقیقت مجھ پر عیاں کر دی۔

''خوشبو! میرا تعلق دراصل قوم جنات سے ہے۔ میرا نام روشاک ہے۔'' میں نے پہلی مرتبہ تمہیں چھت پر دیکھا اور تمہارا دیوانہ ہو گیا۔ یہ سن کر میں اندرونی طور پر سہم گئی۔ لیکن میں اس کی چاہت میں بہت دور تک نکل چکی تھی۔ میں اس کی جدائی کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن وہ جمعہ کی رات میں نہیں آتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''دراصل جمعہ کے دن اور رات میں میں اپنے قبیلہ سے باہر نہیں نکلتا، یہ میرے والد کی مجھ پر پابندی ہے، کیونکہ جمعہ کی رات میں ہمارے قبیلہ میں کسی نہ کسی تقریب کا اہتمام ہوتا ہے، ہمارا تعلق مسلمان جنات سے ہے۔ زیادہ تر جمعہ کی رات ہمارے قبیلہ میں محفل منعقد ہوتی ہے، جس میں دین کے متعلق باتیں ہوتی ہیں اور پھر جب رات میں آتا ہوں تو وہ بھی چھپ چھپا کر، ایک وقت مقررہ پر میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاتا ہوں اندر سے دروازہ بند کر لیتا ہوں، گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ میں سو رہا ہوں مگر میں ان کی نظر بچا کر تمہارے پاس آجاتا ہوں۔''

ایک دن وہ کہنے لگا۔ ''خوشبو! میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد تمہیں میں اپنی دنیا میں لے جاؤں، لیکن کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ یہ ممکن نہیں۔ میرے والد صاحب قبیلہ کے سردار ہیں، ان کا اصول بہت پکا ہے، اگر کوئی اصول توڑتا ہے تو اسے بہت سخت سزا ملتی ہے، لیکن میں تمہاری چاہت میں ہر سزا کو بھگت لوں گا۔ اگر میری جان بھی چلی جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔

لیکن تمہارے کسی گھر والے نے راہ میں رکاوٹ ڈالی تو میں اس کی جان لینے میں بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اور اگر مجھے تمہارے تمام گھر والوں کی جان بھی لینی پڑی تو میں بالکل بھی نہیں ہچکچاؤں گا، میں تمام رکاوٹیں گرا دوں گا، اگر تم میری نہیں ہوگی تو میں تمہیں کسی اور کی بھی نہیں

ہونے دوں گی۔ یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔

اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم اپنے گھر والوں کے لئے کیا قدم اٹھا سکتی ہو۔ تمہارے بھائی بہن والد اور والدہ تمہاری مٹھی میں ہیں یعنی تم چاہو گی تو وہ زندہ رہیں گے۔ تم میری باتوں پر عمل کرتی رہو گی تو ان سب کی زندگی باقی رہے گی، ورنہ.....'' اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس مسئلے کو کوئی دو سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ راز میرے گھر والوں پر بھی عیاں ہو گیا کہ میں ایک جن زادے کے چنگل میں پھنس چکی ہوں۔

کئی مرتبہ ابا حضور نے خفیہ طریقے سے کئی عامل حضرات سے مل کر کچھ کرانے کی کوشش کی، کئی عامل نے تو اس مسئلے میں ہاتھ ڈالنے سے معذرت کرلی۔

دو عامل حضرات کی پر اسرار طور پر موت واقع ہوگئی۔ یہ دیکھتے ہوئے ایک دن اس نے ابا حضور کے سامنے ظاہر ہو کر وارننگ دے دی کہ ''اب اگر آئندہ کسی عامل سے رابطہ کیا تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا اور ساتھ ہی سارے گھر والے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

حکیم صاحب! بس یہ سمجھ لیں کہ اگر میں اب زندہ ہوں تو صرف اور صرف اپنے گھر والوں کی خاطر، میں کئی مرتبہ خودکشی کے متعلق بھی سوچ چکی ہوں، مگر میرے گھر والوں کا چہرہ میرے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ میرے چکر میں میری بہنوں کی عمریں بھی زیادہ ہو رہی ہیں۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا رشتہ کے لئے آ بھی جاتا ہے تو پھر دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا۔

اب تو ہمارے حالات کا علم دوسروں کو بھی ہو چکا ہے۔ ضروریات زندگی کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ لا کر دیتا ہے، اور یہ بھی حکم کرتا ہے کہ یہ رقم رکھیں ورنہ.....''

لہٰذا عزت آبرو اور گھر والوں کی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ابا حضور وہ رقم لے لیتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ غصہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھا بیٹھے۔

خوشبو کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

رد لوکا نے اسے تسلی دی۔ ''بیٹی تم گھبراؤ نہیں، اوپر والے نے چاہا تو بہت جلد تم لوگوں کی جان اس سے چھوٹ جائے گی۔ جو ہونا تھا وہ تو اب تک ہو چکا۔ اس سے تم لوگوں کی جان چھڑانے کی میں بھرپور کوشش کروں گا۔ خاص کر تم بالکل نہ گھبراؤ، ویسے میں یہاں تک کر دوں گا کہ تمہاری میرے پاس آمد کے بارے میں اسے قطعی خبر نہ ہونے پائے۔ تم آرام سکون سے گھر جاؤ۔

اور یہ لو تمہارے ابا حضور بھی آ گئے۔ رد لوکا بولا۔

''ارے جناب! آپ کہاں چلے گئے تھے سگریٹ لینے کے لئے!''

''حکیم صاحب! زیادہ دور تو نہیں گیا تھا بلکہ باہر بیٹھا ہوا سگریٹ کا کش لیتے ہوئے حالات و واقعات کی گتھیوں میں الجھ گیا تھا۔ بس آپ یہ سمجھ لیں کہ میں اندرونی طور پر ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا ہوں، اس سے زیادہ میرے پاس الفاظ نہیں۔

میں بہت امید اور آس لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی شہرت کوئی چھپی ہوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ دے، ہمت دے اور آپ پر اپنا فضل و کرم رکھے تاکہ آپ دکھی لوگوں کی مدد کرتے رہیں۔ امید ہے خوشبو بیٹی نے ساری پریشانیوں کا تذکرہ کر دیا ہوگا۔''

''جی انہوں نے ساری بات بتا دی ہے۔ آپ ایسا کریں کہ اپنے گھر والوں کا پتہ اس کاغذ پر لکھ دیں۔ بس آپ کا کام ختم، آپ بالکل بے فکر ہو کر جائیں، رہا مسئلہ تو اسے میں دیکھ لوں گا۔ بہت جلد آپ لوگوں کو خوشخبری ملے گی۔'' رد لوکا نے کہا۔

خوشبو کے والد بولے۔ ''حکیم صاحب! آپ کی بہت بہت مہربانی، اس میں جو بھی خرچ ہوگا، میں دینے کے لئے تیار ہوں، آپ بلا جھجک حکم کریں۔ ویسے میں تاحیات آپ کے حق میں دعا گو رہوں گا اور میں اپنی

آنے والی نسلوں کو بھی ہدایت کر جاؤں گا کہ وہ آپ کے لئے دعا کرتے رہیں۔"

"جناب کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی خرچ وغیرہ ہوگا، بس آپ لوگ دعاؤں میں یاد کرلیا کیجئے گا، یہی میری خوشی ہے۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب! اب ہم چلتے ہیں، میں آپ کی آمد کا شدت سے انتظار کروں گا، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس جن کو پتہ لگ جائے کہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔" خوشبو کے والد بولے۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں! اس کم بخت کو اس کی ہوا تک نہیں لگے گی، آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں، اپنے دل و دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہ رکھیں، آپ خوشی خوشی جائیں۔" رولوکا نے کہا۔

خوشبو اور خوشبو کے ابا حضور تانگے میں بیٹھے اور اپنے گاؤں روانہ ہوگئے۔

ہفتے کا دن گزر گیا۔ رات آئی، رولوکا اپنے کمرے میں موجود تھا۔ رات کے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے رولوکا نے خوشبو کے گاؤں کا تصور کیا اور غائبانہ طریقے سے خوشبو کے کمرے میں پہنچ گیا، وہ غائب حالت میں کمرے میں موجود تھا۔

رات پونے بارہ کا وقت ہوگا کہ اچانک کمرے میں وہ جن نمودار ہوا۔ خوشبو اپنے بستر پر بیٹھی اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ بولی۔ "آپ آگئے۔"

"ارے بڑی مشکل سے آیا ہوں، آج والد صاحب نے مجھے اپنے پاس بیٹھا رکھا تھا اور باتوں میں مصروف تھے کہ میں نے نیند کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے میں چلا آیا اور پھر اب تمہارے سامنے موجود ہوں۔ لیکن پتہ نہیں آج مجھے تمہارے کمرے میں کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے علاوہ بھی کوئی تیسرا فرد اس کمرے میں موجود ہے۔" اور اس نے اپنی نظریں کمرے کے چاروں طرف دوڑانی شروع کردیں۔ وہ چاروں طرف دیکھتا رہا، پھر اچانک اس کی آنکھوں سے شعاعیں نکلنے لگیں اور وہ شعاعیں کمرے میں چاروں طرف گردش کرنے لگیں، چند لمحے بعد ہی وہ شعاعیں ختم ہوگئیں۔

شعاعوں کو دیکھ کر خوشبو بولی۔ "یہ آپ نے کیا کیا اور یہ شعاعیں کیسی تھیں؟" دراصل خوشبو اندرونی طور پر سہم گئی تھی کیونکہ وہ اور اس کے ابا حضور کل دن میں رولوکا سے مل کر آئے تھے، اس کے دل میں آیا کہ کہیں یہ معلوم تو نہیں کر رہا تھا اور اگر اسے معلوم ہوگیا تو نہ جانے یہ کیا کر بیٹھے۔"

"دراصل میں اپنی تسلی کر رہا تھا کہ کوئی غائبانہ طور پر اس کمرے میں موجود تو نہیں۔ مگر مجھے شک تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو یہ شعاعیں اسے جلا کر خاکستر کردیتیں۔ یہ شعاعیں ایسی طاقتور ہیں کہ خفیہ اور مخفی چیزوں پر بھی حاوی ہوکر اسے نیست و نابود کردیتی ہیں مگر ابھی بھی میرا شک دور نہیں ہوا، مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی موجود ہے اور میری نگرانی کر رہا ہے۔" وہ جن بولا۔

☆☆☆

خوشبو بولی۔ "آپ خواہ مخواہ شک کر رہے ہیں، بھلا آپ کی طاقت کے آگے کسی کی مجال ہے جو آپ کی نگرانی کرے، لگتا ہے کہ آپ آج کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں۔ اس سے پہلے تو آپ نے ایسی باتیں نہیں کیں۔ کسی میں اتنی ہمت ہے کہ آپ سے ٹکرائے، آپ پریشان نہ ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کہ میرا یہ وہم ہو، خیر چھوڑو ان باتوں کو، ان باتوں میں وقت گزر رہا ہے، اگر ایسا ہوا تو میں اسے دیکھ لوں گا، اور تمہاری حفاظت کے لئے میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا، میں کسی بھی صورت تم سے دور نہیں ہوسکتا، یہ میرا اٹل فیصلہ ہے، کوئی مدمقابل آیا تو پھر اس کی خیر نہیں، چاہے تمہارا کوئی خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اچھا اب وقت ضائع نہ کرو اور میری آغوش میں آجاؤ۔" اس نے کہا۔

اور پھر خوشبو کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اپنی بانہوں میں

دبوچ لیا۔ خوشبو اس کی بانہوں میں ساکت ہو کر رہ گئی۔ تو رولوکا نے اب غائبانہ طور پر کمرے میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

جن زادہ روشاک کافی دیر تک خوشبو کی ذات سے لطف اندوز ہوتا رہا، اور پھر ایک مقررہ وقت پر جو کہ اکثر اس کا وقت ہوتا تھا۔ اس وقت پر خوشبو کو بے سدھ چھوڑ کر کمرے سے غائب ہو گیا۔

صبح کافی دیر تک خوشبو سوتی رہی اور پھر بہن کے جگانے پر اس کی آنکھ کھلی۔ خوشبو کی آنکھیں جاگنے کی وجہ سے آج کچھ زیادہ ہی سرخ ہو رہی تھیں، جنہیں دیکھ کر کہکشاں نے پوچھا۔ "آپی آج تو آپ کی آنکھیں بہت زیادہ سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا آنکھوں میں کوئی تکلیف ہو گئی ہے؟"

"کہکشاں ایسی کوئی بات نہیں۔ رات سر میں بہت شدید درد تھا جس کی وجہ سے کافی دیر تک جاگتی رہی تھی، چلو نیچے چلتے ہیں۔" اور پھر دونوں بہنیں سیڑھیوں سے اترتی ہوئی نیچے چلی آئیں۔

خوشبو پر نظر پڑتے ہی اس کی امی بولیں۔ "ارے خوشبو آج تمہاری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے، آج تو بہت زیادہ سرخ ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر اور ہمارے حال پر رحم کرے۔ بیٹا میں تو یہ سوچ سوچ کر گھلتی جا رہی ہوں کہ کاش! تم نے شروع دن ہی میری بات مان لی ہوتی تو آج یہ جان لیوا کٹھن دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تمہارے ابو بھی دن رات کرب و اذیت کے پہاڑ تلے دبتے چلے جا رہے ہیں۔

بیٹا تمہارا ذہن تو جب اس کے تسلط سے فراغت پاتا ہے تو تم گھڑی دو گھڑی کے لئے اپنے ذہن کو آزاد پاتی ہو لیکن ایک ہم ہیں کہ ہم سارے گھر والے ہر وقت ہر لمحہ سوچوں کے گرداب میں پھنسے رہتے ہیں۔ لگتا ہے اس کرب و اذیت کی وجہ سے ہم زندہ درگور ہو جائیں، یا پھر......"

خوشبو کی امی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"امی آپ زیادہ فکر نہ کریں، اللہ نے چاہا تو بہت جلد ہم ان جان لیوا مصائب سے چھٹکارا پائیں گے، میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہماری جان تمام پریشانیوں سے چھوٹ جائے گی۔" خوشبو بولی۔

"چلو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرو۔" اس کی والدہ بولیں۔ تو خوشبو اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے غسل خانے میں چلی گئی۔

ادھر رولوکا اپنے کمرے میں بیٹھا اس جن زادہ روشاک کے متعلق سوچ رہا تھا کہ "کم بخت خوشبو کو اپنے شکنجے میں جکڑ چکا ہے۔ جب وہ آتا ہے تو ایک قسم کا سحر خوشبو کے دل و دماغ پر طاری کر دیتا ہے جس کی وجہ سے خوشبو کا دماغ اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ خیر میں دیکھتا ہوں کہ اس کا سدباب کیا ہوتا ہے۔ اس کا مکمل علاج ضروری ہے، یعنی اس کا خاتمہ، کیونکہ اگر اسے آزاد چھوڑ دیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت جب موقع لگے یہ کوئی بھی ناتلافی نقصان پہنچانے سے باز نہیں آئے گا۔

یا پھر اگر اسے قید بھی کر دیا گیا تو کسی وجہ سے یہ آزاد ہو گیا تب بھی یہ خوشبو کی ذات اور اس کے گھرانے کو نقصان پہنچانے سے ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ اور اگر اس درمیان خوشبو کی شادی ہو گئی تو یہ اس کا اور بھی دشمن بن جائے گا۔ خیر کوئی بات نہیں، روشاک تو بھی کیا یاد کرے گا، تو ناحق کسی معصوم پر اپنا تسلط جما بیٹھا ہے۔" اور یہ بول کر رولوکا مسکرانے لگا۔

دوسری رات آئی اور پھر رولوکا غائبانہ طور پر خوشبو کے کمرے میں موجود تھا۔ اپنے وقت پر روشاک کمرے میں حاضر ہو گیا۔ خوشبو اپنے سر پر اپنا ہاتھ رکھے آنکھیں موند کر سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبی پڑی تھی۔ اسے آواز سنائی دی۔ "خوشبو۔" تو اس نے جھٹ اپنی آنکھیں کھول دیں۔ "آپ آ گئے۔" اس نے کہا۔ "میں آپ ہی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ ابھی تک آپ نہیں آئے۔ اب تو میں اپنی نیند بھی نہیں سو سکتی۔ کیونکہ ہر پل آپ کے آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور یہی سوچ سوچ کر آنکھوں

سے نیند کوسوں دور رہتی ہے۔"

وہ خوشبو کی باتیں سنتا رہا اور اچنبھے کی حالت میں اپنی آنکھیں کمرے کے چاروں طرف دوڑاتا بھی رہا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اندرونی طور پر عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟ آپ اس طرح گھور گھور کر کمرے میں کیا دیکھ رہے ہیں؟" خوشبو نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں، مجھے کسی کی موجودگی کا گمان ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی ہم دونوں کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی نادیدہ قوت۔" روشاک اپنے ہاتھ کو مسلتے ہوئے بولا۔

"آپ کے علاوہ کوئی اور نادیدہ قوت کون ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھ رہی ہوں کہ آپ کو اس قسم کا وہم ہو گیا ہے۔ مجھے تو ایسا بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہا۔" خوشبو بولی۔

"خوشبو! جو کچھ میں محسوس کر رہا ہوں، وہ تم نہیں محسوس کر سکتی۔" اور پھر اس کی ایک گرجدار غصیلی آواز گونجی۔ "اگر کوئی موجود ہے تو فوراً سامنے آ جائے، ورنہ اگر میں نے اپنے طریقے سے معلوم کر لیا تو تمہاری خیر نہیں، تمہیں اندازہ نہیں کہ ایک جن کی طاقت کیا ہوتی ہے۔"

اس کی آوازوں کے علاوہ پورے کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ "اب بھی وقت ہے تم جو بھی ہو فوراً ظاہر ہو جاؤ، نہیں تو......" اور پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ دیوار کی طرف کر دیا۔ پانچوں انگلیوں سے سرخ رنگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اس کے بعد وہ کمرے میں چاروں طرف گھوم کر یہ عمل کرتا رہا۔ اس کے ہاتھ سے نکلتی سرخ چنگاریاں دیواروں پر پڑتی رہیں۔ مگر کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا تو وہ جیسے شکست خوردہ انداز میں قہر آلود نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔ "میں نے اپنی طاقت کا نچوڑ آزما لیا مگر......" اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں، میرے اور آپ کے علاوہ اس کمرے میں اور کون ہو سکتا ہے، آپ اپنے آپ کو پریشان نہ کریں، چلیں میرے قریب بیٹھیں۔" اور خوشبو نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

پھر وہ بولا۔ "اگر تو کوئی ہے بھی تو، میں دیکھ لوں گا، اس حقیقت کو پانے کے لئے اب مجھے کسی وقت دن میں بھی آنا پڑے گا، پھر میں دیکھتا ہوں کہ......" اور اس نے اس بار بھی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ کی پریشانی دیکھ کر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے، آپ اس مسئلے کو چھوڑیں، کمرے میں کوئی بھی نہیں، صرف میں کمرے میں موجود ہوں، کوئی اور نہیں۔" خوشبو مسکراتے ہوئے بولی تو اس نے خوشبو کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"خوشبو! میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی مجھ سے جدا کر دے۔ میں تمہیں کتنا چاہنے لگا ہوں اس کا تمہیں اندازہ نہیں، بس یہ سمجھ لو کہ تم میری جان ہو۔ کاش! کہ اگر میرا بس چلتا تو میں ایک پل کے لئے بھی تم سے جدا نہیں ہوتا۔

مگر میں مجبور ہوں، کیونکہ میرے قبیلہ کا قانون بہت سخت ہے، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ حدود سے تجاوز اور غلطی کی سزا میں کوئی بھی نرمی نہیں برتی جاتی، چاہے وہ جنات سردار کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ خیر کوئی بات نہیں، تمہاری خاطر کبھی وقت آیا تو میں اپنی جان نچھاور کر دوں گا، لیکن تمہاری ذات سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔" وہ بولا۔

"اگر آپ کے قبیلے کا اتنا سخت قانون ہے، اور آپ اس طرح چھپ چھپ کر یہاں آتے ہیں، اگر آپ کے قبیلہ والوں کو اس بات کی خبر ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟" خوشبو بولی۔

"خوشبو! میں یہاں آتا ہوں اس کی خبر قبیلہ والوں کو نہیں ہو سکتی۔"

"اور اگر کسی طرح خبر ہو گئی تو پھر آپ کیا قدم اٹھائیں گے اور پھر میرا کیا ہو گا؟" خوشبو بولی۔

"تم فکر نہ کرو، میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔

ویسے ہم مسلمان جنات ہیں، میرے والد قبیلے کے سردار ہیں، ہمارا قبیلہ شریعت کا بہت پابند ہے اور خاص طور پر میرے والد تو کٹر قسم کے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی طرف سے دل دہل جاتا ہے۔ لیکن خیر کوئی بات نہیں، بس تم مجھے اچھی لگی اور میں تم پر اپنا دل ہار بیٹھا، اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔" اس نے خوشبو کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد بات جب آگے بڑھی تو رولوکا کمرے سے باہر نکل گیا اور پلک جھپکتے ہی وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔

کمرے میں آ کر رولوکا نے ہاتھ منہ دھویا اور پھر بستر پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ اچانک اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی، تو اس نے دل ہی دل میں کچھ سوچا اور فوراً اس کا ایک کارندہ حاضر ہو گیا تو وہ بولا۔

"شمران کل صبح سورج طلوع ہونے کے بعد فلاں گاؤں میں فلاں گھر کے چھت پر جو کمرہ موجود ہے اس میں موجود رہنا ہے اور یہ خیال رہے کہ کسی طور پر بھی گھر والوں کو تمہاری موجودگی کا پتہ نہ چلے، چاہے کچھ بھی ہو جائے تم نے خاموش رہنا ہے اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ تمہارا شائبہ تک ظاہر نہ ہونے پائے، ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

میں تمہیں صاف اور واضح طور پر بتا رہا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے میں کوئی جن آ دھمکے تو تمہاری موجودگی کو وہ محسوس کرلے اور پھر اپنا کوئی حربہ آزمائے، مگر تم نے اس کا کوئی جواب نہیں دینا ہے۔ یہ تو مجھے پتہ ہے کہ اس کا کوئی بھی حربہ تم پر کارگر نہیں ثابت ہوگا۔ روزانہ صبح سورج طلوع سے غروب ہونے تک اس کمرے میں رہنا ہے۔"

رولوکا کا کارندہ شمران بولا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر، آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی، میں آپ کی باتوں پر مکمل عمل کروں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" یہ بول کر شمران غائب ہو گیا۔

صبح ہوئی! سورج کے طلوع ہوتے ہی شمران خوشبو کے کمرے میں پہنچ گیا۔ خوشبو محوِ خواب تھی۔ شمران ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

خوشبو ساڑھے آٹھ بجے اٹھی اور انگڑائی لیتی ہوئی کمرے سے نکل کر نیچے اپنی والدہ اور بہنوں کے پاس آ گئی۔ اسے دیکھ کر اس کی امی بولیں۔ "ارے خوشبو! آج تو تم جلدی اٹھ گئیں۔"

"جی امی! آج میری آنکھ جلدی کھل گئی۔"

"اچھا ہوا۔ خیر چلو منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔"

"جی امی! میں ابھی منہ ہاتھ دھو کر آئی۔" اور خوشبو غسل خانے میں چلی گئی۔

ناشتہ کے بعد خوشبو اور اس کی دونوں بہنیں گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئیں، تینوں بہنیں مل کر دن کا کھانا تیار کرنے لگیں۔ کھانے کے وقت پر دسترخوان لگ گیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہوتے تک دن کے دو بج گئے۔

اس کے بعد کمرے میں بیٹھ کر تینوں بہنیں اور ان کی والدہ گھریلو باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ باتوں کے درمیان خوشبو کا دل کسی انجان بے چینی کی وجہ سے عجیب طرح کا ہونے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی انجانی قوت اسے اپنے کمرے میں جانے کے لئے دباؤ ڈال رہی ہو۔

"اچھا امی، اب میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ذرا آرام کرنا چاہتی ہوں۔ طبیعت ذرا نیند بھرنے کو چاہ رہی ہے۔" خوشبو نے کہا۔

"ارے یہ کون سی بات ہوئی آج دن میں تم کیسے سونے جا رہی ہو، اس سے پہلے تو تم دن میں سوئی نہیں۔ یہ اچانک نیند کا معاملہ......؟" امی نے پوچھا۔

"امی پتہ نہیں آج کیوں نیند کا غلبہ ہو رہا ہے۔ میں چلتی ہوں، ایک گھنٹہ میں واپس آ جاؤں گی۔" خوشبو نے کہا اور پھر اپنے کمرے میں جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے چاروں طرف نظر

دوڑائی اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک کمرے میں روشاک نمودار ہوا اور اس کی آواز سنائی دی۔

"خوشبو!" یہ سننا تھا کہ ہڑبڑا کر خوشبو بستر پر اٹھ بیٹھی اور بدحواسی کے عالم میں بولی۔ "آپ اور اس وقت، خدا کے لئے اور مجھے اذیت نہ دیں، فوراً چلے جائیں، اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو، کبھی تو آپ دن میں نہیں آئے۔"

"خوشبو! تم اس قدر گھبراؤ نہیں، تمہارے گھر والے تو یہ بخوبی جانتے ہیں کہ میں اکثر بلکہ ہر روز تم سے ملتا ہوں، پھر کسی کی نظر پڑنے کا سوال کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی کو نظر بھی نہیں آ سکتا۔

دراصل میں اس بات کی تصدیق کے لئے آ گیا تھا کہ دیکھوں کہ پچھلی راتوں میں مجھے جو کسی اور کے وجود کا شک ہوا تھا، وہ دن میں تو نہیں، مگر مجھے اس وقت بھی ویسا ہی محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی کوئی وجود کمرے میں موجود ہے، مگر یہ وجود جو کہ میرے وار سے بچ رہا ہے، میں نے جو وار اس پر کیا تھا، وہ ایسا وار ہے کہ کسی ان دیکھی مخلوق کا اس وار سے بچ نکلنا ممکن ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

لیکن ایک بات اور میرے دماغ میں آ رہی ہے کہ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔" روشاک بولا۔

"آپ تو خواہ مخواہ شک میں پڑ گئے جبکہ آپ نے بہت زبردست وار بھی کیا، اگر کوئی وجود ہوتا تو وہ اسی وقت خاکستر ہو جاتا۔ میرا تو مشورہ ہے کہ آپ اس شک کو اپنے دماغ سے نکال دیں اور آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔" خوشبو بولی۔

"خوشبو! تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے کہ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟" روشاک نے کہا۔

"میرا مطلب کوئی غلط نہیں، میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی ان دیکھی مخلوق کا آپ کو احساس ہو بھی رہا ہے تو کسی نہ کسی وقت وہ مخلوق آپ کے سامنے آ جائے گی۔"

"ہاں! یہ بات تمہاری درست ہے، اگر وہ میرے سامنے آئی تو پھر اس کا مجھ سے بچ نکلنا ممکن نہیں۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں ورنہ آپ فکر کے پہاڑ تلے دبتے چلے جائیں گے۔" خوشبو نے کہا۔ لیکن خوشبو کے دماغ میں یہ بات اب مکمل طور پر بیٹھ چکی تھی کہ ہو نہ ہو۔ حکیم کامل نے ضرور کچھ ایسا کیا ہے تاکہ یہ بے چین ہو جائے اور پھر وقت کے ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی جائے اور مجھے یہ بات بھی بہت اٹل لگتی ہے کہ حکیم کامل اس کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کئے گئے عمل پر اس کا وار کارگر ثابت نہیں ہوا۔ اور کامیابی کی سبیل نظر آ رہی ہے۔"

"تم کیوں خاموش ہو گئی، خوشبو تم اپنے دماغ میں کوئی ایسی بات نہ لاؤ، کوئی بھی دیکھی یا ان دیکھی چیز ہم دونوں کو جدا نہیں کر سکتی، اور اگر کسی نے ایسا سوچا بھی تو میں اس کا حشر نشر کر کے رکھ دوں گا، ایسا سوچنے والے کا نام دنیا سے مٹا کے رکھ دوں گا۔ خیر اب میں چلتا ہوں، رات میں پھر ملاقات ہو گی تم آرام کرو۔" اور یہ بولتے ہی وہ نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

"خوشبو دوبارہ بستر پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی یقیناً یہ عمل حکیم کامل ہی کا ہے۔ ورنہ آج اور کل رات سے پہلے روشاک نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔

خیر یہ بھی اچھا ہوا کہ اب وہ ناقابل یقین بے چینی سے دوچار ہو گیا ہے۔ اس نے ہم گھر والوں کو بھی ایک طویل عرصہ سے کرب واذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی حرف آخر نہیں، یہاں پر ہر سیر پر سوا سیر موجود ہے۔ اب اس روشاک کے بچے کو معلوم ہوگا کہ طاقت کیا ہوتی ہے۔" اور اسی قسم کی باتیں سوچتے سوچتے وہ نیند کی وادی میں اتر گئی۔

شام کے چھ بجنے والے تھے کہ کمرے میں خوشبو کی بہن کہکشاں آئی اور یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ خوشبو ابھی تک محوِ خواب تھی۔ اس نے دیکھتے ہوئے خوشبو کا ہاتھ پکڑا اور آواز دی۔ تو خوشبو کی آنکھ کھل گئی۔ "ارے کہکشاں تم! خیریت تو ہے؟" خوشبو نے پوچھا۔

"آپ نیچے نہیں آئیں تو امی نے کہا کہ جا کر دیکھو، ابھی تک خوشبو نیچے نہیں آئی، سارے کام اس کے حصے کے پڑے ہیں۔ اسے کہو کہ جلدی سے نیچے آئے اور رات کے کھانے کی تیاری کرے۔"

پتہ نہیں کیوں آج مجھے نیند آ گئی، میں تو بے خبر سو رہی تھی اگر تم نہ جگاتی تو پتہ نہیں اور کب تک سوتی رہتی۔ خیر چلو نیچے چلتے ہیں۔" یہ بول کر خوشبو بستر سے اٹھ کر کہکشاں کے ساتھ سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آ گئی۔

خوشبو کو دیکھ کر اس کی امی بولیں۔ "خوشبو کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کل تم کچھ زیادہ ہی لاپرواہ ہوتی جا رہی ہو۔ میرا تو کہنا ہے کہ اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھو، ویسے بھی ہم کیا کم اذیت میں ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ہم گھر والے مزید پریشانیوں کا ڈھیر بنتے جا رہے ہیں۔ اللہ کرے کہ میں اپنی موت سے پہلے اس گھر اور تم سب کو اس موذی سے آزاد دیکھوں۔" اور انہوں نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ "امی آپ پریشان نہ ہوں، اللہ نے چاہا تو بہت جلد ہم تمام گھر والے خوشیاں دیکھیں گے، میں آپ سب سے کہیں زیادہ کرب و اذیت میں ہوں، میں پتھر کا بت تو نہیں جو احساس نہ کروں، اب میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ بہت جلد ہماری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔"

"آمین۔" برجستہ خوشبو کی امی نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ تمہاری زبان مبارک کرے اور ایسا ہی ہو، خیر تم منہ ہاتھ دھو لو، اور چائے بناؤ، ابھی تک ہم نے چائے نہیں پی۔"

"جی امی! منہ ہاتھ دھو کر فوراً چائے بناتی ہوں۔" یہ کہہ کر خوشبو منہ ہاتھ دھونے لگی اور پھر منہ ہاتھ دھو کر چائے بنانے لگی۔ تھوڑی دیر میں چائے بن کر تیار ہو گئی اور اس نے پیالیوں میں چائے ڈال کر سب کے سامنے رکھ دی۔

اس وقت اس کے والد عتیق احمد بھی موجود تھے، چائے پیتے پیتے وہ بولے۔ "حکیم صاحب نے کہا تھا کہ میں بہت جلد تشریف لاؤں گا، وہ ابھی تک نہ آئے اور نہ کوئی اطلاع بھیجی۔ میرا تو ایک ایک پل اذیت میں گزر رہا ہے۔ حکیم صاحب کی شہرت تو میں نے بہت سن رکھی ہے، کبھی دل مایوس ہو جاتا ہے اور کبھی دل میں امید کی کرن نظر آنے لگتی ہے۔"

"ابا حضور! آپ فکر نہ کریں اللہ نے چاہا تو بہت جلد تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ میرا دل اب بہت مطمئن ہے، کیوں کہ مجھے بہت کچھ محسوس ہو رہا ہے اور پھر حکیم کامل صاحب پر میرا یقین پختہ ہو گیا ہے، اور دل یہ بھی گواہی دے رہا ہے کہ حکیم صاحب نے اپنا کام شروع کر دیا ہے جس کا نتیجہ بہت جلد ہمارے سامنے آئے گا۔" خوشبو بولی۔

"بیٹا دل تو میرا بھی اب کچھ کچھ مطمئن ہو چلا ہے، اللہ کرے کہ بہت جلد ہم سب اس مصیبت سے چھٹکارا پا لیں۔ ہو سکتا ہے کہ حکیم کامل نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے کام شروع کر دیا ہو۔" خوشبو کے والد بولے۔

"ابا حضور! مجھے تو امید کی کرن واضح نظر آتی محسوس ہو رہی ہے۔"

"آمین...... آمین۔" خوشبو کے والد اور والدہ بیک وقت دونوں نے کہا۔ اس کے بعد چائے ختم کر کے دونوں چھوٹی بہنیں چائے کی پیالیاں اٹھا کر کچن میں لے گئیں، اور پھر خوشبو بھی اٹھ کر کچن میں چلی گئی تاکہ رات کا کھانا تیار کرے۔

کچن میں جب خوشبو پہنچی تو کہکشاں بولی۔ "آپی! آج دوپہر میں ابا حضور کی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ بہت غمگین اور پریشان لگ رہے تھے، امی نے انہیں بہت دلاسا دیا۔"

"ابا بولنے لگے۔ ارے میری زندگی کا کیا بھروسہ، مگر میں بچوں کی طرف سے بہت فکر مند ہوں، میرا ہر پل اذیت میں گزر رہا ہے۔ یہ دن میرے بچوں کے خوش ہونے کے تھے لیکن افسوس کہ بچے پریشانیوں میں گھر گئے، میں تو ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر

دعائیں مانگ رہا ہوں، لیکن میں اللہ کی ذات سے مایوس نہیں، اب تو صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے جو ہماری پریشانیوں کو دور کرسکتی ہے، اور اللہ ہی کوئی نہ کوئی وسیلہ بنائے گا۔''

کہکشاں کی باتیں سن کر خوشبو بولی! ''کہکشاں، میرا دل اب بہت مطمئن ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔'' اور یہ بول کر وہ سبزی کی ٹوکری لے کر کاٹنے کے لئے بیٹھ گئی۔

تینوں بہنیں رات کا کھانا تیار کرنے لگیں۔ ایک گھنٹہ میں رات کا کھانا تیار ہوگیا۔ اور پھر رات کے آٹھ بجے گھر والوں نے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ چائے پینے کے بعد تینوں بہنیں سارے برتن سمیٹ کر کچن میں چلی گئیں۔ ان تینوں کا روز کا معمول تھا کہ کھانے کے سارے برتن اور دیگچیاں رات میں ہی دھو کر رکھ دیتی تھیں۔ تمام کام سے فارغ ہوکر خوشبو اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بستر پر لیٹ کر وہ سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں اترتی چلی گئی۔ اب دلی طور پر وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد روشاک سے اس کا پیچھا چھوٹ جائے۔ وہ بہت اکتا چکی تھی، اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ چھپ چھپ کر مگر مچھ کے آنسو بہائے، اسے یقین ہوگیا تھا کہ قدرت کے جو اصول ہیں وہ اٹل ہیں۔ اور حقیقت سے چشم پوشی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔

اللہ نے دنیا میں ایک اٹل اور مضبوط نظام رائج کردیا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ سب اپنے اپنے حدود میں پابند ہیں، کسی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق سے میل ملاپ سود مند نہیں، وقتی آسودگی تو مل جاتی ہے مگر اس میں پائیداری نہیں۔

آج خوشبو کا دل دماغ بہت بے چین تھا، وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کررہی تھی کہ ''یا اللہ، ہم تمام گھر والوں کو خوشیاں نصیب کر، اور جو مصیبت ہمارے گلے پڑگئی ہے اس سے نجات دے۔'' اسی ادھیڑ بن میں رات کے پونے بارہ کا ٹائم ہوگیا، آج اس کی آنکھیں بھی بوجھل ہورہی تھیں۔

اس کا دل بھی گواہی دے رہا تھا کہ یقیناً کمرے میں کوئی اور ان دیکھی مخلوق حاضر ہوتی ہے جسے محسوس کرکے روشاک بے چین ہورہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حکیم کامل نے ایسا اس لئے کررہے ہوں کہ اس طرح روشاک کو بے چین کردیا جائے، وہ اتنا بے چین و پریشان ہوجائے اور پھر وہ یہاں سے راہ فرار اختیار کرلے۔

خوشبو کو اچانک آواز سنائی دی اور پھر بوجھل آنکھوں سے خوشبو اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

خوشبو اندرونی طور پر مجبور تھی کیونکہ کوئی ان دیکھی طاقت اسے مجبور کردیتی کہ جب روشاک آتا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے آگے سر خم کردیتی اور پھر اس قوت کے زیر اثر روشاک کی خواہش کے مطابق اس کا ساتھ دیتی۔

''ارے کیا بات ہے، تمہاری آنکھیں بہت زیادہ بوجھل بوجھل نظر آرہی ہیں، نیند کا غلبہ زیادہ نظر آرہا ہے، میں بھی کیا کروں، تم بنا مجھے چین نہیں ملتا، خیر تمہاری وجہ سے آج میں جلدی چلا جاؤں گا۔ اب تو خوش ہوجاؤ۔''

''میں تو خود آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں، پتہ نہیں آج کچھ زیادہ ہی مجھے نیند کا احساس ہورہا ہے۔ اور آپ سنائیں مزاج کیسے ہیں؟'' خوشبو نے کہا۔ تو روشاک مسکرانے لگا اور بولا۔

''یہی تو تمہاری دلکش ادائیں ہیں جن پر میں مرمٹا ہوں۔'' یہ بول کر اس نے خوشبو کا ہاتھ دونوں ہاتھ میں پکڑلیا۔ پھر اچانک وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا، اس پر بدحواسی طاری ہوگئی۔

وہ فوراً بستر پر سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بولا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اور وہ کمرے میں چاروں طرف گھوم گھوم کر کسی کو دیکھنے لگا، اس کی آنکھیں جیسے شعلے اگلنے لگیں۔

اس کی حالت دیکھ کر خوشبو بھی گھبراہٹ کا شکار

ہوگئی مگر پھر دل ہی دل میں خوش بھی ہونے لگی کہ ''اچھا ہے تیری بے چینی مزید بڑھے تو نے ہم گھر والوں کو بھی بے چین کر رکھا ہے۔''

''خوشبو! تم اپنی جگہ خاموش بیٹھی رہو، بستر سے نیچے مت اترنا، میں اس کم بخت کو دیکھتا ہوں، اب مجھے پکا یقین ہوگیا کہ اس کمرے میں کوئی غائبانہ طور پر میری نگرانی کر رہا ہے، میں اسے ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

جو بھی میری نگرانی کر رہا ہے کان کھول کر سن لے کہ اب بغیر میری مرضی کے اس کمرے سے باہر نکلنا ممکن نہیں، اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری طاقت کتنی ہے اور اگر تم میں ہمت ہے تو میرے سامنے آؤ۔'' روشاک کی آواز میں جیسے ایک گرج تھی، اس کی آواز یک بیک بدل گئی تھی، اس کی کھرکھراتی آواز میں وحشت تھی اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں، وہ اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا تھا، وہ کمرے میں چاروں طرف گھوم رہا تھا اور پھر اچانک اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر چند ساعت بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس کی آنکھوں سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکلنے لگیں، وہ شعاعیں چاروں طرف کمرے میں پھیل گئیں۔

ان شعاعوں نے پورے کمرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

چاروں دیواروں، چھت اور فرش شامل تھے، مگر اس سے پہلے روشاک نے بستر کر چاروں طرف اپنی انگلی کے اشارے سے ایک دائرہ کھینچ دیا تھا جس کی وجہ سے وہ سرخ شعاعیں بستر سے ذرا ہٹ کر تھیں۔

''اب میں دیکھتا ہوں کہ تو کیسے بچتا ہے، تیرا وجود آج ہر حال میں ختم ہونا ہے، اگر ہمت ہے تو بچ کر دکھا، میں بھی تو تیری طاقت دیکھوں، لیکن اب بھی وقت ہے کہ تو میرے سامنے آجا نہیں تو......'' اور اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیونکہ پورے کمرے میں سرخ شعاعیں گردش کرتی رہیں مگر کوئی بھی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر روشاک اور بھی بوکھلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں موجود تمام شعاعیں غائب ہوگئیں لیکن روشاک کی بدحواسی عروج پر تھی۔ وہ زخمی سانپ کی طرح تلملا اور پھنکار رہا تھا۔

ادھر خوشبو بستر پر سہمی ہوئی بیٹھی یک ٹک روشاک کو دیکھے جا رہی تھی، اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ روشاک کی تمام باتیں کمرے سے باہر کوئی بھی نہیں سن سکتا تھا۔ اس لئے وہ اس طرف سے مطمئن تھی ورنہ وہ آوازیں سن کر گھر والے بوکھلا جاتے اور رات کے اس پہر ان کا سکون غارت ہو جاتا۔

ایسا لگتا تھا کہ روشاک اپنے آپ میں نہیں، اس پر جیسے جنون سوار ہو چکا تھا۔ اب وہ یک ٹک ایک ہی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں جیسے تیز ہواؤں کا جھکڑ چلنے لگا لیکن چند ساعت بعد ہی ہواؤں کا جھکڑ غائب ہوگیا۔

اس کے بعد یکا یک روشاک کا دایاں ہاتھ لمبا ہونا شروع ہوا، اور دیوار کی طرف بڑھا، جس دیوار کی طرف وہ نظریں جمائے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ لمبا ہوتا ہوا، دیوار کے پاس پہنچ گیا، اور پھر اس کا ہاتھ دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ چند ساعت تک اس کا ہاتھ دیوار کے ساتھ لگا رہا، پھر آہستہ آہستہ دیوار سے ہٹ کر سمٹنے لگا اور سمٹتے سمٹتے اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اس نے ایک بہت لمبا سانس کھینچا اور پھر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس کے جسم میں ایک زبردست جھرجھری نظر آئی۔ اس کے بعد پھر اس نے ایک اور لمبا سانس کھینچا۔

ابھی بھی خوشبو اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو، صرف اس کی آنکھوں کی پلکیں ہی جھپکتی نظر آ رہی تھیں اور پورا وجود جیسے پتھر کا بن گیا ہو۔

''خوشبو تم گھبراؤ نہیں، میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔'' جب یہ آواز خوشبو کے کان میں پڑی تو جیسے وہ چونک پڑی۔

''جی...... جی......۔......ہاں......جی!!''

''خوشبو!''

"جی......"

"میں سمجھنے سے قاصر ہوں، یہ تو حقیقت ہے کہ کوئی نادیدہ قوت گھر میں موجود ہوتی ہے، میں تمام حربے آزما چکا ہوں، تمام طاقتیں صرف کر چکا ہوں مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا، میں ایسا خطرناک اور خونی وار آزما چکا ہوں۔ ایسی خوفناک شعاعیں ہیں کہ اگر کوئی شے دیوار کے اندر بھی موجود ہو تو وہ جل کر خاکستر ہو جائے، لگتا ہے وہ مجھ سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، پتہ تو چلے کہ وہ ہے کون۔ بہرحال میں اسے چھوڑوں گا نہیں، آج میں اپنے دوستوں سے اس کا ذکر کروں گا، شاید وہ مجھے کوئی اور ترکیب بتائیں۔

لیکن پھر ایک خیال آتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے، لیکن پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس سے پہلے تو کبھی ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، اور کسی کو کیا پڑی ہے کہ ایسا خطرہ مول لے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تم گھر والوں یا پھر رشتہ داروں میں سے کوئی بھی کسی عامل کے پاس گیا ہو، اور اگر ایسا ہوتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ کوئی کسی عامل کے پاس گیا ہے۔

پھر ایک خیال اور بھی آتا ہے کہ شاید کوئی بھٹکی ہوئی قوت ہو، لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کسی بھٹکی ہوئی ہستی کا ہم دونوں کے میل ملاپ سے اس کا کیا نقصان جو کہ درمیان میں آن کودی، بہرحال اگر کوئی ہستی ہے تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

یہ تمام باتیں سن کر خوشبو نے بھی ایک لمبا سانس کھینچا اور بولی۔ "آپ تمام طاقتیں آزما چکے، بقول آپ کے یہ بہت خوفناک اور خونی وار ہے، اس کے باوجود اگر کوئی نادیدہ قوت ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی عامل کے پاس نہیں گیا۔ اور کوئی جا بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ اس سے پہلے ہمارے گھر والے اس کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں، اور اب تو گھر والے بھی آپ کی خوشی میں خوش ہیں، اور میں تو دل و جان سے آپ پر نثار ہوں۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کوئی اس معاملے میں کیسے مداخلت کر سکتا ہے۔ کسی کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اور میں تو یہ سمجھ نہیں سکتی کہ اندرونی معاملات کیا ہیں، آپ بخوبی جانتے ہیں۔ میرا تو مشورہ ہے آپ اس طرف دھیان نہ دیں۔ یہ سب آنے والے حالات پر چھوڑ دیں۔

میں ایک مرتبہ پھر کہہ رہی ہوں کہ اگر کوئی نادیدہ وجود ہوا تو کسی نہ کسی روز تو سامنے آئے گا ضرور اور جب وہ سامنے آئے گا تو آپ سے بچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ آپ کو اپنی طاقت پر بھروسہ ہونا چاہئے۔

اور پھر جب میں آپ سے راضی خوشی ہوں تو کسی اور کو مداخلت سے کیا فائدہ ہوگا، آپ بےفکر رہیں، میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں، زیادہ سوچیں نہیں، ورنہ آپ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر ذہنی توازن کھو بیٹھیں گے۔"

خوشبو نے ہر ایک لفظ کو جیسے چبا چبا کر ادا کیا۔

مگر خوشبو تو دل ہی دل میں بہت خوش تھی اور چاہتی تھی کہ روشاک کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر ہو، اس کا پل پل کا سکھ چین چھن جائے، اور اس قدر اذیت سے دوچار ہو جائے کہ جینا محال ہو جائے۔

"خوشبو! تمہاری باتیں سن کر میں بہت خوش ہوا، واقعی تم بھی مجھے دل سے چاہتی ہو، تمہاری باتوں سے میں بہت مطمئن ہوں، بس تم حکم کرو، میں دنیا کی ساری دولت تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔

میں کسی بھی صورت تمہاری آنکھوں میں پریشانی کی جھلک نہیں دیکھ سکتا۔ میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر تم سے جدا نہیں ہو سکتا۔

اور ہاں! یاد آیا۔ آج میں کچھ رقم لے آیا ہوں، اپنے گھر والوں کو دے دینا، سامنے بیگ پڑا ہے، رقم ہے تو ٹھیک ٹھاک اگر کم ہو تو بتا دینا۔ اپنے والد کو دینا اور کہنا کہ

اگر اور ضرورت ہو تو، میں اور بھی لا دوں گا۔ گھر کو زیادہ وسیع اور عالیشان بنوالیں گے۔"

خوشبو مسکرانے لگی اور بولی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ ہم لوگوں کا خیال رکھتے ہیں۔ میں بھی تو ہر پل آپ کے انتظار میں اپنا وقت کاٹتی ہوں اور جب آپ پر نظر پڑتی ہے تو میرا دل بہت خوش ہو جاتا ہے، کاش! کہ آپ میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں۔"

خوشبو اوپری دل سے تو یہ باتیں کر رہی تھی مگر اندر ہی اندر اس کے خیالات روشاک سے باغیانہ تھے۔

وہ بستر سے نیچے اتری اور بیگ کو کھول کر دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اور بولی۔ "یہ رقم تو بہت زیادہ ہے، آپ کہاں سے لائے، خیر اسے میں ابا حضور کے حوالے کردوں گی۔" یہ بول کر وہ بستر پر دوبارہ بیٹھ گئی، پھر بولی اب تو آپ بہت مطمئن نظر آرہے ہیں، کمرے میں جس نادیدہ قوت کو آپ محسوس کررہے تھے کیا وہ چلی گئی یا اب بھی کمرے میں موجود ہے؟"

"وہ بھاگ گیا، اگر نہیں بھاگتا تو آج اس کا آخری وقت ہوتا، خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے خوشبو کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ خوشبو ایک ادا سے لہراتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس کے بعد دونوں جذبات کے ٹھاٹیں مارتا سمندر کے گرداب میں غوطہ زن ہوگئے۔ اس کے بعد خوشبو کب نیند کی وادی میں اتر گئی اسے پتہ نہ چلا۔

خوشبو صبح کے وقت اپنے کمرے سے نیچے آئی تو س کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کالا بیگ تھا جسے دیکھ کر اس کی والدہ اور والد اچنبھے میں پڑ گئے۔

"خوشبو! یہ کیا ہے؟" اس کی والدہ نے پوچھا۔

"امی! اس میں روپے ہیں، رات وہ لے آیا تھا، اس نے کہا ہے کہ اپنے والد کو دے دینا تاکہ اس رقم سے وہ گھر کو زیادہ وسیع اور عالیشان بنائیں۔" یہ بول کر خوشبو نے بیگ اپنے والد کے سامنے رکھ دیا۔

"بس بیٹا! مرتا کیا نہ کرتا۔" یہ بول کر انہوں نے ایک لمبا سانس کھینچا اور خاموش ہوگئے۔ اور پھر وہ بولے۔ "آج میں نے حکیم کامل صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، مصافحہ کے بعد انہوں نے کہا۔ "عتیق صاحب اور سنائیں کیسے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "حکیم صاحب بس اللہ کا کرم ہے، آپ کی یاد متواتر آرہی تھی۔" یہ سن کر وہ مسکرائے اور بولے۔ "آپ نے یاد کیا اور میں آگیا۔ دراصل میں کل آتا مگر ایک ضروری کام کی وجہ سے نہ آسکا۔ آپ کو یہ بھی بتانا تھا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں، کیونکہ میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور بہت جلد وہ کم بخت اپنے انجام سے دو چار ہو جائے گا، ابھی میں اسے ہلکان کر رہا ہوں تاکہ وہ اندرونی اور ظاہری طور پر کرب و اذیت میں مبتلا ہو جائے اوپر والے پر بھروسہ رکھیں، آپ لوگوں کو اس سے نجات مل جائے گی۔" اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اذان فجر کی آواز سنائی دی۔ "اللہ اکبر..... اللہ اکبر۔"

"ابا حضور! میرا دل بھی گواہی دے رہا ہے کہ اب بہت جلد ان تمام پریشانیوں سے ہمیں چھٹکارا مل جائے گا اور مجھے بھی یہ کامل یقین ہو چلا ہے کہ حکیم کامل نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔" خوشبو بولی۔ "اچھا آپ لوگ بیٹھیں، میں ناشتہ بنا کر فوراً لے آتی ہوں۔"

تھوڑی دیر میں ناشتہ تیار ہوگیا تو سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر خوشبو کے ابا نے کہا۔ "بیگم یہ رقم اٹھا کر سنبھال کر رکھ دو۔"

دن کے دس بجے ہوں گے کہ باہر سے ملازم آیا اور خبر دی۔ "صاحب ایک صاحب آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

ملازم سے عتیق صاحب بولے۔ "تم ایسا کرو کہ انہیں بیٹھک میں بٹھاؤ، میں ابھی حاضر ہوا۔"

یہ سن کر ملازم چلا گیا۔

چند منٹ بعد عتیق صاحب بیٹھک میں گئے تو یہ دیکھ کر چونک پڑے۔ بیٹھک میں رولوکا بیٹھا تھا۔

رولوکا کو دیکھ کر عتیق صاحب اچنبھے میں پڑ گئے۔

"حکیم صاحب آپ! اور اتنی صبح، اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ آج تشریف لائیں گے تو میں گاڑی بھیج دیتا۔ آپ کو آنے میں تکلیف ہوئی ہوگی۔"

"نہیں جناب! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، آپ فکر نہ کریں، بس پروگرام بنایا اور آ گیا، میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ضرور آؤں گا، آنا بھی میری ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ اگر کوئی مسئلہ جب میرے ذہن پر سوار ہو جاتا ہے تو جب تک میں اسے حل نہیں کر لیتا، مجھے عجیب عجیب سی بے چینی لگی رہتی ہے۔

آپ لوگ فکر نہ کریں، میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے، اوپر والے کی مدد سے یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا، یہ مسئلہ کوئی آسان نہیں، بلکہ بہت ہی خطرناک ہے، وہ بہت طاقتور ہے ساتھ ہی ساتھ ضدی اور ہٹ دھرم بھی ہے۔

آپ کی بچی خوشبو کی ذات سے دست برداری اسے منظور نہیں۔ اس مسئلے کے لئے وہ بہت دور تک جا سکتا ہے، وہ کسی بھی خونی وار سے نہیں چوکے گا۔

اس طرح کے جب کسی ضدی جن یا روح سے واسطہ پڑ جاتا ہے تو اسے آہستہ آہستہ قابو کرنا پڑتا ہے، اسے بہت زیادہ ہلکان کرنا پڑتا ہے، آہستہ آہستہ ہلکان کرنے سے اس کی اندرونی کیفیت کمزور پڑنے لگتی ہے، وہ ناقابل یقین حد تک بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر جذبات میں آ کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے، وہ بہت زیادہ پریشانی کے عالم میں چڑچڑا ہو کر اپنا چین سکون کھو بیٹھتا ہے اور یہی نہیں بلکہ خواہ مخواہ بے موقع اپنی مخفی طاقتوں کو ضائع کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پریشانی کے عالم میں اپنے ہمدردوں سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔

اس کے ہمدرد بھی یہی کہتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ اپنی ضد کے آگے اپنے حدود سے تجاوز کر گئے اور اس کے کارن اب پریشانی سے دوچار ہو، اس کے دوسرے ساتھی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس کا مدمقابل کس طاقت کا حامل ہے۔ خیر آپ اپنے ذہن پر بالکل بھی بار نہ ڈالیں، آپ لوگ اطمینان رکھیں۔ تمام پریشانیوں سے بہت جلد چھٹکارا مل جائے گا۔

اور ہاں! یاد آیا۔ ذرا بچی کو بلائیں، اس سے چند باتیں کرنی ہیں۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں ابھی تک باتوں میں لگا رہا اور آپ سے پانی تک کا نہیں پوچھا۔ آپ تشریف رکھیں، میں ابھی آیا۔" عتیق صاحب بولے۔

عتیق صاحب جلدی سے اٹھے اور گھر میں چلے گئے اور فوراً ہی وہ واپس آ گئے بولے۔ "میں نے آپ کے متعلق خوشبو کو بتا دیا، وہ آ رہی ہے۔ حکیم صاحب آپ کا یہ احسان ہم گھر والے تاحیات مانتے رہیں گے، آپ کی طرف سے ہمیں نئی زندگی ملے گی، میں تو اس قدر پریشان تھا کہ کیا بتاؤں، کئی مرتبہ تو خیال آیا کہ میں خودکشی کر لوں، کیونکہ اس ذلت و رسوائی، کرب و اذیت اور بچوں کی تکلیف سے دلبرداشتہ ہو چکا تھا، اگر ہمارے مذہب میں خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں اب تک اپنے آپ پر یہ ظلم کر بیٹھا ہوتا۔" یہ بولتے بولتے عتیق صاحب کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی تھی۔

"عتیق صاحب! انسان کو ہمت حوصلہ اور جواں مردی سے مصیبت کا مقابلہ کرنا چاہئے، جو لوگ حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں وہ بہت زیادہ ناقابل یقین اور ناقابل برداشت پریشانیوں میں گھر جاتے ہیں، اوپر والے پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرنی چاہئے اور جو لوگ اوپر والے پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ ان کی جان پریشانی سے چھوٹ جائے تو یقیناً وہ ایسا وسیلہ، اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مصیبت زدہ کی جان مصیبت سے چھوٹ جاتی ہے۔"

"السلام علیکم! خوشبو کی آواز سنائی دی۔

"جیتی رہو!" رولوکا بولا۔

خوشبو کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس پر ایک بڑا سا شیشے کا جگ اور دو گلاس موجود تھے۔ پاس آ کر اس نے

ٹرے میز پر رکھی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے گلاس میں شربت ڈالا اور رولوکا کو پیش کر دیا۔ دوسرا گلاس اس نے اپنے والد کو پکڑا دیا۔

رولوکا بولا۔ ''عتیق صاحب اس کی کیا ضرورت تھی۔ خیر آپ لوگوں کی محبت کے پیش نظر میں شربت پی لیتا ہوں، ویسے اکثر میری کوشش ہوتی ہے کہ میں کسی مریض یا ضرورت مند کو تکلیف نہ دوں، یا وہ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں، خوشبو بیٹی دراصل میں نے تم سے چند باتیں کرنی تھیں، اس لئے آ گیا۔''

''حکیم صاحب آپ بصد شوق پوچھیں۔ میں بالکل صحیح جواب دوں گی۔'' خوشبو نے کہا۔

''حکیم صاحب آپ برائے مہربانی شربت پئیں، نہیں تو گرم ہو جائے گا۔'' عتیق صاحب بولے۔

عتیق صاحب کے بولنے پر رولوکا نے شربت پی لیا۔ اس کے بعد وہ خوشبو سے مخاطب ہوا۔ ''بیٹی یہ بتاؤ کہ جب سے تم مجھ سے مل کے آئی ہو، اس کے بعد اس جن کا تمہارے ساتھ کیا رویہ رہا ہے، یا پھر اس نے تمہارے سامنے کچھ محسوس کرتے ہوئے کیا کچھ بولا۔ یا تم نے اسے سامنے پا کر کیا اس میں کوئی تبدیلی یا کوئی بے چینی محسوس کی ہے اور اگر تم نے کچھ محسوس کیا تو، کیا محسوس کیا؟''

''حکیم صاحب! اس کی پریشانیوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، وہ جب بھی رات کے وقت کمرے میں آتا ہے تو دیواروں کو گھورنے لگتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ کوئی نادیدہ قوت میری نگرانی کرنے لگی ہے، کئی مرتبہ اس کی آنکھوں سے سرخ شعاعیں نکل کر کمرے میں پھیل چکی ہیں، اس کا کہنا ہے کہ ''یہ میرا کاری وار ہے، جس کے ذریعہ ان دیکھی قوت جل کر خاکستر ہو جائے گی۔

اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں کسی بھی صورت تم سے دست بردار نہیں ہو سکتا چاہے اس کے لئے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اور اگر کسی نے رکاوٹ ڈالی تو رکاوٹ ڈالنے والے کا میں حشر نشر کر کے رکھ دوں گا۔''

اس طرح کی اور بھی باتیں وہ کرنے لگا ہے، بہر حال اس کی بے چینی قابل دید ہوتی ہے، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کا سکھ چین اس سے دور ہو رہا ہے، وہ بہت زیادہ بے چین ہو گیا ہے۔

میں اندرونی طور پر اس کیفیت سے بھی دوچار ہوں کہ کہیں طیش میں آ کر وہ کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا بیٹھے جس سے ہم گھر والوں کو کوئی نہ تلافی نقصان ہو جائے۔''

یہ بول کر خوشبو خاموش ہو گئی۔

''بیٹا! یہ تو تم اپنے دماغ سے نکال دو کہ وہ تم گھر والوں کو کوئی نقصان پہنچائے گا، میں نے اپنے خفیہ کارندے لگا دیئے ہیں جو کہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھ رہے ہیں اور اس کی تمام حرکتوں کی خبر مجھے دے رہے ہیں۔ میرے کارندے چوبیس گھنٹے اس گھر کی اور اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ میں چاہتا تو اب تک اسے آہنی شکنجے میں جکڑ چکا ہوتا مگر میں نے یہ نہیں چاہا۔

میرا پروگرام یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ ہلکان اور پریشان ہو جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ بپھرا ہوا درندہ غیض و غضب کے عالم میں بہت زیادہ دوڑ بھاگ کرتا ہے، وہ جتنا زیادہ غضبناک ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی اندرونی طاقتیں کمزور پڑنے لگتی ہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح سے تھک جاتا ہے، اس کی ہمت پست ہو جاتی ہے، وہ نڈھال ہو جاتا ہے، اس کی ساری طاقتیں اپنا دم خم کھو دیتی ہیں۔ وہ اتنا تھک جاتا ہے کہ اس سے چلنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے اور پھر غلبہ پانے والے اسے آسانی سے دبوچ لیتے ہیں۔ یہی حال اس جن کا ہوگا۔ مجھے اس کو مارنے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ خود اپنی موت مر جائے گا یا پھر اسے مار دیا جائے گا۔

ضدی اور ہٹ دھرم لوگ جو دوسروں کو اپنی خواہشات کے پیش نظر اذیت پہنچاتے ہیں وہ بہت جلد اوپر والے کے عتاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

میں نے اس گھر کی طرف سے اس کی سوچنے

سمجھنے کی صلاحیت مفقود کردی ہے۔ اس گھر کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس گھر کے کسی فرد نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔

کسی وقت ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ بپھر جائے اور بے تکی بکنا شروع کردے، ڈرانے دھمکانے کے الفاظ اس کے منہ سے نکلیں، ہوسکتا ہے کہ وہ یہ بھی بولے کہ میں ابھی اور اسی وقت اپنی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے یا اس میں ملوث لوگوں کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، میں ابھی دیکھتا ہوں کہ ایسا کرنے والا کون ہے، اور اس نے کس کی مدد حاصل کی ہے۔ ایسی حالت میں تم بالکل بھی خوف نہ کھانا۔'' رولوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہے حکیم صاحب! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ میری آپ سے التجا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ دوپہر کا کھانا کھائیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔'' خوشبو نے کہا۔

''خوشبو بیٹی! ایسی کوئی بات نہیں، یہ تو تمہیں پتہ ہے کہ میرا ایک ایک پل بہت اہم ہوتا ہے، اس وقت میں یہاں بیٹھا تم لوگوں سے باتیں بھی کررہا ہوں اور میرا دماغ کہیں اور بھی لگا ہوا ہے۔ وقت کی اہمیت کے پیش نظر میرا ایک جگہ زیادہ دیر تک بیٹھنا کسی وقت ممکن نہیں ہوتا۔ ذرا اس مسئلے سے نمٹ لوں پھر کسی روز تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا ضرور کھاؤں گا۔ تم اور تمام گھر والے بے فکر ہوکر کھائیں پئیں اور خوش رہیں، کسی قسم کے بھی نقصان کے متعلق نہ سوچیں۔ بلکہ یہ سمجھ لو کہ کسی بھی حالت یعنی غصے یا انتقامی طور پر وہ اس گھر کا ایک تنکا بھی نہیں توڑ سکتا۔

اچھا عتیق اب آپ مجھے اجازت دیں، میں چلتا ہوں، کئی کام اور بھی نمٹانے ہیں۔''

یہ سن کر عتیق صاحب بولے۔ ''گھر کا تانگہ ہے میں کوچوان کو بلاتا ہوں، آپ تانگے میں تشریف لے جائیں۔ دیکھئے میری بات سے انکار مت کریں، آپ کی مہربانی ہوگی، میری یہ بات رکھ لیں۔ یہاں سے آپ کا دواخانہ زیادہ دور نہیں، میں سمجھتا ہوں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔''

خیر چلئے میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔ میں تانگہ میں چلا جاتا ہوں مگر ہوسکتا ہے کہ راستے میں مجھے کسی ضرورت سے رکنا پڑے تو تانگہ واپس کردوں گا، اور یہ بات کوچوان کو بتادیجئے گا، جب میں تانگہ رکواؤں تو وہ تانگہ روک لے اور مجھے اتار کر واپس آجائے۔'' رولوکا بولا۔

''ٹھیک ہے حکیم صاحب! میں کوچوان کو سمجھا دیتا ہوں، جیسے آپ کی مرضی۔'' عتیق صاحب بولے۔

کوچوان کو عتیق صاحب نے ملازم کے ذریعہ بلوایا اور اسے ساری بات بتلادی۔ اس نے اثبات میں گردن ہلادی۔ رولوکا نے عتیق صاحب سے مصافحہ کیا اور خوشبو کے اوپر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر دعا دی اور کمرے سے نکل کر تانگے میں بیٹھ گیا۔ عتیق صاحب نے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ خوشبو نے بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا اور تانگہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا اور پھر تانگہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

کافی دور تک تانگہ چلتا رہا۔ جب تانگہ ایک جنگل کی حدود کے قریب پہنچا تو رولوکا نے کوچوان کو تانگہ روکنے کے لئے۔

کوچوان نے تانگہ روک لیا تو رولوکا تانگہ سے اتر گیا اور بولا۔ ''اب تم واپس چلے جاؤ، مجھے یہاں پر کچھ کام ہے، ورنہ میں دلی تک تمہیں تکلیف دیتا۔''

کوچوان بولا۔ حکیم صاحب! اس ویران اور بیابان میں آپ کو کیا کام پڑ گیا اور پھر آپ یہاں سے کس طرح دلی تک جائیں گے، جبکہ یہاں سے دلی کا فاصلہ کوئی دو ڈھائی گھنٹے کا ہے اور اس وقت یہاں سے کوئی گاڑی بھی نہیں گزرتی، اگر آپ اپنا کام کرلیں اس کے بعد میں آپ کو دلی تک چھوڑ دوں گا۔''

''نہیں میاں! تمہاری بڑی مہربانی، اب تم واپس جاؤ، میری فکر نہ کرو، میں واپس چلا جاؤں گا، ویسے تو میرے ایک جاننے والے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وقت پر وہ

آ جائیں اور میں ان کے ساتھ ان کی گاڑی میں دلی چلا جاؤں، تمہاری بڑی مہربانی یہاں تک چھوڑنے کا۔'' رولوکا بولا۔

بہرحال رولوکا کے حکم کے مطابق کوچوان واپس آ گیا۔

آدھا گھنٹہ میں وہ عتیق صاحب کے سامنے تھا۔

اسے دیکھ کر عتیق صاحب بولے۔ ''میاں! تم نے حکیم صاحب کو کہاں چھوڑا!'' یہ سن کر کوچوان بولا۔ ''جناب وہ تو فلاں جنگل کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی اتر گئے، اور مجھ سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ، میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ کو میں چھوڑ دوں گا، انہوں نے کہا کہ مجھے ایک کام پڑ گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے ان کی مرضی اور خوشی، وہ کسی نہ کسی طرح دلی پہنچ جائیں گے۔'' عتیق صاحب نے کہا۔

''عتیق صاحب دراصل رولوکا کی حقیقت کو کچھ کچھ سمجھ چکے تھے کہ حکیم کامل بہت زیادہ ماورائی قوتوں کے حامل ہیں اور بہت زیادہ نادیدہ قوتیں ان کے قبضے میں ہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ دلی میں بیٹھے بیٹھے جن زادہ روشاک کے گرد آہستہ آہستہ گھیرا تنگ کر رہے تھے۔

آج عتیق صاحب، خوشبو بلکہ سارا گھر بہت خوش تھا۔ عتیق صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ ''خوشبو بیٹا! تم میرے لئے تھوڑا سا حلوہ بنا دو، آج کافی دنوں بعد میرا دل حلوہ کھانے کو چاہ رہا ہے۔'' یہ سن کر خوشبو کی والدہ مسکرانے لگیں اور بولیں۔ ''خوشبو! یہ تو ٹھیک نہیں کہ صرف تمہارے ابا ہی حلوہ کھائیں گے، میں تو سمجھتی ہوں کہ سب لوگ ہی حلوہ کھائیں گے، تم سب کے لئے حلوہ بنا لو۔'' یہ سن کر خوشبو مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ دونوں بہنیں بھی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ ایک بیٹا تھا جو کہ صبح کے وقت اسکول چلا جاتا تھا۔ وہ نویں کلاس میں زیر تعلیم تھا۔

عتیق صاحب! بیگم سے بولے۔ ''حکیم کامل بہت پہنچے ہوئے اللہ والے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی اور ہم گھر والوں پر کرم و فضل ہے کہ اس نے ہمارے لئے ایک وسیلہ پیدا کیا اور ہم حکیم صاحب تک جا پہنچے، دلی میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے اس جن کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

اس جن کی بے چینیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ وہ بالکل بدحواس ہو کر رہ گیا ہے، اور اس بات کی تصدیق خود خوشبو نے بھی حکیم صاحب سے کی ہے۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غصے میں ہمیں کوئی نقصان پہنچا بیٹھے۔'' بیگم بولیں۔

''بیگم یہ نہیں ہو سکتا۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ اس کا دماغ انہوں نے اس طرف سے باندھ دیا ہے۔ اس کے دماغ میں اس طرح کا اور اس طرف کوئی بھی خیال نہیں آ سکتا۔

''اور اگر کسی طرح وہ جان جائے کہ یہ گھر والے میرے راستے میں رکاوٹ ڈلوا رہے ہیں اور کسی عامل کے پاس گئے تھے تو وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا بیٹھے۔''

''بیگم! حکیم صاحب نے ہر طرح کی گارنٹی دی ہے کہ آپ لوگ بالکل بھی فکر نہ کریں اور نہ ذرہ برابر بھی دل میں اندیشہ لائیں۔ اس گھر کا وہ ایک تنکا بھی اب نہیں توڑ سکتا۔ بھئی میں تو حکیم صاحب کی قابلیت کا قائل ہو گیا ہوں۔ خوشبو کا کہنا بھی ہے کہ وہ بھی اب بالکل مطمئن ہے۔

حکیم صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ بہت جلد وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔''

''اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، ہماری بچی سکھ کا سانس لے، اور پھر سولی پر لٹکی ہوئی ہماری جان بھی اس کے خوف سے آزاد ہو جائے میں تو ہر نماز میں گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتی ہوں کہ ہمیں اس موذی سے نجات ملے۔'' عتیق صاحب کی بیگم بولیں۔

''بیگم اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ تعالیٰ اپنا فضل ضرور کرے گا۔'' عتیق صاحب بولے۔

"اتنی دیر میں حلوہ بن کر تیار ہو گیا۔ گرم گرم حلوہ پلیٹ میں نکال کر خوشبو لے آئی تو تمام گھر والوں نے مزے لے لے کر حلوہ کھایا۔ آج گھر والوں کے چہرے پر خوشی دیدنی تھی۔

خیر خوشی خوشی کام کاج میں لگ گئے دن کٹ گیا، شام ہوئی اور پھر رات آگئی، سب نے مل کر رات کا کھانا کھایا اور پھر کھانا کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ والد والدہ ایک کمرے میں جبکہ دونوں بہنیں ایک کمرے میں اور بھائی الگ کمرے میں سوتا تھا اور خوشبو تو چھت پر بنے کمرے میں سوتی تھی۔

تمام کام اور گپ شپ کے بعد خوشبو اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں جاتے وقت اس کی والدہ بولیں۔ "خوشبو بیٹا! تم اس بد بخت سے زیادہ بحث مباحثہ نہیں کرنا، اپنا منہ بند ہی رکھنا تو زیادہ اچھا ہوگا، اور اسے کسی قسم کی بھی بھنک نہ پڑے کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا گیا ہے۔ اگر وہ کسی بہانے یا چھل سے معلوم کرنے کی کوشش کرے تو اپنا دل دماغ قابو میں رکھنا، ورنہ اگر اسے کوئی بھنک پڑ گئی تو ہماری ذات کو تہس نہس کر دے گا۔ بیٹا! میری بات دھیان میں رکھنا اور دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتے رہنا۔ اچھا اب جاؤ اپنے کمرے میں۔"

"جی امی! میں آپ کی باتیں دماغ میں رکھوں گی، آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" اور خوشبو سیڑھیاں چڑھتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں جا کر اس نے لائٹ جلائی اور بستر پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ بستر پر بیٹھی رہی، پھر بستر پر لیٹ گئی۔ اس کے دماغ پر سوچوں کی یلغار تھی۔ ویسے بھی وہ اپنے کمرے میں بہت زیادہ اذیت کا شکار رہتی تھی۔ کیونکہ ایک آدمی اکیلے کمرے میں پڑے پڑے حقیقتاً اکتا جاتا ہے اور وقت کٹتے نہیں کٹتا۔

کمرے میں اگر دو افراد ہوں تو بات چیت میں تھوڑا وقت کٹ جاتا ہے، اور پھر وہ باتیں کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

آج خوشبو کو کمرہ بہت زیادہ بھیانک لگ رہا تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مجبوراً کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس کے دماغ میں صرف یہی باتیں گردش کر رہی تھیں کہ نہ جانے آج وہ کس طرح کمرے میں آئے، آج نہ جانے اس کے ساتھ کیسے حالات ہوں، وہ کس طرح کی بے تکی باتیں کرے گا، اس کی شکل کس قدر وحشت ناک اور بھیانک نظر آئے گی، یا پھر جس ہستی کو وہ کمرے میں محسوس کرتا ہے، کہیں وہ ہستی کوئی ناقابل برداشت قدم نہ اٹھا بیٹھے، کیونکہ روشاک تو اپنے تئیں اس ہستی کو زبردست نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ حکیم صاحب نے اس کی مکمل گارنٹی دی ہے کہ وہ کسی قسم کا بھی نقصان کرنے کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں، اور حکیم صاحب کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

خوشبو مزید اس قسم کے خیالات کے ادھیڑ بن میں مبتلا تھی کہ اچانک کمرے میں آواز سنائی دی۔ "خوشبو" اور اپنا نام سنتے ہی خوشبو نے چونک کر آنکھیں کھول دیں، تو دیکھا کہ روشاک سامنے موجود تھا اور اس کی آنکھیں کمرے کی دیواروں کی طرف گردش کر رہی تھیں۔

"آج پھر یہ کم بخت کمرے میں موجود ہے، میں اپنے محسوسات کو غلط نہیں قرار دے سکتا۔"

"اوئے چھپکلی کی اولاد، اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آ، یہ چھپ چھپا کر کیوں مجھے تنگ کر رہا ہے، ہمت والے تو سامنے آ کر مقابلہ کرتے ہیں، تو گیدڑ سے بھی بدتر اور کم ہمت ہے، اس لئے تو چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ دیکھ مجھے میں تو تیرے سامنے موجود ہوں، اور اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا کوئی نقصان کر کے دیکھ، تجھے میری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اوئے آ جا میرے سامنے ورنہ میں تیرا وہ حشر کروں گا کہ تیری دنیا والے پناہ بھی نہیں مانگ سکتے، تیرا حشر دیکھ کر وہ عبرت حاصل کریں گے اور آئندہ تیری دنیا کا کوئی بھی ہم جیسے کے سامنے آنے کی

ہمت نہیں کرے گا، چل فوراً میرے سامنے آجا، کیوں دم دبا کر خاموش ہے۔"

وہ اس طرح کے اور بھی جملے بولتا رہا اور خوشبو یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ارے چل! اگر سامنے نہیں آتا تو یہ بتا دے کہ تو میرا کوئی دشمن ہے یا پھر خوشبو کا کوئی ہمدرد ہے یا پھر تیری مرضی مجھے صرف پریشان کرنا ہے یا پھر مجھے خوشبو سے الگ کر کے خود اس پر قبضہ کرنے کی خواہش ہے، کچھ تو بتا دے، دیکھ اگر تو نے ابھی بھی نہ بتایا تو میں تیری تلاش میں زمین کے اوپر ہی نہیں بلکہ پاتال تک جاؤں گا، میں اکیلا نہیں بلکہ اپنے چند خیر خواہوں کے ہمراہ تجھے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

پھر اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور بولا۔ "کم بخت ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا۔ اگر ہمت ہوتی تو میرے مد مقابل ٹھہرتا۔ خیر میں اسے چھوڑوں گا تو نہیں۔ بہر حال میں اب اسے تلاش کر کے اس کا حشر نشر کر کے ہی رہوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ اب یہ کہاں تک بھاگتا ہے۔"

اس کے بعد وہ خوشبو کی طرف پلٹا، خوشبو یک ٹک اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "خوشبو! تم بھی میری وجہ سے خاصی پریشان ہوگئی ہو، تمہیں پریشان کرنے کی میری مرضی قطعی نہیں مگر نہ جانے یہ کون کم بخت ہے جو مجھے پریشان کرنے لگا ہے، خیر ان باتوں کو چھوڑو، میں اسے دیکھ لوں گا، کاش! میرے بس میں ہوتا کہ میں چند دن تم سے دور رہ کر اس چوہے کو تلاش کر سکتا۔

میں یہ بات اپنے قبیلے میں بھی نہیں کہہ سکتا، میرے والد صاحب تو زبردست قوت کے مالک ہیں، نادیدہ قوتیں تو ان کے سامنے دست بدست سر جھکائے کھڑی رہتی ہیں، ان کی خفیہ طاقت اتنی وسیع ہے کہ ایک نظر میں سامنے چھپے ہوئے کی اصلیت جان لیتے ہیں۔

اگر میں ان سے مدد طلب کروں گا تو پھر وہ اصلیت جاننے کی کوشش کریں گے کہ کوئی میرے پیچھے کیوں پڑا ہے اور مجھے ہراساں کیوں کر رہا ہے اور پھر تم سے ملنے کا سارا معاملہ سامنے آجائے گا اور پھر میں والد کی نظروں میں قصور وار ٹھہر جاؤں گا کیونکہ والد صاحب اصول کے بہت پکے ہیں۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی بھی آدم زاد کو کسی جن سے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے کیونکہ آدم زاد نادیدہ قوتوں کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر جنات تو یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ آدم زاد کو دیکھ سکیں بلکہ جنات مخفی چیزوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔

اور ہمارے قبیلے کا کوئی جن کسی آدم زاد کو نقصان پہنچاتا ہے یا پھر کسی طرح تنگ کرتا ہے، اور اگر والد صاحب کو پتہ لگ جائے تو وہ جن بغیر سزا کے بچ نہیں سکتا، اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اور خاص طور پر وہ جن تو اور بھی سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے جو اپنے دل اور نفسانی خواہشات کے چکر میں پڑ کر کسی آدم زادی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ ایسے جن کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔"

یہ باتیں سن کر خوشبو بولی۔ "اور اگر آپ کے متعلق آپ کے والد صاحب کو پتہ لگ جائے کہ آپ میرے عشق میں گرفتار ہو کر اپنی من مانی کرتے ہیں تو۔"

"خوشبو یہی تو سوچ کر میں اکثر لرز جاتا ہوں، لیکن کیا کروں دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں، اور میری حتیٰ الامکان کوشش رہتی ہے اور رہے گی کہ کسی بھی صورت میرے اور تمہارے معاملات کے بارے میں والد صاحب کو پتہ نہ چلے۔ میں نے تو اس بات کو اپنے دوستوں تک سے چھپا رکھا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کسی وقت کوئی دوست باعث حسد میرے راز کو افشاں کر دے اور میں بے موت مارا جاؤں۔"

"چلئے مان لیتی ہوں کہ آپ کی کوشش ہے کہ اس معاملے کی خبر آپ کے قبیلے کے کسی جن یا پھر آپ کے والد صاحب کو پتہ نہ چلے مگر کسی بھی وجہ یا کسی بھی طریقے سے اگر پتہ چل جاتا ہے تو آپ اس صورت میں کیا قدم اٹھائیں گے اور پھر آپ کے ساتھ ساتھ کہیں میں نہ

درمیان میں آجاؤں اور میری ذات کا نقصان ہو جائے اور اگر ایسا وقت آیا تو میں اپنی صفائی میں اپنے بچاؤ کی تدبیر کرسکتی ہوں۔

آپ جن زادہ ہیں اور میں کمزور آدم زادی، بھلا طاقت میں، میں آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔"

"خوشبو بات تو تمہاری بالکل صحیح ہے، بس اس کے آگے میری سوچ محدود ہو کر رہ جاتی ہے، خیر ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ تمہاری ذات کو کوئی نقصان پہنچے کیونکہ اس صورت میں ہمارے قبیلہ والے اور خاص طور پر والد صاحب آدم زاد کو معصوم اور بے قصور گردانتے ہیں اور اگر کوئی آدم زاد عامل خواہ مخواہ جب کسی جن کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس کی خیر نہیں ہوتی۔"

خوشبو بولی!"میری تو آپ سے التجا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آئے اور آپ کا مجھ سے ملنے کا راز فاش ہو جائے تو برائے مہربانی مجھے اور میرے گھر والوں کو دور ہی رکھئے گا کیونکہ ایسی صورت میں تو ہم تمام گھر والے دل کا دورہ پڑنے سے ختم ہو جائیں گے۔ ایک تو ویسے ہی ہمارے گھر والے ہر وقت آپ کے غضب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ سہمے ہوئے رہتے ہیں۔"

"خوشبو ایسی کوئی بات نہیں، بھلا تمہارے گھر والے مجھ سے کیوں خوفزدہ رہتے ہیں، ان سے بول دینا اور میں تو پہلے بھی بول چکا ہوں کہ وہ مجھ سے خائف نہ رہا کریں۔ ویسے بھی میں تم لوگوں کی مالی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہوں۔

ارے میں تم پر قربان ہوسکتا ہوں مگر تمہاری ذات کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا اور اگر وقت آیا تو دیکھ لینا یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔" روشاک بولا۔

"اگر ایسی خطرناک بات ہے آپ کے قبیلے کی تو آپ اپنے دل پر پتھر رکھ کر مجھے بھول جائیں، کیونکہ میں نہیں چاہتی اور نہ کبھی چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ کو نقصان اٹھانا پڑے، میں تو یہ بھی مانتی ہوں کہ آپ کے قبیلہ میں جن زادیاں مجھ سے کہیں زیادہ خوب صورت ہوں گی اور ویسے بھی قبیلہ کے سردار کے بیٹے کے لئے تو ایک سے ایک مل سکتی ہے، میرا تو مشورہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو سمجھا بجھا کر شانت کرلیں۔

میں بھی آپ کو دل و جان سے جانتی ہوں مگر جہاں جانی نقصان کا احتمال ہو وہاں سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے، اور یہ حقیقت ہے کہ جان سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں۔ ایک کا جانی نقصان اور دوسرے کو زندگی بھر کے لئے کرب واذیت، کیونکہ زندہ رہنے والا زندہ درگور ہو کر رہ جاتا ہے اپنے محبوب کی جدائی میں۔ اب بھی وقت ہے آپ سنجیدگی سے غور کریں۔

کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ میں آپ کی جدائی میں زندگی بھر تڑپتی رہوں، اب تو میں بھی آپ کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔" خوشبو نے اوپری دل سے کہا۔ جبکہ خوشبو تو چاہتی تھی کل چھوڑ آج ہی اس (ا) سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ وہ تو مجبوری کے تحت اس کے آگے سر خم کر دیتی تھی تاکہ اس کے گھر والے اس کے غضب کا نشانہ نہ بنیں۔

"خوشبو! میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، میں یہ بھی مانتا ہوں کہ میرے قبیلہ میں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت جن زادی موجود ہیں مگر تمہاری ذات کے آگے وہ سب ہیچ ہیں اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو میں نہ چاہتے ہوئے اپنے والد اور قبیلہ کے رسم و رواج کے تحت کسی جن زادی کو زندگی کا ساتھی بنالوں مگر اصل چاہت کی حقدار صرف تم رہو گی۔ میرا وجود اس کے پاس رہے گا اور دل و دماغ تمہارے پاس۔"

"خیر چلئے یہ تو وقت بتائے گا کہ کس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ قبل از وقت یہ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان اور پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔" خوشبو نے ہر ایک لفظ کو چبا چبا کر ادا کیا۔

خیر چھوڑو ان باتوں کو، آج کا وقت تو باتوں باتوں میں ہی کٹ گیا، تم اپنے دل پر کوئی بار نہیں محسوس کرنا، بس تم کھاؤ پیو اور خوش رہو۔" روشاک بولا۔

خوشبو بولی۔ ”کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آج آپ نہ جائیں اور صبح تک یہیں رہیں۔“ اور یہ بول کر خوشبو مسکرانے لگی۔

خوشبو کی یہ بات سن کر روشاک جھٹ بولا۔ ”نہیں خوشبو، یہی تو نہیں ہوسکتا، اذان فجر سے قبل والد صاحب میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیتے ہیں اور اگر میں موجود نہیں ہوا تو......“ اور پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور جلدی سے کمرے سے غائب ہوگیا۔

صبح کے وقت حسب معمول خوشبو نیند سے جاگ گئی اور پھر سے نیچے آگئی۔ منہ ہاتھ دھویا غسل کیا اور ناشتہ کے بعد کام کاج میں مصروف ہوگئی۔

دن کے گیارہ بجے رولوکا ان کے گھر کے دروازے پر موجود تھا۔ ملازم اندر آیا اور عتیق صاحب کو بتایا کہ ”جناب ایک صاحب تشریف لائے ہیں اور وہ اپنا نام حکیم کامل بتا رہے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

حکیم کامل کا نام سنتے ہی عتیق صاحب جھٹ کرسی سے اٹھے اور فوراً باہر آئے اور رولوکا کو دیکھتے ہی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحہ کے بعد عتیق صاحب بولے۔ ”حکیم صاحب آپ نے بتایا ہوتا تو میں تانگہ بھیج دیتا، اب آئندہ آپ نے جب بھی آنا ہو، تو آپ دن ضرور بتایئے گا تاکہ میں اس دن آپ کو لانے کے لئے تانگہ بھیج دوں۔ آپ ہمارے لئے اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں، ہم تو کسی قابل نہیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو دے گا۔ آپ اندر تشریف لے آئیں۔“ اتنی دیر میں خوشبو نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔

عتیق صاحب کے ساتھ رولوکا ڈرائنگ روم میں آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا اور خوشبو سے مخاطب ہوا۔ خوشبو بیٹی! خیریت تو ہے ناں۔“

”جی حکیم صاحب بالکل خیریت ہے۔“ خوشبو رولوکا کے برابر میں صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ عتیق صاحب رولوکا اور خوشبو کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا کر گھر کے اندر چلے گئے۔

رولوکا بولا۔ ”بیٹی گھبرانا نہیں، میں خاص کر یوں آیا کہ بتادوں، روشاک دو دن نہیں آئے گا، میں اس کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کردوں گا، وہ رکاوٹ ایسی ہوگی کہ کسی صورت بھی اس رکاوٹ کو دور نہیں کرسکتا، نہ ہی وہ دن میں آئے اور نہ رات میں اور تیسرے دن رات میں جب وہ آئے گا تو بہت نڈھال ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ غصے میں بپھرا ہوا ہو، تم اسے دیکھ کر قطعی خوف نہیں کھانا اور نہ ہی اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی بات لانا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ اب اس گھر والوں کی ذات کو ذرہ برابر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ان دونوں راتوں میں تم بالکل بے فکر ہوکر آرام سکون کے ساتھ سونا۔“

”جی حکیم صاحب! بہت اچھی بات ہے، میں آپ کی باتوں پر بھرپور عمل کروں گی۔ کسی کسی وقت تو میرے دل میں یہ بھی آتا ہے کہ چاہے میری ذات کا نقصان ہوجائے مگر میرے گھر والے بخیر و عافیت رہیں۔ کاش! میں شروع میں امی کی بات مان کر اس کے ساتھ رعایت نہ کرتی، یعنی جب وہ بلی کے بچے کی شکل میں آیا تھا۔ امی کی بات نہ مان کر ہی میں اذیت ناک کرب سے دوچار ہوں۔“ خوشبو بولی۔

”خیر جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا، اس کے پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب بس کھاؤ پیو اور خوش رہو، اس کے سامنے اس طرح رہنا کہ جیسے تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ بالکل انجان، ہوسکتا ہے کسی بھی بہانے سے تم سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

دو دن جب اس کے راستے میں رکاوٹ کھڑی ہوگی تو ناقابل یقین حد تک طیش میں آجائے گا اور پھر ہر موضوع پر سوچے گا کہ یہ اچانک میرے ساتھ ایسا کون کر رہا ہے۔

مجھے اس کی ساری حقیقت کا علم ہوچکا ہے۔ بہرحال اپنے دل، دماغ کو قابو میں رکھنا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ بہت زیادہ دھمکی پر اتر آئے کیونکہ زخمی

سانپ بہت زیادہ تڑپتا ہے، اس کی کسی بھی حرکت پر بے خوف رہنا۔"

اتنے میں عتیق صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس پر چائے کے لئے دو کپ موجود تھے۔ ٹرے لاکر انہوں نے سامنے پڑی میز پر رکھ دی۔ پھر سامنے صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔ حکیم صاحب آج آپ نے تکلیف کیسے کی،

عتیق صاحب کی بات سن کر رولوکا بولا۔ "دراصل میں نے خوشبو بیٹی سے چند باتیں کرنی تھی وہ میں نے کرلی ہیں۔ ٹھیک ہے خوشبو بیٹی، اب تم جاکر آرام کرو۔ چند منٹ میں میں چلا جاؤں گا۔ اور جو باتیں میں نے کی ہیں، انہیں دماغ میں رکھنا۔"

رولوکا کی بات سن کر خوشبو نے خدا حافظ کہا اور گھر کے اندر چلی گئی۔

عتیق صاحب کے اسرار پر رولوکا نے چائے پی اور مصافحہ کرکے ڈرائنگ روم سے نکل گیا تو دیکھا کہ تانگہ دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ عتیق صاحب نے تانگے والے کو پہلے ہی بلوا لیا تھا۔

"حکیم صاحب! آپ پیدل نہیں جائیں گے، آج آپ تانگے میں اپنے مطب تک جائیں گے۔ یہ میری خواہش اور التجا ہے۔"

یہ سن کر رولوکا بولا۔ "ٹھیک ہے عتیق صاحب، آج میں آپ کی بات مان لیتا ہوں اور میں تانگے میں ہی چلا جاؤں گا۔"

عتیق صاحب کوچوان سے بولے۔ "رمضانی، حکیم صاحب کو بہت آرام سکون سے لے جانا، کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ملے اور تانگہ زیادہ تیز نہ چلانا جس سے حکیم صاحب کو تکلیف ہو آرام آرام سے دلی مطب تک پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے سرکار۔" کوچوان بولا۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ اور یہ بول کر اس نے گھوڑے کو اشارہ دیا تو گھوڑا آگے ہی آگے بڑھنے لگا۔

ڈھائی گھنٹے میں کوچوان نے رولوکا کو دلی مطب کے پاس اتار دیا اور واپس آکر عتیق صاحب کو بتادیا کہ "حکیم صاحب کو آرام سکون کے ساتھ میں نے پہنچا دیا۔"

بہرحال دن گزر گیا۔ رات آئی اور خوشبو اپنے کمرے میں جاکر آرام سے بے فکر ہوکر سوگئی، اسے تو پتہ تھا کہ آج کسی صورت بھی روشاک نہیں آئے گا۔ سکون سے بستر پر لیٹ گئی اور رولوکا کی صلاحیت اور طاقت کا دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ آج وہ ذہنی طور پر بہت ہی پرسکون تھی اور پھر ایک طویل عرصہ کے بعد بہت جلد نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

ادھر رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ جن زادہ روشاک خوشبو کے پاس آنے کے لئے اپنے قبیلہ سے نکلا اور جب خوشبو کے گھر سے تھوڑی دوری پر پہنچا تو وہ اچانک ایک شیشے کی دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ شیشے کی دیوار بہت گرم تھی مگر آنکھ سے بوجھل، اسے چھونے سے لگتا تھا کہ یہ بہت گرم ہے مگر کوئی ان دیکھی دیوار ہے۔

وہ کئی لمحے سوچتا رہا اور پھر وہ اوپر آسمان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ جتنا اوپر گیا، وہ دیوار اپنی جگہ برقرار تھی۔ پھر وہ اوپر کو بڑھتے بڑھتے آسمان کی وسعت میں پہنچ گیا مگر وہ گرم دیوار بدستور اپنی جگہ قائم تھی۔

پھر آناً فاناً وہ اوپر سے زمین کی طرف بڑی تیزی سے آیا اور زمین کے اندر گھستا چلا گیا، مگر یہ کیا زمین کے اندر بھی وہ دیوار موجود تھی۔ وہ پاتال میں گھستا چلا گیا۔ مگر پاتال میں بھی وہ گرم دیوار اپنی جگہ قائم تھی۔

اب تو اس کی پریشانی، گھبراہٹ دیدنی تھی۔ وہ پاتال سے اوپر کو اٹھتے اٹھتے زمین سے باہر نکل آیا اور ایک جگہ ٹھہر کر، اس دیوار نما رکاوٹ کے متعلق غور کرنا شروع کردیا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ کوئی ایسی ہستی اس کے سامنے آگئی ہے جو کہ بھرپور طریقے سے اس کی نگرانی کررہی ہے اور اس ہستی نے اس کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کردی ہے تاکہ میں خوشبو تک نہ پہنچ سکوں، مگر وہ ہستی ہے کون؟

اور اسے میری ذات سے کیا لینا دینا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری کسی ایسی ہستی سے کوئی مڈ بھیڑ بھی نہیں ہوئی۔

پھر وہ ہے کون جو مجھے پریشان کر رہا ہے۔ خوشبو یا پھر اس کے گھر والے کسی کے پاس گئے نہیں اور نہ ہی انہوں نے کسی سے میرے متعلق کوئی بات کی ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''چھپ کر وار کرتا ہے، اگر ہمت ہے تو سامنے آ کر دیکھ۔ میں تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔'' پھر اس نے سوچا۔ ''میں اس کے متعلق پتا کیسے کروں، میری تمام کوششیں کمزور ہو گئی ہیں۔ پھر بھی وہ زبردست طریقے سے وار پر وار کرنے لگا، جس سے اس کے راستے میں حائل رکاوٹ دور ہو جائے اور وہ خوشبو تک پہنچ جائے۔ مگر وہ کسی صورت بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر پھر پھر پھراتے ہوئے زخمی ناگ کی مانند اپنے قبیلہ کی طرف پلٹ گیا۔ کیونکہ اس کا ایک مخصوص ٹائم ہوتا تھا اس ٹائم تک اسے ہر حال میں اپنے کمرے میں موجود ہونا ہوتا تھا۔

اپنے کمرے میں پیچ و تاب کھانے لگا، اس کی نیند اور آرام و سکون غارت ہو چکا تھا۔ اس شش و پنج میں اس کا وقت گزرنے لگا اور پھر ایک مقررہ وقت پر اس کے والد نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے اس نے آواز دی۔ ''جی ابا حضور! میں جاگ گیا ہوں۔''

صبح کا اجالا ہر طرف پھیل گیا۔ وہ سوچوں کے پہاڑ تلے دبا رہا، اس نے لاکھ جتن کر لئے مگر اس راز کو جاننے سے قاصر رہا کہ اسے کون اور کیوں پریشان کر رہا ہے؟''

اور پھر ابھی ادھیڑ بن میں دن کے ڈھائی بج گئے اب اس کی بے چینی عروج پر پہنچ گئی تھی، اس نے گھر والوں اور قبیلہ والوں سے نظریں بچا کر خوشبو کے گھر کی طرف اڑان بھری مگر اس جگہ پہنچ کر اسے پھر مایوسی ہوئی کیونکہ رات کی طرح اس وقت بھی وہ رکاوٹ والی گرم ان دیکھی دیوار موجود تھی۔ جب اسے مکمل یقین ہو گیا کہ وہ رکاوٹ تو بدستور اپنی جگہ قائم ہے تو مجبوراً اپنے قبیلہ میں واپس آ گیا۔

رات آئی تو اس کی بے چینی مزید دو چند ہو گئی اور پھر رات کے ساڑھے گیارہ بجے اپنے کمرے سے نکلا خوشبو کے گھر جانے کے لئے اور پھر اس جگہ آ کر اسے مایوس ہونا پڑا کیونکہ اس کے راستے میں وہی گرم ان دیکھی دیوار موجود تھی۔ آج تو اس نے اپنی تمام مخفی قوتیں آزما لیں مگر وہ دیوار اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔

طرح طرح کے بے شمار وار کر کے جب وہ تھک گیا تھا پھر طوعاً و کرہاً واپس پلٹ گیا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ جیسے بن جل مچھلی ہوتی ہے۔ یا پھر جیسے کسی زندہ وجود کو آگ میں پھینک دیا گیا ہو۔ وہ اپنے کمرے میں موجود تڑپتا رہا مگر اس کے دماغ میں کوئی بھی حل نہیں آیا، وہ ہر صورت یہ نہیں جان سکا کہ وہ کون ہے جو اس کے راستے میں سنگلاخ پہاڑ کی طرح کھڑا ہو کر رکاوٹ ڈال رہا ہے۔

ادھر خوشبو اپنی جگہ بہت مطمئن اور خوش تھی کہ حکیم کامل نے اسے اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا ہے اور اس کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے ورنہ ہر صورت میں وہ آتا ضرور، اس سے پہلے ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ متواتر دو دن اور دو رات نہ آیا ہو، آندھی ہو یا طوفان وہ آتا ضرور تھا۔

آج تیسرا دن تھا اور خوشبو کو پتہ تھا کہ آج وہ ضرور آئے گا کیونکہ رولوکا نے خوشبو کو بتا دیا تھا کہ میں صرف دو دن کے لئے اس کے راستہ میں رکاوٹ حائل کر دوں گا اور تیسری رات میں وہ ضرور آئے گا کیونکہ تیسری رات میں وہ رکاوٹ میں ہٹا لوں گا۔

اور پھر تیسری رات آ گئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو چھا گیا۔ اس کے سارے گھر والے اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے لگے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ طوفان کی طرح باہر نکلا اور خوشبو کے گھر کی طرف کا رخ کیا۔

مگر یہ کیا! آج تو اس کے راستے میں وہ رکاوٹ والی دیوار غائب تھی۔ اس رکاوٹ کو نہ پا کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اور پھر وہ تیزی کے ساتھ خوشبو کے گھر کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ خوشبو حسب معمول اپنے کمرے میں موجود تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھا ہوا تھا۔ اس انداز سے کہ وہ بہت زیادہ سوچوں میں غرق ہے۔

کمرے میں آ کر چند ساعت وہ بالکل خاموش کھڑا رہا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ آج کمرے میں بھی کوئی اندیکھی ہستی موجود نہیں اور خوشبو بھی بے حس و حرکت پڑی ہوئی تو اس نے آواز دی۔ ''خوشبو۔''

خوشبو کی ساعت سے جیسے ہی اس کی آواز ٹکرائی تو خوشبو نے جھٹ اپنی آنکھیں کھول دیں، اور اسے یک ٹک دیکھتے ہوئے فوراً بستر سے اٹھی اور تیزی سے نیچے اتر کر اس کے سینے سے لگ گئی اور بہت ہی زیادہ لگاوٹ سے بولی۔ ''آپ دو دن کہاں رہے؟ انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہیں۔ آپ نے مجھے تڑپتا ہوا چھوڑ دیا۔''

اس نے خوشبو کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس کی حالت اپنی جگہ بہت غیر تھی۔ وہ بالکل بدحواس ہو رہا تھا، اس کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کوئی پرندہ پنجرے سے آزاد ہو گیا ہو، اس نے اپنے ہونٹ خوشبو کی گردن پر ٹکا دیئے اور پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ خوشبو کی گردن سے ہوتے ہوئے اوپر کو بڑھنے لگے۔ خوشبو ایسی حالت میں تھی کہ جیسے ساکت ہو گئی ہو۔

اس کے ہونٹ متواتر گردن سے چہرے اور پھر گال سے ہوتے ہوئے خوشبو کے ہونٹوں میں پیوست ہو گئے، پھر خوشبو کے پورے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی، اس کے پورے جسم میں اچانک ایک کپکپی سی طاری ہوئی جسے روشاک نے بخوبی اور واضح طور پر محسوس کرتے ہوئے خوشبو کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا کچھ زیادہ ہی تنگ کر دیا۔

آج پہلی مرتبہ اس کی طاقت کا خوشبو کو احساس ہوا، خوشبو اس کی بانہوں میں کسمانے لگی۔ مگر باوجود کوشش و کسمانے کے اس کی بانہوں سے نکلنا خوشبو کے بس سے باہر تھا۔ پھر اسی حالت میں خوشبو کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا تنگ کیئے بستر کی جانب وہ بڑھنے لگا، خوشبو کو اس نے اوپر اٹھایا اور بستر پر آرام سے لٹا دیا۔

خوشبو کی آنکھیں بند تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے خوشبو کے پورے وجود اور دل و دماغ پر سحر پھونک دیا گیا ہو۔ خوشبو کی حالت بالکل نڈھال تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے جسم سے جان نکال لی گئی ہو۔ اس کے پورے جسم پر سکتہ طاری تھا۔ مگر سانس لینے کی وجہ سے خوشبو کا سینہ اوپر نیچے ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

خوشبو کو وہ یک ٹک ٹکٹکی باندھے چند گھڑی دیکھتا رہا پھر اچانک وہ خوشبو کے نرم، ملائم نازک گالوں پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی اندرونی ہیجانی کیفیت بڑھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ اپنی گردن گھما کر اپنے دائیں بائیں اور سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ شاید وہ بغور کسی چیز کو تلاش کر رہا ہو۔

اس کی آنکھوں میں ایک انجانی چمک پیدا ہوئی، ساتھ ہی ساتھ اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں پھر اس کی آنکھوں سے سرخ شعاعوں کی دو لکیریں نکلیں اور خوشبو کے دماغ میں گھستی چلی گئی۔ اس کے بعد ان سرخ شعاعوں کا وجود ختم ہو گیا تو وہ مسکراتے ہوئے مجسم خوشبو کے پورے وجود پر اوندھے منہ جیسے ڈھے گیا۔

اچانک کمرے میں ایک گرجدار آواز گونجی۔

☆☆☆

''خبردار!! حدود سے آگے بڑھنا اب ختم ہوا۔ اب تو اپنی من مانی نہیں کر سکتا۔'' اور اس کے ساتھ ہی کسی نادیدہ ہاتھ نے روشاک کو پشت سے پکڑ کر اوپر کو اٹھا لیا۔ اس کے بعد خود بخود دروازہ کھلا اور روشاک ہوا میں معلق دروازے سے باہر کو [illegible] سے نکلتے ہی

دروازہ پھر خود بخود بند ہو گیا۔
روشاک پر جیسے سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ وہ بالکل پتھر کا بت بن چکا تھا۔ وہ ہوا میں معلق ایک طرف کو بڑی تیزی سے اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اس نادیدہ ہاتھ نے اسے بڑی مضبوطی سے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔
روشاک کی ذہنی صلاحیت بھی مفقود ہو چکی تھی۔
اور پھر جب وہ ایک ویرانے میں پہنچا، وہ ویرانہ تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نادیدہ ہاتھ نے روشاک کو کافی اوپر سے نیچے کی طرف پٹخ دیا۔ روشاک جب نیچے گرا تو اس کے منہ سے ایک فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی۔ چیخ اتنی زبردست تھی کہ اس چیخ سے قرب و جوار جیسے دہل کر رہ گیا۔
کافی دیر تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اچانک اس نادیدہ ہاتھ نے اسے ایک جھٹکے سے اوپر کو اٹھایا اور کھڑا کر دیا۔ کھڑا ہوتے ہی روشاک کو جیسے ہوش آ گیا۔ اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ کیونکہ اب اس کے جسم کا جوڑ جوڑ شدید درد میں مبتلا ہو چکا تھا۔
اسے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ ''خبردار! اب اگر تو نے خوشبو کے ساتھ کوئی بھی گری ہوئی حرکت کی تو......'' اور آواز ادھوری رہ گئی۔
''تو کون ہے؟ میرے سامنے آ میں بھی دیکھوں کہ تجھ میں کتنی طاقت ہے، ارے چھپ کر وار کرتا ہے، یہ مردانگی نہیں، بزدلی ہے۔ چل آ میرے سامنے۔'' روشاک طیش میں بولا۔
''اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھ پر غلبہ حاصل کر لے، کسی کمزور انسان پر اپنا تسلط جمانا کہاں کی مردانگی ہے، اگر تجھ میں مردانگی ہے تو کسی طاقتور سے ٹکرا، پھر تجھے پتہ چلے گا کہ طاقت و مردانگی کیا ہوتی ہے۔ میں جا رہا ہوں، میری بات یاد رکھنا، خوشبو کے ساتھ اب اگر کوئی گری ہوئی حرکت کی تو تیری خیر نہیں۔'' اور آواز بند ہو گئی۔
کافی دیر تک وہ اس ویرانے میں بے سدھ کھڑا رہا، اس کی ساری جناتی طاقتیں جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اس نادیدہ قوت کے متعلق جان سکے مگر یہ جاننا اس کے بس سے باہر تھا، وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تو نڈھال ہو کر اس جگہ دھب سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
روشاک کافی دیر تک مراقبے کی صورت میں اس جگہ بیٹھا رہا پھر اچانک جیسے وہ ہوش میں آ گیا اس نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا اور بہت لمبا سانس کھینچا۔ پھر وہ نڈھال طریقے سے اٹھا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا، جب اس کی توانائی کچھ بحال ہوئی تو اپنے قبیلے کی جانب بڑھنے لگا، اور پھر چند لمحوں میں ہی اپنے قبیلہ میں پہنچ گیا۔
قبیلہ میں رات کے وقت کئی جنات اپنی ڈیوٹی انجام دیتے تھے۔ ان میں سے ایک کی نظر روشاک پر پڑ گئی تو وہ بھاگ کر اس کے قریب آیا اور پوچھا۔ ''روشاک خیریت تو ہے نا، تم اس پہر کہاں سے آ رہے ہو، آج سے پہلے تو تم اس وقت کبھی نظر نہیں آئے؟''
''آج نہ جانے کیوں میری طبیعت کچھ زیادہ ہی گھبرا رہی تھی، یہی نہیں بلکہ میرے پورے وجود میں بے چینی سی ہونے لگی تھی، اس لئے قبیلہ سے ذرا باہر چلا گیا تھا۔ ایک جگہ سے میں گزرنے لگا تھا کہ اچانک ایک روحانی حصار میرے سامنے آ گیا اور اس حصار سے میری مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ حصار کچھ زیادہ ہی طاقتور تھا۔
بس میں بھی کچھ ضد میں آ گیا اور کوشش کرنے لگا کہ میں اس حصار کو توڑ دوں اور پھر اس کشمکش میں لگ گیا۔ وہ حصار تو نہ ٹوٹا مگر پھر ایک طرف کو وہ چلا گیا۔ اور اس چکر میں میں کچھ نڈھال سا ہو گیا۔'' روشاک نے گھمبیر لہجے میں کہا۔
''روشاک اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک طاقتور پڑا ہے، اپنے کام سے کام رکھا کرو، خواہ مخواہ کسی سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ تم جس طرح ضد میں آئے، اگر وہ حصار والی ہستی بھی ضد میں آ جاتی تو بولو تمہارا کیا بنتا، جبکہ تمہارا اعتراف ہے کہ تمہاری کوشش کے باوجود بھی وہ

حصار کس سے مس نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حصار کو قائم کرنے والا یعنی اس حصار میں یقیناً کوئی بہت زیادہ طاقتور ہستی ہوگی۔

اب تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ ایک جن زادہ کی کوشش سے وہ حصار نہیں ٹوٹا تو اس کا مطلب کیا لیا جا سکتا ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ اس حصار میں مقید ہستی کو غصہ نہیں آیا ورنہ تمہارا کام ضرور ہو جاتا اور تمہاری ضد دھری کی دھری رہ جاتی۔ تم بچ کر آ گئے، بھئی آئندہ خیال رکھنا، خیر! اب جاؤ اور جا کر اپنے کمرے میں آرام کرو، رات بہت بیت چکی ہے، تھوڑی دیر میں فجر ہونے والی ہے۔"

یہ سن کر روشاک بولا۔ "وہ حصار ایک طرف کو بڑھ گیا اور میں خاموشی سے آ گیا مگر اب میں یہ کوشش ضرور کروں گا اور معلوم کروں گا کہ وہ کون تھا؟ کسی نہ کسی دن معلوم کر کے ہی رہوں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

"روشاک تم غلطی کرو گے اس ہستی کے راستے میں آنے کی، میں نے تو اندازہ کر لیا ہے کہ وہ ہستی تم سے بہت زیادہ طاقتور ہے اور اگر تم نے ضد نہ چھوڑی تو تمہارا ناقابل یقین نقصان بھی ہو سکتا ہے اور پھر تم سردار یعنی اپنے والد کو بھی جانتے ہی ہو کہ وہ اصول کے کتنے پکے ہیں۔ ضد کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو، اور جا کر آرام کرو، میرا مشورہ یاد رکھنا۔" یہ بول کر پہریدار جن خاموش ہو گیا اور روشاک اپنے کمرے میں آ گیا۔

ادھر خوشبو اپنے کمرے میں رات بھر بے چین رہی۔ روشاک کے اس طرح کمرے سے غائب ہونے پر اس کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اسے یہ پریشانی تھی کہ کبھی ایسا تو نہ ہوا تھا کہ روشاک اس طرح اچانک غائب ہوا تھا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ اب وہ ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے، کہیں غصے میں آ کر کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھے۔

مگر یہ بات اس کے دل میں بیٹھ چکی تھی کہ ایسا ہونے میں بھی یقیناً حکیم کامل کا ہی ہاتھ ہوگا کیونکہ حکیم کامل نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اب روشاک کسی صورت بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن پھر بھی اس کے دماغ میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔

خوشبو اپنے کمرے میں کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور پھر بستر پر بیٹھ جاتی، پھر لیٹ جاتی اور پھر اچانک اٹھ کر بیٹھ جاتی وہ یہ بھی سوچنے لگی تھی کہ کہیں اس کا اور حکیم کامل کا مڈبھیڑ نہ ہو جائے، اور حکیم کامل کا کوئی نقصان نہ ہو جائے۔

پھر اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ "وہ حکیم کامل پر غلبہ نہیں پا سکتا، حکیم کامل زیادہ طاقتور ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو کئی مرتبہ اس نے کمرے میں کسی نادیدہ قوت کا ذکر کرتا رہا ہے اور پھر اس نے اپنی پوری طاقت اور صلاحیت بھی آزما چکا ہے مگر اس نادیدہ قوت کا نہ ہی پتہ لگا سکا اور نہ ہی اس پر قابو پا سکا اور وہ نادیدہ قوت یقیناً حکیم کامل کی ہوتی ہے۔

روشاک کسی صورت بھی حکیم کامل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا، اگر ایسا ہوتا تو اب تک وہ حکیم کامل کو نقصان پہنچا چکا ہوتا۔

پھر اس نے کھڑے کھڑے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے۔ "اللہ تعالیٰ میری غلطیوں، کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرما، ہم تمام گھر والوں پر اپنا رحم و فضل فرما اور حکیم کامل پر بھی نظر کرم کر، اور انہیں تمام پریشانیوں سے بچائے رکھنا، اور حکیم کامل کو مزید طاقت بخش کہ وہ اس جن زادے پر قابو پا سکیں۔ اللہ جلد از جلد اس موذی سے ہماری جان چھڑا اس کو نیست و نابود کر دے، اس نے ہماری زندگی ایک طویل عرصے سے اذیت ناک بنا دی ہے۔ ہماری تمام خوشیاں خاک میں ملا دی ہیں، اللہ تو دلوں کا بھید بھی جانتا ہے تو ہماری نیتوں کو بھی جانتا ہے، ہماری کوششوں سے بھی واقف ہے، اللہ تو ہی دین و دنیا کا خالق و مالک ہے، تو ہی نے دنیا کے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے تو نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اللہ تیری پیدا کردہ اس مخلوق نے ہماری زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے، پل پل ہمیں سہا کر

رکھ دیا ہے، اللہ ہمیں اس سے فوری نجات دے۔ فوری نجات دے۔" اور خوشبو کی آواز رندھ گئی، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، اس حالت میں وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی اور پھر سسکیوں سے رونے لگی۔

فرش پر بیٹھی ہوئی خوشبو سسکتی رہی کہ اتنے میں اذان فجر کی آواز اسے سنائی دی۔ اذان فجر کو سنتے ہی اس نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ اس نے اپنے پورے جسم میں عجیب توانائی محسوس کی، اس کا دل جیسے مطمئن ہو گیا تھا، وہ بار بار لمبے لمبے سانس لینے لگی تھی، اس حالت میں چند منٹ گزرے، پھر وہ طمانیت سے اٹھی اور بستر پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد بستر سے اٹھی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے صحن میں آ گئی اور غسل خانے میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ غسل خانے سے نکلی منہ ہاتھ دھویا اور وضو کرنے لگی۔ وضو سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ اپنی والدہ کی آواز سنی۔ "ارے خوشبو! آج اتنی جلدی .....؟"

"ہاں امی آنکھ کھل گئی اور اذان فجر کی آواز سنائی دی تو نماز ادا کرنے کے لئے نیچے آ گئی۔ آج میں اپنے اندر بہت زیادہ طمانیت محسوس کر رہی ہوں۔ میرے دل دماغ میں ایک عجیب طرح کی توانائی محسوس ہو رہی ہے۔"

"بیٹا! یہ اچھی بات ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں خوشیوں سے نوازے، آج میں بھی ایک طویل عرصہ بعد تمہارے چہرے پر ایک نیا عزم اور خوشی دیکھ رہی ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے، وہ کسی بھی دعا کو رد نہیں کرتا، خیر تم نماز سے فارغ ہو کر ناشتہ تیار کرو، میں اور بچوں کو بھی اٹھاتی ہوں تاکہ وہ بھی نماز ادا کریں، تمہارے ابو بھی وضو کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔" یہ بول کر خوشبو کی والدہ وضو بنانے لگیں، اور خوشبو نماز فجر کی ادائیگی کے لئے جائے نماز بچھانے لگی۔

تمام لوگوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کے سامنے گرم گرم ناشتہ لگ گیا، آج تمام گھر والے بہت خوش تھے کیونکہ آج خوشبو نے اپنے ہاتھ سے ناشتہ تیار کیا تھا، ورنہ اب تک خوشبو اپنے کمرے میں آٹھ نو بجے تک سوتی رہتی تھی، گرم گرم پراٹھے، فرائی انڈا اور دودھ پتی کی چائے نے سب کو خوش کر دیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر چھوٹی بہنوں نے برتن اٹھائے اور کچن میں لے گئیں۔ چھوٹا بھائی اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا اور ان کے ابو عتیق صاحب اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے گھر سے نکل گئے۔

امی کی آواز سنائی دی۔ "خوشبو بیٹا! میں نے ملازم کو بازار بھیج دیا ہے، تھوڑی دیر میں وہ گوشت اور دیگر چیزیں لے آئے گا، پلاؤ کے لئے چاول چن لو اور ہاں تھوڑے سے کباب بھی بنا لینا، تمہارے ابو کا دل چاہ رہا ہے، دو دن پہلے انہوں نے کباب کی فرمائش کی تھی۔"

"جی امی!" اور خوشبو چاول نکالنے لگی۔ چھوٹی بہن سے بولی۔ "تم کبابوں کے لئے چنے کی دال نکال کر چن لو۔ گوشت کے آتے ہی فوراً کباب کے لئے تیاری شروع کر دینا۔"

آج واقعی سارا گھر خوشیوں سے جھوم رہا تھا، ہر کسی کے چہرے پر ایک عجیب طرح کی سرشاری نظر آ رہی تھی، ایک طویل عرصہ بعد گھر والے یہ سرشاری محسوس کر رہے تھے۔

ادھر رولوکا نے اپنے کئی کارندے روشاک کی نگرانی پر لگا دیئے تھے، کارندوں کو علم تھا کہ جب بھی روشاک کسی بھی کام کے لئے اپنے قبیلہ سے باہر نکلے تو اس کی خبر فوراً دی جائے، کارندے بہت چوکس اور مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔

ویسے بھی رولوکا نے پورے مطب کے گرد ایک مضبوط حصار قائم کر دیا تھا، اسے خدشہ تھا کہ روشاک طیش میں آ کر مطب کا یا مطب کے کسی ملازم یا پھر کوئی اور نقصان نہ کر بیٹھے۔ ان تمام باتوں کا علم حکیم وقار کو نہیں تھا اور نہ ہی رولوکا نے انہیں کچھ بتایا تھا۔ رولوکا کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر حکیم وقار کو ان تمام باتوں کا علم ہو جائے تو

ہوسکتا ہے کہ ان کے دماغ پر کسی قسم کا بوجھ پڑ جائے اور وہ سوچنے لگیں کہ کسی جن سے دشمنی اچھی نہیں ہوتی۔

اور یہ بات بھی مسلم تھی کہ جب بھی رولوکا کا کسی نادیدہ قوت سے معرکہ ہوتا تو وہ حکیم وقار کے علم میں بات نہیں لاتا تھا۔ جب وہ تمام باتوں سے مطمئن ہوجاتا اور ہر طرح کا کیس ختم ہوجاتا اور دشمن یا ماورائی قوتوں کا خاتمہ یا پھر ماورائی قوتیں دم توڑ دیتیں تو پھر رولوکا حکیم وقار کے علم میں تمام باتیں لے آتا۔

اور جب بھی کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کا علم حکیم وقار کو ضرور ہوتا تھا، حکیم وقار ہر نماز میں خدا سے رولوکا کی کامیابی کے لئے دعا کرتے رہتے تھے۔

ویسے رولوکا حکیم وقار کے علم میں یہ بات لے آیا تھا کہ یہ جن زادہ بہت زیادہ ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوا ہے، یہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹا ہوا ہے اور کسی صورت بھی یہ خوشبو کی ذات سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں، ویسے تو میری حتیٰ الامکان کوشش ہوگی کہ یہ تھک ہار کر پسپائی قبول کرلے اور خوشبو کی ذات سے الگ ہوجائے اور اگر یہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تو پھر جنگ آمد بجنگ آمد۔

رولوکا اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ چند باتیں بتانے کے لئے خوشبو کے گھر چلنا چاہئے۔ رولوکا نے خوشبو کے گھر کا تصور کیا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ ایک لمحہ بھی نہیں لگا کہ رولوکا خوشبو کے گھر سے تھوڑی دور آم کے ایک باغ میں نمودار ہوا اس وقت باغ میں کوئی بھی انسان موجود نہیں تھا۔ رولوکا چلتا ہوا خوشبو کے گھر کے دروازے پر پہنچا۔

گھر کے باہر دالان میں ایک ملازم چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ رولوکا بولا۔ ”جناب مجھے عتیق صاحب سے ملنا ہے اگر آپ انہیں بتادیں تو آپ کی مہربانی ہوگی، آپ بتایئے گا کہ حکیم کامل آپ سے ملنے آئے ہیں۔“

رولوکا کی بات سنتے ہی جھٹ ملازم اٹھا اور ایک طرف موجود دروازے سے اندر چلا گیا۔ وہ کمرہ باہر سے آنے والے مہمانوں کے لئے وقف تھا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے عتیق صاحب باہر نکلے اور جھٹ رولوکا سے مصافحہ کیا۔

رولوکا نے بھی ہاتھ ملایا اور بولا۔ ”عتیق صاحب چند باتیں تھیں جس کی وجہ سے میں نے آپ کو تکلیف دی۔“

”حکیم صاحب آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں، میں تو یہ سوچ سوچ کر ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوجاتا ہوں کہ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑرہی ہے، اگر آپ کے آنے کا کوئی دن مقرر ہو تو میں کوچوان کو بھیج دوں۔ آپ اندر تشریف لے آئیں۔“ عتیق صاحب نے کہا۔

بیٹھک میں آکر رولوکا ایک صوفہ پر بیٹھ گیا اور بولا۔ ”عتیق صاحب آپ میری تکلیف کے متعلق قطعی نہ سوچا کریں، میں پریشان حال لوگوں کے کام آکر بڑا دلی سکون محسوس کرتا ہوں چونکہ میرا کوئی وقت آنے کا مقرر نہیں تو بھلا میں کیسے آپ کو بتا سکتا ہوں، جب اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے تو آجاتا ہوں اور پھر بڑے آرام سکون سے چلا بھی جاتا ہوں۔

میرے ذہن میں چند باتیں آئیں تو میں چلا آیا۔ آپ برائے مہربانی خوشبو کو بلالیں۔ اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

”جی بہت اچھا۔“ بول کر عتیق صاحب اٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

کچھ ہی لمحے میں خوشبو کمرے میں داخل ہوئی۔

”السلام علیکم حکیم صاحب۔“ خوشبو بولی، اور آکر سعادت مندی سے سر پر آنچل سنبھالتی ہوئی رولوکا کے سامنے بیٹھ گئی۔

رولوکا بولا۔ ”وعلیکم السلام۔“

”جی فرمائیں۔“ خوشبو بولی۔

”دراصل چند باتیں تھیں جن کی وجہ سے میں آگیا۔ بات یہ ہے کہ کل رات سے میں نے اس جن پر سختی شروع کردی ہے، کل رات میں وہ تم سے باتیں کرتا رہا اس وقت غائبانہ طور پر میں کمرے میں موجود تھا اور پھر جب وہ آگے بڑھا تو میں اسے اپنے ہاتھ کے شکنجے میں جکڑ

کر کمرے سے باہر لے گیا۔ غصہ تو مجھے بہت تھا اور دل میں آیا کہ میں اسی وقت اس کا کام تمام کردوں مگر میں کچھ سوچ کر ایسا نہ کرسکا۔

اس کے دل ودماغ پر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جیسے وہ پتھر کا بت بن چکا تھا۔ میں نے اسے لے جا کر اس کے قبیلہ سے کچھ دور ایک ویرانے میں پٹخ دیا۔ اور ایک طرف خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ بعد اسے جیسے ہوش آ گیا تو خود کو اس جگہ پا کر بہت تلملانے لگا۔

اس نے اپنی صلاحیت سے بہت کچھ میرے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کے گرد ایک حصار قائم کر رکھا تھا تا کہ اس کی سوچ کا دائرہ اس حصار سے باہر نہ جا سکے۔

وہ طیش میں بہت زیادہ اول فول بکتا رہا۔ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی بپھرا ہوا تھا مگر اس کی ایک نہ چلی۔ وہ مجھے بھی طیش دلاتا رہا تا کہ میں طیش میں آ کر اس کے سامنے آ جاؤں، اگر میں طیش میں آ جاتا اور اس کے سامنے ظاہر ہو جاتا تو اس کے حق میں ٹھیک نہیں ہوتا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ مجرم کے سامنے اس کے قصور کو لایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ تمہاری ذات سے یہ قصور سرزد ہوا ہے۔

میرے یہاں آنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ بہت طیش میں آ گیا ہے ویسے تو میں نے اپنے کارندوں کو اس کے قبیلے کے باہر کی ہر حرکت کو نوٹ کرنے پر لگا دیا ہے اور پھر میں نے آپ لوگوں کے گھر کے گرد بھی ایک مضبوط حصار قائم کر دیا ہے لیکن یہ حصار ایسا ہے کہ صرف وہی آپ کے گھر میں آ سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور جن یا کوئی اور دیگر ماورائی قوت یہاں پر نہیں مار سکتی۔

خاص طور پر تمہارے وہ کسی وقت بھی بہت زیادہ طیش میں آ سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے وہ آپ لوگوں کے سامنے آپ لوگوں کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے سکتا ہے۔

لیکن اس کی تمام دھونس دھمکی سطحی ہوگی، گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں، اس گھر کے کسی بھی فرد کا وہ بال تک باکا نہیں کرسکتا، اچھلے کودے گا بہت زیادہ۔

وہ ہر طرح سے کوشش کرے گا کہ آپ لوگوں کی زبان سے یہ نکل جائے کہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کا علم آپ لوگوں کو ہے اور خاص طور پر تمہارے علم میں ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چند منٹ کے لئے وہ تم پر دباؤ ڈالے یا پھر کسی کرب میں مبتلا کر دے مگر اس معاملے میں اپنی زبان نہیں کھولنا۔

میرا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اس قدر تھک جائے کہ اسے اپنی زندگی اجیرن معلوم ہونے لگے، وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے چند خیر خواہ اور دوستوں کو کہہ دے کہ تم لوگ گھر والوں کو تنگ کرنا شروع کر دو مگر وہ اس مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہوگا۔

میں چاہوں تو اسے آج ہی ختم کر سکتا ہوں مگر جنات قوم میں یہ خاصیت ہے کہ ان کی کسی سے اگر دشمنی ہو جائے تو یہ اس دشمنی میں بہت دور تک جاتے ہیں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ نقصان پہنچائیں۔ اگر ایک کو ختم کر دیا جائے تو اس کے گھر والے اس کے خاندان اس کے دوست احباب اور پھر اس کے قبیلہ والے دشمنی پر اتر آتے ہیں۔

ان ہی تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس کے گرد ایسا جال بنا چاہتا ہوں کہ وہ کسی بھی طرح اس گھیرے سے نکل نہ سکے اور اگر اس کے خاندان یا اس کے قبیلہ والوں کو علم ہو جائے تو وہ سب بھی اسے قصور وار ٹھہرائیں۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ماورائی قوت کو قید کر کے کہیں دفن کر دیا جاتا ہے۔ یا پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بوتل میں قید کر کے دریا سمندر برد کر دیا جاتا ہے مگر اس میں یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ کسی بھی وجہ سے اگر کبھی وہ بوتل ٹوٹ جائے یا جہاں اسے دفن کیا گیا ہے کسی بھی وجہ

سے اگر وہاں سے نکل جاتا ہے تو پھر وہ ایک طویل عرصہ بعد بھی اپنے ساتھ دشمنی کرنے والے یا پھر جس کے لئے اسے قید کیا گیا تھا، اس سے انتقام لیتا ہے یا پھر ایسا بھی کرتا ہے کہ اگر ان لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا جن کی وجہ سے اسے سزا دی گئی تھی تو پھر دوسروں کو نقصان پہنچانا شروع کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ سرکش جن کا خاتمہ کر دیا جائے یا پھر دیگر آسیب وغیرہ کا بھی خاتمہ ضروری ہوتا ہے۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عتیق صاحب بھی کمرے میں آ گئے ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے میں چائے کے دو کپ تھے، ٹرے کو انہوں نے رولوکا کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"عتیق صاحب اس کی کیا ضرورت تھی، بھئی آپ لوگ تکلف نہ کیا کریں۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب یہ تکلیف نہیں، ایک کپ چائے میں کون سی پریشانی ہو جاتی ہے، یہ آپ کا بڑا پن ہے اور آپ ایک رحم دل انسان ہیں جو کہ دوسروں کے لئے انتھک پریشانی اٹھاتے ہیں، دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہوئے لوگوں کو دکھ تکلیف اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہت اجر دے گا۔"

"حکیم صاحب انسانیت ہے دوسروں کا احساس کرنا، دوسروں کے دکھ درد میں کام آنا، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دینا، جہاں تک ہو سکے ڈوبتے کو سہارا دے کر کنارے لگانا، سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے، صرف انسان کا فعل اور کیا دھرا اعمال ہی اس کے ساتھ جاتا ہے۔

جانے والے چلے جاتے ہیں اور جانے والوں کو لوگ دو طرح یاد کرتے ہیں اچھوں کو ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور بروں کو جانے کے بعد بھی برائی ملتی ہے برے الفاظ سے یاد کرنے پر، میں ہر نماز میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ و ہمت دے اور آپ دوسروں کی پریشانیوں کو دور کریں۔

حکیم صاحب آپ کا یہ احسان مرتے دم تک میں یاد رکھوں گا اور اپنی اولاد کو بھی کہہ جاؤں گا کہ وہ بھی آپ کے حق میں دعا کرتے رہیں۔" عتیق صاحب نے کہا۔

"عتیق صاحب! آپ کی ساری باتیں درست ہیں، میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ اصل انسانیت یہی ہے کہ انسان دوسروں کے کام آئے، اور اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچائے، مگر کون ہے جو اس کے حکم پر عمل کرتا ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس کے حکم کو من و عن مانتے ہیں اور اپنی ذات سے دوسروں کو فیض پہنچاتے ہیں۔

میں جس مقصد کے لئے آیا تھا وہ باتیں میں نے خوشبو کو بتا دی ہیں۔ دراصل یہ کہنا تھا کہ وہ جن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہو سکتا ہے کچھ زیادہ اچھل کود کرے یا پھر دھمکی جیسے الفاظ بولے، اس صورت میں آپ لوگ بالکل بھی نہ گھبرائیں، اندرونی طور پر مطمئن رہیں، یہ خیال بالکل بھی اپنے دماغ سے نکال دیں کہ اس کی ذات یا کسی بھی عمل سے آپ کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ نقصان پہنچانے والی اس کی تمام طاقتیں میں نے سلب کر دی ہیں، اچھا خوشبو، اب تم جاؤ اور آرام و سکون سے کھاؤ پیو اور رہو۔" رولوکا نے کہا۔

"جی حکیم صاحب، میں آپ کی باتوں کو ذہن میں رکھوں گی۔" یہ بول کر خوشبو اٹھی اور "خدا حافظ" کہتی ہوئی بیٹھک سے نکلتی چلی گئی۔

"حکیم صاحب چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے آپ چائے پئیں۔" عتیق صاحب نے کہا تو رولوکا کپ اٹھا کر چائے پینے لگا۔ چائے پی کر رولوکا بولا۔ "عتیق صاحب اب میں اجازت چاہتا ہوں، ایک دو کام اور بھی ہیں اور اس کے لئے میرا جلدی پہنچنا بھی ضروری ہے۔"

"حکیم صاحب میں کوچوان کو بلاتا ہوں، آپ گھوڑا گاڑی پر چلے جائیں۔" عتیق صاحب نے کہا۔

"عتیق صاحب اس کی ضرورت نہیں، میرا آنا جانا تو لگا رہتا ہے، میں جس طرح آتا ہوں، اسی طرح چلا بھی جاتا ہوں۔ خواہ مخواہ کسی کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ، اب میں چلتا ہوں پھر بہت جلد آپ لوگوں سے ملاقات ہوگی۔" یہ بول کر رولوکا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

عتیق صاحب بولے۔" حکیم صاحب جیسے آپ کی مرضی۔" اور رولوکا عتیق صاحب سے مصافحہ کرنے کے بعد بیٹھک سے باہر نکل گیا۔ اس جگہ سے نکلنے کے بعد رولوکا خراماں خراماں چلتا ہوا، اس آم کے باغ میں پہنچا جہاں سے وہ آیا تھا۔ باغ میں پہنچ کر اس نے چاروں طرف دیکھا اور مطمئن ہو گیا کہ اس جگہ کوئی اور نہیں جو کہ اسے دیکھ رہا ہے تو وہ ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر اپنے کمرے کا تصور کیا اور فوراً غائب ہو کر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

اس وقت دن کے ساڑھے بارہ کا وقت ہو رہا تھا۔ اس کے بعد اپنے کمرے سے نکل کر حکیم وقار کے کمرے میں آ گیا۔ رولوکا کو دیکھ کر حکیم وقار اپنی کرسی سے اٹھ گئے اور ہاتھ آگے بڑھا کر مصافحہ کیا۔" حکیم صاحب اور سنائیں! کیسے ہیں، میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ صبح کے وقت اپنے کمرے سے نہیں نکلے اور میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یقیناً آپ مصروف ہوں گے، اگر فارغ ہوتے تو نیچے ضرور تشریف لے آتے۔ کیا بنا خوشبو والے مسئلے کا؟" حکیم وقار نے کہا۔

" حکیم صاحب! کم بخت بہت ہی ضدی اور ہٹ دھرم جن سے واسطہ پڑ گیا ہے، ابھی وہ نوجوان ہے، شادی شدہ نہیں، اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کسی بھی نوجوان کی سوچ کیا ہوتی ہے، جوانی اور نوجوانی سب پر آتی ہے، اگر کوئی جانور بھی ہو تو وہ بھی جوانی میں زیادہ چاک و چوبند اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر زیادہ پھرتیلا ہوتا ہے اور جسمانی توانائی و طاقت کے زُعم میں کہیں ٹک کر نہیں بیٹھتا ہے۔

میری تو اب تک یہی کوشش ہے کہ وہ اپنے غصہ سے باز آئے اور خوشبو کی ذات سے الگ ہو جائے اور اگر وہ اسی طرح ہٹ دھرمی پر اڑا رہا تو سوائے نقصان کے اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جانی نقصان بھی اٹھائے۔

جبکہ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ اس کے اس عمل میں اس کا ساتھ کوئی اور نہیں دے رہا ہے، اس کا تعلق مسلمان جنات کے قبیلہ سے ہے اور اس کے والد اس قبیلہ کے سردار بھی ہیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اس کے دل میں یہ بات ہو کہ وہ سردار کا بیٹا ہے، اس لئے اور بھی جنات اس کا ساتھ دیں گے۔

جس طرح دنیا میں عام طاقتور لوگوں کا ساتھ ہوتا ہے کہ طاقتور کا ساتھ دوسرے لوگ بڑھ چڑھ کر دیتے ہیں۔

ابھی تک میری کوشش ہے کہ میں اسے تھکاتا رہوں اور وہ اس قدر تھک جائے کہ اس میں سکت باقی نہ رہے، طاقتور کے جب مہرے پٹنے لگتے ہیں تو وہ اور زیادہ بپھر جاتا ہے اور پھر طیش میں آ کر سارے غلط اقدام اٹھانے لگتا ہے جس کی وجہ سے وہ مزید پریشانیوں سے دو چار ہوتا چلا جاتا ہے۔ بڑوں نے یہ حقیقت کہا ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔" رولوکا مسکراتے ہوئے بولا۔

" بالکل آپ صحیح فرما رہے ہیں، بہرحال میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد کامیاب و کامران کرے اور کم بخت اس جن کو منہ کی کھانی پڑے۔" حکیم وقار نے کہا۔

اس کے بعد حکیم وقار نے میز پر رکھی گھنٹی بجائی تو فوراً ایک ملازم آیا تو حکیم وقار نے کہا۔" بھئی فوراً دو کپ چائے لے آؤ اور ہاں! ساتھ ہی کچھ بسکٹ بھی لانا۔"

یہ سنتے ہی ملازم فوراً پلٹا اور حکیم وقار کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ملازم چائے اور بسکٹ لے کر آ گیا اور میز پر دونوں چیزوں کو رکھ کر واپس چلا گیا۔ حکیم وقار نے کہا۔" حکیم صاحب گرما گرم چائے پئیں اور ساتھ ہی بسکٹ بھی کھائیں، کئی دن ہو گئے تھے آپ کے ساتھ چائے پیے ہوئے، یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ چند گھڑی آپ کے ساتھ گزار لیتا ہوں، ورنہ آپ کو دیکھے ہوئے ہفتہ بلکہ ہفتے گزر جاتے ہیں اور آپ سے ملاقات نہیں ہوتی۔"

رولوکا حکیم وقار کی باتیں سن کر بولا۔" حکیم

صاحب یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ دلی طور پر مجھے یاد کرتے ہیں، میری تو خواہش ہوتی ہے کہ میں بلاناغہ وقت مقررہ پر مطب میں بیٹھا کروں مگر یہ بھی مجبوری ہے کہ کام کے پیش نظر آپ کی نظروں سے اوجھل رہتا ہوں، آپ کی دعاؤں اور اوپر والے کی مہربانی سے میں حتیٰ الامکان مسئلے مسائل کو قابو کر لیتا ہوں، ارے کیا جاتا ہے، میری تھوڑی بہت محنت سے، اذیت وکرب سے دو چار مصیبت زدہ لوگ اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو دنیا میں سکھی لوگ بہت کم ہیں۔ ہاں ایک شعر یاد آیا۔

دنیا ہے سکھ سے خالی دکھ چار سو بھرا ہے
غم کے سوا یہاں پر سوچو تو کیا دھرا ہے

"بالکل صحیح! آپ نے حقیقت بیان کر دی، پوری دنیا میں ایسا ہی ہے اور ایسا صرف اس لئے ہے کہ انسان مقرر کردہ اپنی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔

اگر انسان فرمان الٰہی پر قائم رہے تو وہ کسی صورت بھی تکالیف کا آماجگاہ نہیں بن سکتا۔ حکم ربی کو ماننے والے قناعت پسند ہوتے ہیں، زیادہ اور زیادہ کے چکر میں نہیں پڑتے، اپنی نفسانی خواہشات کے غلام نہیں بن جاتے، اپنے حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں، جو لوگ خوب سے خوب تر کی جستجو میں دن رات لگے رہتے ہیں، وہ اپنا سکون غارت کر دیتے ہیں اور پل پل کرب واذیت محسوس کرتے رہتے ہیں، اگر انسان سنجیدگی سے اس بات پر غور کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں کیوں بھیجا ہے، اور پھر دنیا میں بھیج کر اس پر اپنا کیا حکم صادر کر دیا ہے تو اس دنیا میں جنگ وجدل اور خون خرابہ نہ ہو، کوئی کسی کا جانی دشمن نہ بنے بلکہ پوری دنیا امن وشانتی کا گہوارہ بن جائے۔" حکیم وقار نے کہا۔

"حکیم صاحب یہی تو اصل مسئلہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنی ذمہ داریوں کے متعلق بغور سوچتا نہیں، قناعت کو اپناتا نہیں اور آسمان پر چڑھنے کے تگ ودو میں دندناتے ہوئے سرپٹ بھاگتا رہتا ہے۔ خیر جو حقیقت سے آنکھیں چراتا ہے وہی نقصان میں رہتا ہے۔"

اتنے میں ایک ملازم آیا اور بولا۔ "حکیم صاحب بغیر اجازت اندر آنے کے لئے معذرت خواہ ہوں، دراصل ایک صاحب آئے ہیں جو کہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، جب وہ باتیں کر رہے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اندر بھیج دوں۔"

"لگتا ہے وہ بہت زیادہ پریشان ہیں، انہیں جلدی سے اندر بھیجو۔" حکیم وقار نے کہا۔ یہ سن کر ملازم کمرے سے باہر نکل گیا۔

اور پھر جب واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک باریش بزرگ تھے، سینے تک آتی ہوئی سفید داڑھی اور بکھرے ہوئے بال، چہرے پر واضح طور سے فکر وتردد نظر آرہا تھا۔ آتے ہی گڑگڑانے لگے۔ "حکیم صاحب میں بہت زیادہ پریشان حال ہوں' برائے مہربانی میرے بچے کو بچالیں، کل رات سے اس کی حالت بہت زیادہ خراب ہے، رات میں اچھا بھلا سویا تھا کہ آدھی رات میں اچانک اٹھ بیٹھا اور وقفے وقفے سے خون کی الٹیاں کرنے لگا ہے۔

میں نے بہت کوشش کی اسے آپ کے پاس لانے کی مگر اتنی کوشش کے باوجود بھی وہ اپنی چارپائی سے اٹھا نہیں اور پھر جب میں نے زبردستی کی تو اس نے مجھے دھکا دے دیا جس سے میں کافی دور جا گرا، حالانکہ وہ میرا بہت ہی نیک اور فرمانبردار بچہ ہے، اس نے کبھی بھی مجھ سے زیادہ تیز آواز میں بات تک نہیں کی اور نہ ہی کبھی اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات بھی کی، گاؤں کے کئی اور نوجوانوں نے بھی کوشش کر لی مگر وہ کسی سے بھی اٹھ کر نہیں دے رہا ہے، کئی نوجوانوں کی کلائی مروڑ کر انہیں الگ کر چکا ہے، کوئی بھی اس کے قریب جانے سے ڈر رہا ہے، میں سامنے والے گاؤں شانتی پور میں رہتا ہوں۔

حکیم صاحب میرے بچے کو بچالیں، میں تا زندگی

آپ کا احسان مند رہوں گا، وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے، اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں۔" اور یہ بول کر بزرگ سسکیاں بھرنے لگے۔

حکیم وقار جلدی سے اٹھے اور بزرگ کو پکڑ کر کرسی پر بیٹھایا اور کندے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے لگے۔ "آپ پریشان نہ ہوں، اللہ کی مہربانی سے آپ کا بچہ ٹھیک ہو جائے گا۔" اسی طرح کی اور بھی تسلی آمیز باتیں حکیم وقار کرتے رہے۔

مگر جب انہوں نے رولوکا پر نظر ڈالی تو رولوکا اپنی آنکھیں بند کئے بالکل خاموش تھا۔ پھر چند لمحے بعد رولوکا نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بزرگ کی طرف دیکھا۔

"محترم! آپ کے بچے کو کوئی جسمانی بیماری نہیں بلکہ اس کے ساتھ بہت ہی مہلک ہوائی چکر ہو گیا ہے، آپ فکر نہ کریں، آپ کا بچہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

پھر رولوکا حکیم وقار سے مخاطب ہوا۔ "حکیم صاحب بزرگ کی باتیں سن کر مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ بچے کو کوئی جسمانی بیماری نہیں کیونکہ اگر کوئی جسمانی بیماری ہوتی تو وہ نوجوان ان کے ساتھ یہاں تک ضرور آتا، اور پھر اس نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی اور انہیں زور کا دھکا دیا، جسمانی بیماری والے مریض ایسی حرکت نہیں کرتے بلکہ ان مریضوں کو کسی بھی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس لے جائیں تو وہ خاموشی سے چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ویسے میں نے معلوم کر لیا ہے کہ اس پر کوئی بھاری اثر ہو گیا ہے، بزرگ بہت زیادہ پریشان ہیں اور پھر یہ معاملہ بہت گھمبیر بھی ہے اس میں زیادہ وقت نہیں، کرنے والے نے بہت تیز اور مہلک عمل کر دیا ہے، سفلی عمل ہے جو کہ جان لیوا ثابت ہوگا، اس کی موت کے لئے تین دن کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے۔

حکیم صاحب! آپ فکر نہ کریں میں ان بزرگ کے ساتھ جا رہا ہوں، میں نے اگر دیر کر دی تو ہو سکتا ہے کہ بچے کی جان......" اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں، میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔" حکیم وقار نے رولوکا سے کہا۔

"جناب آپ چلیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ کے پاس کیا کوئی سواری ہے یا پھر کسی سواری کا انتظام کروں۔" رولوکا بولا۔

"میرے پاس اپنی گھوڑا گاڑی ہے، آپ تشریف لے چلیں۔" بزرگ نے بدحواسی کے عالم میں کہا اور چلتے ہوئے رولوکا کے ساتھ باہر آ گئے۔ باہر ایک گھوڑا گاڑی کھڑی تھی اسے دیکھ کر بزرگ نے کہا۔ "حکیم صاحب یہی میری گاڑی ہے۔ آپ گاڑی میں تشریف رکھیں۔"

رولوکا گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گیا تو بزرگ نے کوچوان کی جگہ سنبھال لی اور گھوڑے کو چابک سے اشارہ کیا تو گھوڑا آگے کو بڑھنے لگا اور پھر چند منٹ بعد ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

ایک گھنٹہ سے پہلے ہی گھوڑا گاڑی ایک گاؤں میں پہنچ کر ایک گھر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بزرگ نیچے اترے اور بولے۔ "حکیم صاحب یہی میرا گھر ہے آپ نیچے تشریف لائیں۔" یہ سن کر رولوکا گھوڑا گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ گھر کے باہر کئی لوگ کھڑے تھے اور باتوں میں مصروف تھیں۔ بزرگ کو دیکھ کر ایک صاحب آگے بڑھے اور بولے۔ "کمال الدین اچھا ہوا کہ تم آ گئے، ہم کافی دیر سے باہر کھڑے ہیں، جب تم گئے تھے تو اس وقت ہم اندر ہی تھے مگر پھر اچانک شرفو اپنی چارپائی سے اٹھا اور میری کلائی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور بولا۔ "اوئے بڈھے چل یہاں سے بھاگ جا، یہاں کوئی تماشہ نہیں ہو رہا ہے کہ تم سب بیٹھے ہو۔ چلو جلدی سے باہر جاؤ ورنہ ہر ایک کی گردن مروڑ دوں گا، جس کے لئے تم لوگ آئے ہو اور پہرا دے رہے ہو، اب یہ زیادہ دیر کا مہمان نہیں، میں اسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں گا، گرو اپنی جگہ بیٹھے میرا اور اس کا انتظار بڑی بے چینی سے کر رہے ہیں، میرا نام چندرا ہے اور تم لوگ چندرا کی طاقت سے واقف نہیں، چلو بھاگو یہاں سے۔"

اور ہم لوگ فوراً سر پر پاؤں رکھ کر باہر نکل آئے اور اس وقت سے یہیں کھڑے ہیں۔"

"سلامت بھیا! سب ٹھیک ہو جائے گا، میں حکیم صاحب کو لے آیا ہوں، یہ بھی ہماری خوش قسمتی اور اللہ کی مہربانی کہ حکیم صاحب مجھے وقت پر مل گئے، ورنہ....." اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی، وہ رولوکا سے بولے۔

"حکیم صاحب آپ اندر تشریف لے چلیں۔"

کمال الدین رولوکا کو لئے ہوئے اندر کمرے میں آ گئے، ان کے پیچھے جو چار لوگ باہر کھڑے تھے وہ بھی اندر آ گئے۔

اندر کمرے میں ایک صحت مند نوجوان چار پائی پر بے سدھ پڑا تھا۔ پورے کمرے میں چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ سارے لوگ چٹائی پر بیٹھ گئے تو رولوکا نے کمال الدین سے کہا۔

"کمال صاحب آپ ایک کٹورے میں تھوڑا سا صاف پانی لائیں اور ساتھ ہی ایک مٹی کی ہانڈی میں کوئلے یا اپلے کی آگ بھی دہکا کر لائیں اور ہاں تھوڑی سی رائی بھی لیتے آیئے گا۔"

یہ سن کر کمال الدین اٹھے اور اندر گھر میں چلے گئے۔ ویسے اندر گھر میں جیسے پورے گاؤں کی عورتیں موجود تھیں۔

چند منٹ میں ہی کمال الدین نے ایک مٹی کی ہانڈی میں دہکا ہوا کوئلہ اور ساتھ میں ایک کٹورے میں پانی اور ایک چھوٹے پیالے میں تھوڑی سی رائی لا کر رولوکا کے سامنے رکھ دی۔ اور ایک طرف کو بیٹھ گئے۔

رولوکا نے کٹورے میں موجود پانی پر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پھونکا، تین بار پانی پر پھونکنے کے بعد تھوڑا سا پانی چلو میں لیا اور زور سے چار پائی پر لیٹے ہوئے شرفو کے چہرے پر چھڑک دیا، پانی کا چہرے پر پڑنا تھا کہ شرفو کے منہ سے ایک بہت ہی ڈراؤنی اور وحشت ناک غراہٹ نکلی، جسے سن کر اس جگہ بیٹھے ہوئے لوگ لرز کر رہ گئے۔

شرفو فوراً سوتے سے اٹھ کر چار پائی پر بیٹھ گیا اور قہر برساتی آنکھوں سے رولوکا کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر رولوکا بولا۔ "اوئے تو کون ہے؟ اپنا نام بتا! اور یہ بھی بتا کہ تو نے اس نوجوان پر دھرنا کیوں دیا، تو کیا چاہتا ہے، جلدی بول ورنہ پھر....." رولوکا نے بات یہیں تک کہ تھی کہ شرفو کے منہ سے کرخت اور بھاری آواز نکلی۔

"اوئے تو کون ہے؟ اور تیری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی اور یہ جو تو نے مجھ پر گرم پانی پھینکا ہے، اس پانی سے میرا سارا شریر جل رہا ہے، میرے شریر میں انگارے بھر گئے ہیں، اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو جلدی سے اٹھ اور یہاں سے چلتا بن۔ دیکھ میں زیادہ بولنے کا عادی نہیں، میرا نام چندرا ہے۔"

اس درمیان رولوکا نے اپنے چلو میں پانی لیا اور سامنے چار پائی پر بیٹھے ہوئے شرفو پر پھینک دیا۔

پانی کا جسم پر پڑنا تھا کہ شرفو کی آنکھیں جیسے انگارہ بن گئیں، اس کی آنکھوں میں روشنی نظر آنے لگی جیسے کہ وہ آنکھیں نہ ہوں بلکہ دو دہکتے ہوئے انگارے ہوں، منہ سے بالشت بھر زبان باہر کو نکل پڑی، زبان کیا تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے تازہ خون کا لوتھڑا ہو، زبان بار بار اندر باہر کو ہونے لگی تھی کہ پھر اچانک رولوکا نے ایک چلو پانی اور اس کے جسم پر پھینک دیا۔ اب کی بار پانی کا جسم پر پڑتے ہی، منہ سے باہر کو اندر باہر نکلتی ہوئی زبان اندر کو ہو گئی اور شرفو کرخت آواز میں قہقہہ لگانے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ جنونی ہو گیا ہو اور پھر اس کے منہ سے گرم گرم بھاپ باہر کو نکلنے لگی۔

وہاں پر بیٹھے ہوئے لوگ یہ دیکھ کر اٹھنے لگے کہ رولوکا نے ان لوگوں کو اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا ہاتھ سے اشارہ کیا جسے دیکھ کر لوگ اپنی جگہ سہم کر بیٹھ گئے۔

"او مورکھ! اب تو جلدی سے بھاگ جا، اگر اب بھی تو نہیں اٹھا تو تیری اور یہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی گردنیں مروڑ کر رکھ دوں گا۔

اگر تجھ میں شکتی ہے تو اب سنبھال۔ اور اس کے ساتھ ہی شرفو کے منہ سے ایک بھیانک شکل وجود برآمد

ہوا، اس وجود کا صرف چہرا ہی نظر آ رہا تھا، چہرا اتنا بھیانک اور ڈراؤنا تھا کہ شاید ہی کسی نے اپنی زندگی میں اتنا بھیانک چہرا دیکھا ہوگا۔

رولوکا نے چلو میں پانی بھرا اور شرفو پر پھینک دیا۔

اب کی بار پانی کا جسم پر پڑتے ہی شرفو کے منہ سے شیر کے مشابہہ دھاڑ کی آواز نکلی۔

''اوئے مورکھ، تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، میرے گرو کا حکم ہے کہ میں اسے ساتھ لئے بغیر یہاں سے نہ ٹلوں، میں ہر صورت اسے لے کر ہی جاؤں گا۔ اب زیادہ سے میرے پاس نہیں، بس صرف ایک رات کا سمے ہے، کل کا سورج یہ نہیں دیکھ پائے گا۔''

''کیا تجھے یہ پتہ ہے کہ تو کل کا سورج دیکھ سکے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے ساتھ ساتھ گرو کا بھی وجود ختم ہو جائے۔ اب میں کہتا ہوں کہ تو اپنی خیر منا، اور اپنے گرو کی بات نہ مان کر یہاں سے چلا جا، میں تیری جان آزاد کر دوں گا، اور اس میں تیری بھلائی ہے، میری بات پر سنجیدگی سے غور کر، ورنہ پھر تیرا ستیاناس ہو جائے گا، تیرا وجود اس سنسار سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ تیری اور تیرے گرو کی شکتی کتنی ہے تو اس کا اندازہ کر لے کہ تو اس چارپائی کی حدود سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔'' رولوکا بولا۔

''مورکھ تجھے بھی اندازہ نہیں کہ میرا گرو اپنے استھان پر بیٹھا میری سہائتا ضرور کرے گا، اور تیرا اوپائے بھی، تو میرے ساتھ یہ حربہ اس لئے کر بیٹھا کہ میرے گرو کا حکم ہے کہ میں اس پرش کا شریر ایک پل کے لئے بھی نہ چھوڑوں، اگر مجھے آزادی ہوتی کہ میں آگے پیچھے ہو جاؤں تو پھر میں تجھے دکھاتا کہ شکتی کیا ہوتی ہے، میں اپنے گرو کا اپمان نہیں ہونے دوں گا۔ ان تمام باتوں کا میرے گرو کو پتہ لگ گیا ہوگا جو کہ تو میرے ساتھ کر رہا ہے۔'' اور پھر شرفو کے منہ سے ایک زبردست اور کان پھاڑ دینے والی چیخ نکلی۔ چیخ اتنی زوردار تھی اور ساتھ ہی آندھی نما ہوا بھی اس میں شامل تھی جس سے کمرے میں موجود ساری چیزیں ہلنے لگیں اور کمرے میں درودیوار پر ہی نہیں چھت پر موجود گرد بھی جھڑنے لگی تھی۔

اس کے اس حربے کو دیکھ کر کمرے میں موجود دیگر لوگ اور شرفو کے والد کمال الدین بھی بدحواس ہو کر یک بیک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے کہ اچانک رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''آپ لوگ اپنی اپنی جگہ فوراً بیٹھ جائیں، یہ اس قسم کا صرف شعبدہ بازی کر رہا ہے تاکہ میں ڈر کر یہاں سے چلا جاؤں اور ساتھ ہی آپ لوگ بھی ڈر کر بھاگ جائیں اور کمال الدین صاحب خوفزدہ ہو کر مجھے یہاں سے چلے جانے کا کہیں۔ آپ لوگ بے فکر ہو کر بیٹھے رہیں۔''

رولوکا بولا۔ ''چندرا اب تو اپنی خیر منا، میں تجھے چند پل دیتا ہوں کہ تو اچھی طرح سوچ لے، اگر تو نے میری بات مان لی تو بچ جائے گا ورنہ جل کر بھسم ہو جائے گا، ابھی جو تو نے شعبدہ دکھایا، یہ بند کر دے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تیرا گرو اپنے استھان پر شکنجے میں جکڑا پڑا ہے، میرے کارندوں نے اسے دبوچ کر بے بس کر دیا ہے۔''

''مورکھا میری بات مان لے، ورنہ تو بھی پچھتائے گا، تجھے بھی میرے گرو کی شکتی کا اندازہ نہیں، بڑے بڑے بیرا اور مہا بیر میرے گرو کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، تو میرے گرو کو نہیں جانتا، گرو مہا شکتی شالی کے مالک ہیں، میں تجھے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میں کسی صورت بھی اس بالک کا پران لئے بغیر خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔'' یہ باتیں شرفو کے منہ سے نکلیں۔

''اگر تو نہیں مانتا تو نہ مان یہ تیری مرضی۔'' اور یہ بول کر رولوکا نے مٹی کی ہانڈی میں دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرف دیکھ کر پھونک ماری اور پھر مٹی کی ہانڈی کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے ہاتھ میں رائی لے کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر رائی پر پھونک مار کر رائی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیا۔ رائی کا آگ پر پڑنا تھا کہ اچانک گاڑھے رنگ کا پیلا دھواں اوپر کو اٹھنا شروع ہوا، اور پھر آہستہ آہستہ تمام دھواں چارپائی کے چاروں طرف جمع ہونا شروع

ہو گیا، پھر رولوکا کے اشارے پر وہ دھواں جو کہ چارپائی سے کچھ دوری پر جمع ہوا تھا، روشن دان کے راستے باہر کو نکلتا چلا گیا، جب وہ دھواں باہر نکل گیا تو رولوکا نے چارپائی کے گرد جو دھواں جمع ہوا تھا، رولوکا کی انگلی کا اشارہ پاتے ہی چارپائی کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے شرفو کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اچانک شرفو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا پکڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ ''اوئے مورکھ، مجھے چھوڑ دے، اوئے میں نشٹ ہو رہا ہوں، مجھے چھوڑ دے، مجھے مکتی دے، میں یہاں سے چلا جاؤں گا، میں گرو کی باتوں میں آ کر پھنس گیا، اوئے ظالم مجھ پر دیا کر، مجھ پر دیا کر، مجھے جانے دے، مجھے مت مار، میں تیرے آگے بنتی کرتا ہوں، مجھے مکتی دے۔ ہائے......ہائے......اوہ......اوہ۔''

اس طرح کی اور بھی آوازیں شرفو کے منہ سے نکلنے لگیں، میں جا رہا ہوں، مجھے جانے کا راستہ دے، میرے راستے کی تمام رکاوٹیں ہٹا دے، میں چلا جاؤں گا، مجھ پر دیا کر، مجھے جانے دے۔''

''اچھا خیر، اب جلدی سے بتا دے کہ تو یہاں تک پہنچا تو کیوں پہنچا، کس دشمنی پر تیرے گرو نے تجھے یہاں بھیجا، وہ کون ہے جو دشمنی پر اتر آیا، اور تیرے گرو کے پاس آیا، چل جلدی سے بتا دے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''اس گاؤں کا گنگا رام گرو کے پاس آیا تھا۔ کھیتوں میں پانی لگانے پر ان کی منہ ماری ہوئی تھی، اسی کارن گنگا رام نے دشمنی کے عیوض ایسا کرایا۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ خیر شروع میں تو نے میری بات نہ مان کر اپنا نقصان کر لیا، اب تیرا ہر حال میں خاتمہ ہے، میں نے تو تجھے بہت سمجھایا تھا مگر افسوس کہ تو نے...... '' اور پھر رولوکا نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا تو تمام دھواں شرفو کی ناک اور کان کے راستے اندر جانا شروع ہو گیا۔ تمام دھواں جب اندر چلا گیا تو پھر وہ دھواں اندر سے کان اور ناک کے راستے باہر کو نکلنا شروع ہوا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام دھوئیں نے ایک ہیولہ کی شکل اختیار کر لی اور پھر وہ ہیولہ آہستہ آہستہ رولوکا کے پاس پڑی ہوئی ہانڈی کی طرف آنے لگا۔

اس ہانڈی میں دہکتے ہوئے کوئلے موجود تھے۔ اور پھر وہ ہیولہ بڑے کرب و اذیت کی حالت میں ہانڈی کے اوپر آ کر ٹھہر گیا۔

رولوکا اس ہیولے کو غور سے دیکھتا رہا پھر رولوکا نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا تو وہ ہیولہ ہانڈی کی آگ میں اتر گیا۔ اس کا ہانڈی میں اترنا تھا کہ ہانڈی میں دہکتے ہوئے کوئلے بھڑکنے لگے، ایسا لگتا تھا کہ جیسے دہکتے ہوئے کوئلوں میں بھونچال آ گیا ہے، مگر انگارے بنے کوئلے مجال ہے کہ ہانڈی سے باہر نکلے ہوں۔ رولوکا کے منہ سے نکلا۔ ''خس کم جہاں پاک۔''

اس کے بعد رولوکا نے کچھ پڑھ کر ہانڈی میں پھونک ماری تو ہانڈی میں موجود دہکتے ہوئے کوئلے خود بخود راکھ کی شکل اختیار کر گئے تو رولوکا نے ہانڈی پر ڈھکن رکھ کر ہانڈی کا منہ بند کر دیا۔

ہانڈی کا منہ بند ہونا تھا کہ چارپائی پر موجود شرفو چارپائی پر اوندھے منہ گر کر بے سدھ ہو گیا۔ پھر رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر شرفو کی طرف پھونک ماری تو شرفو کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں اور اچنبھے کی حالت میں لوگوں کو دیکھنے لگا۔

رولوکا بولا۔ ''کمال الدین صاحب! سارے حالات کھل کر آپ لوگوں کے سامنے آ گئے ہیں۔ جس پنڈت نے یہ عمل کیا تھا اس کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے، اور پھر آپ کا دشمن گنگا رام بھی بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گا، اب چاہے وہ لاکھ بھاگم بھاگ کرے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور یہ تمام باتیں آج رات میں آپ سب کے دماغ سے نکل جائیں گی، کسی قسم کی کوئی بھی کارروائی آپ لوگوں کو یاد نہیں رہے گی، اب آپ کا بچہ بالکل ٹھیک ہو چکا ہے، اور آئندہ بھی ٹھیک ہی رہے گا۔

اس ہانڈی کو آپ لے جا کر گاؤں سے باہر جوندی بہہ رہی ہے اس میں ڈال دیجئے گا، اور واپسی پر کسی قسم کی بھی آوازیں سنائی دیں، یعنی اگر کوئی آپ کا نام لے کر پکارے تو آپ برائے مہربانی پلٹ کر پیچھے مت دیکھئے گا، یہ خاص تاکید ہے۔"

"ٹھیک ہے حکیم صاحب! ایسا ہی ہوگا۔" کمال الدین نے کہا۔ "حکیم صاحب آپ ہمارے ساتھ اگر کھانا کھائیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

یہ سن کر رولوکا بولا۔ "کمال الدین صاحب میرا پیٹ بھرا ہوا ہے، کھانے کی کوئی بات نہیں، میں جلد از جلد مطلب پہنچنا چاہتا ہوں، مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔"

"حکیم صاحب اگر آپ کھانا نہیں کھاتے تو ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پی لیجئے۔" کمال الدین نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "اور آپ بتائیں اس کا نذرانہ کتنا ہے، آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے، میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے، آپ نہ ہوتے تو آج میرا بچہ موت کے منہ میں چلا جاتا۔ میں تاحیات آپ کا احسان مانتا رہوں گا۔" کمال الدین نے کہا۔

"کمال الدین صاحب کسی قسم کا بھی نذرانہ نہیں چاہئے۔ میں یہ سارا کام اوپر والے کی خوشی کے لئے کرتا ہوں، اوپر والے نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے، بس آپ مجھے دعاؤں میں یاد کرلیا کیجئے گا، چلئے اگر آپ کی خوشی چائے میں ہے تو چائے پی لوں گا مگر ذرا جلدی کیجئے۔" رولوکا بولا۔

چند منٹ میں چائے آگئی تو کمرے میں موجود سب نے چائے پی۔ چائے پینے کے بعد رولوکا بولا۔ "کمال الدین صاحب اب مجھے اجازت دیں۔"

یہ سن کر کمال الدین بولے۔ "چلئے میں آپ کو مطلب تک چھوڑ آتا ہوں۔"

"کمال الدین صاحب اس کی ضرورت نہیں، میں خود ہی چلا جاؤں گا۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب یہاں سے مطلب کا فاصلہ بہت زیادہ ہے اور پیدل جانا، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے، اور اس طرف سے کوئی گاڑی بھی دلی تک نہیں جاتی۔" کمال الدین نے کہا۔

"دراصل مجھے گاؤں سے باہر جوندی ہے وہاں پر ایک ضروری کام ہے، اور میں اکیلا ہی جاؤں گا، کسی کا ساتھ مناسب نہیں اور آپ سمجھنے کی کوشش کریں، میں آرام سکون سے مطلب تک پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنی خوشی اور ایک اہم کام کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔" رولوکا بولا۔

"ٹھیک ہے حکیم صاحب! جیسی آپ کی مرضی، ہم آپ کی خوشی میں خوش ہیں، میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ہم اسی قابل ہیں اس کام کا اجر آپ کو اللہ تعالیٰ دے گا، آپ جیسے بہت کم لوگ دنیا میں موجود ہیں، جو اس طرح دوسروں کے کام آتے ہیں۔ خیر میں آپ کو رات دن دعاؤں میں یاد کروں گا۔" کمال الدین نے کہا۔

اور پھر رولوکا نے سب سے ہاتھ ملایا اور گاؤں سے باہر جانے والے راستے پر چلنا شروع ہوگیا اور جب اسے اطمینان ہوگیا کہ اب وہ گاؤں سے باہر نکل آیا ہے اور کسی کی نظر اس پر نہیں تو ایک درخت کی اوٹ میں ہوکر مطلب کے اپنے کمرے کا تصور کیا اور آنکھیں بند کرلیں تو پلک جھپکتے ہی وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔

☆......☆......☆

رات کے ساڑھے گیارہ بجتے ہی روشاک بے چینی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا، اسے کسی پل بھی چین نہیں مل رہا تھا۔ اندرونی طور پر وہ بہت سہما ہوا تھا۔ وہ ہر صورت میں خوشبو کے پاس جانا چاہتا تھا۔ لیکن خوف اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ چکا تھا مگر رات کے پونے بارہ بجتے ہی اس کی بے چینی میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہوگیا تو وہ غائبانہ طور پر اپنے کمرے سے نکلا اور خوشبو کے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔

اور پھر چند لمحے میں وہ خوشبو کے کمرے میں پہنچ گیا۔ خوشبو اپنے ماتھے پر اپنا سیدھا ہاتھ رکھے خیالوں کی

دنیا میں غرق تھی کہ اچانک اسے سنائی دیا۔ ''خوشبو۔''
اپنا نام سنتے ہی وہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی اور آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کے سامنے روشاک کھڑا تھا۔ اس کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی۔ چہرے پر صاف طور پر پریشانی عیاں تھی جسے خوشبو نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا۔
''آپ آ گئے! میں کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اور کل رات آپ اس طرح گئے کہ مجھے بالکل بھی خبر نہ ہوئی، ورنہ آپ تو ہمیشہ مجھے بتا کر جاتے رہے ہیں، کل کیا کوئی اہم کام یاد آ گیا تھا کہ مجھے بتائے بغیر ہی چلے گئے۔'' خوشبو ہر ایک لفظ کو چباتے ہوئے بولی۔
''خوشبو ایسے ہی ایک اہم کام پڑ گیا تھا۔ اور ایمرجنسی میں مجھے جانا پڑا، خیر تم فکر نہ کرو، ایسے کام کبھی کبھار پڑتے رہتے ہیں۔'' یہ بول کر وہ خوشبو کے قریب ہوا، اور جب اس نے خوشبو کو چھونے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو یک دم ٹھٹک گیا کیوں کہ اس کے اور خوشبو کے درمیان ایک اندیکھی دیوار حائل تھی۔
یکدم اس کا دماغ خلاؤں میں چکر کھانے لگا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر خوشبو سے ہٹ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ مگر اب اس کے اور خوشبو کے درمیان اندیکھی دیوار حائل نہیں تھی اور یہ دیکھتے ہوئے وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔ آج اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی جسے خوشبو نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ لیکن خوشبو کسی بھی ردعمل کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔
بستر پر بیٹھنے کے بعد مزید وہ خوشبو کے قریب کھسک گیا اور بولا۔ ''خوشبو دراصل آج میری طبیعت اندرونی طور پر کچھ ناساز ہے، پہلے تو میں نے سوچا کہ آج کی رات تمہارے پاس نہ آؤں مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر قدم تمہارے گھر کی طرف اٹھنے لگے، بس یہی تو اصل معاملہ ہے کہ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔
اور ہاں یاد آیا۔ وہ سامنے بیگ پڑا ہے۔ اس میں اچھی خاصی رقم موجود ہے اپنے والد صاحب کو دے دینا تا کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کریں، ان سے کہنا کہ اگر اور چاہئے ہوں تو میں لیتا آؤں گا۔''
اتنے میں اس نے اپنے ہاتھ خوشبو کی طرف بڑھا دیئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں خوشبو کا ہاتھ لینا چاہا اور جونہی اس کا ہاتھ خوشبو کے ہاتھ سے چھوا تو اسے ایک زبردست کرنٹ کا جھٹکا لگا اور فوراً وہ اپنے ہاتھ کو سہلانے لگا مگر منہ سے بولا کچھ بھی نہیں۔
کسی طرح وہ اپنی تکلیف کو خوشبو پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی اس کیفیت کو خوشبو نے بھی محسوس کر لیا تھا۔
آج سے پہلے کبھی اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔
وہ اپنی دونوں آنکھوں کو بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔ خوشبو بغور اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ پھر خوشبو سے رہا نہیں گیا تو وہ بولی۔ ''کیا بات ہے؟ آج کچھ زیادہ ہی اپ سیٹ لگ رہے ہیں۔ اس سے پہلے تو میں نے کبھی آپ کی ایسی حالت نہیں دیکھی۔ اگر آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے تو آپ تشریف لے جائیں اور جا کر مکمل آرام کریں۔''
''خوشبو! نہ جانے مجھے آج کیا ہو رہا ہے، مجھے شک ہو رہا ہے کہ میرا کوئی جانی دشمن مجھے پریشان کر رہا ہے، مگر میں نے اس معاملے میں بہت غور کیا کہ میرا دشمن کون ہو سکتا ہے؟ لیکن جہاں تک مجھے معلوم پڑتا ہے کہ اس طرح کا میرا کوئی بھی دشمن نہیں۔
آج کل میں جن حالات سے دوچار ہو رہا ہوں تو کبھی کبھی میرے دل میں یہ بھی آتا ہے کہ کہیں میرے والد صاحب کو تو تمہارے اور میرے حالات کا علم نہیں ہو گیا اور اس طرح خفیہ طور پر وہ میری نگرانی کے ساتھ ساتھ مجھے پریشان کر رہے ہوں تا کہ میں دل برداشتہ ہو کر تم سے ملنا چھوڑ دوں۔
وہ کھل کر مجھ سے بات نہیں کر سکتے اور یہی راستہ ان کے دماغ میں آیا ہو کہ اسے زیادہ پریشان کر دو، اس کے راستے میں اتنی زبردست رکاوٹیں کھڑی کر دو کہ اس سے ناقابل برداشت ہو جائے۔
مگر یہ خیال پھر دل میں آتا ہے کہ یہ ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا، میں مانا کہ میرے والد بہت اصول پسند

اور دین کے پابند ہیں اور اس طرح کی حرکت کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتے، میں بچپن سے ان کے اصول اور طور طریقے دیکھتا آرہا ہوں، وہ لارے لپے اور الجھاؤ والی کوئی بات نہیں کرتے، حقیقت پسند ہیں اور صاف گوئی سے کام لیتے ہیں۔

ان کی صاف گوئی اور انصاف پسندی دور دور تک دیگر جنات کے قبیلوں تک پھیلی ہوئی ہے، اگر کوئی مسئلہ زیادہ الجھ جاتا ہے اور کسی قبیلے کے سردار کی سمجھ میں بات نہیں آتی تو وہ سردار والد صاحب سے مشورہ کرنے آجاتا ہے، یا پھر کبھی کبھی وہ والد صاحب کو اپنے قبیلے میں لے جاتا ہے اور اس طرح اس کے قبیلے میں درپیش مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔'' روشاک نے کہا۔

اگر دیکھا جائے تو روشاک پر ایک طرح سے لرزہ طاری تھا مگر وہ اپنے بیرونی و اندرونی کیفیت پر خاصی حد تک قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔

خوشبو بولی۔ ''آپ آج عجیب کیفیت سے دوچار ہیں، آج تو آپ مجھ سے بھی ہٹ کر بیٹھے ہیں، کیا میں آپ کو بری لگنے لگی؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ارے تم پر تو جان بھی قربان ہے۔'' وہ پھر آگے بڑھ کر اس نے خوشبو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس مرتبہ جب اس نے خوشبو کا ہاتھ پکڑا تو اسے کسی قسم کا بھی کرنٹ جیسا جھٹکا نہیں لگا۔ وہ پھر اچنبھے میں پڑ گیا۔ کیونکہ تھوڑی دیر پہلے جب اس نے خوشبو کے ہاتھ پکڑے تھے تو اسے زبردست کرنٹ کا جھٹکا لگا تھا اور اس بنا پر اس نے فوراً خوشبو کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس نے خوشبو کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبانا شروع کردیا۔ اب وہ والہانہ طریقے سے خوشبو کے قریب ہوگیا۔ اب اس کے چہرے پر خوشی کے آثار جھلکنے لگے تھے، اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی خوشی رقصاں تھی، وہ قریب بلکہ خوشبو کے بہت قریب ہوگیا اتنا قریب کہ اس کی سانس کی گرماہٹ خوشبو اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی۔

جب بھی وہ خوشبو کے بہت قریب ہوتا تو خوشبو اندرونی طور سے بے سدھ سی ہوجاتی، اس کی ذہنی صلاحیت جیسے مفقود ہوکر رہ جاتی، خوشبو بالکل نڈھال سی ہوکر خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی تھی۔

یہ تمام معاملہ یوں ہوتا تھا کہ روشاک کی آنکھوں سے عجیب طرح کی سفید ہلکی روشنی لکیر کی صورت میں نکلتی اور خوشبو کی آنکھوں میں گھستی چلی جاتی۔ یعنی روشاک اپنی ماورائی قوتوں سے خوشبو کا دماغ ساکت کردیتا تھا اور پھر خوشبو کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوکر رہ جاتی تھی۔

اور پھر اس نے خوشبو کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا کہ اچانک اسے ایک زبردست جھٹکا کرنٹ کا لگا۔ جھٹکا اتنا زبردست تھا کہ وہ بستر سے نیچے فرش پر جا پڑا اور خوشبو بے سدھ ہوکر بستر پر گر پڑی۔ خوشبو کی آنکھیں بند ہوچکی تھیں۔ وہ بالکل ساکت تھی۔

روشاک پر کپکپی طاری ہوچکی تھی۔ خوشبو کو وہ یک ٹک دیکھے جارہا تھا کہ پھر وہ اچانک گھبراہٹ میں اٹھا اور بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ اس کی حالت بہت غیر اور دیدنی تھی۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنے قبیلے کی طرف اڑان بھری۔

مگر شاید وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ ایک سایہ اس کے ساتھ ساتھ اس کا پیچھا کررہا تھا۔ اس سے ثابت ہورہا تھا کہ وہ واقعی بہت بدحواس تھا۔ اگر وہ بدحواس نہ ہوتا تو شاید اسے اپنا پیچھا کرتا اس سائے کا علم ہوجاتا۔

چند لمحے میں وہ اپنے قبیلے کے حدود میں پہنچ گیا۔ پھر وہ ایک حویلی نما مکان کے قریب پہنچا اور اس مکان میں گھستا چلا گیا اور پھر وہ سایہ جو کہ اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا وہ واپس اس جگہ سے پلٹ آیا۔

دراصل وہ سایہ کوئی اور نہیں بلکہ ردلوکا تھا، جس نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے اس کے قبیلے تک اس کا گھر دیکھنے آیا تھا۔ خوشبو کے کمرے میں جب روشاک آیا تھا اس وقت بھی ردلوکا غائبانہ طور پر کمرے میں موجود تھا، پہلے تو ردلوکا نے اس کے اور خوشبو کے درمیان ایک

اندیکھی شیشے کی دیوار قائم کر دی، پھر اس دیوار کو ختم کر کے خوشبو کے جسم میں بجلی کا اثر پیدا کر دیا جس کی وجہ سے روشاک کو کرنٹ کا جھٹکا لگا۔ پھر رولوکا نے خوشبو کے جسم سے بجلی کا اثر ختم کر دیا۔

مگر پھر روشاک جب حد سے آگے بڑھنے لگا تو رولوکا نے دوبارہ خوشبو کے جسم میں بجلی کا اثر جو کہ زیادہ تھا پیدا کر دیا جس سے روشاک کو اتنا زبردست جھٹکا لگا کہ بستر سے وہ نیچے فرش پر جا پڑا تھا۔

رولوکا اپنے کمرے میں واپس آ کر اطمینان سے بستر پر لیٹ گیا اور آنے والے وقت کے متعلق سوچنے لگا اور پھر اس کے ہونٹوں پر زبردست معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ ''روشاک کے بچے تیری وہ حالت کر دوں گا کہ مر کر بھی تو بھول نہیں سکتا، تو نے معصوم لوگوں پر بہت ظلم کر لیا۔''

ادھر روشاک اپنے کمرے میں پہنچتے ہی بستر پر اوندھے منہ گر گیا۔ وہ ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگا تھا۔ اسے ایک پل کے لئے بھی چین نہیں مل رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں اور کافی بڑی ہو گئیں۔ ساتھ ہی اس کی بھنوئیں چوڑی ہو کر تن گئیں اس کے لمبے لمبے بال تنکے کی طرح کھڑے ہو گئے، اس کا چہرہ بہت ڈراؤنا اور بھیانک لگنے لگا تھا۔ اس کا غصہ اپنے انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

وہ بار بار اپنے ہاتھ کی دونوں مٹھیوں کو اس قدر زور سے بھینچتا کہ لرز کر رہ جاتا، وہ کبھی بستر سے اٹھ جاتا اور کمرے میں ٹہلنے لگتا اور پھر بستر پر اوندھے منہ پڑ جاتا اور پھر اسی صورت میں وہ وقت بھی آن پہنچا جب اس کے والد نماز فجر کے لئے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیتے۔ والد نے دروازہ کھٹکھٹایا تو فوراً وہ اپنے نارمل حالت میں آ گیا اور کپکپاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

والد نے جب اس کی حالت دیکھی تو گھبرا گئے اور بولے۔ ''روشاک خیریت تو ہے، تمہاری طبیعت بہت زیادہ خراب لگ رہی ہے۔'' اور پھر انہوں نے اس کی کلائی پکڑی تو انہیں بہت زیادہ گرم لمس محسوس ہوا، ''روشاک تمہیں تو زبردست بخار ہو رہا ہے، تم نے ہمیں بتایا نہیں۔ خیر تم لیٹ جاؤ، تم پر تو کپکپی طاری ہے، نماز کے بعد میں حکیم صاحب سے بات کروں گا، وہ علی الصبح آ کر دوا دے دیں گے۔ گھبراؤ نہیں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' یہ بول کر وہ نماز فجر کے لئے چلے گئے۔

دوپہر تک روشاک کا بخار ٹھیک ہو چکا تھا۔ دوپہر کے بعد اپنے قبیلے سے تھوڑی دور درختوں کے جھنڈ میں ایک درخت کے پاس بہت اداس بیٹھا تھا اس کا دماغ سوچ سوچ کر شل ہو رہا تھا۔ جو حالات اس کے ساتھ پیش آ رہے تھے ان کے متعلق وہ جتنا زیادہ سوچتا اس سے کہیں زیادہ الجھتا جا رہا تھا۔

اپنا سر نیچے کئے مراقبے کی صورت میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں اس کے تین دوست ٹہلتے ہوئے اس طرف آ نکلے۔ جب انہوں نے اس حالت میں دیکھا تو بہت تشویش میں پڑ گئے اور پھر وہ تینوں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے اور اشارے سے ایک دوسرے سے پوچھنے بھی لگے کہ ''یہ معاملہ کیا ہے؟''

وہ تینوں الجھن کی حالت میں تھے انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا اس حالت میں دیکھ کر کیونکہ روشاک ایک بہت ہی منچلا اور کھلنڈرا جن زادہ تھا۔ ایک منٹ بھی خاموش رہنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ہر وقت اچھل کود، غل غپاڑہ مچائے رکھنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ کھاؤ پیو اور ہنسو کھیلو۔'' اس سے ہٹ کر وہ کچھ بھی نہیں سوچتا تھا۔

وہ تینوں اس کے پاس خاموشی سے بیٹھ گئے اور اسی حالت میں کچھ وقت تک اسے دیکھتے رہے مگر وہ جس حالت میں تھا اس سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ تب ان میں سے ایک بولا۔ ''روشاک! روشاک!''

اپنا نام سنتے ہی اس نے فوراً سر کو اوپر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اسی اثنا میں اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے گرنے لگے۔ اس کی آنکھیں خون کی

مانند سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے منہ سے کچھ بھی نہیں بولا بلکہ ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگا۔

ایک بولا۔ ''روشاک خیریت تو ہے ناں! کیا بات ہے تمہاری یہ حالت؟''

دوسرا بولا۔ ''جلدی سے بتاؤ ہوا کیا ہے؟''

تیسرا بولا۔ ''آخر بات کیا ہے؟ اگر کسی نے زیادتی کی ہے تو ہم اس کا نام اس دنیا سے مٹا کر رکھ دیں گے۔''

''املاش میری اس حالت کے پیچھے کوئی نادیدہ قوت ہے جس نے میری زندگی کو اجیرن کر دیا ہے، اس نے میرا پل پل کا چین چھین لیا ہے، وہ نادیدہ قوت میری قوت سے کہیں بڑھ کر ہے، لاکھ کوشش اور تگ و دو کے باوجود بھی میں اس کی گرد تک کو نہ پا سکا۔ دراصل میں ایک آدم زادی کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا اور آج بھی میں اس آدم زادی کی محبت کا دم بھرتا ہوں، اب میں اس نہج پر پہنچ چکا ہوں کہ اس آدم زادی سے ایک پل کی دوری بھی مجھے حال سے بے حال کر دیتی ہے۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے، اس بات کو میں نے سب سے چھپائے رکھا، وہ آدم زادی بھی مجھے ٹوٹ کر چاہتی ہے۔

لیکن اب تھوڑے دنوں سے ایسا ہونے لگا ہے کہ میں جب بھی اس کے پاس جاتا ہوں، تو وہ نادیدہ قوت مجھے پریشان کرتی ہے، بلکہ اب تو مجھے اذیت دینے لگی ہے۔ میں اپنی تمام جناتی قوتوں کو آزما چکا ہوں مگر ہر صورت وہ میری پہنچ سے بہت دور ہوتا ہے۔ بلکہ ایک رات تو اس قوت نے مجھے اس آدم زادی کے پاس سے اٹھا کر فلاں ویرانے میں لا کر اوپر سے نیچے زمین پر پٹخ دیا تھا اور کل رات بھی اس قوت نے مجھے بہت اذیت سے دو چار کر دیا۔'' روشاک نے اتنا کہا اور آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگے۔

''اس نادیدہ قوت اور ہستی کی ایسی کی تیسی۔ تم اس آدم زادی کے گھر کا پتہ بتاؤ، ہم تینوں اس جگہ ابھی جاتے ہیں، اس گھر اور اس گھر کے اطراف رہتے ہوئے یہ پتہ کرتے ہیں کہ وہ نادیدہ قوت ہے کون؟

روشاک ہم تینوں تمہاری پریشانی کے لئے اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے، دوست کے لئے اگر دوست کی جان بھی چلی جائے تو کوئی بات نہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس آدم زادی یا اس کے گھر والوں نے کسی بڑے عامل سے رابطہ کیا ہو، اور وہ عامل تمہیں تنگ کر کے پریشان کر رہا ہے اور پھر آہستہ آہستہ تمہارے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے تمہاری طاقت کو سلب کر دینا چاہتا ہو، اگر ایسی بات ہے تو یہ بہت پریشان کن ہے۔

اور ہاں یاد آیا تمہیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہمارے سردار یعنی تمہارے والد کتنے بااصول ہیں۔ کیا وہ تمہاری اس حرکت یعنی آدم زادی سے میل جول کو سراہیں گے؟

ایک دوسرا بولا۔ ''اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری مدد کے چکر میں ہم سردار کی نظروں میں آ جائیں اور ہماری جان کی بخشش نہ ہو، خیر تم گھبراؤ نہیں ہم خفیہ طور پر ان معاملات کو معلوم کرنے کی کوشش کریں گے، تم ایسا کرو کہ ہمیں اس آدم زادی کے گھر کا پتہ بتلاؤ اور ساتھ ہی یہ بھی کرو کہ چند دن اس آدم زادی سے نہ ملنا، پھر دیکھتے ہیں کہ ہوتا کیا ہے۔''

''چلو اٹھو، اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے، ہمارے ساتھ چلو اس کا گھر دکھلانے کے لئے۔'' ایک نے کہا۔

روشاک اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر وہ چاروں غائب ہو کر خوشبو کے گھر کی طرف آنے لگے۔ اس جگہ پہنچ کر روشاک نے خوشبو کے گھر کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد وہ چاروں اپنے قبیلہ کی جانب واپس ہوئے تاکہ کافی سوچ بچار کرنے کے بعد اس مسئلے کا حل تلاش کریں اور ساتھ ہی اس نادیدہ قوت کا پتہ بھی چلائیں۔

جب وہ چاروں جن خوشبو کے گھر کے پاس آئے تو فوراً رولوکا کے کارندوں نے ان کے آنے کی خبر رولوکا کو دے دی۔ جسے سن کر رولوکا مسکرانے لگا تھا۔ اس کے بعد

رولوکا نے اپنے کارندوں کو کسی انجان زبان میں کچھ ہدایات دیں اور پھر انہیں جانے کا اشارہ کر دیا۔

ادھر روشاک کے تینوں دوست املاش، داماش، کالاش، خوشبو کے گھر کے چکر لگانے لگے، ایک جاتا تو دوسرا موجود ہوتا، اندرونی بیرونی تمام جگہوں کو وہ چیک کرنے لگے تھے بلکہ غائبانہ طور پر ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی خوشبو کے گھر والوں کے درمیان موجود ہوتا تھا تاکہ گھر والوں کی زبان سے اس معاملے کی کوئی بھی تو بات نکلے، مگر تین دن ہو گئے تھے مگر اس درمیان کوئی ایسی بات یا پھر بھنک تک کو وہ نہ بھانپ سکے اور نہ ہی کسی نادیدہ قوت کو ہی محسوس کر سکے، تین دنوں کی ایک ایک پل کی خبر روشاک کو دیتے رہے اور پھر اس طرح پورا ہفتہ گزر گیا۔ وہ تینوں کسی بھی نادیدہ قوت کا پتہ نہ چلا سکے۔

پورا ہفتہ روشاک خوشبو کے پاس نہیں آیا اور روشاک کے تینوں دوست تھک ہار کر اپنے قبیلے میں بیٹھ گئے، ان تینوں کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ان کی ان حرکتوں کا علم سردار کو نہ ہو جائے اور پھر اس معاملے میں ان کی کھنچائی شروع ہو جائے۔

اس قبیلے کا مسلم اصول تھا کہ اس قبیلے کے کسی بھی جن سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر کسی نے جان بوجھ کر کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی تو پھر اس کی خیر نہیں، اور سارے جن اس معاملے میں احتیاط برتتے تھے کہ کہیں بھول کر بھی ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچ پائے۔

ٹھیک آٹھویں دن روشاک کو خوشبو کی جدائی ناقابل برداشت ہو گئی تو نماز جمعہ کے بعد وہ اپنے قبیلہ سے نکلا اور خوشبو کے کمرے میں آن دھمکا۔ اس وقت خوشبو اپنے کمرے میں نماز پڑھ کر آرام کر رہی تھی کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

جس وقت روشاک خوشبو کے گھر کے قریب پہنچا تھا کہ اس کی خبر رولوکا کو اس کے کارندں نے فوراً کر دی اور پھر رولوکا مسکراتا ہوا غائبانہ طور پر خوشبو کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اور دیکھا کہ خوشبو سے روشاک اپنی داستان جدائی سنانے میں مصروف ہے۔ ویسے خوشبو کافی سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

خوشبو بولی۔ ”حیرت ہے آپ ایک ہفتہ بعد آئے اور وہ بھی دن میں اور آپ تو خاص کر جمعہ کے دن کبھی آئے نہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن آپ کے والد صاحب قبیلہ میں درس دیتے ہیں، محفل منعقد ہوتی ہے اور اس وقت قبیلے کے سارے جن اس محفل میں موجود ہوتے ہیں، مگر آپ کو اس محفل میں نہ پا کر آپ کے والد اور دیگر جنات کیا سوچیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی کھوج شروع ہو جائے۔“

روشاک بولا۔ ”چاہے کچھ بھی ہو جائے، خوشبو میں تمہاری جدائی.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس کے گال پر ایک زناٹے دار زبردست تھپڑ پڑا تھا۔

وہ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ بدحواسی کے عالم میں کمرے کے دروازے سے باہر کو بھاگا اور ہوا کے دوش پر اپنے قبیلے کی جانب بڑھنے لگا رولوکا بھی اس کے پیچھے ہی قبیلہ میں پہنچ گیا۔ رولوکا غائب حالت میں تھا۔ بدحواسی کے عالم میں روشاک دوڑتا ہوا ایک طرف محفل میں آ کر بیٹھ گیا روشاک کی اس حرکت کو محفل میں بیٹھے ہوئے سب نے واضح طور پر محسوس کیا۔

روشاک کے والد ایک اونچی کرسی پر بیٹھے ہوئے درس دینے میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے منہ سے نکلا۔ ”آدم زاد......! ہماری محفل میں۔“ وہ خاموش ہو گئے اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اپنے سردار کے منہ سے لفظ آدم زاد اچانک سن کر قریب کے جنات ششدر رہ گئے اور پھر انہوں نے دیکھا کہ سردار نے اپنی آنکھیں فوراً بند کر کے کچھ سوچنا شروع کر دیا تھا۔ رولوکا بھی اس محفل میں غائبانہ طور پر آ کر سردار کے دائیں طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ سردار نے چند لمحے بعد اپنی آنکھیں کھولیں اور پھر سردار کی بارعب آواز سنائی دی۔

”قابل محترم آدم زاد۔ میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔ میں

آپ کے رتبے، قابلیت، بڑائی، علمیت اور روحانی طاقت کا اقرار کرتا ہوں اور یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیسے کی اور وہ بھی اچانک۔ آپ کی ہمت اور حوصلے کی میں داد دیتا ہوں کہ آپ نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھالیا؟ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ آپ اچانک بے مقصد یہاں آئے ہیں۔ میرے قبیلے کے سارے جنات آپ کی آمد کو محسوس نہ کر سکے مگر میرا تجربہ، میرا علم روحانی طاقت نے آپ کی آمد کو محسوس کرلیا۔

آپ کی آمد ہمارے لئے باعث خوشی ہے، کیا میں آپ کی آمد کے بابت جان سکتا ہوں۔۔ ویسے خیر تو ہے ناں؟''

''سردار! خیریت نہیں ہے!'' رولوکا بولا۔

''خیریت نہیں ہے! کیا مطلب؟ آپ حکم کریں! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا ہم سے کسی قسم کی کوئی زیادتی ہوئی یا پھر.....'' سردار نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

سردار کی باتیں سن کر پوری محفل پر اچانک جیسے سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ اپنی اپنی جگہ بیٹھے تمام جنات اچنبھے کی حالت میں تھے۔ رولوکا جو غائبانہ طور سے موجود تھا کسی کو بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ سردار کو بھی نظر نہیں آرہا تھا مگر سردار نے رولوکا کی موجودگی کو محسوس کرلیا تھا۔

کچھ جنات غصے کی حالت میں بھی نظر آرہے تھے۔ وہ اپنی جناتی قوتوں سے یہ معلوم کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کررہے تھے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون انسان ہے اور اتنی طاقت کا مالک ہے کہ دندناتا ہوا ہماری محفل میں آن دھمکا اور وہ بھی بغیر اجازت اور بغیر کسی اطلاع کے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی بہت پہنچا ہوا انسان سردار کی دعوت پر یا پھر کسی اور ضرورت کے تحت سردار سے ملنے آجاتا تھا۔ مگر آج یہ اچانک کیا ہوا کہ ایک اجنبی اس طرح اچانک وارد ہوگیا اور وہ بھی کسی شکایت کے تحت۔

سردار کے برابر والی کرسی پر ایک بہت ہی ضعیف بارلیش جن بیٹھا تھا، وہ سردار کی اور رولوکا کی باتیں سن کر باادب اپنی جگہ سے اٹھا اور سردار سے مخاطب ہوا۔ ''معزز سردار! اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں؟''

سردار نے کہا۔ ''محترم استاد آپ کو اجازت ہے آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہہ سکتے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ اجنبی اپنے مزاج پر کچھ بار نہ محسوس کرے۔''

''سردار ایسا نہیں ہوسکتا، میں ان تمام باتوں کو بخوبی سمجھتا ہوں اور میں نے یہ بھی محسوس کرلیا ہے کہ محترم اجنبی نے جب یہاں اس طرح آنے کی جسارت کی ہے تو یقیناً کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہے، اور اجنبی کی روحانی قوتیں بھی اپنی جگہ مسلم ہیں۔ ایک عام انسان اس جگہ آ ہی نہیں سکتا، ان تمام باتوں کے پیش نظر میں اجنبی کی مدعا جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔'' بارلیش جن نے کہا۔

پوری محفل میں جتنے بھی جنات موجود تھے ان سب میں ابھی تک رولوکا کی آواز صرف وہ بارلیش جن اور سردار نے ہی سنی تھیں۔

بزرگ جن نے رولوکا کی طرف اپنا منہ کیا اور اپنا سر خم کرکے تعظیم دی اور پھر گویا ہوا۔ ''محترم اجنبی کیا میں آپ کا نام معلوم کرسکتا ہوں؟''

''محترم استاد! میرا نام رولوکا عرف کامل ہے۔ لوگ مجھے حکیم کامل کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔''

رولوکا نے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''محترم! ہم آپ کو آپ کے اصل نام سے ہی مخاطب کرتے ہیں۔ محترم رولوکا صاحب! سب سے پہلے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اپنی روحانی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسا کردیں کہ محفل میں موجود سارے جنات آپ کی گفتگو کو سن سکیں اور آپ کے مدعا کو سب جان سکیں، ہمارے قبیلہ کا اصول ہے کہ ہم کسی بھی گھمبیر مسئلے کو سب کے سامنے لاتے ہیں اور پھر سب کی متفقہ رائے جانتے ہیں۔ ہمارے قبیلے میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا معاملہ نہیں ہے جس کا جو مقام ہے وہ اپنی جگہ خوش ہے۔

محترم رولوکا صاحب! میں آپ کی روحانی قوت

پہنچ کو بخوبی سمجھ چکا ہوں اور یہ بھی جان چکا ہوں کہ آپ بھی بہت بااصول اور انصاف پسند ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ جس شکایت کے تحت یہاں تشریف لائے اس کا ازالہ آپ اپنی جگہ کر سکتے تھے۔

اور جس بات یا پھر جس کسی کی حرکت سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے اور یقیناً غصہ بھی آیا ہوگا تو اس غصہ کے تحت آپ کوئی اہم فیصلہ کرتے ہوئے اس جن کو ناقابل فراموش اذیت سے دوچار کر سکتے تھے یا پھر اس جن کو قید کر لیتے یا پھر اس کی زندگی کا صفایا کر سکتے تھے۔

آپ نے جس بردباری اور تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، میری عمر کوئی چار ہزار سال کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے اور اب تک میں نے اپنی اتنی عمر میں آپ جیسا تحمل مزاج اور قوت برداشت والا نہیں دیکھا جس کا میں نے اندازہ لگا لیا ہے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہم مسلمان جن ہیں، ہم احکام خداوندی کو مانتے ہیں، ہم حدود شرعی سے آگے نہیں جاتے، ہماری کوشش رہتی ہے کہ ہمارے قبیلہ کا کوئی بھی جن خلاف شریعت کوئی قدم نہ اٹھائے، ہماری ذات سے کسی انسان کو دکھ اور اذیت نہ پہنچے اور اگر نادانستگی میں کسی انصاف سے ہمارے مزاج کے خلاف کوئی غلطی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو ہمارے سردار کا حکم ہر جن کے لئے ہے کہ اس انسان کی غلطی کو درگزر کر دیا جائے۔

شریعت کی تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے سردار ہر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد ایک محفل منعقد کرتے ہیں جیسے کہ آج کی محفل آپ کے سامنے ہے، اس محفل میں درس دیا جاتا ہے، پورے ہفتے کی ہر کسی کی کارکردگی کو مدنظر رکھا جاتا ہے، سب کے گوش گزار کیا جاتا ہے کہ احکام خداوندی پر کاربند رہیں اور اپنی ذات سے کسی بھی جنات قبیلہ یا پھر انسان کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، ہمارا ایمان ہے کہ خدا نے دنیا میں جتنے بھی مخلوق پیدا کئے ہیں ان سب کے لئے ایک حدود متعین کر رکھی ہے دنیا میں کوئی بھی مخلوق بے مقصد نہیں پیدا کی گئی۔ ہر مخلوق کا خدا کی نظر میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے۔ حشرات الارض، چرند پرند اور درندے تک ان سب کی بھی ایک حدود مقرر ہے، درندے خونی ہوتے ہیں مگر وہ بھی اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتے اگر درندے جنگل چھوڑ کر جو شہر یا گاؤں ان کے رہائشی جنگل کے قریب ہیں اس جگہ آ جائیں تو ایک ہی رات یا دن میں سیکڑوں بلکہ لاکھوں انسان یا چوپائے خون میں نہا جائیں مگر ایسا نہیں ہوتا، اس لئے کہ خدا نے حد بندی کر دی ہے۔

قرآن میں واضح طور پر ہماری نشاندہی کی گئی ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت ''سورہ جن'' ہے۔ جنات میں بھی کچھ نافرمان کچھ کافر اور شریعت کے پابند ہیں۔ جس طرح انسان موت سے ہمکنار ہوتا ہے اسی طرح جنات بھی اپنی عمر کو پہنچ کر یا آخری عمر سے پہلے کسی بیماری یا حادثاتی موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

جس طرح انسان اپنی زندگی گزارتا ہے اسی طرح جنات بھی اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ جس طرح انسان میں کچھ لوگ نافرمان ہوتے ہیں، کچھ شرارتی، کچھ بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں، کچھ اپنی مفاد پرستی اور نفسانی خواہشات میں بہت آگے نکل جاتے ہیں، کسی کی عزت آبرو کا خیال نہیں رکھتے، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ اپنی پسند اور ناپسند کو مقدم سمجھتے ہیں، کچھ شریعت پر چلتے ہیں اور احکام خداوندی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو احکام خداوندی کا پرچار کرتے یعنی دور دراز کا سفر اختیار کر کے لوگوں کو شریعت پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس طرح جنات بھی اپنی زندگی گزارتے ہیں جس طرح انسان جزا اور سزا کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح جنات بھی ان تمام باتوں کے حقدار ہوتے ہیں جس طرح انسان مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح جنات بھی مذہبی تعلیم کو اپناتے ہیں۔

جس طرح انسان کسی جرم میں سزا پاتا ہے اور کوئی

بہت بڑا جرم کرتا ہے تو اسے پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے یا پھر کسی اور طریقے سے اسے سزائے موت دی جاتی ہے بالکل اسی طرح جنات بھی کسی بڑے جرم کے پاداش میں سزا پاتے ہیں یا پھر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ جس طرح انسان بامشقت قید جھیلتا ہے اسی طرح جنات بھی سزا کے مستحق قرار دیئے جاتے ہیں اور انہیں قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔

معزز و محترم رولوکا صاحب! میں نے ساری باتیں تفصیل سے کردی ہیں۔ اب ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنا مدعا بیان کریں جس کے لئے آپ نے یہاں آنے کی زحمت اٹھائی۔ آپ کی باتیں سننے کے بعد، اس کے فیصلے پر پورا عمل ہوگا، اگر کسی نے قبیلے کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔"

یہ سب سن کر رولوکا بولا۔ "معزز سردار اور محترم استاد صاحب! آپ کی تمام باتیں سو فیصد درست ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ فرمان خداوندی کے مطابق کسی کی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچے اور ہر مخلوق کے لئے خدا نے ایک حد مقرر کردی ہے۔

خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ تو جنات بھی خدا کی مخلوق ہیں اور جنات کو خدا نے مخفی طاقتیں عطا کی ہیں۔ جو قوتیں جنات میں ہیں وہ انسان میں نہیں۔ انسان کی نظر میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ مخفی چیزوں کو دیکھ سکے مگر جنات ہر مخفی چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں یعنی جنات انسان کو دیکھتے ہیں مگر انسان جنات کو نہیں دیکھ پاتے۔

کیا کسی جن کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ انسان کو اپنی ذات سے نقصان پہنچائے جب کہ وہ انسان معصوم ہو، اس انسان کی ذات سے تکلیف پہنچانے والے جن کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا ہو۔ وہ جن اپنی مخفی طاقتوں کے زیر اثر اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیش نظر، انسان کو بے سدھ کر کے اپنی من مانی کرے۔

کیا کسی جن کو یہ زیب دیتا ہے کہ شروع میں ایک انسان کو دھوکہ دے کر، خود کی شکل تبدیل کر کے یعنی وہ شکل کسی خوب صورت جانور کا دھار لے اور کسی انسان کی توجہ حاصل کرے اور جب ایک انسان اس کی طرف بھرپور توجہ دیتا ہے اور انسان اپنی فطرت کے تحت اس جانور کا گرویدہ ہو جاتا ہے تو پھر وہی جن جس نے اپنی شکل بدل ڈالی ہے، انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھائے، یا پھر ایک انسان کو دھونس دھمکی سے زیر کرے یا پھر ایک انسان پر اپنی جناتی قوتوں سے سحر طاری کرے اور اس کے بعد اپنی خواہشات کی تکمیل کرے۔

چونکہ انسان جنات سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لہٰذا ایک انسان جن سے خوفزدہ ہو کر ڈر جاتا ہے اور جن کے آگے اپنا سر خم کر دیتا ہے۔ ایک جن انسان کو اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے، بعض اوقات انسان کو جن تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے یا پھر انسان کو موت سے ہمکنار کر دیتا ہے، اکثر سرکش جن انسان کی پوری زندگی کو اجیرن کر کے رکھ دیتے ہیں، اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن انسان کو صرف مارتے ہی نہیں بلکہ انسان کے مال و متاع کھیت کھلیان کھیتی باڑی ڈھور ڈنگر یا پھر دیگر چیزوں کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

جبکہ جنات کا ایک انسان اتنا نقصان نہیں کرتا، جنات کو اذیت نہیں دیتا، جنات پر زور زبردستی قبضہ نہیں کرتا، جنات کو ڈراتا اور دھمکاتا یا پھر جنات پر اپنا کوئی سحر طاری کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کرتا کیونکہ ایک عام انسان کے پاس اتنی ماورائی قوت نہیں ہوتی جس کے ذریعہ وہ جنات پر تسلط قائم کر سکے۔

ہاں! میں اس بات کا ضرور اقرار کرتا ہوں کہ کبھی کبھار کوئی بہت پہنچا ہوا انسان جو کہ عامل ہوتا ہے یا پھر اللہ کا برگزیدہ ہوتا ہے جو کہ روحانی قوتوں پر دسترس رکھتا ہے ایسی صورت میں وہ باقوت انسان کسی سرکش جن کو قابو کر کے اسے قید کر لیتا ہے یا پھر کسی ضدی یا نافرمان جن کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے اور ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ سرکش جن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے عامل

یا اللہ والوں کی بات نہیں مانتا۔
اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اچھے اور بااخلاق جن اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہیں ان سے درس لیتے ہیں بلکہ قرآن مجید پڑھتے بھی ہیں۔
یہ بھی اکثر دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ نوجوان جنات کسی خوب صورت دلکش اور من موہنی صورت کی مالک لڑکی جس کے لمبے بال ہوں، اس پر عاشق ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے اس معصوم لڑکی پر اپنا سحر طاری کر دیتے ہیں اور اس پر تسلط جما لیتے ہیں اور اگر اس لڑکی کے گھر والے اس جن کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تو ان گھر والوں پر مصیبت کا پہاڑ توڑ دیا جاتا ہے۔ طرح طرح کی پریشانیوں اور اذیتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور پھر آخر میں تمام گھر والوں کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی جاتی ہے یا پھر ایک آدھ کو مار بھی دیتے ہیں جس سے گھر والے خوف کھاتے ہیں اس جن سے ڈر جاتے ہیں اور اپنی جان بچانے کی غرض سے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔"
زولوکا جب یہ باتیں کر رہا تھا تو اس نے اپنی قوتوں سے ایسا کر دیا تھا کہ اس جگہ موجود تمام جنات اس کی آواز سن سکیں۔
تمام جنات رولوکا کی باتیں سن رہے تھے اور چونکہ تمام باتیں صحیح تھیں لہٰذا تمام جنات سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے اور بغیر کسی چوں چراں کے یک ٹک رولوکا کی آواز کی طرف کان لگا رکھے تھے۔
"ہاں! تو سردار محترم اور استاد محترم! اگر کوئی جن اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے کسی آدم زادی پر اپنا سحر طاری کر دیتا ہے اور اپنی من مانی کرتا ہے اس کے لئے آپ کے قبیلہ کا کیا قانون ہے آپ ایسے جن کے لئے کیا سزا تجویز کریں گے؟ اور اگر وہ جن قبیلہ کے کسی اہم فرد کا بیٹا ہو؟" رولوکا نے پوچھا۔
یہ سن کر سردار فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔
"محترم رولوکا! اگر میرا بھی بیٹا ہوا اور اس نے یہ قدم اٹھایا ہے اور قبیلے کے قانون کو توڑا ہے اور احکام خداوندی کے مقرر کردہ حدود سے آگے نکل گیا ہے یا پھر حدود شرعی کی خلاف ورزی کی ہے یا کسی آدم زادی پر اپنا جناتی سحر طاری کر کے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کی ہے تو وہ قرار واقعی سزا کا مستحق ہے، ہمارے مقرر کردہ قانون سے وہ کسی صورت بھی بچ نہیں سکتا۔
قابل احترام اور معزز رولوکا! آپ بتائیں کہ ہمارے قبیلہ کے کس جن نے ایسی خلاف ورزی کی؟ کیا اس نے کسی انسان کو ناقص ستایا ہے؟ کیا کسی کے ساتھ جبر کیا ہے؟ کیا کسی کو دھوکہ دیا ہے؟ کیا قانون قدرت سے انحراف کیا ہے؟ آپ بلا جھجک بتائیں، غلطی کرنے والے کو بخشا نہیں جائے گا اور پورا پورا انصاف ہوگا۔"
"معزز سردار! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور آپ کو باشریعت احکام خداوندی کا پابند جانتے ہوئے یہ حقیقت بیان کر رہا ہوں، اگر میں چاہتا تو اپنے مزاج کے مطابق کوئی اہم قدم اٹھا بیٹھتا مگر میں نے یہ مناسب نہ سمجھا بلکہ میں نے اپنے تئیں آپ کے قبیلہ، کے آپ کے اصول اور آپ کی ذات کے متعلق پوری معلومات کر لی۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر میں خود کوئی حتمی قدم اٹھا لوں تو آپ طیش میں آجائیں اور غلط انداز میں سوچنے لگیں اور پھر غصے میں آکر چند انسانوں کا نقصان کر بیٹھیں کیونکہ عموماً غصے میں کسی کو کچھ سوجھتا نہیں۔" رولوکا نے کہا۔
معزز مہمان! میں آپ کو مہمان یوں کہہ رہا ہوں کہ آپ ہمارے قبیلے میں تشریف لائے، تو میں اپنے مزاج اور قبیلے کے قانون کے مطابق آپ کو مہمان کا ہی درجہ دے رہا ہوں۔
یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کسی شکایت کے پیش نظر آئے اور آپ کی آمد کے بعد آئندہ ہمارے قبیلے کا کوئی جن غلط قدم نہیں اٹھائے گا۔" سردار نے کہا۔
"معزز سردار! یہی سوچ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ حقیقت سامنے آئے، پھر آپ اپنے قانون کے مطابق پورا پورا انصاف کریں اور اس کے بعد آپ کے قبیلہ کا کوئی اور جن اس غلطی کو آئندہ نہ دہرائے کیونکہ جو

لوگ پورا پورا انصاف کرتے ہیں اور جو اپنوں اور غیروں میں فرق نہیں رکھتے ان سے خدا بہت خوش ہوتا ہے۔“ رولوکا بولا۔

”معزز مہمان! آپ اصل مدعا بیان کریں؟“ سردار نے کہا۔

”تو سردار محترم! آپ کے قبیلے کا وہ نافرمان جن ہے، آپ کا بیٹا روشاک۔“ رولوکا بولا۔

یہ سنتے ہی سردار کے تیور بدل گئے اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور غیض وغضب کی حالت میں کرخت اور گرجدار آواز سنائی دی۔ ”رو......شا......ک......“

☆☆☆

سردار کی آواز پوری محفل میں دبنگ طریقے سے گونج گئی۔ اچانک روشاک اپنی جگہ سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سہما ہوا نظر آنے لگا تھا۔ محفل میں بیٹھے تمام جنات نے اپنی نظریں اس پر مرکوز کر دیں۔ سردار کی قہر برساتی نگاہیں اس پر جم گئی تھیں۔

روشاک نے سردار کی قہر برساتی آنکھوں کی طرف دیکھا تو ان آنکھوں میں غضب اور نفرت کا سمندر ٹھاٹیں مارتا نظر آیا۔ روشاک اندرونی طور پر کپکپانے لگا۔

اچانک سردار کی غصیلی اور گرجدار آواز سنائی دی۔

”روشاک اگر کچھ کہنا ہے تو کٹہرے میں جا کر کہو۔“

روشاک نڈھال اور لڑکھڑاتے قدموں سے کٹہرے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

مگر یہ کیا۔ ایک بجلی کا کوندا سا لپکا اور روشاک کٹہرے سے غائب تھا۔

محفل میں بیٹھے سارے جنات اچنبھے کی حالت میں کٹہرے کو گھور رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ سردار بھی اچنبھے کی حالت میں کٹہرے کو گھورے جا رہا تھا۔

سردار کے قریب ہی ایک بہت ضعیف باریش جن کھڑا تھا جسے سردار کئی مرتبہ استاد محترم کہہ کر مخاطب کر چکا تھا۔ سردار مخاطب ہوا۔ ”استاد محترم! روشاک فرار ہو چکا ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ روشاک مجرم ہے۔ اجنبی یعنی محترم رولوکا کی ساری باتیں حقیقت ہیں، اگر روشاک قصوروار نہیں ہوتا تو یقیناً اپنی صفائی میں کچھ کہتا۔ استاد محترم اب آپ کی کیا رائے ہے؟“

”سردار! آپ کی بات درست ہے اور روشاک کی یہ حرکت اسے مجرم ثابت کرتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روشاک گیا کہاں ہے؟ اسے ہر حال میں اپنے قبیلے میں آنا ہے اور اگر روشاک خود نہیں آتا تو اسے زبردستی لانا پڑے گا۔ یہ قبیلے کے قانون کے خلاف ہے کہ ہمارے قبیلے کا کوئی جن قبیلے کے قانون کو فراموش کر کے قبیلہ سے فرار ہو جائے اور جو ایسا کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ فرار ہونے والا ہماری پہنچ اور نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور ایسا کرنے والے جذبات میں ایسا قدم اٹھاتے ہیں۔

آپ چند محافظوں کو فوراً دوڑائیں جو کہ پتہ کریں کہ روشاک گیا کہاں اور پھر یہ محافظ زور زبردستی اسے قبیلے میں لے آئیں تاکہ حقیقت کا پتہ چلے۔“ استاد جن یہ بول کر خاموش ہو گیا۔ سردار نے چار جنوں کو آواز دی اور بولا۔ ”فوراً جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ روشاک کس طرف اور کہاں گیا ہے، اگر وہ آرام سے آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ بزور طاقت لے آنا اور اگر زور زبردستی کرے تو بالکل ہچکچائے بغیر طاقت کا استعمال کر کے ہر حال میں لے آنا۔“

”جی سردار! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ ہر حال میں ہم اسے ضرور لے آتے ہیں۔“ ان چاروں محافظوں میں سے ایک بولا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے غائب ہو گئے۔

چاروں محافظوں کے جانے کے بعد سردار رولوکا سے مخاطب ہوا، رولوکا ابھی تک غائب حالت میں اپنی جگہ موجود تھا۔

”محترم رولوکا! ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں اور جو کچھ بھی ہوا آپ کے سامنے ہے، آپ کی تمام باتیں درست ہیں اور ہم آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میں

نے اپنے محافظوں کو آپ کے سامنے بھیج دیا ہے تاکہ وہ روشاک کو ہر حال میں اس جگہ لے آئیں۔

روشاک کے اس جگہ آتے ہی اس نے جو حرکت کی ہے اور پھر جو اس نے قبیلے کا قانون توڑا ہے اس بنا پر اسے قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دی جائے گی اور جو بھی سزا اسے دی جائے گی آپ کے سامنے دی جائے گی۔ ہم جب بھی کسی کو سزا دیتے ہیں قبیلہ کے تمام لوگوں کے سامنے اور جو سزا کا مستحق پایا جاتا ہے اسے اپنی صفائی میں بولنے کا پورا پورا حق بھی دیا جاتا ہے۔ ہم ہمیشہ احکام خداوندی کا خیال رکھتے ہوئے انتہائی قدم اٹھاتے ہیں۔

اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ٹھوس اجسام میں آکر ہمیں خدمت کا موقع دیں۔ آپ کی خدمت کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔ ہم نے جان لیا ہے کہ آپ واقعی اچھے دل و دماغ اور احکام خداوندی کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کے پابند ہیں۔ اگر آپ ایسے نہ ہوتے تو روشاک کو اب تک آزاد نہ چھوڑا ہوتا۔ اور پھر آپ یہاں تک آنے کی تکلیف نہ اٹھاتے، اچھے لوگ ہمیشہ مستقل مزاجی اور بردباری کا ثبوت دیتے ہیں۔ میں ہی نہیں، بلکہ ہمارا پورا قبیلہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کا متمنی ہے۔ آپ ہماری خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے برائے مہربانی کچھ تو خدمت کا موقع دیں۔'' سردار بولا۔

''قابل قدر سردار! آپ کو اور آپ کے قبیلہ کے تمام لوگوں کو میں سلام پیش کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اصول اور شریعت کے بہت پابند ہیں۔ قانون کی پاسداری آپ لوگوں کے لئے بہت اہم ہے۔ میں آپ کو اپنی خدمت کا موقع ضرور دوں گا لیکن اس وقت میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ روشاک اس وقت یہاں سے فرار ہونے کے بعد کسی ایسی جگہ جائے گا جو کہ آپ لوگوں کی پہنچ سے دور ہو۔ اگر اس کے دماغ میں ایسا نہ آتا تو کسی صورت بھی وہ فرار نہ ہوتا۔ لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ آپ سے بچ نہیں سکتا بلکہ ہر حال میں وہ آپ کی گرفت میں آجائے گا۔ خیر اس وقت میں ایک کام کے تحت جا رہا ہوں۔ مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ جب وہ آپ کی گرفت میں آجائے گا تو اس وقت میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

اور اگر آپ کو کسی قسم کی کوئی بھی دشواری پیش آئے اسے اپنے قبیلہ میں لانے کے لئے تو میری خدمات حاضر ہیں، آپ ہمیشہ مجھے اپنے قریب پائیں گے، ابھی تو میں جاتا ہوں اور بہت جلد ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ میری ضرورت پڑے تو آپ بغیر کسی تردد کے میرے پاس اپنا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ میں فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' یہ بول کر رولوکا اپنی جگہ سے جہاں وہ موجود تھا غائب ہو گیا۔

ادھر روشاک قبیلہ سے فرار ہو کر سیدھا خوشبو کے پاس پہنچا۔ اس کی حالت بہت ہی بدحواس ہو رہی تھی اس وقت خوشبو چھت پر اپنے کمرے میں موجود تھی اور سر پر ہاتھ رکھے اپنی سوچوں میں غرق تھی۔ وہ یک ٹک خوشبو کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جس حالت میں تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ اندرونی طور پر اس پر کپکپی طاری تھی۔

اسے یہ تو پتہ تھا کہ اس کے قبیلہ والے اسے پکڑنے کے لئے آئیں گے ضرور اور کسی حال میں بھی وہ بچ نہیں سکتا مگر وہ اپنے تئیں ایسے اقدام اٹھا کر یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا حلق خشک تھا۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ اسے بولنا دوبھر ہو رہا تھا۔ مگر بہت مشکل اور کوشش کے بعد اس کے منہ سے نکلا۔ ''خوشبو!''

خوشبو نے جیسے ہی اپنا نام سنا تو پٹ سے اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر روشاک کو اس حال میں دیکھ کر وہ جھٹ اٹھ بیٹھی۔ اور اپنی نظریں روشاک پر مرکوز کر دیں وہ بھی یک ٹک روشاک کو دیکھے جا رہی تھی۔

خوشبو اچنبھے میں تھی کہ اس وقت روشاک بھی آیا نہیں اور آج خلاف توقع اس وقت آنا اور پھر اس بگڑی ہوئی خستہ حالت میں۔ ''آپ اور اس وقت!'' اس کی زبان سے صرف اتنا ہی نکلا۔

روشاک لڑکھڑاتی زبان سے بولا۔ ''خوشبو!

جلدی چلو!! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تمہیں اس وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ فوراً اٹھو۔ نہیں تو میں تمہیں زبردستی لے جاؤں گا، تمہیں حاصل کرنے کے لئے میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہوں۔

"میرا کوئی ان دیکھا دشمن تمہاری ذات کے مدنظر میرے قبیلہ تک پہنچ چکا ہے اور اس نے تمہارے اور میرے میل جول کو میرے والد کو بتادیا ہے اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے دربدر ہو چکا ہوں، میں دنیا چھوڑ سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

روشاک کو یک ٹک دیکھتے ہوئے خوشبو سہمی ہوئی تھی، وہ کشمکش میں تھی، وہ جان چکی تھی کہ یہ بدبخت کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے اور اس کے اٹھائے ہوئے قدم کو وہ کسی بھی صورت روک نہیں سکتی اور نہ ہی خود کو وہ اس کے چنگل سے بچا سکتی تھی۔

روشاک کی گھبراہٹ مزید بڑھتی جارہی تھی، اس نے حتیٰ الامکان فیصلہ کرلیا تھا کہ ہر صورت وہ خوشبو کو اپنے ساتھ ضرور لے جائے گا۔

ادھر جب روشاک اپنے قبیلہ سے فرار ہوا تو فوراً رولوکا کے دماغ میں یہ بات آگئی تھی کہ روشاک سب سے پہلے خوشبو کے گھر ضرور جائے گا خوشبو سے ملنے کیونکہ رولوکا کو یہ بھی پتہ تھا کہ روشاک جنون کی حد تک خوشبو کو چاہتا ہے۔

اس بنا پر روشاک کی کوشش ہوگی کہ وہ خوشبو کو بزور طاقت اپنے ساتھ کہیں اور نہ لے کر چلا جائے۔

یہی سوچ کر رولوکا نے فوراً اپنے کئی کارندوں کو روشاک کے پیچھے خوشبو کے گھر تک روانہ کردیا تھا۔ اور کارندوں کو حکم دیا تھا کہ اگر روشاک خوشبو کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کرے یا پھر خوشبو کو زور زبردستی اپنے ساتھ کہیں لے جانے کی کوشش کرے تو بھرپور مزاحمت کرکے اسے ایسا کرنے سے روکا جائے اور اگر وہ آرام سے اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ اور پھر بھی وہ زیادہ زور آزمائی کرے یا پھر اپنی جناتی قوت کو سامنے لائے تو اس کا کسی قسم کا بھی خیال نہ کیا جائے اور اسے قید کرکے اس کے قبیلے میں لایا جائے اور اگر وہ اسے ناپسند کرے اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیا جائے۔

رولوکا کے کارندے خوشبو کے کمرے میں موجود تھے اور روشاک کی ہر حرکت کو دیکھ رہے تھے اور اس کی تمام باتیں بغور سن رہے تھے۔ کارندے بالکل چوکس تھے کہ کسی بھی پل روشاک کے غلط قدم کو روک سکیں اور وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے اسے وہ نہ کرنے دیں۔

خوشبو کے سامنے کمرے میں موجود روشاک ہر ایک لمحہ کو نوٹ کررہا تھا۔ وہ اس قدر بدحواس اور ڈرا ہوا تھا کہ اسے کمرے میں موجود رولوکا کے کارندوں کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ تو کمرے میں موجود رولوکا یا پھر اس کے کسی کارندے کو کئی مرتبہ محسوس کرچکا تھا اور پھر ایسا محسوس کرتے ہوئے اپنی جناتی طاقت کا استعمال بھی کرچکا تھا۔ وہ کسی کارندہ یا پھر رولوکا پر قابو نہ پاسکا تھا مگر ہر مرتبہ کوشش اس نے ضرور کی تھی۔

آج اس کو اپنی جان کی پڑی تھی تو اسے کسی اور کا احساس کیونکر ہوسکتا تھا کمرے میں اسے آئے ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس پر مزید گھبراہٹ سوار ہورہی تھی۔ وہ زور سے چیخ پڑا۔ "خوشبو کیا میری بات تمہیں سنائی نہیں دے رہی، میں تمہارے لئے مرنے کے لئے تیار ہوں اور تمہارے کانوں میں جوں تک نہیں رینگ رہی ہے۔ اٹھو! اور چلو میرے ساتھ!"

یہ بولتے ہی اس نے خوشبو کی کلائی زور سے پکڑلی کہ اچانک ایک زوردار تھپڑ اس کے دائیں گال پر پڑا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ اس کے ہاتھوں سے خوشبو کی کلائی چھوٹ گئی اور وہ خود بڑی تیزی سے کئی چکر گھوم گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ کمرے میں ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہرا نہیں اور پلک جھپکتے ہی خوشبو کی نظروں کے سامنے سے غائب ہوگیا۔

خوشبو پر جیسے سکتہ طاری ہوچکا تھا۔ روشاک کا

اچانک اس وقت آنا، اس کی بدحواسی کی حالت، ڈر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز، اس کی زبان بھی آج اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، بہکی بہکی باتیں اور پھر اچانک کلائی پکڑ کر یہ کہنا کہ فوراً میرے ساتھ چلو۔"

یہ ساری باتیں خوشبو کی سمجھ سے بالاتر تھیں اور پھر اچانک اس کے گال پر زوردار تھپڑ کا پڑنا، جس کی آواز خوشبو نے صاف سنی تھی، تھپڑ مارنے والی نادیدہ ہستی کون تھی اور اس نے اتنے زور کا تھپڑ روشاک کو کیوں مارا تھا، خوشبو واقعی سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔

اتنے میں نیچے سے سیڑھیاں چڑھتی اس کی چھوٹی بہن کہکشاں خوشبو کے کمرے میں آئی اور اس نے بے سدھ بیٹھی خوشبو کو دیکھا تو چونک گئی۔ کیونکہ کہکشاں کے کمرے میں آنے پر بھی خوشبو کو پتہ نہ چلا تھا کہ کہکشاں کمرے میں آ کر اس کے سامنے کھڑی ہے۔

کہکشاں گھبراتے ہوئے زور سے بولی۔" باجی کیا ہوا ہے آپ کو؟"

کہکشاں کی آواز سن کر خوشبو یکدم چونک پڑی اور ہکلاتے ہوئے اس کے منہ سے نکلا۔" آ... ں... آں... وہ... ہاں... ہاں" اور کہکشاں پر نظر پڑتے ہی خوشبو نے فوراً تکیہ پر اپنا سر رکھ کر زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ وہ بلند آواز سے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے رو رہی تھی۔

خوشبو کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے کہکشاں کے منہ سے زوردار آواز نکلی۔" امی... امی۔"

کہکشاں کی آواز اتنی زوردار تھی کہ جھٹ اس کی امی دوڑتے ہوئے فوراً کمرے میں آ گئیں۔ اور پھر ان کی نظر خوشبو پر پڑی جو ابھی تک روئے جا رہی تھی۔ اب تو اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ کہکشاں خاموش کھڑی تھی۔ وہ بھی خاموش کھڑی خوشبو کو دیکھنے لگیں۔

اتنے میں کہکشاں کی آواز سنائی۔" امی جب میں کمرے میں آئی تو دیکھا کہ باجی یک ٹک بے سدھ سی دیوار کو دیکھے جا رہی تھیں۔ کمرے میں میرے آنے کا بھی انہوں نے محسوس نہ کیا، اور پھر جب میں نے باجی کہہ کر آواز دی تو یہ چونک پڑیں اور پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی تکیہ پر منہ رکھ کر زاروقطار رونے لگیں اور اب یہ حالت۔"

امی آگے بڑھیں اور انہوں نے خوشبو کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ خوشبو فوراً اٹھی اور امی پر نظر ڈالتے ہوئے بستر سے نیچے کھڑی ہو کر امی کی گردن میں جیسے جھول گئی۔

"امی... امی... میں بچ گئی۔ میری قسمت اچھی تھی ورنہ میں...." اور وہ مزید ہچکیوں میں زور زور سے رونے لگی۔

"ارے بیٹا! بتاؤ تو سہی ہوا کیا... چلو بتاؤ، روتے نہیں؟" وہ خوشبو کے بالوں میں ساتھ ہی ساتھ انگلیاں بھی پھیرتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ بولیں کہکشاں جلدی سے گلاس میں پانی لاؤ۔"

یہ سن کر کہکشاں فوراً نیچے دوڑی پانی لینے کے لئے اور چند لمحے میں ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس لے آئی اور امی کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"خوشبو! جلدی سے پانی پی لو... چلو جلدی کرو۔ پانی پی لو، جی ہلکا ہو جائے گا... پھر مجھے بتاؤ بات کیا ہے؟" پھر انہوں نے خوشبو کا سر اپنے سینے سے الگ کیا۔ رو رو کر خوشبو کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں... "لو پانی پی لو۔" اور انہوں نے گلاس خوشبو کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

گلاس کا ہونٹوں سے لگنا تھا کہ خوشبو نے ایک لمبا سانس کھینچا اور غٹاغٹ پورا گلاس خالی کر دیا۔ امی نے خوشبو کو بستر پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"ہاں... تو اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

"امی... امی تھوڑی دیر پہلے وہ اچانک کمرے میں آیا۔ اس کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی۔ اس پر کپکپی طاری تھی، وہ بہت گھبرایا ہوا بدحواس ہو رہا تھا۔ آتے ہی بولا۔" خوشبو میں تمہارے لئے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا، میں ہر قیمت پر

تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ چلو فوراً اس حالت میں اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔'' اور پھر اس نے میری کلائی پکڑلی اور مجھے گھسیٹنے لگا کہ اچانک کسی نادیدہ ہستی نے اس کے گال پر اتنے زور کا تھپڑ مارا کہ وہ کئی چکر گھوم گیا اور پھر پلک جھپکتے ہی کمرے سے غائب ہو گیا۔ امی! ہم اس نادیدہ ہستی کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ کرم ہے کہ آج اللہ نے مجھے بچایا۔۔۔ ورنہ...... آج وہ مجھے لے جا چکا ہوتا۔۔۔ اگر وہ ہستی نہ آتی تو میں آج آپ کے سامنے نہ ہوتی۔۔۔۔ امی۔۔۔ امی۔'' اور یہ بولتے ہوئے خوشبو پھر زار و قطار رونے لگی۔

''خوشبو بیٹا! مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کا کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم و کریم ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے۔ اس کے گھر دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔ چلو روتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور وضو کر کے فوراً دو رکعت شکرانے کی نفل پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ چلو نیچے چلو۔'' خوشبو کی امی نے کہا۔

''خوشبو نیچے آگئی اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے لگی۔

ادھر رولوکا کے خفیہ کارندوں نے رولوکا کو پوری روداد سنا دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ جیسے ہی روشاک کے گال پر زوردار تھپڑ لگا تو وہ چکرا کر رہ گیا اور فوراً خوشبو کے کمرے سے آندھی کی طرح نکلا اور شمال کی سمت بڑھتا چلا گیا۔ اس کی رفتار بہت زیادہ ناقابل بیان حد تک تیز تھی۔ اس جگہ سے کافی دور ایک پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ وہ علاقہ پورے کا پورا پہاڑوں کے درمیان ہے۔ وہ آناً فاناً اس قبیلہ کی حدود میں گھستا چلا گیا۔

لیکن ہم آخری حدود تک جا کر رک گئے اور اسے جاتا دیکھتے رہے۔ وہ قبیلہ بھی جناتوں کا ایک قبیلہ ہے لیکن جہاں تک ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ قبیلہ غیر مذہب کافر جنوں کا قبیلہ ہے۔ اپنے علاقے کے حدود میں بے شمار جن ادھر ادھر جاتے نظر آرہے تھے۔ ہم نے اپنے آپ کو ان پر ظاہر نہیں کیا۔ ہم تھوڑی دیر تک روشاک کا انتظار کرتے رہے۔ مگر کافی وقت تک وہ پلٹ کر واپس نہیں آیا تو ہم نے اپنی راہ لی۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟''

ایک کارندہ نے پوچھا۔

''تم لوگ ایسا کرو کہ اس قبیلہ سے دور رہ کر روشاک کو چیک کرو، ہو سکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ وہاں سے نکلے۔

لیکن یہ خیال ضرور رکھنا کہ اس قبیلہ کے جنوں پر تم لوگوں کی موجودگی ظاہر نہ ہو۔ اور پل پل کی خبریں مجھ تک پہنچاتے رہنا۔'' رولوکا بولا تو اس کے کارندوں نے کہا۔

''جی! بہت اچھا۔'' اور یہ بول کر وہ جدھر سے آئے تھے اس طرف کا رخ کر لیا۔

کارندوں کے جانے کے بعد رولوکا نے اپنا پیغام ہوا کی لہروں کے ذریعہ جناتوں کے سردار کے پاس پہنچایا۔ ''سردار! میں رولوکا بول رہا ہوں۔ کیا روشاک کی کوئی خبر ملی کہ وہ کہاں ہے یا ایسا تو نہیں کہ وہ قبیلہ میں واپس آگیا ہو؟''

اس طریقہ سے سردار نے بھی اپنا جواب رولوکا تک پہنچا دیا۔ ''محترم و معزز رولوکا صاحب! ہم نے اپنے تئیں یہ معلوم کر لیا ہے کہ روشاک نے غیر مذہب کافر جنوں کے قبیلہ میں جا کر پناہ لے لی ہے۔ ان جنوں سے ہماری کبھی بنی نہیں، ہمارے اور ان کے قبیلہ کی ایک طویل عرصہ سے دشمنی چلی آرہی ہے اور پھر ویسے بھی غیر مذہب والوں سے ہمارا کیا واسطہ۔

لیکن ان کا اور ہمارا ایک معاہدہ ضرور ہے کہ چاہے ان کا یا ہمارا کوئی بھی جن جرم کر کے ایک دوسرے کے قبیلہ میں پناہ لے لیتا ہے تو باہمی مشورہ سے وہ مجرم جن ہم ایک دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مجھے قوی امید ہے کہ روشاک ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکتا۔ روشاک کو ہم اپنے قبیلہ میں ضرور لے آئیں گے۔ اور اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کی تو پھر جنگ آمد بجنگ آمد۔'' یہ بول کر جنوں کا سردار خاموش ہو گیا۔ رولوکا

بولا۔ ''سردار صاحب! آپ فکر نہ کریں، اگر آپ کے مخالف قبیلہ والوں نے مطالبہ پر روشاک کو واپس نہ کیا تو مجھے بھی آپ اپنے شانہ بشانہ پائیں گے۔

لیکن میرا ایک مشورہ ہے کہ آپ فکر نہ کریں۔ جنگ وجدل میں دونوں طرف کا جانی نقصان ہوگا اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھ پر یقین رکھیں میں کوشش کر کے روشاک کو اس قبیلہ سے بخیر وعافیت نکال لاؤں گا اور آپ کے حوالے کردوں گا۔ یہ میرا آپ سے پکا وعدہ ہے۔ پہلے آپ اپنے تئیں اپنے معاہدہ کے تحت بات کریں۔''

ادھر جب روشاک کا فرجنوں کے قبیلہ میں پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار جن نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور روشاک سے بولا۔ ''تم قطعی فکر نہ کرو، میں کسی بھی حال میں تمہیں تمہارے والد کے حوالے نہیں کروں گا۔ تمہارے والد ہے اصول، پابندی، بے جا سختی، بے سروپا حکم، چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں اور سب سے زیادہ پابند شریعت یہ سب فضول باتیں ہیں، ہر جن کو اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے اور اگر کوئی جن کسی آدم زادی سے اپنا دل بہلاتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ ایسا کرنے والا جن آدم زادی کی خواہشات کا بھی احترام کرتا ہے اس کی ضروریات زندگی کا بھرپور خیال کرتا ہے اور اس کے لئے آدم زادی کے آگے دولت کا ڈھیر لگا دیتا ہے۔ جس سے آدم زادی اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور اس طرح زندگی عیش سے گزرنے لگتی ہے۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو کوئی آدم زاد کسی بھی آدم زادی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، اسے اغوا کر لیتا ہے، اس کے ساتھ دست درازی اور زیادتی کر کے آدم زادی کی عزت کو پامال کر دیتا ہے، اگر ایسا کرنے والا آدم زاد اثر ورسوخ والا ہوتا ہے تو اس کے لئے تمام قانون آدم زادوں کے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ آدم زادی پر بدچلنی کا الزام لگا دیا جاتا ہے کہ آدم زادی نے خود اپنی مرضی اور خواہش کے تحت قدم باہر نکالا تھا۔

دنیا کی عدالتیں امیروں، دولت مندوں، اثر و رسوخ والوں اور بڑے بڑے تعلقات والوں کا ساتھ دیتی ہیں اور قصوروار کو بری کر دیتی ہیں۔ صرف غریب اور بے یارومددگار لوگ تختۂ دار پر چڑھا دیئے جاتے ہیں۔

میری نظر میں روشاک تم نے کوئی جرم نہیں کیا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم نے ایک آدم زادی سے دل بہلا لیا۔ میں ہر طرح سے تمہارا تحفظ کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے، تم قطعی بے فکر ہو جاؤ۔ قبیلہ میں تم آزادی سے گھومو پھرو، کھاؤ پیو اور خوش رہو۔ میں تمہارے والد اور ان کے قانون سے نمٹ لوں گا اور میری یہ بھی کوشش ہوگی کہ وہ آدم زادی بھی تمہیں مل جائے۔''

سردار کی باتیں سن کر روشاک بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''سردار صاحب! میں آپ کی بہادری اور ذہانت کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کی تمام باتیں سو فیصد درست ہیں، میں ساری عمر آپ کا احسان مند رہوں گا اور آپ کے زیر سایہ اپنی عمر گزار دوں گا۔ میں اکثر آپ کی بہادری کے چرچے سنتا تھا مگر آج میں نے خود اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھ لیا۔''

سردار اپنی تعریف سن کر پھول گیا اور بولا۔ ''روشاک اب تم آرام سکون کے ساتھ مہمان خانے میں رہو، میں غلام کو بلا کر تمہیں مہمان خانے میں بھجوا دیتا ہوں، مہمان خانے میں رہو اور عیش کرو۔'' یہ بول کر سردار نے آواز دی تو ایک جن حاضر ہوا تو سردار نے روشاک کو اس کے ساتھ کر دیا اور بولا۔ ''انہیں لے جا کر مہمان خانے میں چھوڑ آؤ۔ اور مہمان خانے کے سرپرست سے بولنا کہ سردار کا حکم ہے۔ ان کو کسی قسم کی شکایت نہ ہو ان کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔''

روشاک کے جانے کے بعد سردار خود بڑبڑانے لگا۔ ''اصول کے پابند سردار! اب میں تمہاری ساری اکڑ نکال دوں گا، اب تمہارا بیٹا میرے قبضے میں ہے اور جس پر عشق کا بھوت سوار ہو جائے وہ باپ تو کیا پوری دنیا سے بھی ٹکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ میں اپنی چالاکی اور

پالیسی کے تحت تمہارے بیٹے کو ہتھیار سے لیس کر کے تمہارے سامنے لاکھڑا کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ تمہارے اصول کیا کہتے ہیں۔" اور یہ بول کر مسکرانے لگا۔

ادھر روشاک کے باپ نے اپنے قبیلہ میں اپنے تمام سرکردہ جنوں کو اکٹھا کیا اور ان سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔ ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ تمام بزرگ جنوں کا فیصلہ تھا کہ ہر صورت میں روشاک کو واپس لایا جائے، چاہے اس کے لئے دشمن قبیلہ والوں سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔

کیونکہ دشمن قبیلہ نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے اسے معاہدہ کے تحت روشاک کو واپس کرنا چاہئے اور ویسے بھی روشاک نے غلطی کی ہے، اسے اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہ رہا، اسے اپنی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن اچانک اس طرح فرار ہونے کا مطلب ہے کہ معزز رولوکا نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ تمام درست ہے۔

روشاک نے اپنے پورے قبیلہ کی بے عزتی کی ہے کہ بھاگ کر دشمن کے پاس چلا گیا۔ سردار! آپ فکر نہ کریں قبیلہ کا ہر جن اپنے سردار اور قبیلے کی عزت کے لئے اپنا سر کٹوا لے گا اور قبیلے کا اصول پامال نہیں ہونے دے گا۔"

سردار بولا۔ "معزز ساتھیو! مجھے قبیلہ کی عزت زیادہ عزیز ہے چاہے میری جان چلی جائے۔ میں قبیلے کے اصول اور عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ قبیلہ کے اصول عزت اور انصاف کے تحت روشاک کو قربان کر دوں گا۔ یہ میں نے اٹل فیصلہ کر لیا ہے۔ میری نظر میں قبیلے کا ہر جن برابری کا حقدار ہے، کوئی چھوٹا بڑا نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ روشاک میرا بیٹا ہے تو وہ بچ جائے۔ اس نے ناقابل معافی غلطی کی ہے اور اس لئے وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔

اور ہاں! یاد آیا۔ محترم رولوکا نے وعدہ کیا ہے کہ اگر دشمن قبیلہ نے پیار محبت کا ثبوت نہ دیا تو وہ خاموشی سے روشاک کو ہمارے پاس لے آئے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ رولوکا کا وعدہ پکا ہے۔

خیر میری مرضی نہیں کہ ہم مہمان سے مدد لیں۔ ہم اپنے تئیں اور اپنے زور بازو سے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں قاصد جن کو بلا کر پیغام بھیجتا ہوں کہ فی الفور روشاک کو واپس کریں ورنہ معاملہ آگے بھی جا سکتا ہے۔" سردار نے کہا۔

"سردار! ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے، قبیلے کی بھلائی کے لئے آپ جو بھی قدم اٹھائیں وہ احسن قدم ہوگا۔ ہم سب کو آپ کی اور قبیلے کی عزت عزیز ہے۔" تمام معمر جنوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

سردار نے قاصد جن کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ دیا اور بولا۔ "یہ رقعہ سنگارا قبیلہ کے سردار کے پاس لے جاؤ، پہلے آداب کرنا اور پھر یہ رقعہ اس کے ہاتھ میں دے دینا اور وہ جو بھی جواب دے اسے لے کر یہاں آ جانا۔

اور ہاں یاد آیا میں نے تو یہ رقعہ پڑھ کر آپ لوگوں کو سنایا نہیں کہ اس میں، میں نے کیا تحریر کیا ہے۔ میں یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے معمر اور بزرگوں کو سناؤں۔ اس میں لکھا ہے۔" "سنگارا قبیلہ کے سردار کے حضور، کیکاش قبیلہ کے سردار اور تمام جنات کی طرف سے آداب عرض۔ اصلی معاملہ جو ہے اور جس کے لئے یہ قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ قبیلہ کا ایک جن روشاک جو کہ میرا بیٹا بھی ہے، نادانی سے ایک جرم کر بیٹھا ہے اور سزا کے ڈر سے بھاگ کر آپ کی پناہ میں آ گیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ہم دونوں قبیلوں کے معاہدے کے تحت آپ روشاک کو فوراً ہمارے حوالے کر دیں۔ امید ہے کہ آپ شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ خیر خواہ، سردار مناش۔"'

رقعہ کا متن جان کر اس جگہ موجود تمام جنوں نے کہا۔ "سردار آپ نے بہت اچھا لکھا ہے۔"

اس کے بعد قاصد جن وہ رقعہ لے کر مخالف قبیلہ سنگارا کی طرف پرواز کر گیا۔

چند لمحے میں قاصد جن سنگارا قبیلہ کی حدود میں پہنچ

گیا اور حدود کے باہر کھڑا ہو کر محافظ جنوں سے بولا۔ ''میں کیکاش قبیلہ کے سردار کا پیغام لے کر آپ کے سردار کے پاس آیا ہوں۔ آپ لوگ اجازت دیں تا کہ میں قبیلہ میں داخل ہو سکوں۔''

محافظ جنوں نے جب اپنے سردار کا نام سنا تو دو جن آگے بڑھے اور بولے۔ ''ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ چلو! ہم تمہیں سردار کے پاس لے چلتے ہیں۔'' اور یہ بول کر وہ دونوں قاصد جن کے ہمراہ اپنے سردار کی جانب روانہ ہو گئے۔

سردار کے پاس پہنچ کر وہ تینوں مکان کے باہر ہی ٹھہر گئے اور پھر ایک جن اندر گیا اور سردار سے اجازت لے کر قاصد جن کو سردار کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سردار نے قاصد جن سے رقعہ لیا اور پڑھنے لگا۔ رقعہ پڑھ کر سردار مسکرایا اور بولا۔ ''ٹھیک ہے میں بھی اپنا جواب لکھ دیتا ہوں۔'' یہ بول کر سردار نے کاغذ پر لکھا۔

''سردار کیکاش قبیلہ کے لئے عرض ہے کہ ہم کسی صورت بھی روشاک کو واپس نہیں کریں گے۔ یہ ہمارا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر طاقت ہے تو روشاک کو ہمارے قبیلہ سے لے جا سکتے ہو۔''

اور رقعہ قاصد جن کے حوالے کر دیا۔ قاصد جن نے رقعہ لیا اور واپس اپنے قبیلہ میں آ گیا۔

قاصد نے واپس آ کر جواب سردار کے ہاتھ میں دے دیا۔ سردار نے رقعہ کھول کر پڑھا اور پھر طیش میں آ کر کھڑا ہو گیا اور غضب ناک آواز میں بولا۔ ''گلاجا۔'' سردار پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہوا۔ معزز ساتھیو! گلاجا نے میرے رقعہ کے جواب میں صاف لکھا ہے کہ ''میں کسی صورت بھی روشاک کو واپس نہیں کروں گا، یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔''

سردار کی باتیں سن کر سارے جن آپس میں مشورہ کرنے لگے پھر ایک معمر جن جو کہ قبیلے کا بہت عمر رسیدہ تھا جسے سردار استاد کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ وہ اٹھا اور بولا۔ ''سردار! آپ فکر نہ کرو گلاجا کو بھیانک نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔''

''استاد! آپ قبیلہ میں اعلان کرا دیں کہ کل ہم گلاجا کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تمام نوجوان جن تیار ہو جائیں اور دو چار اور قبیلے جو کہ ہمارے خیر خواہ ہیں ان کے پاس بھی پیغام بھجوا دیں۔ اور ان کی بھی رائے لیں اور یہ بھی کہلا دیجئے گا کہ اگر وہ ہماری مدد کرنا چاہیں تو بخوشی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سردار!'' استاد جن نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر سارے جن چلے گئے۔ سب کے جانے کے بعد سردار اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا اور بولا۔ ''روشاک تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے جس طرح ذلت و رسوائی سے مجھے دو چار کیا ہے، اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ اور گلاجا! تم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس کی سزا بھی تمہیں ضرور ملے گی۔''

تین دوسرے قبیلوں میں جب سردار مناش کا پیغام پہنچا تو اس قبیلے کے سردار بھی سنگارا قبیلہ کے سردار گلاجا کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، وہ سب کے سب مشتعل ہو گئے اور وہ بھی مناش کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ سب نے وعدہ کیا کہ ہم کل کیکاش قبیلہ میں حاضر ہو جائیں گے، گلاجا نے وعدہ خلافی کر کے اچھا نہیں کیا، اسے افہام و تفہیم سے سوچنا چاہئے تھا، گلاجا نے اپنی طاقت کے زعم میں جواب دیا۔ ہم احکام خداوندی کے پابند ہیں اور کسی سے جنگ و جدل نہیں چاہتے۔ مگر ان کافر جنوں کو اب سبق سکھانے کا موقع آ گیا ہے۔''

ادھر سنگارا قبیلہ میں بھی اعلان ہو چکا تھا کہ کیکاش قبیلہ کے جن ضرور جنگ کی خاطر دوڑے چلے آئیں گے۔ لہٰذا اس قبیلہ میں بھی جنگ کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اور خفیہ طریقے سے انہیں خبر مل گئی تھی کہ کل کا دن بہت اہم ہوگا۔

صبح اندھیرے منہ ہی دونوں طرف کی جنات قومیں ایک بہت بڑے صحرا میں پہنچ گئیں۔ وہ صحرا خاص کر اس مسئلے کے لئے وقف تھا۔ جس تیاری سے سارے

جنات آئے تھے۔ اللہ..... اللہ۔

اگر دنیا کے عام انسان دیکھ لیں تو تھرا کر رہ جائیں۔ عجیب عجیب خوفناک شکلیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ عجیب و غریب نا قابلِ یقین طرح طرح کے ہتھیار۔ اتنے بڑے اور وزنی قسم کے ہتھیار کہ کسی انسان سے اٹھانا ناممکن تھا۔ سردار گلاجا کی نظر جب اپنے مخالفوں پر پڑی تو وہ تشویش میں پڑ گیا۔

کیونکہ اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر مخالف سمت کی جناتی فوجیں تھیں وہ سمجھ گیا کہ سردار مناش نے اپنے ہم خیال اور ہمدردوں سے بھی مدد طلب کر لی ہے مگر اب تو تیر ترکش سے نکل چکا تھا۔

اس نے پالیسی کے تحت روشاک کو سب سے آگے کھڑا کیا تھا۔

دونوں طرف فوجیں صف آرا تھیں۔

لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ دونوں طرف کی کارروائی سے رولوکا پوری طرح باخبر تھا۔ اس کے کارندے پل پل کی خبریں رولوکا کے گوش گزار کر رہے تھے۔ رولوکا جان چکا تھا کہ سنگارا قبیلہ کا سردار گلاجا کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہے۔ لہٰذا خفیہ طور پر رولوکا نے بھی اپنے مضبوط اور طاقتور کارندوں کو سردار مناش کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔ اور خود بھی غائبانہ طور پر میدان جنگ میں موجود تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھمسان کا رن پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے بے شمار اور لاتعداد پہاڑ جیسے لوہے کے انسان ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

رولوکا کے کارندے بھرپور انداز میں کیکاش قبیلہ والوں کی مدد کر رہے تھے۔ عجیب و غریب ہتھیار کے علاوہ جناتی طاقتیں اور قوتیں بھی استعمال ہو رہی تھیں۔ جس کا جو زور چلتا وہ اس سے استعمال کر رہا تھا۔

سنگارا قبیلہ کے جن گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔

رولوکا کے کارندے اپنے پسندیدہ جناتوں کی مدافعت کر رہے تھے۔ جو بھی مخالف جن ان کی طرف لپکتا تو رولوکا کے کارندے فوراً درمیان میں آ جاتے اور مخالف جنوں کا وار روک لیتے اور اس طرح مخالف جن نیست و نابود ہو جاتا۔

سردار مناش ایک جگہ کھڑا اپنی فوجوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ وہ بہت جہاں دیدہ تھا اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی فوجوں کے علاوہ بھی اس جنگ میں نادیدہ ہستیاں ایسی ہیں جو کہ ان کی مدد کر رہی ہیں۔ مگر وہ یہ جاننے سے قاصر تھا کہ وہ ہمدرد نادیدہ ہستیاں ہیں تو کون ہیں؟

جو دوسرے قبیلہ والے اس کی مدد کو آئے تھے انہیں سردار مناش نے سب سے پیچھے رکھا تھا کہ اگر میرے لوگ پسپا ہونے لگیں تو ہمدردوں کو آگے لایا جائے۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ مخالف فوجیں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ عصر تک گلاجا کی آدھی سے زیادہ فوجیں نیست و نابود ہو کر میدان جنگ میں پڑی تھیں۔

مغرب سے پہلے ایک وقت مقررہ پر جو وقت جناتوں کی طرف سے مقرر تھا۔ دونوں طرف سے دو معمر جن اپنے ہاتھ میں ایک ایک سفید رنگ کا جھنڈا افق پر نمودار ہوئے جسے دیکھ کر دونوں طرف کی فوجیں اپنی اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ دونوں جن نیچے اترے اور درمیان میں دونوں جھنڈے جو کہ ایک بڑے ڈنڈے میں موجود تھا۔ میدان میں گاڑ دیا۔ دونوں جھنڈوں کا زمین پر گڑنا تھا کہ دونوں طرف کی فوجیں پیچھے کی طرف ہٹنے لگیں۔

اس کا مطلب تھا کہ اب جنگ بند ہو چکی تھی۔ سنگارا قبیلہ کی فوجوں میں سراسیمگی پھیل چکی تھی بے شمار جنات اپنا وجود کھو چکے تھے۔

کیکاش قبیلہ کے چند جنات کام آئے تھے۔ ابھی بھی مناش کے ساتھیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش دیکھنے میں آ رہا تھا۔ مناش نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اپنے ہمدرد جنوں کا بھی شکریہ ادا کیا اور بولا۔ ”مجھے امید ہے کہ کل دوپہر تک گلاجا، میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ مگر اسے چھوڑنا کسی صورت بھی نہیں۔ اور

ہر حال میں ہمیں روشاک کو زندہ گرفتار کرنا ہے۔"
تھوڑی دیر میں مغرب کا وقت ہو گیا تو قبیلہ کے تمام جنات نے نماز مغرب ادا کی اور اس کے بعد کھانا کھا کر آرام کرنے لگے۔
مخالف سمت کی فوجوں میں بڑی خاموشی طاری تھی۔ رات کا آدھے سے زیادہ پہر گزر چکا تھا۔ میدان سے جناتوں کی لاشیں غائب ہو چکی تھیں۔ تمام تھکے ہارے جنات بے سدھ پڑے تھے لیکن کچھ جاگ بھی رہے تھے جو کہ آنے والے وقت سے خوف زدہ تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کا دن ان کی زندگی کا آخری دن ثابت ہو۔ ان کے دماغ میں بار بار آ رہا تھا کہ ہمارے ضدی ہٹ دھرم اور بے اصول سردار کی وجہ سے ہمارے کتنے بھائی بند موت سے ہمکنار ہو گئے۔ دشمنی کی بنا پر سردار کو اپنے لوگوں سے ذرا بھی رغبت نہیں۔ خیر سارے کے سارے مجبور تھے، اپنے قبیلہ سے بغاوت کر بھی نہیں سکتے تھے۔
ادھر رولوکا اپنے کمرے میں موجود ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ گمبھیر سوچوں میں ڈوبا پڑا تھا۔ وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مزید خون خرابہ ہو کیونکہ ایک کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کے قبیلہ کے بے شمار نوجوان جنات موت کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ کسی بھی پارٹی، کسی بھی ملک یا کسی بھی قبیلہ کے سردار کا کیا جاتا ہے۔ بس اس کا حکم صادر ہوتا ہے اور بے شمار لوگ لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔
رولوکا بستر پر بیٹھے بیٹھے اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ بار بار اپنا سر نیچے فرش پر اور چھت کی طرف کرتا۔ کافی دیر تک وہ اسی حالت میں ٹہلتا رہا اور پھر اچانک اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔ اور پھر دائیں ہاتھ کی مٹھی کو بائیں ہاتھ پر زور سے مارا اور پھر اپنی گردن نیچے کر کے چند پل کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور پلک جھپکتے ہی اپنے کمرے سے غائب ہو گیا۔
اپنے کمرے سے رولوکا سیدھا میدان جنگ میں آیا۔ تمام فوجی جنات اور افسر جنات و معتبر جنات اپنے اپنے خیموں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ اندھیرے کا تسلط ہر طرف قائم تھا۔ اتفاق سے اندھیری راتیں شروع ہو چکی تھیں۔
رولوکا غائب حالت میں تھا۔ وہ خاموشی سے سنگارا قبیلہ کے خیموں کی طرف بڑھا اور پھر چند خیموں میں جھانکنے کے بعد اپنے مطلوبہ خیمے تک پہنچ گیا۔ اس خیمہ میں روشاک بے سدھ پڑا تھا۔
خیمہ میں ایک طرف کھڑے ہو کر رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور اپنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر پھونک ماری تو اچانک ہتھیلی روشن ہو گئی اس کے بعد رولوکا نے اپنی ہتھیلی کا رخ روشاک کی طرف کر دیا۔ ہتھیلی سے سبز رنگ کی شعاعیں خارج ہونے لگیں اور پھر ان شعاعوں نے چاروں طرف سے روشاک کا احاطہ کر لیا۔ پھر وہ شعاعیں آہستہ آہستہ سمٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام شعاعیں ایک بالکل چھوٹے گیند میں بدل گئیں۔ ان گیند نما شعاعوں میں روشاک کا وجود بھی سمٹ کر رہ گیا تھا۔
رولوکا نیچے جھکا اور خاموشی سے اس گیند نما شعاع کو اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ رولوکا مسکرانے لگا اور پھر جس خاموشی سے غائبانہ طور پر آیا تھا اسی خاموشی سے اس خیمہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد وہ سیدھا سردار مناش کے خیمے میں آیا۔ سردار اتنی رات گئے ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ اپنا سر اپنے ہاتھ میں لئے خاموشی سے بیٹھا تھا۔
اچانک رولوکا کی آواز سنائی دی۔ "سردار!"
سردار نے چونک کر اوپر دیکھا تو دنگ رہ گیا کیونکہ اس کے سامنے رولوکا مجسم کھڑا تھا۔ فوراً سردار کے منہ سے نکلا۔ "محترم رولوکا آپ اور اس وقت۔"
"ہاں سردار! میرے دل نے گوارہ نہ کیا کہ ایک جن سردار کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بے شمار جن موت سے ہمکنار ہو گئے اور نہ جانے کل اور کتنے اپنی زندگی ہار جائیں گے۔ تو میں نے سوچا کیوں نہ جھگڑے کی اصل جڑ کو ہی اکھاڑ پھینکا جائے۔ میں روشاک کو اپنے ساتھ لے آیا

ہوں۔ آپ فوراً اس وقت میرے ساتھ چلیں اپنے قبیلہ میں۔''
''لیکن محترم رولوکا! یہ تو بتائیں کہ روشاک ہے کہاں؟'' سردار بولا۔
''سردار! یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ آپ فوراً چلیں۔'' رولوکا بولا۔
''جی! بہت اچھا!'' یہ بول کر سردار اپنے خیمے سے نکلا اور پھر دونوں قبیلہ کی جانب محو پرواز ہو گئے۔ قبیلہ میں پہنچ کر رولوکا بولا۔ ''آپ روشاک کا کمرہ کھولیں۔''
سردار فوراً ایک طرف بڑھ گیا اور ایک کمرے کے دروازے پر رک کر کمرے کی کنڈی کھول دی۔ رولوکا کمرے میں داخل ہوا اور پھر سامنے پڑے بستر پر رولوکا نے اپنے ہاتھ میں موجود روشنی نما گیند رکھ دی۔ اس کے بعد رولوکا نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو روشنی نما گیند بڑی ہونے لگی اور پھر ایک شخص کا وجود دھار لیا۔ پھر رولوکا کے اشارے پر تمام شعاعیں یکسر غائب ہو گئیں۔ جنہوں نے کہ روشاک کا احاطہ کر رکھا تھا۔ رولوکا نے بستر کی جانب اشارہ کیا۔
سردار اچنبھے کی حالت میں بستر پر موجود روشاک کو دیکھ رہا تھا۔
''سردار! یہ اپنے حواس میں نہیں۔ یہ رات بھر بے سدھ رہے گا۔ اس کے دروازے پر نورانی حصار قائم کر دیں۔ اور پھر میدان جنگ میں چلے جائیں۔ علی الصبح اعلان کر دیں کہ جنگ بندی کی جاتی ہے کیونکہ جس مقصد کے لئے یہ جنگ مسلط ہوگئی تھی اس مقصد کو ہم نے پالیا ہے۔ لہٰذا اب میں نہیں چاہتا کہ مزید خون خرابہ ہو۔ اگر شروع میں ہی گلا جا میری بات مان لیتا تو اتنے جنات اپنی زندگی نہ ہار جاتے۔ جتنے بھی جنات موت سے ہمکنار ہوئے ہیں مجھے ان سے ہمدردی ہے۔ گلا جا کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اپنے قبیلہ میں واپس چلا جائے۔''
''جی محترم رولوکا! ایسا ہی ہوگا صبح کا اجالا پھیلتے ہی میں جنگ بندی کا اعلان کردوں گا۔ آپ تشریف رکھیں۔'' سردار بولا۔
''نہیں سردار! میں اس وقت بیٹھ نہیں سکتا۔ اور آپ بھی فوراً اپنے خیمہ میں پہنچیں کیونکہ اگر کسی نے آپ کو خیمہ میں نہ پایا تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا۔ آپ جب بھی اپنی کارروائی شروع کریں مجھے اطلاع کر دیجئے گا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔''
''محترم رولوکا! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری وجہ سے تکلیف اٹھائی، میں تاحیات آپ کا احسان مند رہوں گا، اور مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی وقتاً فوقتاً ہم سے ملتے رہیں گے۔''
''ٹھیک ہے سردار! آپ کی خوشی میری خوشی ہے۔ آپ آئندہ بھی مجھے اپنا ہمدرد پائیں گے۔ اب میں چلتا ہوں۔ پھر ہماری ملاقات ہوگی۔'' اور یہ بول کر رولوکا اس جگہ سے غائب ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ سردار بھی اپنے کمرے سے نکل کر میدان میں موجود اپنے خیمے میں آ گیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ابھی نماز فجر میں وقت تھا۔
نماز فجر کے بعد سردار مناش نے اپنی گونجدار بھاری آواز میں اعلان کیا۔ ''گلا جا! میں اپنی طرف سے جنگ بندی کا اعلان کرتا ہوں۔ تمہارے قبیلے کے تمام جن سن لیں کہ ہماری طرف سے پیش قدمی نہیں ہوگی۔ گلا جا! مجھے بہت ہی دلی طور پر دکھ اور افسوس ہے کہ تمہاری ضد کی وجہ سے تمہارے قبیلہ کے بے شمار جن اپنی زندگی ہار گئے۔ میرا قطعی ارادہ جنگ کا نہیں تھا۔ مگر افسوس کہ تم جذبات کے رو میں بہہ کر اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ میں دھکیلا۔
میرا اصل مقصد روشاک کی واپسی تھی۔ روشاک مجھ تک پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا میں بخوشی جنگ بند کرتا ہوں۔ تم بھی خاموشی سے واپس اپنے قبیلے میں چلے جاؤ اور آئندہ بھی کوشش کرنا کہ تمہیں یا تمہارے قبیلے کے افراد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ بہت سے مواقع پر جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا پڑتا ہے اور جو لوگ جذبات میں فیصلے نہیں کرتے وہ فائدے میں رہتے ہیں۔''
اس اعلان کا سننا تھا کہ گلا جا کے جنوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر گلا جا پر جیسے بجلی ٹوٹ پڑی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روشاک کو رات کے اندھیرے میں اغوا کرلیا

جائے گا۔ یہ اس کی بہادری اور ہٹ دھری پرکاری ضرب تھا۔ وہ نادم ہو کر تلملانے لگا۔ اس کا چہرہ یکدم مرجھا کر رہ گیا۔ اسے شرمندگی کھائے جارہی تھی کہ اس کے قبیلے والے اس کے متعلق کیا سوچیں گے۔

وہ اپنے بے شمار ساتھیوں کو موت سے ہمکنار کرنے کے بعد بھی شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

''میں اپنے ساتھیوں کی موت کا ذمہ دار ہوں اور اب میرا زندہ رہنا بھی بے کار ہے۔ میں پل پل جینے اور مرنے سے دوچار ہوتا رہوں گا۔ مناش تم جیت گئے اور میں ہار گیا۔

میں اب سرداری کے قابل نہیں۔ میرے قبیلہ والے اپنی پسند سے جسے چاہیں اپنا سردار منتخب کر لیں۔ آج میں اپنی سرداری سے دست بردار ہوتا ہوں۔'' اور یہ بولتے ہی کالا جاکے بدن میں آگ بھڑک اٹھی اور چند پل میں ہی اس کا بدن جل کر راکھ ہو گیا۔

کالا جاکے ساتھیوں نے جب اپنے سردار کا انجام دیکھا تو افسردہ ہو گئے اور کہنے لگے۔ ''برے کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ کاش! یہ سردار! شروع میں دانشمندانہ قدم اٹھاتا تو آج اس انجام کو نہ پہنچتا اور نہ ہی قبیلے کے بے شمار جن موت کے منہ میں جاتے۔'' خیر چند بزرگ اور معمر جنات آگے بڑھے اور اپنے لوگوں کو لے کر نڈھال طریقے سے اپنے قبیلے کی جانب روانہ ہو گئے۔

ایک طرح سے سارے جنات خوش بھی تھے کہ چلو! ہٹ دھرم اور ضدی سردار سے جان تو چھٹی۔

اس کے بعد کیکاش قبیلہ والے اپنے سردار کی سربراہی میں واپس اپنے قبیلہ میں آگئے۔ ان کی جیت ہوئی تھی سارے جنات بہت خوش تھے۔

ادھر رولوکا کے پاس پل پل کی ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس کے پاس اچانک ایک کارندہ عجلت میں آیا اور خبر دی کہ کالا جا کا بیٹا وادی سے کافی دور کئی قبیلوں میں گیا ہے اور ان کو اپنی مدد کے لئے راضی کر رہا ہے، اس کا کہنا ہے کہ کیکاش قبیلہ والوں نے ناحق اس کے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ وہ بہت بے بس اور مجبور ہے۔ اس کا قبیلہ اتنا طاقتور نہیں کہ کیکاش قبیلہ سے بدلہ لے سکے۔ چونکہ وہ بے دین قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ہم مذہب قبیلہ والوں کے پاس گیا ہے اور سارے قبیلہ والوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل آدھی رات کے بعد اچانک کیکاش قبیلہ پر حملہ کر دیا جائے کیونکہ قبیلہ والے جیت کی خوشی میں نیند میں بے سدھ پڑے ہوں گے۔

چونکہ غیر مذہب یعنی کافر جنات ویسے ہی مسلمان جنات سے نفرت کرتے تھے لہٰذا انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فیصلہ کر لیا کہ ہر حال میں کیکاش قبیلہ پر حملہ کیا جائے گا۔

رولوکا نے اپنے کارندے کو کہا۔ ''تم اب واپس جاؤ اور خبریں مجھ تک پہنچاتے رہنا۔'' اس کے بعد رولوکا فوراً سردار مناش کے پاس پہنچا اور ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ جسے سن کر سردار مناش بہت گھبرایا اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

سردار کی گھبراہٹ دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''سردار آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو چوکس کر دیں اور دشمنوں کو قبیلہ سے کافی دور روکنا پڑے گا۔ مگر یہ بات خاموشی سے ہو۔ زیادہ شور شرابہ نہ ہونے پائے کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

کل آدھی رات سے پہلے ہی آپ مطلوبہ جگہ پر پہنچ جائیں میں بھی وہاں وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا۔ کالا جا کے بیٹے نے اس بات کو اپنے قبیلے والوں سے بھی چھپایا ہے، اس بنا پر کہ کہیں قبیلہ کا کوئی جن بدحواسی کے عالم میں اس راز کو فاش نہ کر دے۔ اس کے اپنے قبیلہ کا ایک بھی جن اس حملہ میں حصہ نہیں لے گا۔

کم بخت مروانا بھی چاہ رہا ہے کہ دوسرے قبیلے والے مریں۔ اور یہ اس لئے ہوا ہے چونکہ کافر جنات آپ لوگوں سے نفرت کرتے ہیں اس لئے جذبات میں آپ لوگوں پر دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ خیر آپ لوگ

بالکل بھی نہ گھبرائیں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ جیت آپ لوگوں کی ہی ہوگی۔

اور اپنے باپ کے انجام کو اس کا بیٹا بھی پہنچ جائے گا۔ خیر اب میں چلتا ہوں، آپ فکر بالکل بھی نہ کیجئے گا۔"

رولوکا نے کہا اور غائب ہو کر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

دوسری رات آئی اور آدھی رات سے پہلے ہی رولوکا اس وادی میں پہنچ گیا جس طرف سے وہ کافر جنات حملہ کرنے والے تھے یعنی وہ واحد راستہ تھا جس طرف سے انہوں نے آنا تھا۔

رولوکا نے اپنے سارے کارندوں کو چوکس کر دیا تھا۔ جاگتا الو بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ رولوکا ایک جگہ کھڑا منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے سامنے پھونک ماری تو بے تحاشہ بجلیاں کوندنے لگیں۔ زمین سے لے کر آسمان کی وسعتوں تک بجلیاں کوند رہی تھیں۔ چند لمحے بعد بجلیوں کا کوندنا ختم ہو گیا اور پھر گھپ اندھیرا چاروں سمت مسلط تھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ سردار اپنے ساتھیوں سمیت اس جگہ پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر رولوکا آگے بڑھا اور سردار سے بولا۔ "سردار اپنے ساتھیوں سے بولیں کہ درمیان سے ہٹ جائیں اور کنارے کھڑے ہو جائیں۔ اپنے وجود کو غائب ہی رکھیں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ آپ لوگ یہاں موجود ہیں۔

سردار! آپ لوگوں نے کچھ کرنا نہیں ہے صرف میرے اشارے کے منتظر رہنا ہے، صرف میرے اشارے پر آپ نے انتہائی قدم اٹھانا ہے۔ جب تک میں کوئی اشارہ نہ کروں آپ اپنے لوگوں سے بول دیں کہ ہر حال میں روپوش رہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں ہے۔

رولوکا کی بات سن کر سردار نے اپنے ساتھیوں سے سرگوشی میں بات کی اور انہیں لے کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ رولوکا بھی سردار کے قریب ہی موجود تھا۔

وہاں پر کھڑے تمام جنات پر ایک ایک پل صدیوں کے مترادف گزرنے لگا۔ سارے جنات دم سادھے غائبانہ طور پر کھڑے تھے۔

رات کے ساڑھے بارہ بجے کہ اچانک کئی الو وہاں سے بہت کریہہ اور خوفناک آواز میں چیختے ہوئے گزر گئے۔ الوؤں کی آوازوں کو سن کر جیسے سارے سہم گئے۔

سردار کی نظریں متواتر رولوکا پر مرکوز تھیں کہ نہ جانے رولوکا کب کیا اشارہ کر دے۔ کیونکہ رولوکا کے اشارے پر ہی سارے جناتوں نے قدم اٹھانا تھا۔

ہر سو گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج تھا۔ سارا علاقہ اور ساری وادی اندھیرے کی چادر اوڑھے بڑی مہیب اور ڈراؤنی نظر آ رہی تھی۔ اگر اس وقت انسانوں کا بھی جم غفیر ہوتا تو خوف اور ڈر کی وجہ سے ان کا پتا پانی ہو جاتا۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ ان کے مدمقابل ان کا دشمن بہت قوی طاقتور اور خوفناک والا ہے تو ایسی صورت میں واقعی انسان کا ہارٹ اٹیک یا پھر اس پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے، مگر وہاں تو جنات موجود لیکن وہ بھی اپنے دشمن سے اندرونی طور پر خوفزدہ ضرور تھے کہ نہ جانے دشمن کتنا قوی اور طاقتور ہے، اور پھر نہ جانے اچانک کس طرف سے حملہ کر دے۔ کیونکہ حملہ آور دشمن اپنی تمام تر تیاریوں کے ساتھ دندناتا ہوا بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی حتیٰ الامکان کوشش ہوتی ہے کہ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے۔

رات کے ڈھائی بجے اچانک شمال کی جانب سے ایسا لگا کہ جیسے طوفان آگے کو بڑھ رہا ہے۔ فضا میں گوں.... گوں.... گوں .... کی آوازیں متواتر سنائی دے رہی تھیں۔

ہوا کے دوش پر آتی ہوئی آوازوں کو سن کر سردار نے خوفزدہ انداز سے رولوکا کی طرف دیکھا اور آنکھوں کے اشارے سے رولوکا سے پوچھنے لگا کہ کیا کرنا ہے۔

رولوکا خاموش تھا اس نے سیدھے ہاتھ کی انگلی اٹھا کر ہونٹوں پر رکھ کر اشارہ کیا کہ بالکل خاموش رہیں۔ کسی

بھی حرکت سے گریز کریں۔ ہماری کوئی بھی حرکت دشمن کو چوکنا کر سکتی ہے۔

سردار نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں بھی اشارہ کیا کہ بالکل خاموش رہو۔

پل پل گزرتے ہوا کے دوش پر پرواز کرتی آوازیں متواتر قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب بھی رات کی تنہائی میں کسی نادیدہ قوت یا پھر انسانوں کا جم غفیر کارواں کسی سمت رواں دواں ہوتا ہے تو ہوا کے دوش پر اس کے آگے بڑھنے یا دوڑنے یا پھر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں یا پھر گاڑیوں کے گزرنے سے بھی آوازیں دور، بہت دور سنائی دیتی ہیں۔

سارے جنات اپنی اپنی جگہ دم سادھے کھڑے تھے ایک ایک پل ایک ایک لمحہ عجیب جان لیوا گزر رہا تھا۔ جوں جوں آوازیں قریب آ رہی تھیں وہاں پر کھڑے سب عجیب طرح کا اندرونی طور پر ایک انجانا خوف انہیں اپنے شکنجے میں کس رہا تھا۔

اچانک رولوکا کے سامنے روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ نمودار ہوا، اور پھر چشم زدن میں روشنی کا وہ نقطہ غائب ہو گیا۔ اس نقطے کو سردار مناش نے بھی واضح طور پر دیکھا، اس کے بعد سردار، رولوکا کی جانب آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگا۔

رولوکا نے اس مرتبہ بھی اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر ایک گول سا دائرہ بنایا اور پھر اس دائرہ کے اندر اپنی انگلی کا اشارہ کر دیا جس کا معنی یہ تھا کہ ”دشمن سر پر پہنچنے والا ہے مگر دشمن شکنجے میں جکڑ جائے گا اور فرار کی صورت میں آسمان کی وسعتوں کی طرف پرواز کرے گا مگر اس وقت اس کے بھاگنے کے سارے راستے ختم ہو چکے ہوں گے۔“

ایک پل دو پل ... اور پھر پل پل گزرنے لگے۔ گوں... گوں... گوں... کی آوازیں بالکل قریب آ گئیں۔ جلدی سے رولوکا نے اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کی اور سردار کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ جس کا مطلب تھا کہ ”بالکل خاموش رہنا ہے ہر حال میں، ہماری ذرا سی بھی حرکت دشمن کو باخبر کر دے گی۔“

رولوکا کے ہی انداز میں سردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف بند مٹھی کر کے اشارہ کر دیا اور پھر سارے جنات بالکل چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے کیا تنے ہیں۔

اچانک پوری وادی میں ایک کان پھاڑ دینے والا زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ کئی ایٹم بم زمین پر پھینک دیئے گئے ہوں۔

آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتے ہوئے سارے جنات کسی آہنی اور ان دیکھی دیوار سے ٹکرا گئے تھے۔ اس جگہ پر زبردست طریقے سے بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔ اس وقت دل دہلا دینے والا ناقابل بیان حد تک خوفناک منظر رونما ہو چکا تھا۔ جب نیچے سے بجلیاں اوپر کو اٹھتیں تو اوپر سے بھڑکتے ہوئے شعلے ان پر آن گرتے۔ پوری وادی میں ایک حد متعین ہو گئی تھی۔ پورے علاقے میں بھڑکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی ہوئی بجلیاں ہی نظر آ رہی تھیں۔

اس جگہ جتنے بھی جن موجود تھے سب کے سب دہشت زدہ تھے، انہیں یہ دھڑکا لگ چکا تھا کہ کہیں بھڑکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی بجلیاں ان کی طرف نہ بڑھ جائیں۔

ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بار بار زبردست قسم کے وجود آتے اور اس آہنی دیوار جو کہ غائبانہ طور پر موجود تھی اس سے دھڑام دھڑام طریقے سے ٹکراتے تھے ان دیکھی دیوار سے ان وجود کا ٹکرانے کا مقصد تھا کہ جو، ان دیکھی دیواران کے راستہ میں حائل ہے وہ کسی طور بھی پاش پاش ہو جائے مگر ان کا تمام حربہ ناکام ہو رہا تھا اس صورت میں ان کے وجود میں آگ بھڑک اٹھتی تھی۔

پھر ایک اور ناقابل یقین منظر رونما ہوا۔ اچانک ایک بہت بڑا شعلوں کا بھڑکتا ہوا گولہ ان کے درمیان میں گرا۔ آگ کے گولہ کا گرنا تھا کہ نادیدہ قوتوں کی چیخ و

پکار کان پھاڑنے لگیں۔ وہ تمام دل دہلاتے مناظر انسانی دل ودماغ کے برداشت سے باہر تھے۔ اگر واقعی اس جگہ انسان ہوتے تو یقیناً وہ اب تک سارے اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے ہوتے۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک آگ اور بجلیوں کا دلخراش منظر رونما ہوتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ منظر غائب ہونے لگا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بھڑکتے شعلے اور کڑکتی بجلیاں ختم ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد جب رولوکا مطمئن ہو گیا تو اس نے اپنی انگلی کو اوپر آسمان کی جانب اشارہ کیا تو اس کی انگلی سے ایک باریک دودھیا رنگ کی روشنی کی لکیر نکل کر آسمان کی طرف کافی اونچائی تک گئی اور پھر وہ روشنی ایک جگہ ٹھہر کر دوبارہ گول دائرہ میں تبدیل ہو کر واپس زمین کی طرف پلٹی اور اس جگہ چکرانے لگی، جہاں کہ تھوڑی دیر پہلے بھڑکتے ہوئے شعلے اور بجلیاں کوندرہی تھیں۔

تمام جگہوں پر وہ روشنی کا دائرہ چکراتا رہا پھر اس کے بعد وہ دائرہ زمین میں پیوست ہو گیا۔ تو رولوکا نے پھر اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا تو پورے علاقے میں سفید دودھیا روشنی پھیل گئی۔

دیکھنے والوں کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں کیونکہ اس جگہ پر بے شمار اور لاتعداد جناتی وجود جلے ہوئے پڑے تھے۔ وہ سب کے سب جل کر کوئلہ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

رولوکا آگے بڑھا اور سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''کم بخت سارے کے سارے جل کر کوئلہ ہو گئے۔ سردار! آپ کے یہ دشمن ہیں جو آپ کے قبیلہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے تھے، اگر میں انہیں اس طرح نہ روکتا تو یہ سب آپ کے قبیلہ کو نیست و نابود کر دیتے۔

سردار صاحب! اب آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے قبیلہ میں چلے جائیں، آپ کے سارے دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ کے دشمن گلاجا کا بیٹا بھی جل کر خاکستر ہو چکا ہے۔

قبیلہ والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے سردار کا بیٹا بھی اپنے آخری انجام کو پہنچ گیا ہے۔ اب قبیلہ والے اپنا نیا سردار چن لیں گے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا نیا سردار سوجھ بوجھ اور باشعور ہوگا۔ کیونکہ ان لوگوں کو اپنے ضدی اور ہٹ دھرم سردار کا انجام معلوم ہے جس نے لاتعداد جنوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

سردار! اب میں چلتا ہوں، مجھے اجازت دیں، پھر ملاقات ہوگی اور ایک بات یاد رکھئے گا کہ ان معاملات کے متعلق اپنے قبیلہ والوں کے درمیان میرا پرچار مت کیجئے گا۔ بس آپ کو تمام حقیقت کا علم ہے یہی بہت ہے۔'' رولوکا بولا۔

سردار مناش رولوکا کی بات سن کر بولا۔ ''محترم رولوکا! میں آپ کا یہ احسان تاحیات نہیں اتار سکتا، میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں، میں تو میں بلکہ میری آنے والی نسلیں بھی آپ کے احسان تلے دبی رہیں گی، اس کا اجر تو آپ کو خدا ہی دے گا۔

ہاں! ایک بات یاد آئی کل جمعہ کا دن ہے میں آپ کے پاس بعد نماز جمعہ پیغام بھیجوں گا۔ آپ برائے مہربانی ضرور تشریف لے آیئے گا۔ کیونکہ بعد نماز جمعہ روشاک کا معاملہ سامنے لایا جائے گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی مصروفیات سے تھوڑا وقت ضرور نکال کر قبیلہ میں تشریف لائیں گے۔''

''ٹھیک ہے سردار صاحب میں وعدہ کرتا ہوں کہ ضرور آؤں گا۔'' رولوکا بولا اور غائب ہو کر پلک جھپکتے ہی اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔

ادھر سردار مناش نے روشاک کو اس کے کمرے میں بے سدھ کر کے قید کر دیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر یہ ہوش و حواس میں رہا تو یقیناً دوبارہ فرار کی کوشش کرے گا یا پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی اور حرکت کر بیٹھے۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد معمول کے مطابق درس کے لئے محفل منعقد ہوئی۔ قبیلہ کے تمام جنات نے

شرکت کی اور پھر سردار نے درس دینا شروع کیا۔ درس کے بعد روشاک کو لاکر کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔ اب وہ ہوش وحواس میں تھا۔ ندامت سے سر جھکا ہوا تھا۔ کٹہرے کے گرد آٹھ جنات کھڑے تھے۔ ویسے بھی سردار نے کٹہرے کے گرد حصار قائم کر دیا تھا تا کہ روشاک اپنی کسی جناتی قوت کے بل بوتے پر فرار نہ ہو جائے۔

سردار نے بہت مضبوط اور خفیہ حصار قائم کیا تھا کیونکہ سردار کو معلوم تھا کہ روشاک کتنی خفیہ طاقت کا مالک ہے۔ سردار نے آج اس کے فرار کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔

روشاک کو یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ وہ جن، کافر جنوں کے قبیلہ میں جا کر پناہ لی تھی اور پھر کافر جنوں کے ساتھ وہ میدان میں آیا تھا اور اپنے ہی قبیلہ کے خلاف حملہ آور ہوا تھا۔

اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کافر جنوں کا سردار سنگارا اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ یعنی وہ موت سے ہمکنار ہو چکا ہے اور پھر میدان جنگ سے کسی نہ کسی طرح اسے اغوا کرنے سے پہلے بے سدھ کیا گیا پھر اسے اٹھا کر یہاں لایا گیا۔

سردار کے پیغام ملنے پر حسب وعدہ رولوکا محفل میں آ چکا تھا۔ آج وہ مجسم سردار کے برابر ایک بڑی کرسی پر براجمان تھا۔ قبیلہ کے سارے جنات بڑی قدر کی نگاہ سے رولوکا کو دیکھ رہے تھے اور جو جن بھی اس کے قریب سے گزرتا تو تعظیماً جھک کر سلام کرتا۔

کبھی کبھی روشاک اچٹتی قہر برساتی نظروں سے رولوکا کو دیکھ لیتا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ رولوکا کو کچا ہی چبا جاتا۔

جب سارے جنات آ کر محفل میں بیٹھ گئے تو سردار کھڑا ہوا۔ سردار کی غصیلی اور گونجدار آواز سنائی دی۔

"روشاک تم پر الزام ہے کہ تم نے ایک آدم زادی کی عزت کو پامال کیا اور ایک طویل عرصہ سے اس کے گھر والوں کو بھی ہراساں کیا جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے قبیلے کا کیا اصول ہے اور پھر ہم سارے جنات شریعت کے پابند مسلمان ہیں۔ تم نے قبیلہ کا قانون توڑا۔ احکام خداوندی سے منہ موڑا، یہی نہیں بلکہ تم نے اپنے والدین کے بھروسے کو روند ڈالا۔

قبیلہ سے فرار ہونے کا تم نے جو قدم اٹھایا وہ ناقابل معافی ہے اور سب سے بڑھ کر غلطی تم نے یہ کی کہ تم نے کافر جنات کے قبیلہ میں پناہ لی اور یہ اسرار احکام خداوندی کے خلاف ہے کہ ایک مسلمان، کافر کو اپنا سہارا اور محافظ بنا لے۔

فرار ہونے کے بعد جن اذیت ناک اور جان لیوا مراحل سے پورا قبیلہ گزرا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ایک عورت کے لئے تم نے اپنے قبیلہ اپنے والدین اور خدا کو ناراض کیا۔ تمہارے اقدام سے خونی جنگ شروع ہوئی جس میں قبیلہ کے کئی جن اپنی زندگی سے گئے۔

جبکہ تمہیں اچھی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر انسان کو برتر بنایا ہے۔ یعنی انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود تم نے اشرف مخلوق کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیں، تم جذبات میں اندھے ہو چکے تھے جس کی وجہ سے ناقابل یقین اور ناقابل برداشت مراحل سے سب کو گزرنا پڑا۔ اب اگر تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو بلا جھجک کہہ سکتے ہو، مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہر حال اگر تم چاہو تو بول سکتے ہو۔" سردار نے کہا۔

سردار کی باتیں سن کر روشاک نے اپنی جھکی ہوئی گردن اٹھائی اور ایک اچٹتی سی نظر پوری محفل پر ڈال کر گویا ہوا۔ "سردار! میں بلا ڈر وخوف یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے آدم زادی سے محبت کی۔ اسے چاہا بلکہ اتنا چاہا کہ میں اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرے لئے وہ آدم زادی بہت عزیز ہے، اور اس کے آگے میرے لئے تمام اصول، تمام پابندی اور تمام قانون کی کوئی حیثیت نہیں۔

روشاک یہاں تک ہی بول سکا تھا کہ اچانک سردار متاش غضبناک طریقے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی دل دہلا دینے والی غصیلی آواز پوری محفل میں گونج گئی۔ "بدبخت خاموش ہو جا! تو جذبات کی رو

میں بہہ کر سوجھ بوجھ اور شعور سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ تو دین اور دنیا دونوں کے لئے بوجھ بن گیا ہے، تو منافقوں اور کافروں سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔ احکام شریعت سے انکار پر میں تجھ جیسے بے شمار اولادوں کو بھی قربان کر سکتا ہوں۔ احکام خداوندی سے انحراف کسی صورت بھی ناقابل معافی ہے۔"

اور پھر جس کٹہرے میں روشاک کھڑا تھا اچانک زبردست بجلی کوندی شعلہ بھڑکا اور روشاک کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

نارنجی رنگ کا شعلہ اتنا زبردست تھا کہ روشاک کو چیخنے کا موقع تک نہ مل سکا اور پلک جھپکتے ہی روشاک جل کر کوئلہ میں تبدیل ہو گیا۔ اب کٹہرے میں روشاک کی جگہ سیاہ رنگ کی تھوڑی سی راکھ پڑی تھی۔

پھر سردار کی آواز سنائی دی۔ "محافظو! کٹہرے میں موجود راکھ کو فوراً اٹھاؤ اور لے جا کر سمندر برد کر دو۔"

سردار کی آواز سننا تھا کہ تین محافظ فوراً کٹہرے کی جانب لپکے اور کٹہرے میں موجود راکھ کو ایک کپڑے میں رکھ کر پوٹلی باندھی اور ایک طرف کو پرواز کر گئے۔

اب سردار کی حالت نارمل ہو گئی تھی۔ چہرے پر سے جلال ختم ہو گیا تھا مگر اب چہرے پر ملال نظر آرہا تھا۔ ویسے بھی چہرے پر ملال کیوں نہ نظر آتا۔ جواں سال بیٹا موت سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ یہ تو فطری عمل ہے۔ اولاد کی موت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ والدین کے لئے۔

سردار اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ پوری محفل پر ایک طرح کا جیسے سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ رولوکا بھی اپنی کرسی پر خاموش گردن جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔

اتنے میں سردار اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان کی طرف اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ "اللہ پاک گواہ رہنا میں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، میری نظر میں یہی بہتر تھا۔ روشاک نے جذبات کے رو میں بہہ کر قانون شریعت سے منہ موڑا۔ اللہ تعالیٰ تو نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کو اس نے اذیت دی اور اس کی عزت پامال کی، سب سے بڑا جرم کہ فرار ہو کر کافر جنات کے قبیلے میں پناہ لی، دشمن کو ہمارے مقابلے پر اکسایا، ہزار ہا سال کے قبیلے کے قانون کو توڑا، قرآن اور احادیث کی روگردانی کی، مزید آگے شر پھیلاتا کہ اس کا نیست و نابود ہو جانا ہی بہتر ہوا۔

میرا دل مطمئن ہے کہ ایسی نافرمان اولاد سے بے اولاد رہنا ہی بہتر ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کی نہیں بلکہ انسان کی بھی تذلیل کی اور قرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ عزت پامال کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ اللہ پاک اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو میں تیرے آگے سجدہ ریز ہو کر معافی کا خواستگار ہوں۔ میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو درگزر کر دینا۔" اور سردار نڈھال طریقے سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی آنکھیں بند کر لیں۔

اتنے میں رولوکا اپنی کرسی سے اٹھا اور سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سردار! آپ بہت عظیم ہیں، اوپر والے مالک کے بنائے ہوئے قانون کی پاسداری کرنے والے اچھا اجر پاتے ہیں۔ روشاک کو مارنا یا مروانے کی میری اپنی مرضی نہیں تھی۔ اگر میرا منشا اسے ختم کرنا ہوتا تو میں بہت پہلے اسے زندگی سے دور کر دیتا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ ضدی ہی نہیں بلکہ بہت خودسر اور دین سے متنفر بھی ہو گیا تھا۔

اگر وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہو جاتا تو میں خود بھی آپ سے بولتا کہ اسے ایسی سزا دیں کہ اسے تاحیات احساس رہے، اس سزا سے عبرت پکڑے اور آئندہ کبھی اپنی ہزار ہا سالہ زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے مگر افسوس کہ....." اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ سردار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"محترم و معزز رولوکا! ہم آپ کی رحم دلی کے قائل

ہو چکے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ آپ روحانی طاقتوں پر کس قدر دسترس رکھتے ہیں۔ مگر مجھے قطعی دکھ اور افسوس نہیں کیونکہ مجھے اولاد سے زیادہ اپنے پیدا کرنے والے کی خوشنودی چاہیے۔

محترم رولوکا! میں تاحیات قلبی طور پر آپ کا احسان مند رہوں گا۔ کیونکہ آپ نے ہمارے قبیلہ کی مدد کی اور ہمیں ذلیل و رسوا بلکہ شکست فاش سے بچایا۔ ساتھ ہی روشاک کی شرانگیزیوں اور گناہوں کو سامنے لا کر مجھے بچایا۔ نہیں تو پتہ نہیں روشاک کتنے عرصہ تک آدم زادی اور اس کے گھر والوں کو اذیت ناک حالات سے دوچار رکھتا۔

میری اور میرے قبیلہ والوں کی آپ سے التجا ہے کہ آپ آئندہ بھی ہم سے ملاقات کرتے رہیں گے۔ میں اپنی ذات اور اپنے پورے قبیلہ والوں کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ ہمیں خدمت کا موقع دیں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' سردار نے التجائیہ انداز میں کہا۔

رولوکا بولا۔ ''سردار! میں خود بھی آپ کی قدر کرتا ہوں اور زندگی بھر آپ کو یاد رکھوں گا، آپ جیسے بہت کم ایسے ہیں جو حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں، میری نظر میں آپ بہت عظیم ہیں، اب میں اجازت چاہوں گا کیونکہ ایک اور ضروری کام نمٹانا ہے اور جیسے ہی موقع ملا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ویسے آپ جب چاہیں مجھ سے مل سکتے ہیں۔ آپ سے زیادہ دوری پر نہیں ہوں، میں آپ کے تمام قبیلہ والوں کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری جب بھی ضرورت پڑے آپ بلا جھجک مجھے یاد کر سکتے ہیں۔'' رولوکا نے سردار سے مصافحہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر قبیلہ کے تمام جنات کو الوداع کہا اور پلک جھپکتے ہی اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔

رولوکا وہاں سے نکل کر حکیم وقار کے مطب نہیں گیا بلکہ وہ سیدھا خوشبو کے گھر آ گیا۔ خوشبو کے گھر سے تھوڑی دور آم کے ایک باغ میں نمودار ہوا۔ اس وقت کوئی باغ میں موجود نہیں تھا۔ باغ سے چلتا ہوا رولوکا خوشبو کے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔

چند منٹ بعد ہی رولوکا خوشبو کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر ایک سات آٹھ سالہ بچہ اپنی مستیوں میں مست تھا۔ رولوکا بولا۔ ''بیٹا! آپ اندر جا کر ذرا دیکھیں۔ خوشبو کے والد عتیق صاحب گھر میں موجود ہیں۔ انہیں بتایئے گا کہ حکیم کامل آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

بچہ نے کہا۔ ''جی اچھا'' اور گھر کے اندر چلا گیا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ خوشبو کے والد عتیق صاحب باہر آئے اور رولوکا کو دیکھ کر فوراً مصافحہ کیا اور بولے۔ ''حکیم صاحب آپ اندر آئیں۔'' بیٹھک کا دروازہ پہلے ہی کھل چکا تھا۔

عتیق صاحب کے ساتھ رولوکا کمرے میں آیا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ عتیق صاحب بھی رولوکا کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔

''حکیم صاحب میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ کا ہم پر اور ہماری آنے والی نسلوں پر بھی احسان رہے گا۔ چند دنوں سے ہم بہت ہی خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ کئی دن ہو گئے وہ جن پلٹ کر نہیں آیا، ورنہ وہ تو ہر روز بلاناغہ آ دھمکتا تھا۔

ہم آپ کا کسی صورت بھی احسان نہیں اتار سکتے۔ ہم اللہ کے حضور دعا ہی کر سکتے ہیں اور اس نیکی کا صلہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ آپ جیسے لوگ دنیا میں بہت کم ملیں گے، مجھے لگتا ہے کہ اس جن کو آپ نے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے ورنہ وہ آتا ضرور۔

آپ تشریف رکھیں میں خوشبو کو بلاتا ہوں، باقی تفصیل وہ خود آپ کے گوش گزار کرے گی۔'' اور یہ بول کر عتیق صاحب اٹھے اور گھر کے اندر چلے گئے۔

چند پل میں ہی خوشبو جیسے بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور رولوکا کو سلام کیا۔

رولوکا بولا۔ ''خوشبو بیٹا جیتی رہو! اور تمہیں مبارک ہو۔''

''حکیم صاحب! آپ کس بات کی مبارک باد دے رہے ہیں، مجھے لگتا ہے کوئی اہم بات ہے، آپ مکمل کر بتادیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔'' خوشبو بولی۔

''اچھا تم اطمینان سے بیٹھو! میں بتاتا ہوں۔'' یہ سن کر خوشبو رولوکا کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی اور رولوکا کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اچھا خوشبو بیٹا! یہ بتاؤ کہ وہ بدبخت جن آیا تو نہیں؟'' رولوکا نے کہا۔

خوشبو بولی۔ ''جی حکیم صاحب! چند دن پہلے دن کے وقت بدحواس گھبرایا ہوا آیا تھا۔ حالت بہت مخدوش تھی۔ اس پر عجیب طرح کی کپکپی بھی طاری تھی۔ آتے ہی لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ ''خوشبو اٹھو! چلو میرے ساتھ، تمہیں میں لینے آیا ہوں، فوراً اٹھو میرے پاس وقت بہت کم ہے، اگر تم رضامندی سے میرے ساتھ نہ گئیں تو میں تمہیں زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا۔''

میں خود اچنبھے میں تھی اور یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی، میرا حواس میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس کی باتیں سن کر جیسے مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، میں کیا کرسکتی تھی، میں تو چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لئے بلا بھی نہیں سکتی تھی۔ جب میں بے سدھ سی بستر پر ہی بیٹھی رہی تو وہ طیش میں آگیا اور فوراً میری کلائی پکڑلی اور کرخت آواز میں بولا۔ ''چلو اٹھو، جلدی کھڑی ہوجاؤ ورنہ......''

کہ اچانک کسی نادیدہ ہستی نے اس کے گال پر ایک زوردار تھپڑ رسید کردیا۔ تھپڑ اتنا زبردست تھا کہ وہ چکرا کر گھوم گیا اور پھر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا اور میں نڈھال سی بیٹھی رہی کہ اس وقت میری بہن کہکشاں کمرے میں آئی تو اس نے میری حالت دیکھ کر گھبرا گئی اور مجھے آواز دی تو پھر جیسے مجھے ہوش آیا۔

اتنے میں نیچے سے امی بھی کمرے میں آگئی تھیں۔ امی کو دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور جھٹ ان کے گلے لگ کر زاروقطار رونے لگی۔ امی نے بہت تسلی دی اور پھر آپ کا حوالہ دیا کہ حکیم صاحب نے یقیناً ہم پر نظر رکھی ہوئی ہے، وہ کسی صورت بھی غافل نہیں ہوسکتے اور جہاں تک میرا خیال کہ وہ نادیدہ ہستی ضرور حکیم صاحب کی ہی مقرر کردہ ہوگی، تم فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ غفور الرحیم اور مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔'' اس دن کے بعد اب تک وہ واپس نہیں آیا۔''

خوشبو نے یہیں تک بات کی تھی کہ اس کے والد کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں شربت سے بھرے ہوئے دو گلاس تھے۔ عتیق صاحب نے درمیان میں پڑی میز پر ٹرے رکھ دی اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

عتیق صاحب کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے رولوکا نے کہا۔ ''عتیق صاحب دراصل اس وقت میرے آنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کو یہ بتادوں۔

وہ جن زادہ جس کا نام روشاک تھا اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا ہے۔ آئندہ وہ کبھی بھی آپ لوگوں کو تنگ کرنے نہیں آئے گا۔

بدبخت بہت ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ بہت جلد وہ آپ لوگوں کے راستے سے ہٹ گیا، اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ مسلمان جنات قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو مسلمان جنات کے بڑے اہم بزرگ دین دار ہوتے ہیں با اصول اور باشعور بھی ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی انسان کے ساتھ کسی جن کی ناحق شرارت کو برداشت نہیں کرتے اور جو جن اپنی من مانی کرتا ہے اسے اس کے بزرگ قرار واقعی سزا بھی دیتے ہیں۔

اس اصول کے تحت اور چونکہ اس کے والد قبیلہ کے سردار بھی ہیں۔ اس کی زیادتیوں، شرانگیزیوں، احکام خداوندی سے انحراف اور پھر خوشبو کے ساتھ زیادتی کا بہت اثر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس لئے اگر کوئی جن کسی اشرف اور وہ بھی مسلمان کو

تنگ کرے تو یہ ٹھیک نہیں، اور وہ ہر حال میں سزا کا مستحق ہوتا ہے۔
خود اس کے والد نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا اور اس طرح اس کا وجود اس دنیا سے ختم ہو گیا اور پھر میں نے بھی آپ کے گھر کے چاروں طرف حصار قائم کر دیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لہٰذا اب آئندہ کوئی بھی ماورائی مخلوق اس طرف کا رخ نہیں کر سکتی۔
عتیق صاحب اب آپ لوگ کھائیں پئیں خوش رہیں، آگے کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور ویسے بھی آئندہ اگر میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔
نماز پڑھ کر آپ لوگ میرے حق میں بھی دعا کیجئے گا، اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ میں نے آپ کا شربت پی لیا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ مجھے ایک اور بھی ضروری کام سے جانا ہے اب مجھے اجازت دیں۔
خوشبو بیٹا! خوش رہو اور بے فکر ہو کر نئی زندگی کی شروعات کرو۔"
اس کے بعد ردلوکا نے خوشبو کے سر پر ہاتھ رکھا، اور عتیق صاحب سے مصافحہ کر کے دلی حکیم وقار کے مطب کے لئے عتیق صاحب کے گھر سے نکل پڑا۔

☆.....☆.....☆

وقت مقررہ پر ردلوکا صبح کے ساڑھے آٹھ بجے مطب میں پہنچا تو حکیم وقار اسے دیکھ کر مسکرانے لگے اور ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ حکیم وقار بولے۔ "حکیم صاحب اور سنائیں کئی دن تو آپ اس قدر مصروف رہے کہ میں تو ملاقات کے لئے بھی ترس گیا تھا۔"
"جی! میں کیا بتاؤں! ایک ضدی جن سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ کم بخت اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہا، حالاں کہ میری خواہش تھی کہ وہ جس بچی پر عاشق ہو گیا ہے اس سے منہ موڑ لے اور توبہ وغیرہ کر کے دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کرے مگر وہ تو مقابلہ کے لئے ڈٹ گیا، کسی صورت بھی بچی کی جان چھوڑنے پر رضامند نہیں تھا۔
لہٰذا آخرکار وہ اپنے انجام کو پہنچا یعنی وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب وہ بچی اور اس کے گھر والے خیریت سے ہیں۔ چونکہ میں پل پل اس کی خبر لیتا رہا تھا، اس لئے وقت نہیں ملا کہ آپ سے ملاقات ہو سکے، میں کیا بتاؤں آپ کو تو پتہ ہے کہ کبھی کبھار کوئی مسئلہ ذرا ٹیڑھا آ جاتا ہے تو وہ زیادہ محنت طلب ہو جاتا ہے۔
خیر آپ سنائیں، آپ ٹھیک تو ہیں ناں! اب آپ جلدی سے چائے منگوالیں، بہت دن ہو گئے آپ کے ساتھ چائے نہیں پی۔"
حکیم وقار نے ملازم کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا۔ چند منٹ میں ہی چائے آ گئی۔ دونوں چائے پینے لگے۔
اتنے میں حکیم وقار بولے۔ "حکیم صاحب آپ کو یاد ہوگا کہ ایک صاحب آئے تھے غالباً ان کا نام تھا۔ پرتاب سنگھ، بہت بزرگ تھے۔
ان کی دلی خواہش تھی کہ آپ سے ملاقات کریں مگر آپ ان دنوں کچھ زیادہ ہی مصروف تھے لہٰذا انہوں نے اپنی ایک خودنوشت ڈائری دی تھی جس میں ان کے سارے تکلیف دہ حالات درج ہیں۔ اور وہ ڈائری میں نے آپ کو دے دی تھی۔
کل وہ صاحب دوبارہ آئے تھے۔ صبح دس بجے سے دوپہر ساڑھے تین بجے تک آپ کا انتظار کرتے رہے۔ بات کرتے کرتے کئی مرتبہ تو آبدیدہ بھی ہوئے۔
میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ بے چارے بہت زیادہ پریشان ہیں کہہ رہے تھے۔" کاش! کہ میں نوجوانی میں مرگیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ روزانہ میں ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ایشور اب تو مجھے اٹھا لے، اب مجھ سے اپنا کربناک دکھ جھیلا نہیں جاتا۔"
ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی ساری کہانی ڈائری میں لکھ دی ہے، آپ حکیم صاحب سے بولئے گا کہ مجھ پر دیا کریں اور مجھے اذیت ناک زندگی سے چھٹکارا دلا دیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں مرجاؤں۔ تاکہ اس دکھ سے میری جان چھوٹ جائے۔"
"ارے ہاں! یاد آیا، آپ نے وہ ڈائری مجھے دی

تھی۔ اور میں نے اس کے چند صفحات پڑھے بھی تھے، مگر درمیان میں یہ عتیق صاحب کی بچی والا کیس آ گیا، اور میں اس میں مصروف ہو گیا۔ خیر میں آج رات میں اس ڈائری کو مفصل پڑھوں گا۔ پھر حالات کے پیش نظر کوئی حتمی قدم اٹھاؤں گا۔" رولوکا بولا۔

تھوڑی دیر میں دونوں نے چائے پی لی۔ حکیم وقار کے پاس سے رولوکا اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور ادویات کے نسخے وغیرہ دیکھنے لگا۔ شام کے بعد وہ وقت مقررہ پر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کھانے وغیرہ سے وہ پہلے ہی فارغ ہو چکا تھا۔ کمرے میں آتے ہی اسے خیال آیا۔ "پرتاب سنگھ والی ڈائری نکالوں اور پڑھوں کہ دراصل مسئلہ کیا ہے؟"

رولوکا نے پرتاب سنگھ کی ڈائری نکالی اور پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میں گاؤں سے شہر کالج میں آ گیا اور بیتے ہوئے حالات اور واقعات کو فراموش کر بیٹھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں پڑھائی میں مگن رہنے لگا۔ ایک کمرے میں ہم دو اسٹوڈنٹ رہتے تھے۔ میرے روم میٹ کو ہارر واقعات اور خوفناک ڈراؤنی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا بلکہ اکثر اپنی ڈائری میں وہ خوفناک واقعات بھی لکھتا رہتا تھا۔

ایک دن میں نے اس کی ڈائری اٹھائی۔ اس وقت وہ کمرے میں نہیں تھا۔ وہ دن کے لئے اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ ڈائری کی تحریر میں نے پڑھنی شروع کی۔ لکھا تھا۔

ایک شخص ایک جنگل سے گزر رہا تھا، رات کا وقت تھا چاروں طرف گھپ اندھیرا مسلط تھا، آسمان پر کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہوا بند تھی درختوں کے پتے بھی شاید دم سادھے پڑے تھے۔ سارے جنگل میں جان لیوا خاموشی طاری تھی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ رات کا اندھیرا اور خاموشی اس شخص کے دل پر آہستہ آہستہ اپنا اثر جما رہی تھی اور ایک طرح کا انجانا خوف اس کے دل میں اترتا جا رہا تھا حالاں کہ وہاں اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا لیکن پھر بھی وہ مسافر خوف بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے احساس ہونے لگا کہ کوئی ہے جو کہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

وہ سامنے چلتے چلتے رک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے بائیں طرف دیکھا تو اس طرف بھی کوئی نہ تھا مگر جب اس نے دائیں طرف دیکھا تو اس طرف کچھ تھا...... شاید کوئی عورت تھی۔ جو اپنے لمبے بال بکھرائے کھڑی تھی۔ مسافر کا دل ہولنے لگا۔ دفعتاً ہوا چلنے لگی اور پھر عورت پاگلوں جیسی سر دھننے لگی۔

"او بھگوان! یہ تو چڑیل ہے۔" مسافر دل ہی دل میں بولا۔

اس نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا لیکن اس کے پیروں سے جیسے کسی نے...... کئی کئی من کے وزنی پتھر باندھ دیے ہوں۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل سکا۔ وہ اپنی نظریں اس پر گاڑے رہا جو اس کے خیال میں کوئی چڑیل تھی۔ مسافر کی پیشانی سے موٹے موٹے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے تھے اور اس کا خون منجمد ہونے لگا تھا۔

"کیا بزدلی ہے!" اس نے اپنے آپ سے کہتے ہوئے اپنی ہمت بندھائی۔ دنیا میں بھوت چڑیل جیسی کوئی چیز نہیں۔ خواہ مخواہ من گھڑت باتیں ہیں۔

وہ مسافر جانتا تھا کہ نہ تو دنیا میں بھوت ہیں اور نہ چڑیلیں تاہم اسے وہ نظر آ گئے جسے وہ چڑیل سمجھے ہوئے تھا۔ وہ ایک بلند جھاڑی تھی جس سے ایک بیل لپٹی ہوئی تھی۔ مسافر کا دل چاہا کہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا، وہ قہقہہ لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

دفعتاً ایک بڑا الو قریب کے درخت سے پھڑ پھڑا کر اڑا اور مسافر کے سر سے ٹکراتا ہوا نکلتا چلا گیا۔

مسافر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی، وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر بھاگا وہاں سے اپنے گھر کی طرف اور جب اسے اپنے آپ کو بستر پر ڈالا تو اس کا بدن بخار میں پھنک رہا تھا۔ وہ کئی روز تک بخار میں مبتلا رہا

اور جب تک وہ پوری طرح سے تندرست نہ ہو گیا بھوتوں اور چڑیلوں کے متعلق بکتا اور نہایت ہی بھیانک آواز میں چیختا رہا جیسے کوئی اسے مار ڈال رہا ہو۔

بے شک وہ مسافر اور اس کا قصہ فرض ہے لیکن اس سے تو کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ ایسا جیسا کہ اس مسافر نے محسوس کیا۔ "ایسا واقعہ تو زیادہ تر لوگوں نے اکثر مرتبہ نہیں تو ایک آدھ مرتبہ تو ضرور محسوس کیا ہوگا۔

بھوتوں، چڑیلوں اور خبیثوں وغیرہ سے انسان نے اس وقت سے ڈرنا سیکھا ہے جب وہ غاروں میں رہتا تھا اور اسی وقت سے انسان اس ناقابل فہم مخلوق سے جس کا دراصل کوئی حقیقت نہیں مگر انسان اس وقت سے ڈرتا آیا ہے۔ چاہے سائنس جتنی ترقی کرلے انسان بھوتوں، چڑیلوں سے ڈرتا رہے گا۔ انسان میں اس خوف کی جڑیں بہت گہری ہوئی ہیں اور دنیا کے اس دور تک پہنچتی ہیں جسے کہ تاریک دور کہتے ہیں۔ خوف اور وہم سے بڑھ کر حقیقت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ افریقہ کے وحشیوں کی بات تو دور ہے کیونکہ یہ لوگ تو بھوتوں کی دنیا میں جیتے ہیں۔

لیکن مہذب دنیا والے بھی اس وہم میں ان وحشیوں سے پیچھے نہیں ہیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ کالی بلی اور کالا کتا بھوت ہوتا ہے اور ہندوؤں کے یہاں جب کوئی بے موت مرتا ہے تو وہ راکشش بن جاتا ہے اور زندہ انسانوں کو ستایا کرتا ہے اور بسا وقت اپنے دشمنوں کا خون تک پی جاتا ہے۔ یہی راکشش انگریزی زبان میں ویمپائر کہلاتا ہے۔

انسان کا وہم اب وہم نہیں رہا بلکہ یقین میں بدل گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اندھیرے، بند کمروں، مدت سے خالی پڑے ہوئے مکانوں اور سنسان کھنڈروں وغیرہ میں اکثر لوگ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اگر ہر شہر میں نہیں تو اکثر دیہاتوں میں ایسے گھر موجود ہیں جہاں وہ رہتے ہیں چنانچہ ایسے خالی گھروں میں رہتے ہوئے خوف کھاتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔

زمانہ قدیم کے برے یا اچھے کے دیوتاؤں کو اگر راضی یا خوش نہ کیا جاتا تو وہ انسانوں پر تباہی نازل کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہیں خوش کرنے کے لئے انسان خود انسان کو ان پر بھینٹ چڑھا دیتا تھا۔ افریقہ اور کئی جگہوں پر اب بھی یہ رسم جاری و ساری ہے۔

برے یا شیطان دیوتا دراصل کسی کی بدروح ہوتے تھے اور چونکہ روح کی جان ہوتی ہے اور جان! خون کے بغیر نہیں رہ سکتی اس لئے ان دیوتاؤں کو خون کی پیاس ہوتی ہے یعنی زندہ رہنے کے لئے انسانوں کو ان پر بھینٹ چڑھا کر ان دیوتاؤں کی پیاس بجھائی جاتی تھی یا بجھائی جاتی ہے۔

اگر بدروح کو خون نہ ملے تو ظاہر ہے کہ وہ خفا ہو جائے اور پھر اس کی خفگی قحط، سیلاب یا کسی وبائی امراض کی شکل میں ظاہر ہو کر انسانوں کو برباد کر دیتی۔

دریائے نیل کی بھی ایک بدروح تھی۔ جسے خوش رکھنے کے لئے مصری ہر سال ایک کنواری لڑکی کو دریا میں غرق کر دیتے تھے۔ مصریوں میں یہ رسم اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ مسلمانوں نے مصر کو فتح نہ کیا۔ قحط سالی کا خوف سب سے بڑا خوف ہے چنانچہ انسان کو بھینٹ چڑھا گیا، رسم عموماً بیج بونے کے موسم میں ادا کی جاتی تھی کہ دیوتا خوش ہوں اور غلہ خوب پیدا ہو۔ لہٰذا سرسبز اور شاداب وادی کی پر پیچ گھاٹیوں میں بسے لوگ راہگیروں کو اغوا کر لیتے اور لے جا کر انہیں قتل کر دیتے تھے اور پھر جشن مناتے تھے کہ ہمارے اس اقدام سے دیوتا خوش ہوگا اور ہماری زندگی پرعیش گزرے گی۔

یہی نہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی نوجوان لڑکے کو اغوا کر لیتے تھے اور پھر اس لڑکے کو ایک جگہ کھڑا کر دیتے اور اس لڑکے کے جسم میں مختلف جگہوں پر چھید کر دیتے تھے جس سے لڑکے کے جسم کا سارا خون نیچے کی طرف بہنا شروع ہو جاتا۔ اس خون کو لوگ ایک بڑے برتن میں جمع کر لیتے تھے۔ اور پھر اس خون کو کھیتوں میں چھڑک دیا کرتے تھے تاکہ اس عمل سے دیوتا خوش ہو کر غلہ میں فراوانی کر دے۔ کئی ملک اور علاقوں میں بھینٹ

چڑھانے کا رواج آج بھی ہے۔

لیکن انسانی بھینٹ چڑھانے کی رسم جس جگہ اور جس قبیلہ میں سب سے زیادہ ہے۔ وہ بنگال کا ایک دراویڈی قبیلہ کھنڈ ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ بھینٹ ایک دیوی پر چڑھائی جاتی تھی۔ بھینٹ کی شرط یہ ہوتی تھی کہ ایسا لڑکا یا ایسی لڑکی جو کہ بھینٹ کے لئے وقف ہو۔ بھینٹ چڑھانے سے پہلے اس لڑکے یا لڑکی کو افیون کھلاتے تھے جس سے وہ اپنا حواس کھو بیٹھتا تھا اور ہاتھ پیر نہیں مارتا تھا۔ لہٰذا بھینٹ چڑھانے والا پیشوا ایک تیز دھار چھرے سے اس کا شہہ رگ کاٹ دیتا تھا اور یوں دیوی کو خون پیش کرنے کے لئے دیوی کو خوش کیا جاتا تھا۔

خونی آتما، آسیب یا خونی بلا کون بنتا ہے۔ تو خونی آتما یا بلا چند خاص قسم کے مردے بنتے ہیں۔

یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ خونی آتما یا بلا وہ بنتے ہیں جو کہ بے موت مرے ہوں۔ جس نے خودکشی کر لی ہو، جو زندگی میں برے کام کرتا ہو اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی خواہشات اور آرزوئیں پوری کرتا ہو۔ وہ جس کی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی ہو اور مرتے وقت جس کی جان کسی چیز میں اٹک رہی ہو اور جان بڑی مشکل سے نکلی ہو اور پھر بلا وہ لوگ بھی بنتے ہیں جو اپنے والدین کو خوش نہ رکھتے ہوں اور جنہیں والدین نے بددعا دی ہو مثلاً بددعا دی جاتی ہے کہ "کم بخت کو مرنے کے بعد بھی چین نہ ملے اور اس کی روح بھٹکتی رہے گی۔" تو ایسی ہی روحیں دراصل خونی بلا بن جاتی ہیں۔

آج بھی یونان کی سلافی اقوام میں خونی روح کا محکم یقین موجود ہے اور یہ لوگ آج بھی راتوں میں ترکیبیں استعمال کرتے ہیں جو ان کے خیال میں خونی روح کو دور رکھ سکتی ہیں۔ جب کوئی سلافیوں میں مرتا ہے تو اسے دفن کرتے وقت خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ خونی روح نہ بننے پائے اور جب وہ خونی روح قبر سے نکل پڑتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے دشمن کا خون پیتی ہے چاہے وہ دشمن اس کے گھر کا ہی کیوں نہ ہو، اس کے ہے اور پھر اسے جو بھی اندھیری رات میں [illegible] جاتا ہے تو وہ اس کا خون پی جاتی ہے۔

سلافی لوگ خونی روح سے بچنے کے لئے طریقہ استعمال کرتے ہیں جب مردہ دفنایا جاتا ہے تو ایک خاص قسم کی لکڑی کا ایک نوکدار کھونٹا بناتے ہیں اور جب مردے کو قبر میں لٹا دیا جاتا ہے تو اس کھونٹے کو مردے کے دل کے اوپر والی جگہ پر رکھ کر اس زور سے اس کھونٹے پر ضرب لگاتے ہیں کہ وہ کھونٹا ایک ہی ضرب میں مردے کے دل کو چیرتا ہوا پشت پر نکل جائے۔

چین میں مشکوک لاشوں کو کھلی فضا میں سڑنے گلنے اور خشک ہونے کے لئے رکھ دیا جاتا تھا اور اگر مردے کو دفن کر دیا جاتا تو ذرا سے شک کی بنا پر قبر کو کھول کر لاشیں نکال لی جاتی تھیں اور پھر انہیں جلایا جاتا اس کے بعد ساری راکھ دریا میں بہا دی جاتی تھی۔ اور اکثر قبروں کے چاروں طرف چاول سرخ مرچ اور لوہے کے ٹکڑے بکھیر دیئے جاتے تھے کہ خونی روح ان چیزوں کے اوپر سے نہیں گزر سکتی اور پھر مجبور ہو کر وہ خونی روح قبر سے باہر نہیں نکل سکتی بلکہ وہ قبر میں قید ہو کر رہ جاتی تھی۔

خونی بلا سے بچنے کے لئے چند خاص منتروں، مقدس علامتیں مثلاً صلیب، ہلال، ترشول کا نشان، سونے چاندی اور پتھروں کے دانے یا سچے موتی، تعویذ گنڈے، آج بھی کئی ممالک میں استعمال ہوتے ہیں جہاں کے لوگ خونی بدروحوں سے ڈرتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے اور تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ویمپائر کسی جوان بیوہ یا کنواری لڑکی سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے۔ بادل دھوئیں یا کسی اور روپ میں اپنی خواہش پوری کرنے آتا ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں اکثر اپنے گھر میں اکثر محلوں میں کسی پیر صاحب کو کسی مریضہ کے متعلق چند خاص باتیں یا خاص قسم کے فقرے کہتے ہوئے سننے میں آتے ہیں۔

"فلاں لڑکی پر اپلی کا بھوت آیا ہوا ہے۔"

''کنوارے پن میں عاشق ہوا تھا۔ ہائے بے چاری کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جب اس پر عاشق نامراد آسیب آتا ہے تو بے چاری کپڑے پھاڑ کر ننگی ہو جاتی ہے۔

اور اگر آسیب مرد نہیں عورت ہوتی ہے جسے عام طور پر چڑیل کہتے ہیں۔ تو وہ مردوں سے جنسی تعلقات قائم کرتی ہے۔'' اکثر ایسے فقرے سننے میں آتے ہیں۔

''بھلا چنگا آ رہا تھا کہ راستے میں قبرستان کے قریب اسے وہ چمٹ گئی۔ کون؟

''ارے وہی الٹے پیروں والی۔''

یہ بات مشہور ہے کہ چڑیل کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔

کیا گبھرو جوان تھا۔ پہاڑ جیسا کڑیل، کم بخت دیکھتے ہی دیکھتے اسے کھا گئی۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہا۔'' بھوت، چڑیل، آسیب،'' پیٹ، خونی آتما، یا پھر دیمپائر اس قسم کی تمام باتیں کمزور عقائد لوگوں کے ہیں۔ حقیقت سے ان کا دور کا واسطہ نہیں۔

''حکیم صاحب دوست کی ڈائری میں یہیں تک لکھا تھا۔''

بہر حال ان تمام باتوں کو پڑھ کر میں یکدم سناٹے میں آ گیا اور پھر مجھے اپنے بھائی کے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات دماغ میں گردش کرنے لگے۔

جنگل میں ہرن کا نظر آنا، گولی لگنے کے بعد ہرن کا بھاگنا اور پھر بھائی نے کچھ دور جا کر اس ہرن کو دبوچ لیا، پھر بھائی کا بے ہوش ہونا، بھائی تک جب ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک عجیب الخلقت آدمی کا کٹا ہوا سر قریب ہی پڑا تھا۔ ہم کسی نہ کسی طرح بھائی کو گھر لے آئے۔ پتا جی نے پنڈت جی کو بلایا۔

پنڈت جی آئے تو انہوں نے کٹورے کے پانی پر کوئی منتر پڑھ کر بھائی کے چہرے پر چھڑکا تو اچانک بھائی غراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے منہ سے نکلا۔

''او پنڈت تو ترنت بھاگ جا نہیں تو تیرا منکا توڑ کر رکھ دوں گا۔ تو نہیں جانتا میرا نام ''ماندرا'' ہے۔ اس بالک نے بہت بڑی غلطی کی ہے، میں ہرن کے روپ میں تھا کہ اس نے مجھ پر گولی چلا دی۔ پھر بھی میں بھاگا لیکن اس نے مجھے دبوچ لیا اور میری گردن پر چھری چلانا ہی چاہتا تھا کہ میں اپنی اصل جون میں آ گیا۔''

اس کے بعد بھائی کے منہ سے نکلا۔'' میں اس بالک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔ اور شرط یہ ہے کہ ترنت بیس بکروں کی بھینٹ دی جائے۔''

اور جب بیس بکروں کا بھینٹ دیا گیا تو بھائی بالکل ٹھیک ہو گئے۔

حکیم صاحب! اور پھر ایک وقت آیا کہ میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا اور میں پڑھائی چھوڑ چھاڑ۔ فوراً گاؤں میں آ گیا۔ میں اکیلا کھیت کھلیانوں میں گھومنے لگا۔ ایک روز میں ایک باغ میں اکیلا بیٹھا تھا کہ اچانک ایک اپسرا جیسی سندر سی سندری میرے سامنے آ گئی اور میری آنکھیں جیسے اس کی سندرتا میں کھو گئیں۔ مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا اور جب ہوش آیا تو......''

☆☆☆

میں نے دیکھا کہ میں ایک عالی شان سجے سجائے کمرے میں موجود ہوں۔ کمرے میں موجود ہر چیز سے ظاہر تھا کہ وہ کمرہ کسی بہت ہی امیر کبیر یا پھر کسی راجہ کا کمرہ تھا۔

میری آنکھیں ہر چیز کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ اور سب سے کمال یہ تھا کہ میرے جسم پر اس وقت جو لباس تھا وہ کسی شہزادے جیسا تھا۔ اپنے جسم پر موجود اپنے لباس کو میں نے کھینچ کھینچ کر دیکھا۔ اور جب اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو میں نے اپنی گردن پر زور کی چٹکی بھری کہ شاید میں ہوش و حواس میں ہوں کہ نہیں۔ چٹکی میں نے اتنی زور کی بھری تھی کہ درد سے بلبلا اٹھا۔

میں اچنبھے کی حالت میں بستر سے نیچے اترا اور کمرے میں موجود ساری چیزوں کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ دیواروں پر بڑی بڑی کئی تلواریں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک طرف زرہ بکتر بھی موجود تھا۔ ایک طرف تیر کمان بھی موجود تھی بلکہ مجموعی طور پر میدان جنگ میں استعمال

ہونے والے سارے ہتھیار موجود تھے۔

پھر میری نظر مسہری یعنی چھپر کھٹ پر پڑی۔ ایسا عالی شان چھپر کٹ تھا کہ میں کیا بتاؤں، بہت ہی بڑا اور لمبا چوڑا بستر تھا۔ ایسا جیسا کہ کسی راجہ مہاراجہ کا ہوتا ہے۔ کمرے کی لمبائی چوڑائی بھی نا قابل بیان ہے۔ پورے کمرے میں گھوم پھر کر میں نے ایک ایک چیز پر نظر ڈالی اور جب میری آنکھیں تھک گئیں تو اچانک میرے منہ سے نکلا۔ ”کوئی ہے؟“

”میرے منہ سے آواز کا نکلنا تھا کہ اچانک ایک طرف موجود دروازہ کھلا اور ایک ملازم اندر آیا، وہ بہت ہی مودبانہ تھا اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، وہ بولا۔ ”جی چھوٹے سرکار حکم کریں۔“

میں اچنبھے کی حالت میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”تم کون ہو؟“

”حضور آپ کا خادم ہوں، آپ حکم کریں۔“ وہ بولا۔

”اور میں کون ہوں؟“ میں جیسے چیخ کر بولا۔

”حضور! آپ چھوٹے سرکار ہیں۔“ وہ بولا۔

”خادم! چھوٹے سرکار! مہاراج!“ یہ تمام لفظ میرے لئے اجنبی تھے اور میرے ذہن پر جیسے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ ”ارے بھائی! کون مہاراج، کون سرکار اور کون سا خادم، یہ تم کیا بک رہے ہو، میں تو ایک عام آدمی ہوں، میرا نام پرتاب ہے۔“ میں نے کہا۔

”حضور! آپ کا نام تو امر سنگھ ہے، اور آپ یہ کیا بول رہے ہیں۔“ اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور مجھ پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں، وہ بدستور مجھے گھورتا رہا تو میرے منہ سے نکلا۔ ”اس طرح کیا دیکھ رہے ہو، فوراً مجھے پانی پلاؤ۔“

یہ سنتے ہی وہ الٹے پاؤں پلٹ گیا۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور ایک دلکش اور دل لبھانے والی لڑکی ہاتھ میں چمکتا ہوا جگ اور ایک گلاس لئے ہوئے میرے قریب آگئی اور جب میں نے اس پر نظر ڈالی تو جیسے اچھل گیا۔

کیونکہ وہ تو وہی تھی جو کہ آم کے باغ میں اچانک میرے سامنے آئی تھی۔

”تم اور یہاں! تم کون ہو اور مجھے یہاں پر کون لایا، یہ کون سی جگہ ہے؟ اور میرے جسم پر تو عام سا لباس تھا اور یہ راجہ مہاراجہ جیسا لباس اس وقت میرے جسم پر۔ کیا میں کسی جادو نگری میں آ گیا ہوں۔ مجھے جلدی سے بتاؤ، تاکہ میں حقیقت جان سکوں، میرا دماغ درد کی وجہ سے پھٹا جا رہا ہے۔“ میں بولا۔

”تم امر ہو! اور تم اپنی راج دھانی میں ہو، تم مہاراج کے اکلوتے سپوت ہو اور میں تمہارے چاچا کی پتری لاج وتی ہوں۔“

یہ بول کر وہ مسکرانے لگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بیٹھا دیا، اور خود میرے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی، چمکدار جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ گلاس کا منہ سے لگنا تھا کہ میں غٹا غٹ پانی پینے لگا اور پھر پورا گلاس خالی ہو گیا۔ اس نے جگ اور گلاس چاندی کے ٹرے پر رکھا اور ایک میز پر ٹرے رکھ دی۔

اس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور میرے ہاتھوں کو اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے دبانے لگی۔ چند لمحے بعد بولی۔ ”امر تم گھبرا کیوں رہے ہو، ارے یہ پوری راج دھانی تمہاری ہے، چاچا جی یعنی تمہارے پتا یہاں کے راجہ ہیں اور میں تمہاری لاج وتی ہوں۔ بس تمہیں میں یہ بتا دوں کہ ہم دونوں جنم جنم کے ساتھی ہیں۔

میں نے دیوتا کے آگے زبردست پرارتھنا کی ہے، دیوتا کو خوش کرنے کے لئے میں رات رات بھر ناچتی رہی ہوں۔ دیوتا کی سیوا میں، میں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور یہ سب میں نے اس لئے کیا کہ خوش ہو کر دیوتا میرے من کی کامنائیں پوری کر دیں۔

تم یہ نہیں پوچھو گے کہ میرے من کی کامنائیں کیا ہیں؟“

”چلو یہ بھی بتا دو کہ وہ کامنائیں کیا ہیں؟“ میں

نے کہا۔

وہ بولی۔ ''میری کامنائیں ہیں۔ ہر جنم میں تم میرے ہی رہو اور میں تمہاری سیوا کرتی رہوں۔''

''تم یہ سب باتیں جو کر رہی ہو، یہ میری سمجھ سے باہر ہیں، میں تمہاری کسی بات کو بھی نہیں سمجھ رہا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ میرا نام پرتاب ہے اور میں کالج میں پڑھتا تھا اور اب میں نے پڑھائی چھوڑ دی ہے۔''

یہ سنتے ہی اس کی نیلگوں آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ جسے دیکھ کر میرا من پگھلنے لگا کہ اتنی سندر جس کی سندرتا ناقابل بیان ہے میں نے اس کا دل دکھایا، پھر میں نے سوچا۔ کیوں نہ میں اس کا دل رکھنے کے لئے ہاں ہاں کرتا رہوں۔''

میں نے اس کا چہرا اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور پھر بہت قریب سے اس کی جھیل سے بھی گہری آنکھوں میں اپنی نظریں گاڑ دیں۔

اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی اور پھر بے تابانہ وہ مجھ سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔ میں اس کے ریشمی بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔ چند منٹ ایسا ہوتا رہا پھر اس نے اپنا چہرہ اوپر کیا اور بولی۔ ''امر میرا بس چلے تو میں تمہیں سارے سنسار سے اپنے من میں چھپالوں اور کوشش کروں کہ میرے علاوہ یہ چلتی ہوئی ہوا بھی تمہیں نہ چھو پائے۔ مگر آدمی کی ہر اچھا کب پوری ہوتی ہے۔

تمہاری خاطر میں سارے سنسار سے ٹکرا سکتی ہوں، میرے علاوہ اگر کسی نے تم پر پریم کی نظر ڈالی تو میں اس کا خون پی جاؤں گی۔ امر تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے بنا ہر ایک پل بیاکل رہتی ہوں۔ تم پر میں اپنا جیون تیاگ دوں گی اور تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ اب تک کیا ہوتا آ رہا ہے، تمہاری جدائی میں شاید ہی میں کسی پل سو پائی ہوں۔''

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''اور یہ تمام باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔''

''تم چنتا نہ کرو میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' یہ بول کر اس نے سیدھے ہاتھ کی سیدھی انگلی سے دیوار کی طرف اشارہ کیا تو صاف شفاف دیوار پر جیسے فلم کا سین چلنے لگا۔

ایک بہت ہی خوب صورت گاؤں تھا۔ ہر طرف ہریالی اور سبزہ کا راج تھا۔ کھیتوں میں سرسوں کے پیلے پیلے پھل لہلہا رہے تھے۔ گاؤں میں بڑی رونق تھی۔ بچے اپنے کندھوں پر جھولا (بستہ) لٹکائے ہوئے ایک طرف کو جا رہے تھے کہ اس جھولے (بستے) میں ان بچوں کی کتابیں تھیں۔

دو بچے ایسے بھی تھے جو دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ان تمام بچوں کے ساتھ چل رہے تھے، دونوں بچوں میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ ان دونوں میں کچھ زیادہ ہی چاہت وخلوص ہے اور پھر اس طرح وہ پڑھنے جاتے اور آتے رہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پروان چڑھنے لگے اور پھر وہ دونوں جوانی کی دہلیز پر پہنچ گئے۔ یہ تمام واقعہ بالکل فلم کے سین کی طرح چل رہا تھا۔ اس لڑکی کی سندرتا کو دیکھ کر گاؤں بھر کے نوجوان بلکہ سارا گاؤں ہی عش عش کرتا تھا۔ خاص طور پر نوجوان اور مرد حضرات ٹکٹکی باندھ کر اس لڑکی کو دیکھتے اور ان کی نظروں سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ سب اس لڑکی کو اپنی آنکھوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھپالیں گے۔

وہ نوجوان بھی بہت ہی کبرو تھا۔ ہر جگہ وہ دونوں نظر آتے رہتے اور صرف رات میں سونے یا پھر دیگر ضروریات زندگی کے لئے الگ ہوتے تھے۔

وہ منظر ذرا واضح ہوا، اور پھر بہت ہی قریب آیا تو میں جیسے اچھل ہی گیا۔ ''ارے اس منظر میں تو میں خود تھا اور میرے ساتھ جو لڑکی تھی وہ...... وہ...... تو لاج ونتی تھی۔ جو کہ اس وقت میرے پہلو میں میرے جسم سے لگے بیٹھی تھی اور نہ جانے کن خیالوں میں مگن تھی۔

اچانک میرے دماغ میں جیسے آندھیاں چلنے لگیں، میں اندرونی طور پر سہم کر رہ گیا۔ خود کو اس منظر میں دیکھ کر۔ پھر منظر ابھرا۔ ایک کنیش نامی لڑکا لاج ونتی میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ ہر روز بلا ناغہ لاج ونتی کو نظر آنے لگا۔ وہ کسی نہ کسی

بہانے ہم دونوں کو آتے جاتے دیکھنے لگا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی لاج ونتی میں بڑھنے لگی۔

پھر نظر آیا، وہ اپنے چند دوستوں میں بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر خاموشی اور ویرانی کا راج تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک لڑکا بولا۔ ''ارے گنیش یہ کیسا منہ لٹکائے بیٹھا ہے، ارے وہ تیری پہنچ سے بہت دور ہے، وہ تو تجھے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہیں اور تو ہے کہ اس کے لئے اپنے جیون کو تیاگنے پر بھی تیار ہے۔''

اور پھر تو کیا دو تین بلکہ ایک جگہ پانچ لڑکے بیٹھے تھے سب نے اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا۔

''ارے! بہت بنتا ہے پھنے خان، تو یہ سوچ لے! چاہے تو کچھ بھی کر لے، وہ تجھے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔

''ارے وہ تو امر کے نام کا مالا جپتی ہے، اسے دیوتا سمان سمجھتی ہے، اگر اس کا بس چلے تو وہ بھگوان کو چھوڑ کر امر کو ہی پوجنا شروع کر دے۔

ایک اور بولا۔ ''گنیش بچو! میں نے امر اور لاج ونتی کا پریم دیکھ کر اندازہ کیا ہے کہ اگر سارے سنسار کے لوگ ایک طرف اور امر ایک طرف ہو تو لاج ونتی سارے سنسار سے منہ موڑ کر امر کے چرنوں میں اپنا جیون بتا دے گی۔

اور گنیش تو اسے صرف دیکھتا ہی رہ جائے گا، تو ہر پل آہیں بھرے گا، تیرے جیون کا سکھ چین برباد ہو جائے گا، تو کسی کام کا نہیں رہے گا، اور پھر تو اپنے پتا کو جانتا ہے کہ وہ کس قدر سخت اور اصول کے پکے ہیں، اگر تو نے لاج ونتی کو چھیڑا بھی تو سب سے پہلے تیرے پتا ہی تیری گردن پر چھری چلا دیں گے، اس سے تو اچھا ہے کہ تو لاج ونتی کو اپنے من سے نکال دے۔

دو پریمیوں کو خوش رہنے دے، اگر کوئی دو پریم کرنے والوں کو دکھ پہنچاتا ہے تو اسے تو بھگوان بھی نہیں چھوڑتا، کیونکہ بھگوان پریم کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔

گنیش تو ہاتھ ملتا رہ جائے گا، اور لاج ونتی کو امر ڈولی میں بیٹھا کر لے جائے گا۔ پھر تو سوچ تیرا اس سے کیا ہوگا۔ اس طرح رات دن سوچتے سوچتے تو کمزور اور بزدل بھی ہو جائے۔''

لفظ بزدل کا سن کر گنیش طیش میں آ گیا اور پاؤں پٹختا ہوا بولا۔ ''میں امر کو برباد کر دوں گا، اس کا خون کر دوں گا اور پھر ساتھ ہی اپنا جیون بھی تیاگ دوں گا، اگر لاج ونتی میری نہیں ہوئی تو۔'' اور طیش میں اس جگہ سے ایک طرف کو چلا گیا۔

وقت آہستہ آہستہ آگے کو بڑھتا رہا۔ امر اور لاج ونتی دونوں اپنی من مستیوں میں مگن تھے، سارے گاؤں والے ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے، ان دونوں کی محبت و چاہت خود غرضی پر مبنی نہیں تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے پاکیزہ محبت کرتے تھے۔

ایک دن صبح ہی سے گاؤں میں بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وقفے وقفے سے تیز بارش ہو جاتی تھی، اس لئے سارا گاؤں اپنے اپنے گھروں میں دبکا پڑا تھا۔

لیکن منظر میں نظر آیا کہ امر اور لاج ونتی ایک کھیت کے کنارے دنیا و مافیہا سے بے خبر بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے صرف یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے، لاج ونتی سفید گھاگھرا، سفید کرتی اور سفید ہی اوڑھنی میں ملبوس تھی، لیکن اوڑھنی بھیگ کر اس کے کندھے پر پڑی تھی۔

سنگ مرمر کا تراشا ہوا شفاف بدن کسی انجان مخلوق کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ بارش نے اس کی کرتی کو اس کے جسم سے جیسے پیوست کر دیا تھا۔ برستی بارش کا پانی اس کے سر پر پڑتا تو سر سے نیچے کو پھسلتے ہوئے اس کے جسم میں جیسے جذب ہو کر رہ جاتا۔ اس کے خوب صورت اور دلکش گلاب کی پنکھڑی جیسے گلابی ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کہ وہ لاج ونتی کے نہیں بلکہ کسی اپسرا کے ہونٹ ہوں۔

دونوں بالکل مبہوت تھے اور دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں جیسے پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ دور سے ایسا لگتا تھا کہ پتھر کے دو بتوں کو اس جگہ لا کر رکھ دیا گیا ہے۔

لاج ونتی کے انگ انگ سے مستی ابل رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ بار بار سو بار بلکہ ہزاروں مرتبہ بنا بنا کر بھگوان نے مٹایا ہوگا۔ تب کہیں جا کر لاج ونتی کا وہ حسین اور دلکش دل موہ لینے والا سراپا اس رنگ میں ڈھلا ہوگا۔ وہ کسی صورت بھی زمینی مخلوق نہیں نظر آتی تھی۔ بلکہ حقیقت میں حسن کا کوئی خوب صورت آسمانی مخلوق نظر آتی تھی۔

منظر میں اچانک گنیش ایک طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا، وہ بہت ہی ناپ تول کر اپنا قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قد آور سرسوں کے کھیت میں وہ چھپتا چھپاتا آرہا تھا۔ ارے یہ کیا! اس کے ہاتھ میں تو ایک بہت بڑا چمکتا ہوا چھرا موجود تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ چند قدم ان سے دوری پر تھا۔ وہ دونوں ہر طرف سے بے خبر ایک دوسرے کو دیکھنے میں منہمک تھے۔ بارش چھم چھم برس رہی تھی۔ لیکن آنے والے وقت کا ان دونوں کو کچھ پتہ نہ تھا۔

گنیش نے اپنے ہاتھ میں موجود چھرے کو نظر بھر کر دیکھا، اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر آناً فاناً گنیش نے پشت سے امر کی بائیں سمت پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ امر کی دلخراش چیخ کھیتوں میں گونج گئی۔

اور پھر اس سے ترنت ایک شیش ناگ نے گنیش کے پاؤں پر اپنا ڈنک مار دیا اور اس طرح گنیش کی چیخ سنائی دی ابھی تھیں اسی ثانیہ لاج ونتی نے بھی بجلی کے کوندے کی طرح چھرا گنیش کے دل کی جگہ گھونپ چکی تھی۔ گنیش تڑپ رہا تھا۔ امر شانت ہو چکا تھا۔ لاج ونتی کی نظریں امر پر مرکوز تھیں کہ پھر اچانک لاج ونتی گنیش کی طرف لپکی اور اس کے سینے سے چھرا نکال کر پورے کا پورا چھرا اپنے دل میں اتار لیا۔

''ا......ا......م......امر'' لاج ونتی کی دلخراش اور دل پھاڑ دینے والی چیخ چاروں اور کو دہلا گئی۔ دیوار پر نظر آنے والا منظر یکسر غائب ہو گیا۔

اور میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی لاج ونتی کی حقیقت میں دلخراش چیخ ''امر......امر'' پورے کمرے کو دہلا گئی۔

لاج ونتی اب مجھ سے لپٹ چکی تھی۔ اس کی سانسیں دھونکی کی طرح چل رہی تھیں۔ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بازو میرے گلے میں ڈال رکھے تھے۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

اس کی ماہئی بے آب کی طرح حالت کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی اسے پوری طاقت سے بھینچ لیا تھا۔ کئی منٹ تک ہم دونوں اسی کیفیت میں رہے اور پھر زور و شور سے بپھرا ہوا طوفان آیا اور ہم دونوں کو تہہ و بالا کر کے گزر گیا۔

کافی دیر بعد جب ہمارے حواس بحال ہوئے تو میں لاج ونتی کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔ کئی منٹ گزرنے کے بعد اس نے اپنی مخمور نگاہیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں گہرے رنگ کی سرخی نظر آرہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جسے دیکھ کر۔ میں گویا ہوا۔

''لاج ونتی یہ سب کیا ہے؟ میرا تمہارا بچپنا، جوانی، اور پھر گنیش نامی لڑکے کی دشمنی، اور پھر اس کا مجھے قتل کرنا، اسے سانپ کا ڈسنا، پھر تمہارا اس پر جھپٹ کر اسے قتل کر دینا، یہی نہیں بلکہ تم نے خود کو بھی مار لیا۔''

''امر یہی تو اصل حقیقت ہے کہ ہم دونوں کا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ ہر جنم میں ہم دونوں کا ملاپ نہ ہوا کوئی نہ کوئی دشمن ہم دونوں کو الگ کرتا رہا۔

امر، میں جنم جنم سے تمہارے پیار کی پیاسی ہوں، میں ڈولی میں نہیں بیٹھی، ہم دونوں کا لگن نہیں ہوا، ہم دونوں منڈپ میں نہیں بیٹھے، امر تمہارے لئے میں جنم جنم سے بھٹک رہی ہوں، پل پل تمہاری چاہ میں سرگرداں ہوں۔

ہر جنم میں، میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ بھگوان ہم دونوں کا کسی جنم میں تو ملاپ کرا دے تاکہ میرے من کو شانتی ملے، میں ناامید نہیں ہوں، مجھے پکا یقین ہے کہ ہمارا ملاپ ضرور ہوگا۔ اب تم مجھے مل گئے ہو، میں کسی

صورت بھی اب اپنے سے دور نہیں جانے دوں گی۔
میں ہر جنم میں تمہاری چاہت میں اکیلی رہی ہوں، اور یہی حالت تمہاری ہے، جس طرح میں تمہارے لئے تڑپتی ہوں اس طرح تم میرے لئے نہیں تڑپتے، وجہ یہ ہے کہ میں نے تم سے پیار کیا ہے، میں نے تمہیں چاہا ہے، میں نے تمہیں اپنے من مندر کا بھگوان جانا ہے، کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم دو پریمی جنم جنم سے ایک دوسرے کو پانے کے لئے ترس رہے ہیں۔
یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ ہم دونوں انسانی روپ میں جنم لے رہے ہیں، نہیں تو ایک انسان ایک جنم کے بعد یا پھر بھگوان کی اچھا کے مطابق انسان سے کسی جانور کے روپ میں جنم لیتا ہے، دیوتا سے میرے پرارتھنا کا اور پوجا کا صلہ ہے کہ ہم دونوں انسان کے روپ میں جنم لے رہے ہیں۔''
''لیکن لاج ونتی مجھے ابھی بھی یاد نہیں آرہا ہے کہ حقیقت میں جو اس منظر میں نوجوان تھا۔ امر! وہ میں ہوں۔ چلو اگر تمہاری بات میں مان بھی لیتا ہوں کہ ہم دونوں کئی جنم سے ایک دوسرے کے لئے اس دنیا میں آرہے ہیں۔
لیکن اصل بات یہ ہے کہ بقول تمہارے ہماری شادی کیوں نہیں ہورہی ہے۔ اور شادی نہ ہونے کا اصل بھید کیا ہے؟'' میں نے کہا۔
''امر یہ بھگوان کی لیلا ہے اور اسے بھگوان ہی جانتا ہے۔ تم چنتا نہ کرو، میں تمہیں اس سے پچھلے جنم کے واقعات دکھلاتی ہوں شاید کچھ تمہیں یاد آجائے۔''
اسی دیوار کی طرف اس نے اپنی ہتھیلی کا رخ کیا تو اس کی ہتھیلی سے برقی لہریں نکل کر دیوار پر پڑیں اور پھر دیوار روشن ہوگئی۔ چند لمحے بعد دیوار پر منظر نظر آیا۔
ایک سبز سبز و شاداب گاؤں ہے، رات کا سمے ہے، پورن ماشی کا چاند اپنے جوبن پر ہے، چاندنی ہر طرف اپنا جوبن دکھلا رہی ہے، اتنا سہانا اور خوب صورت سماں ہے کہ دل چاہتا ہے کہ وہ سماں اسی طرح قائم و دائم رہے۔

پھر ایک گھر نظر آیا۔ اس گھر کا آنگن بہت بڑا ہے۔ آنگن میں ایک طرف نیم کا ایک درخت ہے، اس گھر میں چند عورتیں جمع ہیں اور کئی مرد نیم کے درخت کے نیچے چارپائی ڈالے بیٹھے ہیں، ان کے سامنے حقہ رکھا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہر کوئی حقہ پی رہا ہے کہ اتنے میں ایک بوڑھی عورت کمرے سے نکلتی ہے اور قریب آکر بولتی ہے۔ ''جگدیش خوش ہوجا، بھگوان نے تجھے لکشمی دی ہے۔ بڑی خوب صورت چندرما جیسی تیرے گھر لکشمی آئی ہے۔'' اور یہ بول کر وہ عورت دوبارہ کمرے میں چلی جاتی ہے۔
چارپائی پر بیٹھے لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھتا ہے، لگتا ہے وہی جگدیش ہے، ایک تھالی میں اس کے پاس ہی گڑ موجود تھا۔
وہ بولتا ہے۔ ''بھائیو! گڑ سے منہ میٹھا کرو، بھگوان کی کرپا ہے کہ اس نے پتری سے نوازا۔'' اور پھر تھوڑا تھوڑا گڑ سب کے منہ میں ڈالتا ہے۔
گڑ کھا کر سب بولتے ہیں۔ ''جگدیش تجھے بہت بہت بدھائی ہو۔ اب تو آرام کر اب ہم لوگ اپنے گھروں کو چلتے ہیں۔ اور یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ تیری گھر والی اور تیری پتری خیریت سے ہیں۔ کل صبح مندر چلے جانا اور چڑھاوا چڑھا دینا۔ دیوی دیوتا کو ایسے سے خوش کرنا بہت اچھا ہوتا ہے۔''
''ٹھیک ہے بھیا! آپ لوگوں کی بہت مہربانی کہ آپ لوگ میرے پاس بیٹھے رہے اور بھگوان سے میرے اور میری گھر والی کے لئے پرارتھنا کرتے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں مندر ضرور جاؤں گا اور دیوی کے چرنوں میں دل کھول کر چڑھاوا چڑھاؤں گا۔ ٹھیک ہے آپ لوگ اپنے گھر جاؤ۔'' جگدیش نے کہا۔
منظر میں صبح ہوتی نظر آئی، کوئی نو بجے کے قریب ایک چھ سات سالہ بچہ گھر میں داخل ہوا اور بولا۔ ''رادھا موسی! ماں نے یہ چوڑیاں بھیجی ہیں، اور بولی ہے کہ یہ چوڑیاں چندر مکھی کو پہنا دو۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی

ہوئی لال چوڑیاں، جگدیش کی گھر والی رادھا کو دیں اور ترنت واپس چلا گیا۔

پورے گاؤں میں بہت زیادہ چرچا تھا کہ جگدیش کی پتری کی خوب صورتی سے چاند بھی شرما جائے۔ جسے دیکھ کر وہ اپنے تئیں اس بچی کی خوب صورتی کو لئے بیٹھا ہے، سب کی سنتا اور پھر جگدیش بولتا۔

"یہ تو بھگوان کی کرپا ہے، بھگوان جو چاہے ہو سکتا ہے، بس بھائیو! تم سب دعا کرو کہ چندر مکھی کا بھاگ اچھا ہو، ارے صورت میں کیا رکھا ہے، سیرت اور بھاگ میں سب کچھ پوشیدہ ہے۔ اگر کسی کے بھاگ ٹھیک نہیں تو کیا صورت کو لے کر وہ چاٹے گا۔"

بہر حال گاؤں کے سارے لوگ اس بچی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ہر کسی کی خواہش ہوتی کہ وہ اس بچی کو اپنے قریب رکھے، اس کی ماں جس کے گھر بھی اس بچی کو لے کر جاتی تو گھر کی عورتیں اس کی خوب صورتی کو بیان کرتے نہ تھکتی تھیں۔

وقت پر لگا کر اڑنے لگا اور وہ بچی دھیرے دھیرے جوانی کی طرف بڑھنے لگی۔ ابھی جوانی نہیں آئی تھی کہ اس کی جوانی اور خوب صورتی کے چرچے ہر زبان پر تھے، ہاتھ پاؤں اس نے ایسے نکالنے شروع کر دیئے تھے کہ وقت سے پہلے ہی وہ جوان لگنے لگی تھی، جب وہ چلتی تو نوجوانوں کے دل دھڑکنے لگتے، نوجوانوں بلکہ بڑوں کی نظریں بھی اس پر ٹک کر رہ جاتی تھیں، ہر وقت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلتی رہتی تھی، ہر کسی کو اپنائیت اور بھرپور نظر سے دیکھتی تھی۔

اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ جوانی کی بہاریں لوٹنے لگی۔ وہ جوان کیا ہوئی، گاؤں بھر کے جوانوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ جو بھی اس کی طرف نظر اٹھاتا اور یہ سوچتا کہ کاش! چندر مکھی مجھ پر مہربان ہو جائے۔ گاؤں میں موجود ہر اس گھر میں رہنے والوں کی خواہش تھی جس گھر میں کہ جوان لڑکے تھے ان کی خواہش ہو گئی تھی کہ چندر مکھی ہماری بہو بن کر ہمارے گھر میں آ جائے۔

گاؤں کا ٹھاکر بھی اسے بہت ہی پیار و محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ اکثر اس کے باپ جگدیش سے بولتا۔

"ارے جگدیش اپنی پتری کو گھر میں زیادہ رکھا کر، اسے زیادہ نہ نکلنے دیا کر، بلکہ یہ کوشش کیا کر کہ باہر کے سارے کام اس کی ماں یا پھر تو کر لیا کر، یا پھر اپنے لڑکوں سے کرا لیا کر، میں تجھے ہمدرد بن کر سمجھاتا ہوں، میری باتوں کا برا نہ مان لینا۔

جگدیش زمانہ خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا ہے۔ تیری پتری نے جو رنگ روپ نکالا ہے، وہ گاؤں بھر کے جوانوں کے لئے غضب کا ہے۔ میری بوڑھی اور تجربہ کار آنکھیں اسے دیکھ کر کبھی کبھی چغلی کھانے لگی ہیں، بھگوان نہ کرے کوئی سر پھرا، اس پر بری نظر نہ ڈال بیٹھے، آگے تیری مرضی جگدیش۔"

جگدیش بولتا۔ "ٹھاکر صاحب! آپ کی باتیں سر آنکھوں پر، آپ میری بھلائی کے لئے یہ باتیں کرتے ہیں، آپ اچھے آدمی ہیں اور آپ کے دل میں گاؤں بھر کے لئے ہمدردیاں ہیں۔ اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں۔ آپ کی باتوں کو میں نے من میں رکھ لیا ہے۔ اور اب سوچنے لگا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کے ہاتھ پیلے کر دوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اگلی کٹائی کے بعد اس کا لگن کر دوں۔"

"جگدیش تو نے ٹھیک سوچا ہے۔ بھگوان کرے ایسا جلدی ہو جائے، تو گھبرانا نہیں، جہاں تک ہو سکا میں تیری مدد کروں گا۔"

ایک مرتبہ تو ٹھاکر نے یہاں تک کہہ دیا تھا۔

"ارے جگدیش، میں تو ذات برادری سے مجبور ہوں ورنہ میں ہی تیری پتری کو اپنی بہو بنا لیتا۔ یہ تو سب گاؤں والوں کو معلوم ہے کہ میں ذات برادری کے معاملے میں زیادہ کٹر نہیں، مگر پھر بھی پرکھوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

یہ سن کر جگدیش بولا۔ "ٹھاکر صاحب میں ہی کیا بلکہ سارا گاؤں جانتا ہے کہ آپ جیسا ہمدرد اور دیالو کبھی کوئی اس گاؤں میں گزرا ہی نہیں اور نہ ہی کبھی سننے میں آ

ہے کہ آپ جیسا رحم دل اور گاؤں والوں کا خیال رکھنے والا کوئی اور ہو۔ آپ کی بہت بہت مہربانی کہ آپ ہم سب کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

لیکن ٹھاکر کے برعکس، ٹھاکر کا بیٹا پران بہت ہی اوباش، شرابی اور گھمنڈی تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو گاؤں بھر کی بہو بیٹیوں کو دن دہاڑے اٹھوا لیتا۔ مگر اپنے بااصول اور سخت مزاج انصاف پسند باپ کی وجہ سے مجبور تھا۔ مگر پھر بھی موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔

باپ کی سختی کے باوجود چوری چھپے اب تک گاؤں کی کئی لڑکیوں کی عزت پامال کر چکا تھا۔ جس کے ساتھ زیادتی کرتا اس کا منہ زیادہ نوٹوں سے بھر دیتا اور ساتھ ہی کہتا کہ "اگر شور شرابہ کیا تو پورے گاؤں میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی اور پھر جان سے الگ جائے گی۔"

لہٰذا غریب کی بیٹیاں رو دھو کر اپنی عزت کی خاطر اور سب سے بڑھ کر موت سے بچنے کے لئے خاموش ہو جاتی تھیں۔

اس کے اپنے گاؤں کے علاوہ دوسرے گاؤں کے کئی لوگوں سے دوستانہ تھا۔ وہ بھی اس مزاج کے یعنی شرابی کبابی تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ خود کسی کے سامنے نہیں آ سکتا تو دوسرے گاؤں والوں کو ان کے پیچھے لگا دیتا تھا اور گاؤں والے اس لئے بھی ڈرتے تھے کہ اس کا باپ گاؤں کا ٹھاکر، گاؤں بھر کے لوگوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کیا کرتا تھا اور خاص طور پر شادی بیاہ میں ٹھاکر زیادہ مدد کرتا تھا، اور وہ بھی اگر لڑکی کی شادی ہوتی تو زیادہ مدد کرتا تھا۔

لوگ یہی سوچ کر اور بھی اس کے بیٹے کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے کہ آخر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے۔

جگدیش کے پڑوس میں دلیپ رہتا تھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جب چندر مکھی پیدا ہوئی تھی تو صبح ہی صبح اس کی ماں نے اس کے ہاتھوں چندر مکھی کے لئے چوڑیاں بھجوائی تھیں۔ دلیپ بہت ہی کھرو اور دیکھنے والا نوجوان تھا۔ بہت زیادہ محنتی اور ہر کسی کے کام میں کام آنے والا، جس کا بھی کوئی کام ہوتا تو وہ بڑھ چڑھ کر کام کر دیتا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ دلیپ گاؤں بھر کے لئے آنکھوں کا تارا تھا تو یہ جھوٹ نہیں۔

دلیپ اکثر چندر مکھی کو چوری چوری اچٹتی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ مگر کبھی بھی اپنے دل کی بات کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی اپنے دوست یاروں کے درمیان بیٹھ کر چندر مکھی کے متعلق کوئی بات کرتا تھا۔ مگر یہ بات چندر مکھی سے چھپی نہیں تھی کہ دلیپ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دیکھتا ضرور ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر عورت ہر مرد کی نظروں کا زاویہ بہت بھانپ لیتی ہے کہ اس کے لئے اس کے دل میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔

دونوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا اور ویسے بھی گاؤں دیہات میں زیادہ پردے وغیرہ کا رواج نہیں ہوتا، گاؤں کے سارے افراد آزادانہ طور پر ایک دوسرے کے سامنے آتے جاتے رہتے ہیں۔

اور پھر ایک دن دوپہر کے وقت چندر مکھی کی ماں نے دلیپ کو بلایا اور بولی۔ "دلیپ پتر! دوپہری کا سمے ہے، گرمی کچھ زیادہ ہی ہے، ذرا چندر مکھی کے ساتھ جا کر اس کے باپو کو روٹی دے آؤ۔"

دلیپ اس وقت خالی ہی بیٹھا تھا۔ فوراً راضی ہو گیا اور بولا۔ "ٹھیک ہے چاچی! اگر آپ مجھے روٹی دے دیں تو میں خود اکیلا جا کر چاچا کو روٹی دے آتا ہوں۔"

"ارے نہیں پتر! چندر مکھی بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی، ایک اور بات بھی ہے جو یہ اپنے باپو کو بتلا دے گی۔ میں نے روٹی باندھ دی ہے، چندرا اٹھ اور دلیپ کے ساتھ چلی جا۔"

"ٹھیک ہے ماں!" چندر مکھی نے کہا اور روٹی کی گٹھری اٹھا کر دلیپ کے ساتھ جانے کے لئے گھر سے نکل پڑی۔ ان کے گھر سے کھیت تھوڑا دوری پر تھا۔ اتنی گرمی تھی کہ ہتو بچو، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ پاؤں کا پسینہ سر کو چڑھ رہا تھا۔ آدھے راستے جاتے جاتے چندر

مکھی کا تو برا حال ہو گیا۔ وہ بولی۔ ''دلیپ اس گرمی نے تو مجھے ہلکان کر دیا، اب مجھ سے چلنا دوبھر ہو رہا ہے۔ بھئی مجھ سے تو اب نہیں چلا جا رہا۔''

چندر مکھی کی بات سن کر بولا۔ ''اچھا ایسا کرتے ہیں، وہ سامنے جو بڑ کا درخت ہے اس کے نیچے بیٹھ کر تھوڑی دیر ستا لیتے ہیں، جب سانس بحال ہو جائے گی تو پھر چل پڑیں گے۔''

یہ سن کر چندر مکھی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر ستا لیتے ہیں۔'' اور پھر دونوں اس بڑ کر درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ درخت کے نیچے اچھا خاصا سایہ تھا۔ چند منٹ بعد چندر مکھی بولی۔ ''دلیپ ایک بات پوچھوں! دیکھو جھوٹ بالکل نہیں بولنا اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو پھر میں ناراض ہو جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے پوچھو! یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جھوٹ بالکل نہیں بولوں گا۔'' دلیپ بولا۔

چندر مکھی بولی۔ ''یہ بتاؤ! میں کیسی ہوں؟ اور تمہیں کیسی لگتی ہوں۔''

''چندر مکھی تم اچھی ہو، سندر ہو، سارے گاؤں والوں کو اچھی لگتی ہو اور جہاں تک مجھے کیسی لگتی ہو تو...... بہت سندر لگتی ہو، بلکہ میں تو کہوں گا کہ تم سے زیادہ سندر سارے سنسار میں کوئی اور نہ ہو گا، تمہاری سندرتا بے مثال ہے۔'' دلیپ بولا۔

دلیپ کی باتیں سن کر چندر مکھی مسکرانے لگی اور غور سے دلیپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''دلیپ کیا یہ سچ ہے کہ تم مجھ سے پریم کرتے ہو؟ مگر تم نے اس کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ دلیپ ویسے تم بہت کٹھور ہو، کاش! کہ تم اپنے دل کی بات اپنی زبان پر لے آتے، مگر تم بہت گہرے بھی ہو، میں تمہارے دل کی بات جانتی ہوں کہ تم گاؤں بھر کے تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے چاہتے ہو، اور یہ بھی آج بھگوان کی کرپا ہے کہ آج بھگوان نے یہ موقع دیا کہ میں تمہارے ساتھ آئی تا کہ تمہاری زبان سے تمہارے دل کی بات سن سکوں، دیکھو مجھے جھوٹ مت بولنا۔''

چندر مکھی کی یہ باتیں سن کر دلیپ غور سے چندر مکھی کو دیکھنے لگا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''سندر مکھی یہ بات درست ہے، میں تم سے پریم کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، کبھی اس کا اظہار کرنے کی ہمت نہ ہوئی کہ تم کہیں ناراض نہ ہو جاؤں، اور پھر اس ناراضگی کی وجہ سے جو میرے سامنے آتی ہو، وہ سامنے آنا ہی بند کر دو، لہٰذا انہی باتوں کی وجہ سے میں نے اپنی زبان بند رکھی اور آج تمہارے پوچھنے پر میں نے سچ اگل دیا۔ اب تمہاری مرضی لیکن تم سے میری بنتی ہے کہ بھگوان کے لئے مجھ سے ناراض نہیں ہونا، اگر میری بات بری لگی ہے تو میرے منہ پر تھپڑ مار دو، لیکن ناراض نہیں ہو۔

اور اگر تم ناراض ہو گئی تو یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہاری ناراضگی کے پیش نظر، مجھ سے تمہاری ناراضگی برداشت نہیں ہو گی اور پھر میں اپنا جیون تیاگ دوں گا، مگر تمہاری ناراضگی......'' اور دلیپ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

دلیپ کی باتیں سن کر چندر مکھی مسکرانے لگی اور پھر بولی۔ ''دلیپ میں اپنے دل کی بات کہہ دوں، کسی سے بولو گے تو نہیں اور ناراض تو نہیں ہو گے، یہ تو اپنے اپنے دل کی بات ہے، جو جس کو اچھا لگے، اور اچھا لگنے والا ہر سے دل میں رہتا ہے، دل تھام کر میری بات سنو! دلیپ میں بھی تم سے پریم کرتی ہوں۔'' اور یہ بول کر چندر مکھی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

یہ سن کر دلیپ لمبے لمبے سانس لینے لگا، اس کی آنکھیں کھلنے اور جھپکنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد دلیپ نے چندر مکھی کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا، اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''چندر مکھی تمہارا بہت بہت دھنے واد، تم نے اس قابل سمجھا، یہ میرا وعدہ ہے کہ میں پوری زندگی تمہاری سندرتا کی حفاظت کروں گا۔ ہر پل میری کوشش ہو گی کہ تم ہر وقت مسکراتی رہو، میں تمہارے سارے دکھ اپنے سر لے لیا کروں گا، میں زندگی بھر تمہاری پوجا کروں گا۔'' اور پھر دلیپ نے ایک لمبا

سانس کھینچا۔

چندر مکھی بولی۔ ''اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرنا بلکہ خاص طور پر اپنے دوستوں میں۔''

''ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا، میں ماں کو بہت جلد تمہارے گھر بھیجوں گا، تم اس کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ماں اور تمہارے باپو اس رشتہ سے انکار کر دیں، اس کے لئے میری بنتی ہے تم سے، میری خوشیوں اور چاہت کا سارا دارومدار اب تم پر ہے۔'' دلیپ بولا۔

''تم گھبراؤ نہیں، وہی ہوگا جو میں چاہوں گی، اچھا اب اٹھو، باپو جی روٹی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

تھوڑی دیر میں دونوں اس کھیت میں پہنچ گئے، جہاں چندر مکھی کے باپو کام کر رہے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر بولے۔ ''ارے دلیپ بیٹا! تم۔ تمہیں میری وجہ سے کشٹ اٹھانا پڑا، آج ویسے بھی گرمی زیادہ ہے، چندر مکھی تو نہ آتی اتنی گرمی میں۔''

دلیپ بولا۔ ''چاچا جی کوئی بات نہیں، گرمی ہے تو کیا ہوا، آپ بھی اور پھر سارے لوگ گرمی میں کام کر رہے ہیں۔ چاچی نے مجھ سے کہا کہ تم چندر مکھی کے ساتھ چلے جاؤ گرمی زیادہ ہے اور پھر دوپہر کا وقت بھی ہے، اور آج آپ اپنے ساتھ روٹی نہیں لائے تھے، خیر آپ باتوں کو چھوڑیں اور جلدی سے روٹی کھالیں۔'' اور وہ روٹی کھانے میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ روٹی کھا چکے تو دونوں واپس آ گئے۔

ادھر ٹھاکر کا اوباش اور شرابی بیٹا پران، ہاتھ دھو کر چندر مکھی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ ''اب میرا چندر مکھی سے دور رہنا ممکن نہیں۔ اب تو چندر مکھی کی یادیں مجھے رات میں سونے بھی نہیں دیتیں اور پھر پورا دن بے چینی میں گزر جاتا ہے۔

بہر حال میں اپنی جان پر کھیل کر چندر مکھی سے اپنی پیاس ضرور بجھاؤں گا۔'' اس کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ ''ہم ہر حال میں تیرے ساتھ ہیں۔ جس طرح تو نے کئی لڑکیوں کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ اسی طرح اس کے ساتھ بھی کر گزر۔''

اور پھر ایک دن دوپہر میں چندر مکھی دلیپ کے ساتھ اپنے باپو کے لئے روٹی لے کر جا رہی تھی۔ راستے میں پران اپنے تین دوستوں کے ہمراہ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ جب وہ دونوں اس درخت کے پاس سے گزرنے لگے تو پران بولا۔ ''چندر مکھی اس طرح اٹھلا کر جانا ٹھیک نہیں، آخر میں بھی تو مرد ہوں، مجھ میں کیا کمی ہے، کبھی ہمارا دل بھی خوش کر دو۔''

یہ سن کر چندر مکھی بپھر گئی اور بولی۔ ''بے شرم تجھے شرم نہیں آتی، ایسی بات کرتے ہوئے، آج میں ٹھاکر کاکا کے پاس ضرور جاؤں گی اور تیری ان باتوں کو ان کے سامنے رکھوں گی۔'' چندر مکھی کا یہ بولنا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ آگے بڑھا اور جھپٹ کر چندر مکھی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

یہ دیکھتے ہوئے دلیپ پر تو جیسے جنون سوار ہو گیا اور وہ شیر کی مانند پران پر جھپٹا اور اپنے سر کی ٹکر اس کی ناک پر ماری۔ جس سے پران کی ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔ اور اس اثناء میں چندر مکھی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔

پران دہاڑ کر بولا۔ اپنے دوستوں سے۔ ''سالے کو پکڑ لو، بچ کر نہ جانے پائے، اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔'' اس کے تینوں دوست فوراً آگے بڑھے اور دلیپ کو دبوچ لیا۔

چندر مکھی سکتے کے عالم میں ایک طرف کھڑی تھی، لیکن پھر اچانک چونک پڑی اور پران کی جانب جھپٹی لیکن اس وقت تک دیر ہو چکی تھی، پران اپنے نیفے میں اڑسا ہوا بڑا چاقو دلیپ کے سینے میں گھونپ چکا تھا۔

دلیپ نیچے گر کر تڑپنے لگا تھا۔ دلیپ کا خون دیکھ کر چندر مکھی پر جیسے جنون سوار ہو گیا اور اس نے دلیپ کے سینے سے جھٹ چاقو کھینچا اور شیرنی کی طرح پران پر جھپٹی۔

لیکن اس سے پہلے کہ پران کے نرخرے پر چاقو پڑتا۔ پران نے پھرتی سے چندر مکھی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر

نیچے کی طرف موڑ دیئے۔ لیکن ہاتھ زیادہ نیچے مڑنے کے بجائے ہاتھ والا چاقو چندر مکھی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اور پھر تیزی سے خون نکل کر چندر مکھی کے کپڑوں کو رنگنے لگا۔ چندر مکھی تیوار کر گری لیکن پھر اچانک ہوا میں اڑتی ہوئی چاقو کا بھرپور وار پران کے نرخرے پر کیا۔ پران کا نرخرا کٹ چکا تھا اور پران اپنا نرخرا پکڑے ادھر ادھر لہرانے لگا تھا اور پھر لہراتے ہوئے زمین بوس ہو گیا۔ یہ تمام خونی معاملہ پلک جھپکتے میں ہوا تھا۔

ادھر چندر مکھی بھی دلیپ کے سینے پر سر رکھے ساکت ہو چکی تھی۔ یہ خونی معاملہ دیکھ کر پران کے تینوں دوست سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

دیوار پر ابھرنے والا منظر اچانک بہت واضح ہو گیا اور ساتھ ہی قریب آ کر بڑا ہوا تو میں جیسے اچھل پڑا۔ نیچے گرا ہوا مردہ حالت میں، میں خود تھا اور میرے سینے پر سر رکھے مردہ حالت میں لاج ونتی تھی جو کہ اس وقت میرے پہلو میں بیٹھی تھی۔

اور پھر مجھے اچانک لاج ونتی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ لاج ونتی بری طرح سسک رہی تھی۔ میں نے لاج ونتی کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا، کافی دیر تک ہم دونوں بے حس و حرکت ساکت رہے، پھر میں نے کہا۔

''لاج ونتی۔''

میرے منہ سے اپنا نام سن کر اس نے اپنا چہرہ اوپر کو اٹھایا اور بولی۔ ''امر تم نے دیکھ لیا، دشمنوں نے ہمارا ملاپ اس جنم میں بھی نہیں ہونے دیا۔

امر میں تمہیں پانے کے چکر میں ہر جنم میں دکھ جھیلتی ہوئی آ رہی ہوں اور میرے ساتھ ساتھ تم بھی اذیت کا شکار بن رہے ہو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ایک ناری جو کہ بہت کم ہمت اور کم حوصلہ ہوتی ہے، وہ کہاں تک دکھوں کو جھیلے اور اپنے پریمی کو حاصل کرنے کے لئے بار بار ہر جنم میں بھگوان سے پرارتھنا کرے کہ اس کا پریمی اسے مل جائے۔

امر میں ہمت ہارتی جا رہی ہوں مگر صرف تمہارا پریم، تمہاری چاہت اور تمہارا قرب مجھے ہر جنم میں باحوصلہ بنا دیتا ہے اور میں تمہیں پانے کے لئے تمہارا راستہ تکتے تکتے میری آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہیں۔

امر چاہے مجھے سات جنموں تک جنم لینا پڑے تو بھی میں ہمت نہیں ہاروں گی۔ میں نے کمر باندھ لی ہے، کہ ہر صورت میں، میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گی، بولو تم کیا کہتے ہو، کیا تمہارا دل میرے دکھوں اور چاہت کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں پسیجتا، کیا تمہیں میری چاہت نہیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں حاصل کر لوں، کیا تمہارے من میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں، کیا میں اس طرح جنم لیتی رہوں گی اور ہر جنم میں تمہارے ساتھ منڈپ کے چکروں کو پورا نہیں کر پاؤں گی؟''

''لاج ونتی، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب بھگوان کی اچھا سے ہو رہا ہے، نہیں معلوم کہ بھگوان کیا چاہتا ہے، اور ابھی تک اپنے کسی جنم کا کوئی واقعہ بھی یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''امر تمہیں بیتے سمے کے واقعات ضرور یاد آئیں گے، میں تمہیں یاد کرا کے رہوں گی اور مجھے وشواس ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ضرور ہو جاؤں گی۔''

لاج ونتی کی آنکھوں سے آنسو اب رواں ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے سیدھے ہاتھ کا رخ دیوار کی طرف کیا تو ہاتھ کی ہتھیلی سے چنگاریاں نکلیں اور دیوار کے پاس جا کر دیوار میں پیوست ہو گئیں، اور دیوار سفید روشنی میں نہا گئی۔

پھر عجیب و غریب منظر ابھرا، اس مرتبہ میں نے خود کو جوان پایا، میری شکل واضح تھی، میں فوجیوں کے لباس میں ملبوس تھا، پھر کسی دربار کا منظر ابھرا، اس بار میں ایک عالی شان کرسی پر بیٹھا تھا، دربار کسی بادشاہ کا تھا، اس دربار میں اوپر کی جانب زنان خانہ بنا تھا، جہاں کہ شہزادی اور اس کی خادمائیں موجود ہوتی ہیں۔ لاج ونتی اپنے منہ پر آدھا نقاب ڈالے بیٹھی میری طرف نظریں جمائے مسکرا رہی ہے۔ مہاراجہ میرا نام لے کر پکارتا ہے۔ میں اپنا نام سن کر اپنی جگہ کھڑا ہو جاتا ہوں۔

مہاراجہ کی آواز پھر سنائی دیتی ہے۔ ''رنجیت تم میرے پتر ہو، تم راج کمار ہو، میں ہی کیا دربار میں جتنے

بھی لوگ موجود ہیں سب کے سب تمہاری بہادری کے قائل ہیں۔ تم نے بڑے بڑے دشمنوں کو شکست سے دو چار کیا ہے۔ میں نے بہت وچار کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کیوں نہ تمہیں سپہ سالار بنا دیا جائے۔

اور تمہارے اس عہدہ کے لئے سارے درباری متفق ہیں۔ سب کی رائے تمہارے حق میں ہے۔ لہٰذا آج سے تم سپہ سالار کی ذمہ داریوں کو سنبھالو اور ہر محاذ پر دشمنوں کے دانت کھٹے کردو، جو بھی میلی آنکھ سے ہماری سلطنت کو دیکھنے کی ہمت کرے اس کی گردن اس کے دھڑ سے الگ کردو، مجھے بہت زیادہ امید ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو چاک و چوبند طریقے سے نبھاؤ گے، آج سے تم سیناپتی رنجیت ہو۔"

اور پھر مہاراجہ نے اپنے سامنے ایک میز پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور سیناپتی کو بلا کر اس کے ہاتھ میں تلوار پکڑا دی۔ پھر وہ بولا۔ "رنجیت یہ تلوار ہمارے پرکھوں کی ہے۔ اس کی عزت، وقار، دبدبہ اور حفاظت اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ یہ تلوار ہمیشہ بلند رکھنا، یہ تلوار کسی صورت بھی کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے پائے، میرا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے۔"

یہ سننا تھا کہ دربار میں موجود تمام لوگ اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور "سیناپتی رنجیت...... سیناپتی رنجیت" کے نعرے لگائے گئے۔

پھر مہاراجہ نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو نعرہ لگانے سے منع کیا اور بولا۔ "رنجیت اب تم جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔" یہ سنتے ہی میں پلٹا اور واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اوپر بالکونی میں بیٹھی لاج ونتی کی مسکراتی ہوئی نظریں میرے اوپر مرکوز تھیں۔ میں نے بھی جب بھرپور نظر سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی گردن ہلکی سی خم کی اور مجھے بدھائی دی۔

تھوڑی دیر بعد مہاراجہ نے دربار برخواست کرنے کا اعلان کیا تو سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر چلے گئے، جاتے جاتے میری نظریں اچانک بالکونی کی طرف گئیں تو دیکھا کہ لاج ونتی ہاتھ کے اشارے کر رہی تھی۔ میں نے بھی ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتھے پر پھیر لیا۔

مجھے سیناپتی کی ذمہ داری سنبھالے چند دن ہی گزرے تھے۔

وہ رات بہت اندھیری تھی۔ اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں، اچانک ہمارے مخبروں نے خبر دی کہ فلاں سلطنت کی فوجیں ہم پر حملہ کرنے والی ہیں اور کسی بھی رات میں ایسا ہو جائے گا۔

اس خبر کے ملتے ہی ہم نے زور و شور سے اپنی تیاری شروع کردی۔ رات میں تمام سیناؤں کو چوکس کر دیا جاتا تھا۔ یہ پکی خبر تھی کہ دشمن رات میں ہی حملہ کرے گا۔ مہاراج کا میرے لئے حکم تھا کہ اگر حملہ زبردست ہوا اور پھر بچاؤ کی کوئی تدبیر نظر نہیں آئی تو میں اپنی سیناؤں کو لے کر اس جگہ سے نکل جاؤں اور پھر بعد میں دشمن پر چڑھائی کروں کیونکہ اکثر فتح کے بعد لوگ جشن مناتے ہیں اور ہونے والے حملہ کو بھول جاتے ہیں۔ اس تدبیر پر مجھے عمل کرنا تھا۔

اور پھر ایک رات دشمن نے ہم پر واقعی حملہ کر دیا۔ میرے لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ہم مہاراجہ کے حکم کے مطابق فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پوری راج دھانی میں خون کی ندیاں بہادی گئیں۔ لوگوں کو دشمنوں نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ محل میں موجود سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ قتل ہونے والوں میں لاج ونتی بھی شامل تھی۔

میری دنیا اندھیر ہوگئی۔

لیکن میں نے دشمن سے بدلہ لینا تھا۔ اس حوصلے اور ہمت کی بدولت میں زندہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے ہم ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔ جب ہم نے اطمینان کر لیا کہ ہم دشمن کی پہنچ سے کافی دور نکل آئے ہیں تو ہم نے جنگل میں پڑاؤ ڈال دیا۔

اس جنگل میں کئی دن بیت گئے۔ پھر سب نے مل

کر یہ فیصلہ کیا کہ اس جنگل سے نکلنا موت کو دعوت دینا ہے۔ بلکہ اس جنگل میں رہتے ہوئے ہم اپنی طاقتیں بڑھا سکتے ہیں اور پھر کسی بھی رات اچانک حملہ کر کے دشمن کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

جہاں پر ہمارا پڑاؤ تھا وہاں سے تھوڑی ہی دوری پر اپنی کٹیا میں ایک سادھو رہتا تھا۔ اس سادھو کے ساتھ اس کی ایک بہت ہی سندر پتری بھی تھی۔ سادھو نے کئی بکریاں پال رکھی تھیں۔ میں ہر روز بلا ناغہ سادھو کی کٹیا میں جاتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر سادھو سے باتیں کرتا اور پھر اٹھ کر چلا آتا۔ یہ روز کا معمول بن گیا تھا کہ سادھو کی پتری سادھو کے حکم پر بکری کا تازہ دودھ ایک مٹی کے پیالے میں ڈال کر دیتی اور میں بلا جھجک وہ دودھ پی لیتا۔

میں نے اپنی ساری کتھا سادھو کو سنادی تھی۔ جسے سن کر سادھو بہت بے چین ہوا تھا۔ وہ سادھو بہت زیادہ گیانی تھا۔ جادو منتر میں اس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔

روز روز کے آنے جانے سے سادھو کی پتری مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ سادھو کا بھروسہ بھی مجھ پر زیادہ ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی میں دوپہر کے وقت بھی چلا جاتا تھا اور پھر ہم دونوں بکریوں کو لے کر کٹیا سے دور جنگل میں نکل جاتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہم دونوں قریب سے قریب تر ہوتے جارہے تھے۔

ویسے بھی سادھو کی پتری اپنے باپ کے ساتھ جنگل میں رہتے رہتے جنگل کی زندگی سے اور وہ بھی بالکل اکیلی اکتا چکی تھی۔ چونکہ انسان معاشرتی کیڑا ہے لہٰذا ہر انسان جو کہ باشعور اور ہوش مند ہوتا ہے وہ انسان کے درمیان رہنا پسند کرتا ہے۔ جب میں کٹیا میں جاتا تو سادھو کی پتری مجھے دیکھتے ہی چہکنے لگتی تھی۔ اس کی خوشیاں کئی گنا بڑھ جاتی تھیں۔ اس میں جیسے بجلی بھر جاتی تھی۔

جب ہماری قربت زیادہ بڑھی تو سادھو کی پتری جس کا نام گنگا تھا اس نے برملا اظہار کر دیا۔ ”بابو جی آپ مجھے اپنی دنیا میں لے چلیں، میں سارا جیون آپ کے چرن دھو دھو کر پیوؤں گی۔“ ہر روز راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔ سادھو ہم دونوں پر بھروسہ کرتے ہوئے جنگل سے دور نکل جایا کرتا تھا۔ مانگنے تانگنے و سودا سلف لانے کے لئے۔

اور پھر ایک دن ہم دونوں نے جذبات کے رو میں بہہ کر وہ کچھ کرلیا جو کہ ہمیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ سادھو سامنے کھڑا تھا، اس کی غضب برساتی سرخ آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ترشول تھا۔ اس نے غضبناک حالت میں ترشول کا رخ اپنی پتری کی طرف کر دیا تو ترشول کی نوک سے چنگاریاں نکل کر گنگا کے جسم میں گھسنے لگیں۔

گنگا کی چیخیں پورے جنگل کو دہلانے لگیں۔ اور پھر چند منٹ میں ہی اس کے پورے وجود میں شعلے بھڑکنے لگے۔ میں اپنی جگہ ساکت کھڑا تمام حالات کو آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر مجھ میں اتنی سکت نہیں بچی تھی کہ میں سادھو کو روک سکوں یا گنگا کے جسم پر بھڑکتے شعلوں کو بجھا دوں۔ چند منٹ نہ لگے اور گنگا اپنی جگہ جل کر راکھ میں تبدیل ہوگئی۔

اچانک سادھو کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

”پاپی! اب میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تو نے میرے بھروسے پر پانی پھیر دیا۔ میرا شراپ ہے کہ تو کبھی بھی سکھی نہیں رہے گا۔ اور یہی نہیں بلکہ ہر پورن ماشی کی رات میں ایک بچہ میرے پاس لائے گا اور اس بچے کی بلی میں دوں گا، اور یہ بھی کان کھول کر سن لے کہ تو وقتاً فوقتاً اپنے خاندان سے بھی بچہ میرے پاس لائے گا۔ اور تو اپنا پہلا سنتان (بچہ) بھی میرے پاس لائے گا اور میں تیرے سامنے تیرے سنتان کی بلی دوں گا۔

تو کئی جنموں سے جنم لے رہا ہے اور ہر جنم میں تو ایک ناری سے بچھڑ جاتا ہے، وہ ناری تیرے پریم میں بار بار جنم لے رہی ہے۔ تیرے پریم میں وہ بھٹکتی رہتی ہے تم دونوں کا وواہ نہیں ہوتا، تم دونوں اکیلے موت کا شکار ہو جاتے ہو، مگر اب تو وواہ کرے گا کسی اور ناری سے، اب

تیرا اس جنم جنم والی ناری کی آتما سے چھٹکارا مل جائے گا، مگر مجھ سے تیرا چھٹکارا پانا ناممکن ہے، تو مرنا بھی چاہے تو مر نہیں سکے گا۔" اور پھر اس سادھو نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میری گردن پکڑ لی۔ اس کے ہاتھ کے لمبے ناخن میری گردن میں پیوست ہو گئے اور میں درد سے بلبلا کر چیخ پڑا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔

اب میں ہوش و حواس میں تھا، اندھیری جگہ، ہر طرف ہو کا عالم، میں آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھنے لگا مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ کے دے رہا تھا، خیر میں مایوس ہو کر نیچے ٹٹولا تو پاؤں کے پاس مجھے ایک بڑا سا پتھر محسوس ہوا۔ لہٰذا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں اس پتھر پر بیٹھ گیا۔ کوئی ایک گھنٹہ تک میں اس پتھر پر بیٹھا رہا۔ بہر حال اتنا ضرور ہوا تھا کہ میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک کھنڈر تھا۔ ہر طرف پتھر ہی پتھر بکھرے پڑے تھے، جب میرے حواس کچھ زیادہ بحال ہوئے تو میں نے سوچا۔ "اب کسی طرح اس کھنڈر سے نکلنا چاہئے۔"

پھر اچانک میری گردن پر چبھن کا احساس ہوا اور پھر آہستہ آہستہ درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ میں نے جب گردن پر اپنی انگلیاں پھیریں تو انگلیوں پر عجیب سی چپچپاہٹ محسوس ہوئی۔ اور ساتھ ہی محسوس ہوا کہ "میری گردن پر چند زخم بھی ہیں اور شاید ان زخموں سے خون رس رہا تھا۔"

اب میرا اس کھنڈر میں بیٹھے رہنا دوبھر لگ رہا تھا، میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اب مجھے اس کھنڈر سے نکلنا چاہئے۔ لہٰذا اس خیال کے آتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا، سامنے کی طرف آسمان کی ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی، میں نے باہر جانے کی سمت کا اندازہ کرتے ہی باہر کی جانب اپنے قدم بڑھا دیئے۔

لیکن پھر اچانک ایک بڑے الو کی کریہہ چیخ سنائی دی، وہ الو چیختے ہوئے میرے سر پر سے گزر گیا تھا، الو کی چیخ کے ساتھ ہی میری بھی فلک شگاف چیخ نے پورے کھنڈرات کو دہلا کر رکھ دیا۔ میں سہم کر تھر تھر کانپنے لگا، میری ٹانگیں کپکپانے لگیں، مجھ سے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا، میں دھپ سے اس جگہ بیٹھ گیا جہاں کہ کھڑا تھا۔

چونکہ انسان اندھیرے میں دیکھنے کا عادی نہیں ہوتا مگر انسان کے علاوہ کئی جانور یا پرندے ایسے ہیں کہ جو واضح طور پر اندھیرے میں دیکھتے ہیں۔

وہ الو دوبارہ چیختا ہوا میری طرف آیا اور میرے سر پر سے ایک طرف کو گزر گیا۔ اب تو میری حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ میرا اب اس کھنڈر میں بیٹھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا اور باہر نکلنا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔ میں شش و پنج میں مبتلا سوچنے لگا کہ "اب میں کروں تو کیا کروں؟"

اچانک میرے دماغ میں آیا کہ اذیت کی گھڑی میں بھگوان کو یاد کیا جاتا ہے اور پھر میں پوری طاقت سے چیخ پڑا۔ "بھگوان میری رکھشا کر، لکشمی دیوی میری سہائتا کر، کالی ماتا میری مدد کر۔" یہ الفاظ میں نے کئی مرتبہ دہرائے، اور پھر میں نے اپنے جسم کی توانائی کو یکجا کر کے ایک مرتبہ پھر میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اور جس طرف کو میرا منہ تھا، اس طرف کو میں اپنے قدم آہستہ آہستہ بڑھانے لگا۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج تھا، کوئی بھی چیز بجھائی نہیں دیتی تھی، بہر حال ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے میں کھنڈرات سے باہر نکل آیا۔

کھنڈر سے باہر نکلتے ہی میں لمبے لمبے سانس لینے لگا، کیونکہ کھنڈر سے باہر فریش ہوا چل رہی تھی، میرے دم میں دم آیا اور پھر میں نے اپنا منہ اوپر آسمان کی طرف کر کے بولا۔ "بھگوان بہت بہت دھنے واد کہ مجھے کھنڈر سے باہر نکالا۔" اور پھر سے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اندر کھنڈر میں بہت زیادہ گھٹن تھی، کیونکہ کھنڈر کے اندر فریش ہوا کا گزر نہ ہونے کے برابر تھا۔

چند منٹ تک میں نے لمبے لمبے سانس لینے کے

بعد بغور چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اب مجھے ہلکا ہلکا نظر آنے لگا تھا، میں نے دیکھا کہ میں جہاں کھڑا ہوں وہ بہت ہی ٹوٹی پھوٹی اور خستہ حال سڑک ہے جو کہ کافی دور سے کھنڈر کے پاس آئی تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ ماضی میں یہ کھنڈرات نہیں بلکہ یہ کوئی عالیشان محل ہوگا یا پھر بہت زبردست حویلی ہوگی تو یہاں تک یقیناً سڑک بھی آتی ہوگی۔

بہرحال میں لڑکھڑاتے قدموں سے جس طرف سڑک کا رخ تھا اس طرف چلنا شروع کر دیا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ میں اس کا اندازہ نہ کر سکتا تھا۔ بس میرے دل میں یہ خیال بار بار آ رہا تھا کہ میں جلد از جلد کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جاؤں اور اسی خیال کے تحت میں اپنی طاقت اور جسمانی توانائی سے بڑھ کر آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی مرتبہ جب میں چلتے چلتے تھک جاتا تو چند منٹ کے لئے سڑک پر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ اور تھوڑی دیر ستانے کے بعد پھر بھگوان کا نام لے کر اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے قدم آگے ہی آگے بڑھانے لگتا۔

چلتے چلتے جب ہمت جواب دے گئی تو میں تھک کر سڑک کے کنارے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی گردن کافی حد تک نیچے کو جھکا لی۔ کافی دیر کے بعد جب میں نے اپنی گردن اٹھا کر آنکھیں کھولیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ اب صبح کا سپیدہ آہستہ آہستہ سر ابھار رہا تھا۔

اور پھر چند منٹ بعد ہی پرندے چہچہاتے ہوئے اڑتے پھرتے نظر آنے لگے لیکن دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ میں پھر ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور جدھر سے سڑک آ رہی تھی اسی سمت کو چل پڑا۔ اب پیاس کی وجہ سے میرے گلے میں کانٹے سے پڑنے لگے تھے۔ گلا خشک ہو رہا تھا اور میں اپنی زبان بار بار ہونٹوں پر پھیرنے لگا تھا۔

ان تمام حالات کے باوجود میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ کافی دور جانے کے بعد اچانک سڑک کے کنارے تھوڑی دوری پر ایک گڑھے میں جمع پانی نظر آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرے قدم تیز تیز آگے بڑھنے لگے۔

میں کافی تیز چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ گڑھے میں پانی موجود تھا۔ میں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ پانی کب سے اس گڑھے میں موجود ہے، پینے کے قابل ہے بھی کہ نہیں۔ میں فوراً سڑک سے نشیب میں اترا اور گڑھے کے کنارے اکڑوں بیٹھ کر چلو بھر بھر کر پانی پینے لگا۔ میں نے اتنا پانی پیا کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ میں نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا اور پھر گڑھے کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اب کافی حد تک امید بندھ چکی تھی کہ آگے کوئی نہ کوئی آبادی نظر آ جائے گی۔ یا پھر سڑک پر آتے جاتے لوگ تو مل ہی جائیں گے۔ یہ سوچ کر میرے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔

موسم گلابی تھا نہ زیادہ سردی اور نہ زیادہ گرمی۔ سورج اب آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھ رہا تھا۔

کافی دور چلنے کے بعد میں نے دیکھا۔ تاحد نظر تک سرسبز و شاداب جنگلات پھیلتے چلے گئے تھے اور ارد گرد سبز پوش پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ چند بے حد دور اور چند بے حد قریب جگہ جگہ ٹیکریاں تھیں جن پر مقامی لوگوں کی جھونپڑیاں بہت ہی بھلی معلوم دیتی تھیں۔

بہرحال میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ آدمی ڈھلان کی چوٹی پر دور تک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑک دکھائی دیتی۔ سڑک کچی اور ناہموار تھی جس پر جگہ جگہ پتھر ابھرے پڑے تھے، کبھی کبھی کوئی گاڑی تیزی سے ان ڈھلانوں سے نیچے کی جانب اترتی ہوئی نظر آتی، لیکن کوچوان اپنی گاڑی پر بیٹھے اپنے گھوڑوں کو کافی تیز رفتاری سے بھگاتے ہوئے ڈھلوان سے اترتے اور تیزی سے نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ اب سڑک کے دائیں بائیں سربفلک درخت کھڑے تھے، یہ کیتھی جنگلات کا حصہ تھا۔ سرسبز پہاڑیاں دور تک چلی گئی تھیں اور دور جاتے ہوئے پہاڑوں سے مل گئی تھیں، ان اونچے اونچے پہاڑوں پر دور سے جمی ہوئی برف بھی صاف اور واضح نظر

آ رہی تھی۔ ان سبز پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بہت سے چشمے ننھے ننھے آبشاروں کی صورت میں نیچے کو گر رہے تھے، سورج کی کرنیں آبشاروں کے پانی کو سیال سونے میں تبدیل کر رہی تھیں۔

اچانک ایک مسافر میرے سامنے آ گیا اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”وہ دیکھو سامنے پہاڑ کو۔“

سڑک سنسان تھی مگر اب اکا دکا مسافر نظر آنے لگا۔ وہ بھی بہت تیزی میں ہوتا۔ اس کی تیزی کو دیکھتے ہوئے میری ہمت جواب دے جاتی کہ یہ تو خود بہت تیز بھاگا جا رہا ہے۔ میری بپتا اور مصیبت پر بالکل بھی کان نہیں دھرے گا۔

جب میں اور آگے بڑھا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ سڑک کے دونوں طرف تھوڑے فاصلے پر ترشول گڑے پڑے تھے۔

میں کافی حیران پریشان ان ترشولوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اس قدر بے شمار فاصلے پر ترشول کیوں سڑک کے کنارے زمین پر گاڑے گئے ہیں۔ میرے ذہن میں آیا کہ ترشول تو بہت زیادہ پوتر ہوتے ہیں اور ہر سنیاسی، سادھو اور سنسار تیاگنے والے کے ہاتھ میں ترشول چاہے چھوٹا ہو یا بڑا موجود ضرور ہوتا ہے۔

اب کوئی بھی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں کوئی دو گھنٹے تک ان ترشولوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا کہ اچانک مجھے ایک مندر کا گنبد نظر آیا۔ تو میری جان میں جان آ گئی۔

اور میں زیادہ تیز تیز چلتا ہوا مندر کی اور بڑھنے لگا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ بعد میں مندر کے سامنے پہنچ گیا۔ مندر کے باہر کئی لوگ موجود تھے۔ شاید وہ سب مندر میں دیوی کے چرنوں میں چڑھاوا چڑھانے آئے تھے، میں نے ان لوگوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور پھر مجھے زبردست چکر آیا، میں تیورا کر نیچے زمین پر گر گیا اور میری آنکھوں میں تاریکی چھاتی چلی گئی۔

کچھ بھی ہوش نہ رہا تھا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ میں ایک دری پر لیٹا پڑا تھا۔ میں کسمسا کر اٹھ بیٹھا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ مجھ میں اب اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکوں۔

میں کافی دیر تک اسی حالت میں دری پر بیٹھا رہا۔ اس کمرے میں سوائے اس دری کے کوئی اور چیز بھی نہیں تھی یہاں تک کہ پانی کا گھڑا بھی نہیں تھا۔ اگر گھڑا ہوتا تو میں گھسٹتا ہوا ایک گلاس پانی پی لیتا۔

میرے دماغ میں سوچوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں کبھی اپنا سر نیچے جھکا لیتا اور کبھی سر اوپر کو اٹھا کر چھت کو گھورنے لگتا۔ تقریباً کوئی ایک گھنٹہ بعد ایک شخص اندر آیا، اس نے سفید دھوتی باندھ رکھی تھی اور اوپری دھڑ اس کا ننگا تھا اور گلے میں ایک جنیو ڈال رکھا تھا۔

”بالک تم اٹھ گئے! یہ دیوی کی کرپا ہے کہ تم مندر کے سامنے گر کر بے ہوش ہو گئے تھے، دیوی ماتا بڑی دیالو ہے، اپنے سیوکوں کا بہت خیال رکھتی ہے، تم بہت دکھی اور کشٹ میں مبتلا لگتے ہو۔ خیر اب تم چنتا نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ پنڈت نما شخص بولا۔

یہ تو مجھے پکا یقین ہو گیا تھا کہ وہ مندر کا پنڈت نہیں تھا کیونکہ اکثر مندر کے پنڈت بڑے گھمنڈی اور گردن اکڑو ہوتے ہیں۔

بولنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ ”میں پانی پینا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی کچھ کھانا بھی چاہتا ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں۔“

میرے ہاتھ کے اشارے کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھا اور اپنے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”ٹھہرو، میں ترنت کچھ نہ کچھ لے کر آتا ہوں۔“

چند منٹ بعد ہی وہ واپس آ گیا، اس کے ہاتھ میں پیتل کی ایک تھالی تھی۔ اس نے وہ تھالی میرے سامنے رکھ دی، تو میں نے دیکھا کہ اس تھالی میں کئی پوریاں اور

آلو کی بھجیا تھی۔ وہ بولا۔

"بالک تم کھانا شروع کر دو، میں پانی بھی لے کر آتا ہوں۔" اور وہ واپس چلا گیا۔ پھر وہ بہت جلد آیا اس کے ہاتھ میں ایک بہت ہی چھوٹا سا مٹی کا گھڑا اور ایک مٹی کا ہی پیالہ تھا، اس نے گھڑا اور پیالہ دیوار کے پاس رکھا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "بالک آرام سے کھاؤ، میں کشن کو بول آیا ہوں، وہ اور بھی پوریاں لے کر آتا ہی ہوگا۔"

ابھی میں نے ساری پوریاں کھائی بھی نہ تھیں کہ ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں بھی پیتل کی تھالی تھی اور تھالی میں گرم گرم پوریاں اور گرم بھجیا تھی، اس نوجوان نے تھالی میرے سامنے رکھ دی اور اس پنڈت نما شخص کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ "اب تو واپس چلا جا۔" وہ نوجوان ترنت واپس چلا گیا۔

میرے پاس جو بیٹھا تھا۔ مجھے کھاتا ہوا بغور دیکھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں ساری پوریاں بھجیا کے ساتھ کھا گیا۔ اور پھر گھڑے میں سے ایک کٹورہ پانی پیا۔ سچ کہتے ہیں کہ پیٹ میں روٹی جاتے ہی انسان میں اندرونی طور پر توانائی بھرنے لگتی ہے۔

پنڈت بولا۔ "بالک واقعی تم بہت بھوکے تھے، خیر گھبراؤ نہیں، اس مندر میں تمہارے ساتھ بیتے ہوئے سارے کشٹ ختم ہو جائیں، دیوی ماتا اپنے سیوکوں کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اب تم آرام کرو اور ویسے بھی کافی بھوک کے بعد جب منش کے پیٹ میں کھانا پڑتا ہے تو منش کو نیند آنے لگتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آنکھوں میں نیند بھر رہی ہے اور تم پر غنودگی چھا رہی ہے۔ اب میں چلتا ہوں، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دینا، میں آ جاؤں گا، میرا نام رام لال ہے۔"

اور یہ بول کر پنڈت نے برتن اٹھائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

بھوک کی وجہ سے میں نے کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ بھوک میں ہر چیز سواد والی لگتی ہے۔ میں فوراً دری پر لیٹ گیا اور اپنے گھر کو یاد کرنے لگا۔ کہاں میں لاڈ پیار میں پلا، اپنی پسند کا کھانے والا، نرم بستر پر سونے والا، کبھی کبھار کہیں اور جگہ اگر بستر سخت ہوتا تو آنکھوں سے نیند غائب ہو جاتی۔

میرے دماغ میں آیا۔ "بھگوان میں کون سی ایسی غلطی کر بیٹھا کہ میں ان حالات سے دو چار ہوا، پھر نہ جانے اور کتنے دن اور اذیت ناک حالات کو بھگتنا پڑے گا۔ میرے گھر والے مجھے نہ پا کر کس تکلیف دہ حالات سے گزر رہے ہوں گے۔ میں کیسے اور کیوں کر اچانک اس جادوگری میں پھنس گیا تھا۔

اور میں اچانک کس طرح اس محل میں پہنچا اور پھر جنتی کا ملنا اور اس کے بعد کئی جنموں کے حالات کو سامنے لا کر مجھے دکھانا اور پھر اس جنگل میں پہنچنا اس کے بعد اس ناری کے پتا سادھو کا غضب ناک ہونا اور شراب کے ساتھ یہ کہنا کہ ہر پورن ماشی کی رات میں ایک منش کی بلی......" یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو کہ میری سمجھ سے باہر تھیں۔

خیر تھکن اور بھوک کی وجہ سے میں بے حال تھا، بھوک مٹ گئی مگر ابھی تک میں تھکن سے چور چور تھا۔ پھر میرے دماغ میں تاریکی چھاتی چلی گئی اور میں نیند سے دو چار ہو گیا۔

اماوس کی راتوں کا اندھیرا پورے علاقہ پر چھا چکا تھا۔ اردگرد کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں بے یار و مددگار ایک طرف کو چلا جا رہا تھا۔ میں کہاں جا رہا تھا۔ یہ معلوم نہ تھا بس میں آگے ہی آگے چلتا جا رہا تھا۔ اچانک مجھے ایک جگہ ٹھوکر لگی اور میں منہ کے بل نیچے گر گیا۔ چوٹ کی درد سے میں بلبلا اٹھا، ابھی میں سنبھلنے اور اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب کان پھاڑ دینے والی کرخت آواز سنائی دی۔ "اوئے بھاگ......اٹھ جلدی کر......اوئے دیر نہ کر...... یہ راکھشس تیرا خون پی لے

گا.....جلدی اٹھ کر بھاگ۔"

اور پھر اس کے ساتھ کسی جانور کی زبردست غراہٹ سنائی دی۔ غراہٹ اتنی زبردست تھی کہ مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی، میں اندر سے سہم گیا مگر جان بچانی تھی اس راکھشس سے، میں جلدی سے اٹھا اور سامنے کی سمت بھاگنے لگا، پھر مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ واقعی کوئی عجیب الخلقت جانور تھا اور وہ بھی مجھے پکڑنے کے لئے میرے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

میرے دونوں ہاتوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ وہ کوئی راستہ نہیں تھا جس پر میں بھاگ رہا تھا جبکہ میرے اندازے کے مطابق وہ کوئی چٹیل میدان تھا، میں آگے اور وہ جانور میرے پیچھے، بھاگتے بھاگتے میری ٹانگیں جواب دینے لگی تھیں، میرا برا حال تھا، میرا سانس اپنی رفتار سے کئی گنا زیادہ چل رہا تھا۔ میں اس قدر تیزی سے سانس لینے لگا تھا کہ اگر کوئی اور بھی میرے ساتھ دو تین فٹ کے فاصلے پر دوڑ رہا ہوتا تو اسے واضح طور پر دھونکنی کی طرح چلتے میرے سانسوں کی آواز سنائی دیتی۔

صرف اور صرف میرے دماغ میں ایک بات تھی کہ میرے پیچھے ایک راکھشش لگا ہوا ہے اور یہ میرا خون پی جائے گا۔ ہر انسان کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے اور اپنی جان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جو انسان کو پیاری ہو۔ بھاگتے بھاگتے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا، بس صرف پیچھے لگے اس ہیبت ناک راکھشش کی غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔

شروع میں تو میری آنکھیں کھلی تھیں مگر اب تو میری آنکھیں خود بخود بند ہو چکی تھیں اور میں سرپٹ بھاگ رہا تھا، شاید میں کئی میل بھاگ چکا تھا۔

پھر اچانک میں نے محسوس کیا کہ اب میرے قدم زمین چھوڑ چکے ہیں اور میں جیسے آسمان سے نیچے زمین پر گر رہا ہوں۔ میں نیچے ہی نیچے اتھاہ گہرائی میں گرتا جا رہا تھا۔ میرا سر اوپر اور ٹانگیں نیچے کی طرف تھیں۔ میں گرتا رہا، مجھے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ میں کتنی گہرائی میں نیچے گر رہا ہوں۔

اور پھر میں اچانک چاروں شانے چت نرم مٹی پر دھپ سے گر پڑا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا، میری آنکھیں تو بند تھیں اور بند آنکھوں میں مزید اندھیرا چھا گیا، درد کی ایک کربناک ٹیس اٹھی اور میرے پورے بدن میں سرایت کرگئی۔ میرا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔ بڑی مشکل سے میں سانس لینے لگا تھا کہ یک لخت دل دہلانے اور کان پھاڑنے والی پھنکاریں سنائی دیں تو میں دہل اٹھا اور پٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں۔

اوہ! بھگوان! میری اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی سانسیں نیچے سینے میں اٹک گئیں۔ اور جیسے مجھ پر اچانک سحر پھونک دیا گیا ہو کہ میری آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور جسم جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ منظر ہی ایسا دلخراش اور ناقابل فراموش اور ناقابل یقین تھا، اگر میری جگہ کوئی پہلوان یا پھر بڑے سے بڑے دل گردہ والا اور موت کو سامنے دیکھ کر نہ گھبرانے والا بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو بھی لرزا دینے والا ہوتا تو وہ بھی کپکپا کر رہ جاتا کیونکہ میرے سامنے ہزاروں کی تعداد میں کالے اور سرخ رنگ کے زہریلے سانپ پھن کاڑھے اور پھنکارتے ہوئے میری طرف قہر برساتی آنکھوں سے گھور رہے تھے۔ کئی تو ایسے تھے کہ جن کے منہ سے شعلے تک نکل رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ان سانپوں میں ایک زبردست ناقابل بیان حد تک ہلچل مچ گئی تھی۔

وہ ایک بہت ہی چوڑا گڑھا تھا جس میں، میں گرا تھا، میں ایک دو فٹ اونچے چبوترے پر گرا تھا اور سارے سانپ اس چبوترے کے چاروں طرف پھنکار رہے تھے۔ وہ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا سارا زہر مجھ میں بھر دیں، ان کی بے چینی مزید بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں قہر بھر گیا تھا اور میں چبوترے کے بیچوں بیچ سہما ہوا بیٹھا تھا۔

اچانک ایک سانپ اپنی جگہ سے اچھلا اور تیر کی مانند تیزی سے آ کر میری گردن سے لپٹ گیا اور زبردست طریقے سے میرے ماتھے پر اپنا ڈنک مار دیا۔ درد کی ناقابل فراموش ٹیس اٹھی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ۔" میری فلک شگاف چیخیں قرب و جوار کو دہلانے لگیں۔

مجھے زبردست طریقے سے جھنجوڑا جا رہا تھا کہ پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں مدھم روشنی موجود تھی۔ کئی لوگ میرے گرد جمع تھے۔ میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پسینے میں میرے سارے کپڑے شرابور تھے۔ میری کپکپی ایسی تھی کہ جیسے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا ہو۔ پھر مجھے کچھ زیادہ ہی طاقت سے جھنجوڑا گیا۔

اور پھر میں شانت ہو کر وہاں پر موجود لوگوں کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ "لگتا ہے بالک نے کوئی بھیانک سپنا دیکھ لیا ہے۔" یہ پنڈت کی آواز تھی۔ "رام لال تم تھوڑا سے اس کے پاس بیٹھے رہو، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

پھر رام لال کی آواز سنائی دی۔ "تم لوگ اب جاؤ، میں اس کے پاس بیٹھا ہوں۔" رام لال کی آواز سنتے ہی وہاں پر موجود سب کے سب چلے گئے، پھر رام لال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک ہاتھ سے پانی کا کٹورا میرے منہ سے لگا دیا۔

کٹورا منہ سے لگتے ہی میں غٹا غٹ کٹورے کا سارا پانی پی گیا۔ مجھ پر ابھی بھی ہلکی کپکپی طاری تھی۔ میرے منہ سے نکلا۔ "پنڈت جی۔" ...... اور مجھے ایسا لگا جیسے کہ کسی نے میرا منہ بند کر دیا ہو کہ میں منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکوں۔

رام لال نے پانی کا ایک اور کٹورا میرے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر میں کٹورے کا سارا پانی پی گیا۔ پانی پینے کے بعد میری طبیعت تھوڑی سنبھلی اور میں نے رام لال کو غور سے دیکھا۔ کمرے میں موجود، دیا اپنی روشنی پورے کمرے میں پھیلانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"بالک تم نے ایسا کون سا بھیانک اور ڈراؤنا سپنا دیکھا کہ تمہاری چیخیں مندر کے ارد گرد کو دہلانے لگیں اتنی زور دار چیخیں تھیں۔ بچاؤ...... بچاؤ کہ اپنے کمرے میں سوئے ہوئے سارے لوگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور دوڑتے ہوئے اس کمرے میں آ گئے۔

یہی نہیں بلکہ بڑے پنڈت مہاراج بھی بھاگے بھاگے یہاں آ گئے۔ تمہاری حالت پانی سے باہر تڑپتی مچھلی سے بھی بدتر تھی۔ پہلے تو ہم نے سمجھا کہ شاید یہ تم پر مرگی کا دورہ تو نہیں پڑ گیا، مگر پنڈت مہاراج نے کہا کہ "ایسا کچھ نہیں، یہ مرگی کا دورہ نہیں بلکہ بالک کوئی بہت خوفناک اور ڈراؤنا سپنا دیکھ کر حال سے بے حال ہو گیا ہے۔"

"بالک ابھی تک تم نے اپنا نام نہیں بتایا بلکہ ہم نے تم سے تمہارا نام پوچھا ہی کہیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"پنڈت جی میرا نام پرتاب سنگھ ہے۔"

"اچھا تو تم ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے ہو، تم گھبراؤ نہیں، پنڈت مہاراج بہت گیانی ہیں، وہ بول رہے تھے کہ بالک کا نام معلوم ہو جائے تو میں اپنے گیان سے معلوم کرتا ہوں کہ اصل میں اس کے حالات اسے کس دھارے پر لے کر جا رہے ہیں۔"

اب تم آرام سے سو جاؤ، کل پوجا سے میں تمہیں لینے آؤں گا، تیار رہنا، صبح ہوتے ہی تمہیں جل پانی مل جائے گا، میں نے تمہارے لئے کپڑے کا ایک جوڑا بھی وہ دیکھو سامنے رکھ دیا ہے، راموکا تمہارے پاس آ جائیں گے اور باقی باتیں وہ تمہیں سمجھا دیں گے، اب میں چلتا ہوں، کسی قسم کی چنتا نہ کرو، لوگ کہتے ہیں کہ اگر منش اپنی بھوک سے زیادہ کھا لے تو اس صورت میں بھی سپنے نظر آتے ہیں، خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں، بھور سے میری تم سے ملاقات ہو گی۔" اور پھر رام لال میرے پاس سے اٹھ کر چلا گیا، اور میں دری پر لیٹ کر حال اور ماضی کے تانے بانے ملانے لگا۔ اب نیند تو میری آنکھوں سے کوسوں بلکہ ہزاروں میل دور جا چکی تھی۔

میں لیٹ کر کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا اور پھر اسی طرح صبح کی سپیدی ہر طرف پھیلنے لگی۔ میں اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا آدمی میرے کمرے میں آیا اور بولا۔ ”رام لال جی نے بتایا ہے کہ تمہارا نام پرتاب ہے اور میرا نام رامو ہے۔ رام لال جی نے کہا ہے کہ میں تمہیں ضرورت کی ساری جگہیں دکھلا دوں، اور پھر تم ضرورت سے فارغ ہو کر اشنان بھی کر لینا۔ چلو اٹھو، میرے ساتھ آؤ۔“ رامو نے کہا۔

”جی رامو کاکا، چلیں۔“ میں نے کہا اور اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے ساری جگہیں مجھ کو دکھلا دیں۔ تھوڑی دیر میں، میں اشنان سے بھی فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا، پھر رامو کاکا ایک تھالی میں گرم گرم پوریاں اور مکس بھجیا لے کر آ گئے۔

میں نے ناشتہ کیا اور پھر ناشتہ کے بعد رامو کاکا مجھے لے کر اس احاطہ میں بنے مندر میں لے گئے۔ میں نے جھک کر دیوی ماتا کو پرنام کیا۔ مندر میں اس وقت بہت سارے لوگ موجود تھے۔ پنڈت مہاراج اپنے کام میں مصروف تھے، لوگوں کا چڑھاوا لیتے اور دیوی ماتا کے چرنوں میں رکھ دیتے اور نقدی ایک بڑے بکس میں ڈال دیتے۔ ایک طرف رام لال موجود تھے انہوں نے اشارہ کیا تو میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

اگر بتی کی خوشبو پورے مندر کو مہکا رہی تھی۔ پھر بھجن گانے کا سے شروع ہوا، چار کنواری ناریاں بھجن گانے لگیں۔ میں نے ان ناریوں کو غور سے دیکھا۔ سب کی سب بہت صحت مند تھیں، ان کے نین نقش قابل تعریف تھے، سب کا لباس ایک جیسا تھا، گھاگرا اور کسی ہوئی چولی میں وہ بہت ہی زیادہ جاذب اور دلکش نظر آ رہی تھیں۔ ان سب کا کسا کسا اور گدرایا ہوا جسم، دل و دماغ کو مسوس رہا تھا۔ یہ سب وہ ناریاں تھیں جو کہ دیوی ماں کی سیوا کے لئے مندر کو وقف تھیں، ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہر سے مندر میں ہی ہوتا تھا۔

دن کے دس بجے تک لوگوں کا مندر میں آنا جانا لگا رہا، دیوی ماں کے چرنوں میں چڑھاوے چڑھائے جاتے رہے، وہ چاروں ناریاں لہک لہک کر سارے کام کر رہی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیوی کے چرنوں میں موجود چڑھاوے اٹھا کر اندر کہیں لے بھی جاتی رہیں۔ اچانک ان چاروں میں سے سامان اٹھاتے ہوئے ایک کے ہاتھ سے پیتل کی تھالی پھسل کر گر پڑی تو فوراً پنڈت مہاراج نے غضبناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا مگر فوراً اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجہ میں کہا۔ ”کامنی سنبھل کر دیکھ بھال کر۔“ میں نے محسوس کیا کہ پنڈت کا لہجہ اچانک یوں نرم پڑا تھا کہ ”اس وقت کئی لوگ مندر میں موجود تھے اور ان لوگوں میں گاؤں کے مکھیا ٹھاکر صاحب بھی موجود تھے۔“

اور بڑے پنڈت کو لوگوں اور ٹھاکر کے سامنے یہ تو دکھانا مقصود تھا کہ مندر کے پنڈتوں کی زبان بہت نرم ہوتی ہے اور لوگوں کے لئے ان کے دل میں بہت نرم گوشہ ہوتا ہے۔

کامنی کے ہاتھ سے دراصل تھالی یوں پھسلی تھی کہ اس وقت اس نے اپنی نظریں اور دھیان مجھ پر مرکوز کر دی تھیں۔ لیکن یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ کوئی اور اس بات کو سمجھ نہ سکا تھا۔

خیر ساڑھے دس بجے تک لوگوں کا مندر میں آنا بند ہو گیا۔ پنڈت مہاراج نے میرے ماتھے پر صندل کا تلک لگایا اور پرشاد دیا اور پھر کہا۔ ”پرتاب اب تم اپنے کمرے میں جاؤ، میں دوپہر میں تمہارے پاس آؤں گا۔ اور تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

مہاراج کی بات سن کر میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ جب میں اپنے کمرے میں آیا تو دیکھا کہ دری پر ایک چادر بچھی ہوئی ہے اور ایک تکیہ بھی موجود تھا۔ ایک کونے میں ایک چھوٹا گھڑا اور اس گھڑے پر ایک مٹی کا پیالہ بھی موجود تھا۔ میں کمرے میں تھوڑی دیر بیٹھا اپنے کرموں کے بارے میں سوچتا رہا، پھر میں لیٹ گیا اور پھر آنکھیں بند کر کے سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں

پہنچ گیا۔

ابھی مجھے لیٹے کوئی آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ کمرے میں آہٹ محسوس ہوئی، آنکھیں کھول کر دیکھا تو میرے سامنے رام لال جی کھڑے تھے اور ان کے سامنے وہی مندر والی لڑکی کامنی بھی موجود تھی۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تو رام لال جی میرے سامنے بیٹھ گئے پھر انہوں نے اشارہ کیا تو کامنی بھی ان کے برابر میں بیٹھ گئی اور اپنی گردن جھکالی۔

رام لال بولے۔ ''پرتاب یہ کامنی ہے۔ یہ مندر کے سیوکوں میں سے ہے۔ یہ مندر کی دان کنیا ہے، بہت ہی من کی سندر اور کام ایسے کرتی ہے کہ جیسے اس کے پاؤں میں بجلی بھری رہتی ہے۔ بڑے مہاراج نے تمہارے کام کے لئے اسے بھیجا ہے، یہ تمہارے کھانے پینے کا پورا خیال رکھے گی۔

مہاراج کا یہ بھی کہنا ہے کہ تم بہت دکھی اور کشٹ میں ہو، تم کوئی معمولی منش نہیں ہو، تم کئی جنموں میں بڑے بھاگوان رہے ہو، اور اس موجودہ جنم میں بھی تم بہت دیالو، دوسروں کا درد بانٹنے والے، اور منش پر رعب، دبدبہ اور حکومت کرنے والے ہو، مگر پچھلے جنم میں تم سے کچھ کام ایسے ہوگئے ہیں کہ اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا ہے، اور کچھ عرصہ تک تمہیں اس مندر میں رہنے سے سکھ ملے گا، ایک آتما تمہارے پیچھے پڑگئی ہے۔ وہ آتما تم سے بہت ناراض ہے اور اسی کارن ابھی تک تم گھر سے بے گھر ہو رہے ہو، دولت تمہارے گھر کی باندی رہے گی، مگر شانتی کے لئے تم......'' اور رام لال نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ''اب تم آرام کرو، اب میں تم سے کام ہوگا تو ملوں گا، اور یہ کامنی تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھے گی۔ ویسے بڑے مہاراج خود تم سے ملنے آئیں گے۔

پرتاب ے سے گھبرانا بزدلی ہے اور جو لوگ ہمت نہیں ہارتے وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور ہاں مندر سے کچھ دنوں تک باہر نکلنا تمہارے لئے ٹھیک نہیں، یہ بھی مہاراج کہہ رہے تھے۔ ٹھیک ہے میں چلتا ہوں، کامنی اب تو بھی جا اور وقت پر پرتاب کا کام کردیا کرنا، کوئی شکایت نہ ہو۔''

''جی پنڈت جی آپ کو یا پرتاب بابو کو میری ذات سے ذرہ بھر بھی شکایت نہیں ہوگی۔'' اور یہ بول کر کامنی رام لال کے ساتھ ہی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اور میں لیٹ کر سوچوں کے گرداب میں تھپیڑے کھانے لگا۔ اور یہ سوچنے بھی لگا کہ ''اب دیکھو سے کیا دکھلاتا ہے۔''

میں سوچوں میں گھرا تھا میری آنکھیں بند تھیں کہ کمرے میں آہٹ ہوئی اور آہٹ پر میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور ترنت اٹھ بیٹھا کیونکہ میرے سامنے بڑے پنڈت جی کھڑے تھے اور ان کے ساتھ رام لال بھی تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو پنڈت جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور بولے۔ ''پرتاب بیٹھو۔''

میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، ساتھ ہی دونوں پنڈت مہاراج بھی بیٹھ گئے۔ پھر مہاراج نے کہا۔ ''پرتاب تمہارے حالات میرے سامنے آگئے ہیں، میں نے اپنے گیان سے سب کچھ معلوم کرلیا ہے، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارا یہ رام لیلا کئی جنموں سے چل رہا ہے، یہ سب کرموں کا پھل ہے، جس کے کرم میں جو لکھا جائے، ایشور کرم لکھ دیتا ہے مگر اس میں منش کا اپنا اچھا بھی ہوتا ہے، منش اپنے من کے مطابق اپنے کو حالات کے حصار میں ڈھال لیتا ہے۔

یہ بھی منش کا ہی کام ہے کہ وہ اپنے لئے نرک چنے یا پھر سورگ کے لئے کوشش کرے، ایشور نے کسی کو ظالم جابر، کرم کا کھوٹا، جنم جلا یا پھر پاپی نہیں پیدا کرتا، اب اسی کو دیکھ لو جب برسات ہوتی ہے تو اس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب دھوپ نکلتی ہے تو دھوپ سب پر پڑتی ہے اب یہ منش کا کام ہوتا ہے کہ وہ اس سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے۔

ایک آتما جو تمہارے ساتھ ساتھ جنم لیتی رہی۔ تم دونوں سنسار میں آتے رہے، تم دونوں کا ویواہ نہ ہوسکا، تم دونوں ہر جنم میں کسی نہ کسی بہانے ختم ہوتے رہے مگر

اس جنم میں تم دونوں بچھڑ گئے۔ اس کا خاتمہ ہوگیا اور تم جیوت ہو، اور اب وہ تمہارے لئے بھٹک رہی ہے، تمہارے بنا اسے ایک پل بھی چین نہیں، وہ تمہیں ڈھونڈ رہی ہے اور دوسرا وہ ہے جس نے تمہیں جنگل میں چتاونی دی ہے، تم نے اس کی پتری کے ساتھ انیائے کیا، وہ بہت غضبناک حالت میں ہے، اس نے جو بھی کہا ہے وہ کرا کے رہے گا، تمہارے حالات کو وہ ایسا کر دے گا کہ تم اس کی اچھا پوری کرنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکو گے، اب تم کچھ دنوں تک اس مندر میں رہو، اگر تم باہر گئے تو ہوسکتا ہے کہ تمہارا نقصان ہو جائے۔ میری باتوں پر دھیان دینا، میں بھی سوچتا ہوں کہ کوئی راستہ نکل آئے، ویسے بھی ہم گاؤں والے ان دنوں ایک خونی آتما سے پریشان ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں، آرام کرو، اب میں چلتا ہوں، یہاں پر تمہیں کوئی کشٹ نہیں ہوگا، کھاؤ پیو اور آرام سے رہو۔'' اور یہ بول کر پنڈت مہاراج کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

ساتھ ہی رام لال جی بھی اٹھے اور اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ''اب مطمئن رہو، کسی بات کی چنتا نہ کرو۔'' اور وہ بھی پنڈت مہاراج کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئے۔

''میں انہی سوچوں میں گم ہوگیا۔ اچانک میری سوچوں پر یلغار ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ میرے موجودہ جنم سے پچھلے جنم میں مجھ سے کون سی غلطی یا پھر میں نے کون سا پاپ کیا کہ اس کی سزا میں اس جنم میں بھگت رہا ہوں اور پھر آئندہ اس سے زیادہ اذیت ناک اور کٹھن سزا بھگتنا پڑے گا۔ بہرحال یہ میرے بس سے باہر تھا کہ میں اپنے پچھلے جنم کی غلطیوں اور پاپوں کے بارے میں جان سکوں، اور پھر یہ ایک انسان کے لئے کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے جنم کے حالات کو جان سکے، میں سوائے سوچ کے اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں کرنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

پھر میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ آنے والے وقتوں میں میرا واسطہ کئی اذیت ناک حالات سے پڑے گا اور وہ کیا واقعات ہوں گے جنہیں میں جھیل پاؤں گا۔ صرف ایک بات میرے سامنے تھی اور جس کی نشاندہی ابھی ابھی پنڈت مہاراج نے کی تھی اور اس سے پہلے جنگل میں سادھو نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''تجھے ہر پورن ماشی کی رات میں ایک منش میرے حوالے کرنے ہیں تاکہ اس کی بلی دی جائے۔'' منش کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ جوان ہو بلکہ وہ منش سن بلوغت کو نہ پہنچا ہو، چاہے وہ پرش ہو یا ناری۔ دونوں ہی قابل قبول تھے۔ یہ بھی کوئی قید نہ تھا کہ وہ غریبوں بلکہ میرے اپنے خونی رشتے دار یا قلبی لگاؤ والے بھی ہوسکتے ہیں۔

میں ان ہی تمام سوچوں میں محو تھا کہ کمرے میں کسی کی آمد پر آہٹ ہوئی اور میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا تو سامنے کامنی کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں اٹھ بیٹھا۔ کامنی کے ہاتھ میں ایک بڑی پیتل کی تھالی تھی۔ اس نے وہ تھالی میرے سامنے رکھ دی اور پھر جھٹ گھڑے میں سے پیالے میں پانی بھرا اور وہ پیالہ بھی میرے سامنے رکھ دیا۔ ''باجو جی! آپ کھانا کھا لیں، اس وقت کھانے کا سمے ہے، دن کے ڈیڑھ بج رہے ہیں۔'' میں اٹھا اور ہاتھ دھو کر کھانے کے لئے تیار ہوگیا۔ کامنی ابھی تک بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ تھالی میں چھوٹی چھوٹی دو روٹیاں، تھوڑے سے چاول اور دال بھجیا تھی۔ ''کامنی تم بھی کھانا کھاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ بولی۔ ''بابو جی! یہ آپ کا کھانا ہے، آپ کھائیں، میں بعد میں کھا لوں گی۔''

بہرحال میں نے ضد نہیں کی اور کھانے میں مصروف ہوگیا۔ میں کھاتا رہا اور وہ مجھے یک ٹک دیکھتی رہی، جب میں کھا چکا تو اس نے برتن اٹھائے اور چپ چاپ مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ رات میں وہ پھر رات کا کھانا لے کر آئی اور میرے سامنے کھانا رکھ کر خود ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ میں نے پھر اسے کھانے کے لئے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا جو کہ دوپہر میں دے چکی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد میں بولا۔ ''کامنی اگر میں تم سے چند باتیں پوچھوں تو کیا تم جواب دو گی؟ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''نہیں بابو جی! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں۔'' وہ بولی۔

''اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم اس مندر میں کتنے عرصے سے ہو؟''

''بابو جی! میں اس مندر میں کوئی آٹھ سال سے ہوں۔'' وہ بولی۔

''کامنی اس وقت تمہاری عمر کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری عمر سولہ سال ہے، آٹھ سال کی عمر میں میری ماتا اور پتا نے مجھے دیوی ماتا کی سیوا کے لئے مندر میں دان کر دیا تھا۔ مجھے دان کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ میرے گھر والوں پر کوئی کشٹ نہ آئے، اور جو پریشانیاں تھیں وہ ختم ہو جائیں۔'' اس نے ایک ایک لفظ کو جیسے چبا چبا کر بتایا۔

''کامنی کیا تم مندر میں اور اپنے حالات سے خوش ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

وہ بولی۔ ''بابو جی! کیا آج آپ اپنے حالات سے خوش ہیں؟''

میں کامنی کی بات سن کر چکرا کر رہ گیا، کیونکہ میں اپنی خوشی سے مندر میں موجود نہیں تھا بلکہ مجبوریوں اور پریشانیوں کا وہ ناقابل برداشت پہاڑ تھا جس کے نیچے دب کر میں مندر کے اذیت ناک کمرے میں پڑا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان حالات کی چکی میں پسنے لگتا ہے تو وہ اپنی مجبوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔

''اچھا تم یہ بتاؤ کیا تمہارا من چاہتا ہے کہ تم اس زندگی سے چھٹکارا پالو اور مندر سے باہر کی دنیا دیکھو اور آزاد فضا میں سانس لو؟ کیا اس کے متعلق کبھی تم نے سوچا ہے؟''

''بابو جی! میں ہی کیا بلکہ ہر مجبور انسان گھٹ گھٹ کر جینے سے بھاگنا چاہتا ہے، جب ایک پرندے کو پنجرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس پرندے پر کیا گزرتی ہوگی کوئی اس سے پوچھے۔ پنجرے میں وہ قید پرندہ کھاتا پیتا ضرور ہے مگر یاس و محرومی کی نظر سے ہر وقت تکتا رہتا ہے اور سوچتا ہے کہ شاید کسی دن پنجرے کا دروازہ کھل جائے۔ دن بھر وہ آس لگائے پنجرے میں چکر کاٹتا رہتا ہے اور جب اندھیرا پھیل جاتا ہے تو اپنی آنکھیں موند کر اپنا سر اپنے پروں میں سمو کر بے سدھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس آس میں آنے والا دن بھی کٹ جاتا ہے۔'' وہ بہت ہی گمبیر لہجے میں بولی۔

میں بے سدھ ہو کر اس کی باتوں کو سوچنے لگا، کیونکہ اس نے واضح الفاظ میں خود کو پنجرے میں قید پرندے سے تشبیہ دی تھی۔ میں اس پر اپنی نظریں جمائے دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے سوال کر رہی ہے کہ ''بابو جی بولو، تمہارے پاس کیا جواب ہے؟''

پھر اس نے جھٹ کھانے کے برتن اٹھائے اور مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

کامنی کی معصومیت، بھولپن، درد میں ڈوبی باتیں، بے کسی کی زندگی اور پھر قید میں ہے بلبل اور صیاد مسکرانے والی کچوکے لگاتی نگاہوں نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا، میں رات بھر سو نہیں سکا، پوری رات کروٹیں بدلتا رہا اور کب صبح کا اجالا پھیلا مجھے پتہ نہ چلا۔

لیکن پھر صبح ہونے کا پتہ اس وقت چلا جب کامنی میرے لئے صبح کا ناشتہ لے کر کمرے میں آئی، اور مجھ پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی اور بولی۔ ''بابو جی! میں آپ سے معافی مانگتی ہوں، آپ کو میری باتوں سے دکھ پہنچا، رات بھر آپ جاگتے رہے اس کا اندازہ مجھے ہے کیونکہ میں اپنی باتوں پر رات بھر پچھتاتی رہی ہوں اور آپ کی حالت اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ بھی رات بھر سوئے نہیں۔ بابو جی! مجھے معاف کر دیں ورنہ میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی کیونکہ میں نے آپ کے من کو

کشٹ دیا، اور کامنی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے آگے دوزانوں ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے جھٹ کامنی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”کامنی ایسی بات نہیں۔ تم نے کوئی غلط بات نہیں کی، تم نے تمام باتیں سچ کی ہیں اور میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ تم واقعی پنجرے میں قید پنچھی جیسی ہو، اندرونی طور پر تمہارا من آزاد رہنے کو چاہتا ہے، لیکن تمہاری مجبوریوں نے تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔

اب تم مجھے ہی دیکھ لو، میرے گھر میں نوکر چاکر، میں سونے اور چاندی کے چمچے سے دودھ پینے والا، میرے پتا گاؤں کے مکھیا ہیں اور میں مجبوری کے تحت بھول بھلیوں میں پڑ کر آج یہ دردناک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ میں بھگوان کی کرپا سے مایوس نہیں ہوں۔

تم گھبراؤ نہیں، جہاں تک ہو سکا میں تمہاری مدد کروں گا اور قید کی زندگی سے نکال کر آزادی دلاؤں گا، اپنے من کو دکھی نہ کرو، یہ میرا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن بلکہ بہت جلد آزاد فضاؤں میں تم سانس لوگی، بس مجھے اپنے گھر پہنچنے کی دیر ہے۔“

میری باتیں سن کر کامنی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تو اسے دیکھ کر میرا من مچل اٹھا، میں نے اس کے آنسو صاف کئے اور اس کے گال تھپتھپا کر اسے دلاسہ دیا، اور بولا۔ ”چلو جلدی سے اچھے بچوں کی طرح مسکراؤ۔“ اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اس کا مرجھایا ہوا گلابی چہرہ کھل اٹھا۔ ”بابو جی! آپ ناشتہ کریں، آپ کی باتوں سے مجھے بہت ڈھارس ہوئی ہے، میں دیوی ماں کی چرنوں میں اپنا ماتھا ٹیک کر پرارتھنا کروں گی کہ آپ کے سارے کشٹ دور ہو جائیں اور آپ کو اپنے مقصد میں بہت جلد کامیابی ملے تا کہ آپ بھی ہنسی خوشی زندگی گزاریں۔“ کامنی بولی۔

خیر میں ناشتہ کرنے لگا، وہ میرے سامنے بیٹھی مجھے غور سے دیکھتی رہی کہ میں نے ایک نوالہ بنا کر اس کے منہ کی طرف بڑھا دیا تو مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے میرے ہاتھ کا نوالہ اپنے منہ میں رکھ کر بہت جذباتی انداز سے مسکرانے لگی۔ جب میں ناشتہ کر چکا تو اس نے برتن اٹھائے اور مسکراتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اور پھر میں خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔

اب مجھے مندر میں رہتے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ روز کا معمول تھا کہ میں صبح ہی صبح اٹھتا اور ضروریات سے فارغ ہو کر ناشتہ کرتا اور پھر مندر میں جا کر پوجا میں شامل ہوتا، بڑے مہاراج روزانہ میرے ماتھے پر تلک لگاتے اور پھر ایک مقررہ وقت پر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آجاتا، دن میں دوپہر کے بعد دن میں ایک مرتبہ رام لال جی میرے کمرے میں ضرور آتے اور میری خیر خیریت دریافت کرتے اور چلے جاتے مگر جاتے جاتے یہ ضرور پوچھتے کہ ”کامنی تمہاری سیوا ٹھیک طرح کرتی ہے یا نہیں۔“

میں جواب دیتا۔ ”پنڈت جی، کامنی اپنی ڈیوٹی خوب اچھی طرح دے رہی ہے مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں، میں بہت خوش ہوں، آپ نے اور بڑے مہاراج نے مجھ پر جو کرپا کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور میری دیوی ماں سے پرارتھنا ہے کہ دیوی ماں آپ لوگوں پر کرپا کرے۔“

آٹھویں دن پنڈت رام لال جی! ایک لالٹین لائے اور بولے۔ ”پرتاب آج سے یہ لالٹین تمہارے کمرے میں رہے گا اور شام میں اسے جلا لینا، ویسے تمہیں کشٹ کرنے کی ضرورت نہیں، کامنی اسے جلا دیا کرے گی۔“ اور یہ بول کر وہ چلے گئے۔

اب روزانہ شام میں کامنی لالٹین جلا دیا کرتی تھی، لالٹین میں مٹی کا تیل بھی وہ خود ہی ڈالا کرتی تھی اور میرا روز کا معمول تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر جب سونے لگتا تو لالٹین بجھا دیا کرتا تھا۔ کیونکہ ویسے بھی مجھے اندھیرے میں سونے کی عادت ہے۔

اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں، اب چاند کا

آسمان پر نام ونشان نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جب یہ اماوس کی راتیں شروع ہوئیں تو سرشام ہی پوری بستی پر سناٹا چھا جاتا، اندھیرا پھیلتے ہی گاؤں کے سارے لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک پڑتے تھے۔ اب تو رات میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔

ایک دن بڑے پنڈت مہاراج میرے کمرے میں آئے اور بولے۔ "بالک اماوس کی راتیں شروع ہو چکی ہیں اور میں تمہیں چتاونی دیتا ہوں کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی تم کسی کام سے باہر نہ نکلنا اور خاص طور پر مندر کی چہار دیواری سے تو نکلنا بھی نہیں۔ میری باتوں کو خوب یاد رکھنا۔" اور یہ بول کر وہ چلے گئے۔ میں ان کی باتوں پر غور کرنے لگا کہ مہاراج نے ایسا کیوں کہا۔

"کیا اماوس کی راتوں میں یہاں کوئی خطرہ ہوتا ہے، ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے ورنہ بڑے مہاراج اس طرح چتاونی نہ دیتے۔"

رات میں جب کامنی کھانا لے کر آئی تو میں نے اس کا تذکرہ اس سے کیا اور پوچھا۔ "کامنی آخر کیا بات ہے کہ بڑے مہاراج نے ایسا کہا ہے؟"

"بابو جی! آپ کھانا کھائیں میں آپ کو بعد میں بتادوں گی، لیکن بڑے مہاراج نے جو کچھ بھی کہا ہے آپ اس پر عمل کیجیے گا۔ اگر رات میں کوئی آپ کا نام لے کر بھی پکارے تب بھی آپ اپنے کمرے سے مت نکلیے گا، ایسا کیوں ہے میں آپ کو بتادوں گی، آپ فی الحال کھانا کھائیں اور خاموشی سے سو جائیں، ویسے فکر کی کوئی بات نہیں۔"

میں نے کھانا کھایا اور جلدی سے کامنی نے برتن اٹھائے اور کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لالٹین بجھادی اور لیٹ کر حالات کے متعلق سوچنے لگا کہ پھر مجھے نیند آ گئی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، اچانک میری آنکھ کھل گئی تو میرے کانوں میں آواز سنائی دی، گھوڑوں کے ہنہنانے کی اور ساتھ ہی ایسا لگا کہ کسی بھی سڑک پر گھوڑے دوڑ رہے ہوں، وقت کے ساتھ ساتھ آواز واضح اور قریب ہونے لگی۔

اچانک میرے کمرے میں کوئی آیا، اس سے پہلے میں اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھا تھا۔ آنے والا میرے بہت قریب بیٹھ گیا اور پھر اچانک وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ پھر سرگوشی سنائی دی۔ "بابو جی! میں کامنی ہوں، گھبراؤ نہیں۔ آج وہ پھر آ گیا......"

☆☆☆